تفسیر نور الثقلین
جلد پنجم
مفسر
محدث جلیل العلامۃ الخبیر الشیخ عبد علی الحویزی
مترجم
حجۃ الاسلام علامہ محمد حسن جعفری
تدوین ونظر ثانی
حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

نام کتاب	:	تفسیر نور الثقلین (جلد پنجم)
مفسر	:	محدث عبد علی بن جمعۃ العروسی الحویزی
مترجم	:	حجۃ الاسلام علامہ محمد حسن جعفری
نظر ثانی	:	حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری
پروف ریڈنگ	:	غلام حیدر چودھری
اشاعت	:	فروری ۲۰۱۱ء
ناشر	:	طٰہٰ پبلشنگ سینٹر
ہدیہ	:	۳۰۰ روپے
بصد شکریہ	:	ادارہ منہاج الصالحین

ملنے کا پتہ
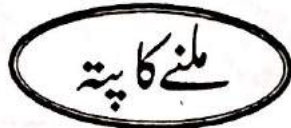
عباس بک ایجنسی درگاہ حضرت عباسؑ، رستم نگر لکھنؤ

فون: 2647590 موبائل: 9415102990, 9369444864

ایسے لوگوں کا نامۂ اعمال کھلا رہتا ہے

کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی اولاد اُن کی زندگی میں خدمت بجالا کر اُن کی دعائیں لیتی ہے، اور وہ اپنے اس عملِ خیر سے مقربِ خدا ٹھہرتے ہیں۔ ایسے والدین کی تو آخرت سنور جاتی ہے جن کے مرنے کے بعد اُن کی نیک سیرت اولاد اپنے مرحومین کو فراموش نہیں کرتی، بلکہ اُن کی اَرواح کو شاد کرنے کے لیے پیچھے سے اُن کے لیے آخرت کا زادِ راہ بھیجتی رہتی ہے۔

اس کی ایک مثال نارووالی شیخ برادری کے عظیم سپوت جناب الحاج شیخ کامران مہدی صاحب دامت توفیقاتہ ہیں کہ جنھوں نے بالخصوص اپنے والد مرحوم و مغفور شیخ مبارک علی صاحب لڈواں والے اور اپنی والدہ مرحومہ ثریا بیگم صاحبہ اور بالعموم اپنے خاندان کے مستحق مرحومین و مرحومات کے ایصالِ ثواب کے لیے جو مذہبی و عملی اقدامات اُٹھائے اُن میں قرآن خوانی، ترحیمی مجالس عزاء اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ اس کتاب کی اشاعت کا مکمل ذمہ لیا ہے، پروردگار! بحق محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے صدقہ میں اِن کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے اور ان کے مرحومین کو آلِ اطہارؑ کے قرب میں جگہ نصیب فرمائے۔

قارئین کرام سے شیخ کامران مہدی صاحب کے مرحومین کے لیے سورۂ فاتحہ اور سورہ اخلاص کی تلاوت اور بلندیٔ درجات کے لیے دُعا کی استدعا ہے۔

ریاض حسین جعفری

سربراہ ادارہ منہاج الصالحین

فہرست

جلد پنجم

جلد پنجم

○○○

گفتارِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِی اَھْلِ بَیْتِی اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِی اَبَدًا۔

قرآنِ حکیم کلامِ الٰہی اور معجزۂ پیغمبر ﷺ ہے جو رہتی دنیا تک بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کے لیے رہنما کتاب اور الہامی صحیفۂ مستطاب ہے۔ پہلی صدی ہجری سے لے کر آج تک جس قدر تفسیر و تشریح اس کتاب کی کی گئی ہے اس کی مثال روزِ ازل سے لے کر تا امروز نہیں ملتی اور نہ ہی کبھی مل سکے گی۔ اس کی تفسیر و توضیح ہر دور کے تقاضوں اور ہر نسل کی ضرورتوں کے مطابق اگرچہ نہایت ضروری ہے مگر یہ تفسیر ہر کس و ناکس کی سوجھ بوجھ، غور و فکر اور نتیجہ و رائے کی متحمل نہیں ہوسکتی بلکہ حقیقی تفسیر وہ ہے جسے خود قرآن واضح کرے۔ لہٰذا بہترین تفسیر وہی ہوسکتی ہے جو ناطق قرآن کے منہ سے نکلے۔ پیغمبر اکرم ﷺ اور ان کی عترتِ طاہرہ کے اخبار و روایات قرآن حکیم کی بہترین تفسیر کے مظہر ہیں، اسی لیے محدثِ کبیر، عالمِ خبیر، فقیہ کلاں، مدرسِ قرآن عبدِ علی بن جمعۃ العروسی الحویزی نے فلسفی، کلامی، ادبی، صوفی یا خود رائی تفسیر کے بجائے روائی تفسیر کو اصل تفسیرِ قرآن جانا اور نہایت تحقیق و تدقیق کے بعد بہترین اسلوب میں اپنی کاوش نور الثقلین پیش کی۔ ثقلین ثقلِ اکبر اور ثقلِ اصغر کے مجموعے کو کہتے ہیں جن سے مراد قرآن و اہلِ بیتؑ ہیں اور علامہ عبدِ علی کا یہ شاہکار ان ہر دو کے نور کو پھیلانے کی عظیم کوشش ہے۔

قرآن کلامِ طیبہ و حسنہ ہے اور اس سے کلامِ رذیلہ و سیئہ کا ملاپ ارتکابِ کفر ہے۔ سورۂ ابراہیم آیات ۲۴ تا ۲۶ میں ارشادِ رب العزت ہوتا ہے:

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاکیزہ کلام کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے (یعنی) پاکیزہ درخت کے مانند، جس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں ہوں (اور جو) اپنے پروردگار کے حکم سے ہمہ وقت پھل لاتا اور میوے دیتا ہو اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے کہ وہ نصیحت پکڑیں اور ناپاک کلام کی مثال ناپاک درخت کی سی ہے کہ جسے زمین کے اُوپر ہی سے اُکھاڑ کر پھینک دیا جائے' اس کو ذرا بھی قرار نہیں''۔ گویا کلامِ توحید کے مقابلے میں کلامِ شرک کبھی پنپ نہیں سکتا اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے ملانا سونے میں پیتل ملانے کی ناکام کوشش اور خام کاوش ہے۔

علم شے پر ہے جہل شے غالب

ہر اناڑی ہے اپنے فن کا امام

قرآن کلامِ معصوم ہے اور اس کی تفسیر بھی معصومؑ ہی سے ممکن ہے۔ معصومؑ ہستیوں کی تعلیمات کے صراطِ مستقیم سے ہٹ کر نئے راستے نکالنا مردود امر ہے۔ یہ مردود کوششیں جب اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہیں تو نیزے پر قرآن سنایا جاتا ہے اور شب تار کو روزِ روشن سے جھٹلایا جاتا ہے۔ مضامینِ قرآن اور مفاہیمِ قرآن کا یہ تحفظ نزولِ قرآن سے لے کر آج تک جاری و ساری ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ چودھواں معصومؑ پردۂ غیبت میں ''ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں'' کے مطابق محافظتِ قرآن پر مامور ہے۔ گویا کلمۂ طیبہ اور شجرۂ طیبہ لازم و ملزوم ہیں۔

الحمدللہ ادارہ منہاج الصالحین معصومینؑ کے مشن کی تکمیل میں حسب استطاعت اور حسب توفیق سرگرم عمل ہے۔ تقریباً دوسو کتب کی اشاعت کے بعد تفسیرِ قرآن کو شائع کیا جا رہا ہے اور تفسیر بھی وہ جو روایاتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر مبنی ہے۔ کیونکہ مذہب اہلِ بیتؑ کے مطابق جو روایات اصل قرآن سے مطابقت رکھتی ہیں وہی قبول کی جاتی ہیں اور باقی رد کردی جاتی ہیں۔ چنانچہ تفسیر قرآن بھی اہلِ بیتؑ سے مروی روایات ہی سے ممکن ہے۔ نورالثقلین ایک مجموعۂ علم و معرفت ہے' فضائل و مناقب اہلِ بیتؑ کا انسائیکلوپیڈیا ہے اور قرآن میں مذکورہ حکایات' معاملات اور عبادات کا مفصل چارٹر ہے۔ ہم نے حجۃ الاسلام علامہ محمد حسن جعفری صاحب کے تعاون سے اس کی پہلی جلد اُردو میں نہایت ذوق و شوق سے شائع کی تو مومنین کرام نے اس کا نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا۔ ترجمے کا کام جاری رہا۔ دوسری' تیسری اور چوتھی جلدوں میں مخیّرین نے بھی اپنے مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لیے ادارہ کا ہاتھ بٹایا اور اب بفضلِ خدا پانچویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

پہلی چار جلدوں میں ہماری نظرثانی کے باوجود اگر کچھ کمی کجی رہ گئی ہے تو آئندہ اڈیشن میں وہ بھی پوری کر دی جائے گی۔ پانچویں جلد کے مسودہ کی نوک پلک سنوارنے میں برادرم پروفیسر مظہر عباس چودھری نے علمی و ادبی تعاون سے نوازا'

اللہ تعالیٰ اُن کو صحت و سلامتی سے رکھے اور اُن کے والدین مرحومین کو جوارِ آئمہ معصومین میں جگہ عطا فرمائے۔ ان شاء اللہ آپ جلد پنجم کو زبان و بیان کے لحاظ سے پہلی جلدوں سے بہتر پائیں گے اور آئندہ جلدوں کے منتظر رہیں گے۔ آخر میں فہیم لکھنوی کے چند اشعار بطور تبرک پیشِ خدمت ہیں:

جو قرآن میں آیات کا سلسلہ ہے
علیؑ کے فضائل کا دریا بہا ہے
کہیں انما میں کہیں ھل اتی میں
خدا نے علیؑ کا قصیدہ پڑھا ہے
نظر ان کی تاروں کی دنیا سے آگے
زمیں کے خزانوں کا ان کو پتا ہے
علیؑ کے عمل پر ہے بنیادِ مذہب
علیؑ کو ہٹا دو تو اسلام کیا ہے

(علامہ) ریاض حسین جعفری
سرپرست اعلیٰ ادارہ منہاج الصالحین، لاہور

تفسیر نور الثقلین اور خدماتِ جعفریین

قرآن حکیم فرقانِ حمید آخری اُلوہی پیغام اور آفاقی و دائمی کلام ہے جس کے مطالب و معانی اور مضامین و مفاہیم رہتی دنیا تک زبان و بیان کی زینت بنتے رہیں گے۔ عربی مبین میں نازل ہونے والے اس صحیفۂ آسمانی کے تراجم نیز تفاسیر دنیا کی مختلف زبانوں میں کی جاتی رہی ہیں اور کی جاتی رہیں گی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت تک فارسی میں تقریباً تین سو اور اُردو میں تقریباً ساڑھے تین سو تراجم قرآن موجود ہیں۔ تفاسیر کی تعداد بھی غالبًا انھی اعداد کے قریب قریب ہے۔ عربی فارسی کی مستند اور معتبر تفاسیر میں سے تفسیر مجمع البیان، تفسیر تبیان، تفسیر المیزان، تفسیر صافی، تفسیر نور الثقلین، تفسیر برہان، تفسیر روح المعانی، تفسیر نور المنار، تفسیر فی ظلال القرآن، تفسیر قرطبی، تفسیر مراغی، تفسیر مفاتیح الغیب، تفسیر روح الجنان وغیرہ لائق تذکرہ ہیں۔ اُردو تفاسیر (بمطابق مکتب تشیع) تفسیرِ نمونہ، تفسیرِ فصل الخطاب، تفسیرِ المیزان، تفسیرِ موضوعی، تفسیرِ نور، تفسیر عمدۃ البیان، تفسیر انوار النجف وغیرہ کا شہرہ ہے۔ جن میں سے بعض فارسی سے ترجمہ شدہ ہیں اور بعض طبع زاد۔ تفسیر احسن الحدیث ایک دو جلدوں ہی پر ٹھہر چکی ہے۔ البتہ الکوثر کی شدّ و مد سے آمد آمد ہے۔ محض تراجم میں مولانا فرمان علی، مولانا مقبول احمد، علامہ ذیشان حیدر جوادی وغیرہ کے تراجم خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ پاکستان کی علاقائی زبانوں میں اہلِ تشیع کا فی الحال ایک ترجمہ و تفسیر بھی منظر عام پر نہیں آیا۔ البتہ اُردو میں منثور تراجم کے ساتھ ساتھ ایک منظوم ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے جس کے مترجم معروف شاعر نسیاں اکبرآبادی ہیں جنھوں نے مولانا فرمان علی کے منثور ترجمے کو نظم میں ڈھالا ہے۔

ہیچمدان کا ذاتی نقطۂ نظر ہی نہیں اہلِ علم کا بھی یہی خیال ہے کہ ترجمہ و تفسیر کا کام محض برکت و سعادت کے حصول ہی کے لیے نہیں بلکہ ضرورت و افادیت کے پیش نظر ہونا چاہیے کیونکہ یہ کسی شخص کی محنت و مشقت کا صحیح مصرف نہیں ماسوا اس کے کہ جب مترجم یا مفسر کوئی ایسی کوشش کر رہا ہو جو سابقہ مترجمین اور مفسرین کے کام میں رہ جانے والی کمی کو پورا کرے۔ یہ بھی

ملحوظ خاطر رہے کہ کچھ تفاسیر محققین کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔ کچھ متوسطین کی اور کچھ عام لوگوں کی رہنمائی کا سامان مہیا کرتی ہیں۔ تراجمِ قرآن کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ لفظی تراجم اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں کہ قرآن پاک کے ہر لفظ کے معنی مآخذ اور مصدر سے آگاہ کرتے ہیں تو بامحاورہ تراجم فصاحت و بلاغت، روانی و سلاست، زورِ بیان اور تاثیر کلام کے جواہر سے مزین ہونے کے سبب فکروخرد کو متاثر کرتے ہوئے قلب وجگر میں اُتر جاتے ہیں۔ ترجمۂ قرآن میں قرآن کے تقریری طرزِ بیان کو تحریری اسلوب میں منتقل کرنے کی بھی خصوصی ضرورت ہے ورنہ ترجمہ غیر مؤثر رہے گا۔ قرآن پاک کی ہر سورت ایک تقریر یا خطاب ہے لہٰذا مفہوم لفظی کو کیفیتِ نزول سے ہم آہنگ کرکے دیکھنا نہایت ضروری ہے۔ ویسے بھی قرآن حکیم کی اکثر لفظیں عربِی مبین کے لغوی معنی کے بجائے مخصوص اصطلاحی مفہوم کی حامل ہیں۔

نتیجۂ بحث قرآنِ کریم کا ترجمہ وتفسیر کرنے والے خوش بخت کا دونوں زبانوں کی گہرائیوں، گیرائیوں اور پہنائیوں کے ساتھ ساتھ قرآن کے مخصوص اصطلاحی مفہوم اور روحِ کلام سے واقف ہونا بھی ضروری ہے تاکہ صحیح ترجمانی کرسکے۔ گویا یہ ہر کس و ناکس کی ذمہ داری نہیں کہ وہ نام ونمود یا پھر سعادت و برکت کے حصول کے لیے اس انتہائی اہم کام میں ہاتھ ڈالے۔ یقیناً حقیقی مترجمین اور مفسرین اپنی فکری آبیاری اور نظری وقلبی سیری کے لیے کتاب اللہ سے مستفیض ومستفید ہوتے اور اپنے قلب ونظر کو مستنیر کرتے رہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ فریضۂ تبلیغ وتلقین بھی ادا ہوتا رہا اور عظمتِ قرآنی بھی اجاگر ہوتی رہی۔

اوّلین مفسرِ قرآن خود حاملِ قرآن تھے اور آپؐ کے بعد دیگر معصومینؑ نے یہ اہم ترین فریضہ ہر حال میں نبھایا اور خوب نبھایا۔ قرآن ہائے ناطق سے بڑا مفسرِ قرآن بھلا کون ہوسکتا تھا۔ ان ہستیوں نے نہ صرف قرآن مجید کی علمی تفسیر بیان فرمائی بلکہ عملی تفسیر کا نمونہ بھی پیش کیا۔ اُن کی گفتار، کردار، اخلاق اور اوصاف مجسم قرآن تھے۔ وہی وارثِ قرآن اور وہی محافظ قرآن قرار پائے۔ چاہے یہ حفاظت نوکِ نیزہ پر چڑھ کر ہی کیوں نہ کرنا پڑی۔ اس کلامِ الٰہی اور مجموعہ ہدایت کے تحفظ، فروغ اور دوام کے لیے وارثانِ قرآن نے گھر بار لٹوا دیا اور کوفہ وشام کے بازاروں میں سر برہنہ و پابندِ رسن پھرایا جانا گوارا کرلیا۔ حفاظتِ قرآن کا یہ سلسلہ زہر وزندان کی کڑی آزمائشوں میں بھی جاری رہا اور اب آخری وارثِ قرآن بھی پردۂ غیب میں رہ کر بھی اپنی ذمہ داریاں نبھا رہا ہے۔ بقول شاعر: ؎

بفیضِ آلِ محمدؐ نہ حرف تک بدلا!
میں چودہ صدیوں سے قرآں کو جوں کا توں دیکھوں

یا رحمن الدنیا والاخرۃ ورحیمهما صل علی محمد وآلِ محمد

اب رہتی دنیا تک نہ اس کی قندیل گل ہوسکتی ہے' نہ لو خاموش ہوسکتی ہے' نہ چھوٹ مدہم پڑسکتی ہے۔ یہ عالموں کی تشنگی بجھانے والا' فقیہوں کے لیے دلبہار اور نیکوکاروں کے لیے عظیم راہگزار ہے۔ اس راہگزار پر چلنے والے ایک عالم و فاضل شیخ عبدعلی بن جمعۃ العروسی الحویزی (محدث و مفسر) بھی تھے جنھوں نے اس کی تفسیر کے لیے صرف اخبارِ معصومینؑ پر انحصار کیا اور کہیں پر بھی اپنا قول یا رائے پیش نہ کی۔ یہاں تک کہ جن آیات کے بارے میں تفسیری اخبارِ معصومینؑ نہ مل سکیں اُنھوں نے وہ آیات ہی نقل نہ فرمائی اور بہت سے مقامات پر تطبیق کو تفسیر کے تحت بیان کیا' جسے تاویلِ قرآن کہا جاسکتا ہے۔ مختصراً تفسیر نور الثقلین کردار و گفتارِ معصومینؑ کے انوار پر مبنی ایک ضخیم تفسیر ہے جس میں حقیقی اسلام میں ممنوع و مردود تفسیر بالرائے سے یکسر اجتناب کیا گیا ہے' اور نہ پہلے سے موجود ایسی کسی کاوش سے استفادہ کیا گیا ہے۔

آہوانہ درختن چہ ارغواں	کہ نباید خورد و خور ہمچوں خزاں
ہر کہ نورِ حق خورد قرآں شود	ہر کہ کاہ وجود خورد قرباں شود

اس عظیم تفسیر کا اردو میں ترجمہ نہایت خوش آیند امر ہے جو خدمتِ قرآن کے ساتھ ساتھ اُردو زبان کی بھی خدمت ہے۔ اس خدمت کو سرانجام دینے والے جعفریین سے متعارف ہوئے ناچیز کو کوئی سات آٹھ سال گزر چکے ہیں لیکن محسوس یوں ہوتا ہے کہ یہ تعارف و تعلق صدیوں پرانا ہے۔ حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری قم المقدسہ سے (جسمانی) واپسی پر لاہور کے ایک مولائی علاقے میں ایک تحریری حصنِ ولایت قائم کیے بیٹھے ہیں اور ہست و بود کو اس کام میں خرچ کر چکے ہیں۔ یوں وہ (منیس) جٹ سے مکمل جعفری بن کر تشیع کو اپنی پہچان اور آن بان بنائے ہوئے ہیں۔ موصوف کے ساتھ میرا ذاتی و قلمی رشتہ ہے جبکہ دوسرے صاحب حجۃ الاسلام محمد حسن جعفری سے ان کے زود ہضم تراجم کے ذریعے متعارف ہوا اور یوں علمی و عملی رشتہ قائم ہوگیا۔ بالفعل زیارت سے محروم ہوں البتہ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب تفسیر ہذا کی تقریب رونمائی میں اُن سے شرفِ باریابی حاصل ہوجائے گا بشرطیکہ حالات مانع اور وقت معترض نہ ہوا۔

جعفریین کی مشترکہ کوششوں سے منصۂ شہود پر آنے والا تفسیر نور الثقلین کا ترجمہ مجھے بھیجا گیا ہے۔ زہے نصیب کہ ایک طرف تو قرآن فہمی کا موقع ملا اور دوسری طرف اس ترجمہ پر تبصرہ اور تصحیح پر مامور ہوں۔ مترجم کی سہ لسانی استعداد قابلِ داد ہے جس کا تذکرہ میں جہانِ دستغیب میں بھی کرچکا ہوں۔ قرآن اور تفسیر قرآن کا ترجمہ دیکھ کر اور بھی شاداں اور فرحاں ہوں۔ یہ ترجمہ چونکہ عربی سے اُردو میں کیا گیا ہے لہٰذا مترجم کی عربی دانی نے خوب کمال دکھایا ہے اور اُردو گلشنِ تفسیر کو مزید

مہکایا ہے۔ میں احتمالِ طوالت کو مدِ نگاہ رکھتے ہوئے علم التفسیر، ذخیرۂ تفسیر، اقسامِ تفسیر اور فوائد تفسیر سے قطع نظر صرف اور صرف اُردو ترجمہ کی پہلی جلد کی سرسری تصحیح پر اکتفا کر رہا ہوں۔ دوسری، تیسری اور چوتھی جلد کو ان شاء اللہ آیندہ اڈیشن میں خوب تر بنایا جائے گا جبکہ پانچویں جلد طباعت سے قبل میرے زیرِ مطالعہ ہے۔ حسبِ استطاعت اپنا حصہ ڈال رہا ہوں۔ زیورِ طباعت سے آراستہ ہوگی تو اہلِ علم و ادب کی رائے کا انتظار رہے گا۔ میرے خیال میں باعمل اہلِ علم کا علم ہی ہر بہتری اور بھلائی کا مظہر ہے جس سے ہم طالبانِ علم کو استفادہ کرتے رہنا چاہیے۔

ترجمہ ہذا کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے تفسیر سورۂ فاتحہ سے تقریباً دس گیارہ اصلاح طلب مقامات کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ حسبِ استطاعت اصلاح کی گئی ہے۔ ترجمہ ہذا کے چند خوبصورت اور رواں دواں جملات بھی ملاحظہ کیجیے جو مترجم کی محنت پر دال ہیں۔

- ...... قرآن مجید کی کچھ آیات کی تفسیر محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے فرامین کی روشنی میں پیش کی جائے تاکہ مسلمانوں کو کمالِ تنزیل کے ساتھ (ساتھ) اسرارِ تاویل کا بھی علم حاصل ہو سکے۔
- ...... اس سورہ کو مثانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ نماز کی دو رکعتوں میں دہرائی جاتی ہے۔
- ...... بسم اللہ...... پڑھنے کو مت چھوڑو۔ اگرچہ اس کے بعد ایک شعر ہی کیوں نہ ہو۔
- ...... با سے بہا اللہ (اللہ کی ہمیشگی اور رونق) سین سے سنا اللہ (خدا کی روشنی اور نور) اور میم سے مجد اللہ (خدا کی عزت و حرمت) مراد ہے۔
- ...... الف سے آلائے الٰہی (نعماتِ الٰہی) کی طرف اشارہ ہے جو اس نے ہماری ولایت کے ذریعے سے مخلوق پر کی ہیں۔
- ...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو سکتے کیا کرتے تھے۔ پہلا سکتہ اس وقت کرتے جب سورۂ فاتحہ سے فارغ ہوتے اور دوسرا سکتہ اُس وقت کرتے جب دوسری سورت سے فارغ ہوتے۔

مترجم کے حُسنِ اسلوب کی نمایندگی کے ساتھ یہ جملات معلوماتی بھی ہیں۔ تفسیر ہذا کے چند اور معلومات افزا اور ایمان افروز جملات ملاحظہ ہوں:

- ...... امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: لفظ ''آہ'' بھی اسمائے الٰہی میں سے ایک اسم ہے جس نے آہ کہا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی۔

- ...... جو شخص چھینک کے بعد الحمدللہ رب العالمین علی کلِ حال کہے گا تو وہ کان اور داڑھ کے درد سے محفوظ رہے گا۔
- ...... ہاں ہاں خدا کی قسم! اس نے ایک لاکھ جہان پیدا کیا (کیے) اور اس نے ایک لاکھ آدمؑ پیدا کیے جبکہ تیرا تعلق آخری عالم اور آخری آدم سے ہے (امام محمد باقرؑ)
- ...... ''مغضوب علیھم'' ناصبی ہیں اور ضالین سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ (امام جعفر صادقؑ)
- ...... امیر المومنین علی علیہ السلام کو حدِ عبودیت سے بڑھانے والا شخص ''مغضوب اور ضالین'' میں شامل ہے۔ (امام رضاؑ)

سورۂ الحمد کی تفسیر میں بیان کردہ علوم محمدؐ و آلِ محمدؐ کی یہ چند ایک جھلکیاں معصومؑ ہستیوں کے قلزم علوم کے چند قطرے ہیں۔ تفسیر ہذا کا مکمل اور گہرا مطالعہ قارئین کے قلب و ذہن کو تابانی اور درخشانی عطا کرنے کا یقینی ضامن ہے۔ المختصر یہ روایاتی اور تاویلی تفسیرِ قرآن دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کے لیے کافی و شافی وسیلہ ہے۔ خداوند کریم محدثِ جلیل علامہ الخبیر شیخ عبدِعلی بن جمعہ عروسی الحویزی قدس سرہ کو اعلیٰ علیین میں مقامِ اعلیٰ و بالا پر فائز فرمائے' اُنھیں جوارِ معصومینؑ میں جگہ عطا فرمائے اور جعفریین کی علمی' قلمی' تدریسی اور اشاعتی توفیقات میں روز افزوں اضافہ فرمائے۔

مجھ ناچیز کی ذات اور متعلقات کے لیے التماسِ دعا، واخر دعواھم ان الحمدللہ رب العالمین!

(پروفیسر) مظہر عباس چودھری

میٹروپولٹن یونی ورسٹی آف لاء اینڈ سوشل سائنسز' لاہور

تقریظ

قرآنِ مجید علم و ادب کے امتزاج پر مبنی بہترین معجزۂ رسالتؐ ہے جس کے مقابلے میں فضلائے عرب ایک آیت تک بنا کر نہ لا سکے۔ اس آخری، دائمی اور آفاقی کلامِ الٰہی اور صحیفۂ سماوی کے ساتھ ساتھ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے اخبار و روایات، مکتوبات اور خطبات حتیٰ کہ کلماتِ اختصار بھی علم و ادب کے بہترین شاہکار ہیں جو ملتِ تشیع کا بیش بہا سرمایہ اور علمی و ادبی ورثہ ہیں لیکن افسوس کہ آج کے کچھ علماء علم و ادب میں تفریق کے قائل دکھائی دیتے ہیں حالانکہ علم کو بہترین اور احسن طریق سے بیان کرنے کا نام ہی ادب ہے اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ یہ صورتِ حال اُن کی تن آسانی اور سہل پسندی کی غماز ہے اور اس کا ازالہ نہایت ضروری ہے ورنہ اس کا نتیجہ بہت بڑے زیاں اور بحران کی شکل میں نمودار ہوگا۔

جہاں تک تفسیر قرآن اور ترجمۂ قرآن کا تعلق ہے تو اس مقابلہ بازی اور حصولِ برتری کے دور میں علم و ادب کی یکجائی کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ اُردو تفاسیر ہی کو لے لیجیے۔ سوادِ اعظم کی تدبرِ قرآن، تفہیم قرآن اور ضیائے قرآن کے اسالیب مختلف اعتبارات اور معیارات سے متاثر کن ہیں۔ ہمارے یہاں اس معیار کو سر کرنے کے لیے علامہ صفدر حسین نجفی نے سید مشکور حسین یاد اور ثاقب نقوی صاحبان کے تعاون سے تفسیرِ نمونہ کو فارسی سے اُردو میں بہترین ترجمہ کی صورت میں پیش کیا۔ البتہ There is always a room for improvement۔

تراجمِ قرآن میں سے مولانا فرمان علی، علامہ سید علی نقی النقوی اور علامہ ذیشان حیدر جوادی کے تراجم کو معیاری تراجم کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ پانچ یکجا تراجمِ قرآن کی ایک سی ڈی بھی مارکیٹ میں آ چکی ہے۔ غالباً پانچ تراجم ایک ساتھ شائع بھی ہو چکے ہیں۔ اہلِ تسنن کے ڈاکٹر عثمان کے ترجمہ کی طرح ان پانچوں تراجم کو سامنے رکھ کر ایک خوب سے خوب تر ترجمہ منظرِ عام پر لایا جا سکتا ہے (مذکورہ بالا تین شیعہ تراجم کے علاوہ دو تراجم مولانا مقبول احمد دہلوی اور مولانا صفدر حسین نجفی کے بھی ہیں نیز ڈاکٹر محمد حسن جعفری کا ترجمۂ قرآن بھی چھپ چکا ہے)۔

ستمبر ۲۰۰۵ء میں منظرِ عام پر آنے والی تفسیر نور الثقلین کے مترجمین کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے پانچ سات شیعہ اور اہلِ سنت کے تراجم کو سامنے رکھ کر متن قرآن کا ترجمہ کیا ہے جو ایک تحقیقی اور تدقیقی کاوش ہے۔ تفسیر نور الثقلین کا بھی عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا ہے جو ایک عمدہ کاوش ہے۔ اُردو میں نوک پلک سنوارنے کا کام ناچیز کے سپرد ہے جو پانچویں جلد سے شروع کیا جا رہا ہے اور ان شاء اللہ جاری رہنے کا امکان ہے۔ حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری صاحب اور حجۃ الاسلام محمد حسن جعفری صاحب خود بھی نظرِ اوّل اور نظرِ ثانی کے طریق سے سرگرم عمل ہیں البتہ یہ ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب کے زیادہ قریب محسوس ہوتا ہے۔ شاید مترجمین نے اس سے زیادہ استفادہ کیا ہو۔ رہی بات تفسیر کے ترجمے کی تو یہ تفسیر کا خالص ترجمہ محسوس نہیں ہوتا بلکہ اضافہ من المترجم کے تحت دیگر تفاسیر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جن میں تفسیر نمونہ کے فارسی متن اور اُردو ترجمہ کے ساتھ ساتھ اہلِ سنت کی تفسیریں بھی شامل ہیں۔ ایسی صورت میں اُردو ترجمہ کو روائی (محض اہلِ بیتؑ کی روایات پر مبنی) تفسیر کہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً جلد پنجم کے صفحہ ۲۰ پر ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

......تفسیر المراغی، تفسیر طنطاوی اور فی ظلال القرآن میں مرقوم ہے کہ آیت مجیدہ کے اس حصے میں جدید دور کی گاڑیوں کی پیشین گوئی کی (گئی) ہے۔ جن میں کاریں، بسیں، ریل گاڑیاں اور ہوائی جہاز شامل ہیں۔ یہ آیت مجیدہ قرآن حکیم کی صداقت کا زندہ معجزہ ہے۔ (اضافہ من المترجم ملخصاً عن الرازی)

اب ہم بحثِ روایات کے لیے نور الثقلین کی طرف رجوع کرتے ہیں...... سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تمام شیعی تفاسیر اخبار و روایات اہلِ بیتؑ سے مستفاد ہیں۔ ایسی صورت میں اس ترجمے کو خصوصاً روایاتی (روائی) تفسیر کیسے کہا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں اسے نور الثقلین روایاتی تفسیر مع اضافہ جات عن المترجم یا مترجمین کہنا ہی بجا ہے۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان اضافہ جات سے ترجمۂ تفسیر اور بھی معلوماتی اور مقتضائے حال ہو گیا ہے۔ کہیں کہیں تو اضافہ من المترجم بہت ہی مفید ثابت ہوا مثلاً صفحہ ۲۱ پر سوۂ قدر کا حوالہ۔

حقیر عاجز فقیر نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ اس ترجمہ کو بہتر سے بہتر بلکہ بہترین بنایا جائے۔ اُردو زبان دانی کے تقاضوں کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ نقائص تفہیم نیز نقائصِ تحریر کی طرف بھی غور کرنے کی دعوت دی ہے امید ہے کہ فاضل مترجم اشاعت سے قبل ان کو دُور فرما لیں گے۔

مترجم کی طرف سے کہیں کہیں امکانی مفہوم کا اہتمام بہت فائدہ مند ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ مشکل اصطلاحات کی وضاحت بھی توسین میں کر دی جائے۔ تفسیر میں کسی جگہ تنزیل، تاویل اور باطنی تاویل کی وضاحت بھی کر دی جائے تو عام

قاری کے لیے فائدہ مند ہوگی۔

تفسیر نور الثقلین میں درج روایات علم و معرفت کا ایک خزانہ ہیں۔ جوں جوں انسان اس کا مطالعہ کرتا جاتا ہے توں توں اُس کا دل نورِ ایمان سے بھرتا چلا جاتا ہے۔ عوام، خواص، فضلاء، عرفاء بھی مومنین اس کے ذریعے قرآن و اہلِ بیتؑ کے نورِ علم سے معمور ہوسکتے ہیں۔ اس کے مطالعہ کے بعد قولِ صادقؑ کی تائید ہوتی دکھائی دیتی ہے کہ مومنین کے ابدان پر اگر شیطان غلبہ حاصل کر بھی لے تو اُن کے ادیان پر غلبہ (ہرگز) نہیں کرسکتا۔ چند ایمان افروز جملات ملاحظہ ہوں۔

- ...... روایاتِ اہلِ بیتؑ میں کہا گیا ہے کہ "روح" ایک مخلوق ہے جو حضرت جبرئیلؑ سے بھی عظیم ہے۔
- ...... تقویٰ ہی معرفتِ توحید کا ثمر ہے، تقویٰ ہی روحِ معرفت ہے، تقویٰ ہی تمام سعادتوں کا مبداء، تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے اور ہر عظمت و کرامت کی بنیاد ہے۔
- ...... حج میں نماز شامل ہے جبکہ نماز میں حج شامل نہیں (قبلا) حج دو جہادوں میں سے ایک جہاد ہے (فرمانِ رسولؐ بروایتِ صادقؑ)
- ...... قاف وہ پہاڑ ہے جو زمین کے اردگرد پھیلا ہوا ہے اور آسمان کا نیلا رنگ بھی اسی کی وجہ سے ہے اور وہی پہاڑ زمین کو لڑھکنے سے بچائے ہوئے ہے۔ (امام صادقؑ)
- ...... اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ رسولؐ خدا یا ائمہ ہدیٰؑ میں سے کوئی کسی شہر یا گاؤں میں آئے ہیں تو وہ شہر اور گاؤں اللہ کے عذاب سے محفوظ ہوجائے گا۔ (کمال الدین شیخ صدوق بروایت صحیحہ از ائمہ معصومینؑ)
- ...... سورۂ نحل میں مذکور نجم سے مراد رسولؐ خدا اور علامات سے مراد ائمہ ہدیٰؑ ہیں۔ (اصولِ کافی، المناقب، امالی شیخ الطائفہ کی تفسیر عیاشی)
- ...... جتنی بھی خوں ریزی ہوئی ہے اور جتنی بھی لڑائیاں ہوئی ہیں اور جتنی بھی عصمتیں لٹیں ہیں اور جتنا بھی ناحق مال لوٹا گیا ہے اس سب کی ذمہ داری امیر المومنینؑ کا حق غصب کرنے والوں پر عائد ہوگی مگر ظلم کرنے والوں کے گناہ میں بھی کمی نہیں ہوگی۔ (امام صادقؑ)
- ...... لوگو! خدا کا تقویٰ اپناؤ، تقویٰ تمام بھلائیوں کو جمع کرتا ہے اور دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کو اس کے علاوہ جمع نہیں کیا جاسکتا۔ (امیر المومنین علی علیہ السلام)
- ...... اللہ نے جتنے بھی نبی مبعوث کیے ان سے ہماری ولایت اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری کا عہد لیا گیا۔ (امام

محمد باقرؑ)

- ...... عترت اور اُمت کا نواں فرق یہ ہے کہ ہم اہلِ ذکر ہیں۔ (عترت اور اُمت کے بارہ فرق از امام رضاؑ)
- ...... جس طرح دو معبود بنانا صحیح نہیں اسی طرح دو امام بنانا بھی صحیح نہیں۔ (امام صادقؑ)
- ...... دودھ معدہ کو صاف کرتا ہے' گردوں پر چربی چڑھاتا ہے اور بھوک بڑھاتا ہے۔ (امام محمد باقرؑ)
- ...... سیاہ بکری کا دودھ سرخ رنگ کی بکری سے بہتر ہوتا ہے اور سرخ رنگ کی گائے کا دودھ سیاہ رنگ کی گائے سے بہتر۔ (امام محمد باقرؑ)
- ...... تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت میں لفظ وحی الہام کے معنی میں ہے...... اس آیت مجیدہ کی ایک باطنی تاویل کرتے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: نحل امام ہے اور جبال سے شیعانِ عرب' شجر سے شیعانِ عجم اور ممـا یعرشون سے غلام اور مملوک مراد ہیں اور اس نحل (امام) سے وہ علم برآمد ہوتا ہے جو انسانوں کے لیے شفا ہے۔ (سورۂ نحل کی ایک آیت مبارکہ)
- ...... ابوذر غفاریؓ کے غلام بھی ہمیشہ وہی لباس پہنتے تھے جو خود ابوذر نے پہنا ہوتا تھا۔ (جوامع الجامع' اثر فرمانِ رسولؐ)
- ...... تخلیق انسان کا مقصد اس کی آزمائش ہے۔ (الدہر:۲)
- ...... لا تعلمون کا ذکر باہر سے اندر آتا ہے' ور اہلِ الذکر کا علم اندر سے باہر (قبلاً) نسلِ انسانی کے اس طرح دو طبقات ہیں۔ (اضافہ من المترجم)
- ...... جس خدا نے ایک انسان کے اعضاء و جوارح کو امام کے بغیر نہیں رکھا تو کیا اس کے عدل کا یہی تقاضا ہے کہ اپنی پوری مخلوق کو امام کے بغیر رکھے اور وہ امامؑ کے بغیر حیرت و شک میں سرگرداں رہے؟!! (مباحثہ ہشام)
- ...... امام صادق علیہ السلام نے فرمایا یہ بات صحائف ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام میں لکھی ہوئی ہے۔ "خدا کی قسم ہم اللہ کی وہ نعمت ہیں جو اُس نے اپنے بندوں پر کی ہے اور جو بھی کامیاب ہوا وہ ہماری وجہ سے ہوا"۔

ابوالعلی مظہر عباس عفی عنہ

○○○

سورۃ النحل

سورۃ النحل مکیۃ وھی مائۃ وثمان وعشرون ایۃ وست عشر رکوعا

''سورہ النحل مکہ میں نازل ہوئی' اس کی ایک سو اٹھائیس آیات اور سولہ رکوع ہیں

سورہ النحل

فضائل اور مرکزی موضوعات

ثواب الاعمال میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو شخص ہر ماہ میں سورہ النحل کی تلاوت کرے وہ دنیا میں ہر قسم کے تاوان اور ستر قسم کی بلیات سے محفوظ رہے گا، جن میں سے کمترین پاگل پن، جذام اور برص ہے اور اس شخص کا ٹھکانا جنت کے درمیان جنت عدن میں ہوگا۔

مجمع البیان میں ابی بن کعب سے منقول ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سورہ النحل پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے دنیاوی نعمات کا حساب نہیں لے گا اور اگر وہ تلاوت کے دن یا رات میں مرجائے تو اس شخص کا سا اجر ملے گا جس نے مرنے سے پہلے بہتر وصیت کی ہو۔

اس سورہ میں اللہ نے امرِ الٰہی کے نزول اور اُس کے متعلق جلد بازی نہ کرنے، تمام انبیاء کی تبلیغ کا مرکزی نقطہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه، تخلیقِ انسان، جانوروں کے فوائد، بارش کے فوائد، سمندر کے فوائد، پہاڑوں اور دریاؤں کے فوائد، خدائی نعمات کا لامحدود ہونا، بت مُردہ ہیں، خدا ظاہر و باطن کو جانتا ہے، مکاروں کا انجام، متقین کا انجام، مشرکین کی اُلٹی منطق، ہر اُمت میں رسول بھیجا گیا، مہاجرین کی جزا، اہلِ ذکر سے پوچھو، بدکاروں کو عذابِ الٰہی سے بے خوف نہیں رہنا چاہیے، ہر چیز کا سایہ خدا کے سامنے سجدہ ریز ہے، عصمتِ ملائکہ، تمام نعمتوں کا سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہے، اہلِ عرب بیٹی کی پیدائش پر کتنا پریشان ہوتے تھے، دودھ فائدہ مند ہے، کھجور اور انگور بہترین رزق ہیں، شہد کی مکھی اور شہد، بڑھاپا زندگی کا ذلیل ترین حصہ ہے، انسانی نسل کا تسلسل، اللہ کے لیے مثالیں نہ بناؤ، عبدِ مملوک اور آزاد انسان کا فرق، پیدائش کے وقت انسان جاہل ہوتا ہے، پرندوں کی اُڑان، باربرداری کے جانور، غار، کپڑے اور زرہوں کے فوائد، لوگ نعمت کو پہچان کر اس کا انکار کرتے ہیں۔ مشرکین اپنے خداؤں کی نشان دہی کریں گے، ہر اُمت میں سے ایک گواہ اٹھایا جائے گا، قرآن واضح بیان، ہدایت، رحمت اور خوش خبری ہے۔ اللہ عدل و احسان اور قرابت داروں کے حق ادا کرنے کا حکم دیتا ہے، اپنے قول و قرار کی پابندی کرو، اگر خدا چاہتا تو

سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا۔ تمہارے خزانے فانی اور خدا کا خزانہ باقی رہنے والا ہے' حیاتِ طیبہ کسے ملے گی؟ تلاوت کے وقت استعاذہ کرنا چاہیے' ابلیس کے فرماں بردار' قرآن کسی انسان کا تعلیم کردہ نہیں ہے۔ تقیہ کا حکم' پُر امن قریہ میں بھوک اور خوف کیوں پیدا ہوتا ہے؟ حرام چیزیں۔ اپنی طرف سے حلال وحرام نہ بناؤ۔ ملّتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم' دعوت کے طریقے اور اللہ کی معیت متقین کو حاصل ہے جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے موضوعات پر اللہ تعالیٰ نے ہدایت فراہم کی ہے۔

OOO

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱
يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ
اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ
نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا
دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵ۖ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ
تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶ۖ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ
تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷ۙ
وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ۝۸ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ
لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹ؑ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ
شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝۱۰ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ

وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ط إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١١﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لا
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٢﴾ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا
أَلْوَانُهُ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الَّذِي
سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً
تَلْبَسُونَهَا ج وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٤﴾ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ
وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾ وَعَلَامَاتٍ ط وَبِالنَّجْمِ هُمْ
يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾ أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ط أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾
وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ط إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨﴾
وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿١٩﴾ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ
دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ج
وَمَا يَشْعُرُونَ لا أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢١﴾ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ج فَالَّذِينَ لَا
يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ

E3

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِى اللّٰهُ
الْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ
عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ
اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِىَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾
فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع
وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ
شَىْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَىْءٍ ؕ كَذٰلِكَ
فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ
عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ
يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ
لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ
وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا
لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ وَالَّذِيْنَ
هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ
وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا
وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا
نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔـلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾
بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ
اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

سہارا اللہ کے نام کا جو کہ رحمٰن ورحیم ہے

"امرِ الٰہی آ گیا۔ اب اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ' وہ لوگ جو شرک کر رہے ہیں خدا اس سے کہیں برتر و بالا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے ملائکہ کو روح کے ساتھ نازل کرتا ہے کہ بندوں کو ڈراؤ کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے' لہٰذا مجھ سے ڈرتے رہو۔

خدا نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا' وہ اس شرک سے بلند و برتر ہے جو کہ وہ کر رہے ہیں۔ اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا' پھر وہ کھلم کھلا جھگڑالو بن گیا۔ اس نے

جانور پیدا کیے ہیں جن میں تمہارے لیے گرم پوشاک بھی ہے اور بہت سے فائدے بھی ہیں اور بعض کو تم کھاتے ہو۔ اور تمہارے لیے ان میں جمال بھی ہے، جب سرِ شام انہیں واپس لاتے ہو اور جب صبح کو انہیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو۔ اور یہ جانور تمہارا وہ بوجھ اُٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں، جہاں تک تم سخت جانی مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بے شک تمہارا رب شفیق اور مہربان ہے۔

اور اس نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کیے تا کہ تم ان پر سواری کرو اور وہ تمہارے لیے زینت بنیں اور وہ (تمہاری سواری کے لیے) ایسی چیزیں پیدا کرے گا جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔ اور سیدھے راستہ کی ہدایت خدا کی ذمہ داری ہے، جب کہ کچھ ٹیڑھے راستے بھی موجود ہیں اور اگر وہ چاہتا تو خیراً تم سب کو ہدایت دے دیتا۔

وہی تو وہ خدا ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا، جس کے کچھ حصہ کو تم پیتے ہو اور اس کے کچھ حصہ سے درخت پیدا ہوتے ہیں جن سے تم جانوروں کو چراتے ہو۔ اسی پانی سے تمہارے لیے کھیتیاں اُگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں صاحبانِ فکر کے لیے نشانی ہے اور اللہ نے تمہارے لیے رات دن اور سورج اور چاند کو مسخر کر دیا اور ستارے اس کے امر کے تابع ہیں۔ یقیناً اس میں صاحبانِ عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

اور یہ جو بہت سی رنگ رنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کی ہیں ان میں بھی عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے نشانی ہے۔ اور وہی تو ہے جس نے سمندروں کو مسخر کر دیا ہے، تا کہ تم ان سے تازہ گوشت کھا سکو اور اس سے پہناوے کے لیے زینت کی چیزیں نکالو۔ تم دیکھتے ہو کہ کشتی سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تم اس کے فضل و کرم کو تلاش کر سکو اور اس کے شکر گزار بن جاؤ۔

اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں ڈال دیں' تا کہ زمین تمہیں لے کر اپنے محور سے ہٹ نہ جائے اس نے دریا جاری کیے اور قدرتی راستے بنائے' تا کہ تم ہدایت پاسکو۔ اور اس نے علامات مقرر کردیں اور ستارے سے لوگ ہدایت پاتے ہیں۔

پھر کیا جو وہ پیدا کرتا ہے اور وہ جو پیدا نہیں کرتا دونوں برابر ہیں؟ کیا تمہیں ہوش نہیں ہے؟ اور اگر تم اللہ کی نعمات شمار کرنا چاہو تو تم انہیں شمار نہیں کرسکو گے۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو' اللہ کو سب کی خبر ہے۔ خدا کے علاوہ جنہیں لوگ پکار رہے ہیں وہ کسی چیز کو خلق نہیں کرسکتے' وہ تو خود ہی مخلوق ہیں۔ وہ مُردہ ہیں ان میں زندگی نہیں ہے اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا اور تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے وہ لوگ جن کا آخرت پر ایمان نہیں ہے ان کے دل منکر ہیں اور وہ گھمنڈ میں مبتلا ہیں۔ یقیناً اللہ ان تمام باتوں کو جانتا ہے جنہیں یہ چھپاتے ہیں یا ظاہر کررہے ہیں اور وہ متکبرین کو پسند نہیں کرتا۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا اُتارا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ تو اگلے لوگوں کی فرسودہ داستانیں ہیں۔ وہ یہ باتیں اس لیے کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اپنے بوجھ بھی اٹھائیں اور ساتھ ساتھ ان لوگوں کے کچھ بوجھ بھی اٹھائیں' جنہیں یہ جہالت کی وجہ سے گمراہ کررہے ہیں۔ وہ بوجھ کتنا بدترین ہے جسے یہ اُٹھا رہے ہیں۔

یقیناً ان سے پہلے والوں نے بھی کچھ مکاریاں کی تھیں۔ اللہ نے ان کے مکر کی عمارت جڑ سے اُکھاڑ پھینکی اور اس کی چھت اُوپر سے ان کے سر پر آرہی اور ایسے رُخ سے ان پر عذاب آیا جدھر سے اس کے آنے کا ان کو گمان تک نہ تھا۔ پھر قیامت کے روز اللہ انہیں ذلیل وخوار کرے گا اور ان سے کہے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے لیے تم

جھگڑے کیا کرتے تھے؟

اس وقت صاحبانِ علم کہیں گے کہ آج رسوائی اور برائی ان کافروں کے لیے ثابت ہے جنہیں ملائکہ اس عالم میں اُٹھاتے ہیں کہ وہ اپنے نفس کے ظالم ہوتے ہیں تو اس وقت اطاعت کی پیش کش کرتے ہیں کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے تھے۔ بے شک خدا خوب جانتا ہے کہ تم کیا کرتے تھے۔ اب جاؤ جہنم کے دروازوں میں گھس جاؤ، تم کو ہمیشہ وہیں رہنا ہے۔ تکبر کرنے والوں کے لیے انتہائی برا ٹھکانا ہے۔

اور جب صاحبانِ تقویٰ سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا اُتارا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ خدا نے بھلائی اُتاری ہے۔ اس طرح کے نیکوکاروں کے لیے اس دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت کا گھر مزید بہتر ہے۔ اور متقین کے لیے کیا ہی اچھا گھر ہے۔ ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے اور ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ جو کچھ چاہیں گے وہ سب ان کے لیے موجود ہوگا۔ اللہ صاحبانِ تقویٰ کو اسی طرح کا بدلہ دیتا ہے۔ جنہیں ملائکہ اس حالت میں دنیا سے لے جاتے ہیں کہ وہ پاک و پاکیزہ ہوتے ہیں اور ملائکہ انہیں سَلَامٌ عَلَیکُمْ کہتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ تم اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ کیا یہ لوگ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس ملائکہ آجائیں یا تیرے رب کا حکم آجائے، ان سے پہلے والوں نے بھی یہی کچھ کیا تھا۔ اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ وہ اپنے اُوپر خود ہی ظلم کرتے تھے۔ ان کے برے اعمال کے ثمرات ان تک پہنچ گئے اور ان پر وہی چیز مسلط ہوئی جس کا وہ مذاق اُڑاتے تھے۔

اور مشرکین کہتے ہیں: اگر خدا چاہتا تو ہم اور ہمارے آباء و اجداد اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ اس کی رضامندی کے لیے کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔ یہی کچھ ان سے پہلے والے لوگوں نے کیا تھا تو کیا رسولوں پر صاف پیغام پہنچانے کے علاوہ کوئی اور

ذمہ داری بھی ہے؟

اور ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیجا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور ''طاغوت'' کی بندگی سے بچو' ان میں سے کچھ لوگوں کو خدا نے ہدایت دے دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ تم زمین میں چلو اور دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے؟

اے نبیؐ! آپ ان کی ہدایت کے لیے خواہ کتنے ہی کوشاں کیوں نہ ہوں' مگر جس کو اللہ گمراہی میں چھوڑ چکا ہے اسے تو ہدایت نہیں ملے گی اور ان گمراہوں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

یہ لوگ اللہ کے نام کی کڑی قسمیں کھا چکے ہیں کہ اللہ کسی مرنے والے کو پھر نہیں اٹھائے گا۔ وہ کیوں نہیں اٹھائے گا یہ تو ایک وعدہ ہے۔ جس کا پورا کرنا اس نے اپنے اُوپر واجب قرار دیا ہے' مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وہ دوبارہ اس لیے اٹھانا چاہتا ہے تا کہ لوگوں کے لیے اس امر کو واضح کردے جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں' تا کہ کافروں کو بھی معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے۔ ہم جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں ہو جا' وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد ہجرت کی' ہم دنیا میں ضرور انہیں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے' کاش وہ اسے جان لیں۔ وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے تھے۔

ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجے وہ سب کے سب مرد تھے۔ ہم ان کی طرف وحی کرتے رہے ہیں۔ پس اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پوچھو ہم نے ان رسولوں کو معجزات اور کتابوں کے ساتھ بھیجا ہے اور آپ کی طرف بھی ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے' تا کہ آپ ان کے لیے ان احکام کو واضح کریں جو ان کی طرف نازل کیے گئے ہیں شاید یہ اس بارے میں کچھ غور وفکر کریں''۔

علامہ طباطبائی تفسیر المیزان میں لکھتے ہیں کہ سورہ النحل پر تدبّر کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سورہ مکہ میں ہجرت سے کچھ عرصہ قبل نازل ہوئی۔ اس کی ابتدائی چالیس آیات میں اللہ تعالیٰ نے کچھ سماوی اور ارضی نعمات کا تذکرہ کیا ہے، جن پر انسانی حیات کا دارومدار ہے۔ ان آیات کا ایک حصہ مشرکین کی تردید پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ مشرکین کی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی اور ان کا حشر بھی سابقہ اُمتوں جیسا ہوگا۔

اس سورہ مبارکہ کی باقی اٹھاسی آیات جو کہ والذین ھاجروا فی اللّٰہ من بعد ما ظلموا...... سے شروع ہوتی ہیں۔ ان کا لب ولہجہ مدنی آیات جیسا ہے۔ (اضافۃ من المترجم ملخصاً عن المیزان)

اصم سے منقول ہے کہ بعض مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہ ساری سورہ مدنی ہے۔

کچھ اور مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہ سورہ پہلی آیت سے کُن فَیکُون تک مدنی ہے، جب کہ باقی آیات مکی ہیں۔

قتادہ سے اس کے برعکس منقول ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کو ''سورۃ النعم'' بھی کہا جاتا ہے۔

امرِ الٰہی کے لیے جلدی نہ کرو

اَتٰٓی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ① یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ②

''امرِ الٰہی آ گیا' اب اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔ وہ لوگ جو شرک کر رہے ہیں خدا اس سے کہیں برتر و بالا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے ملائکہ کو روح کے ساتھ نازل کرتا ہے کہ بندوں کو ڈراؤ کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے لہٰذا مجھ سے ڈرتے رہو''۔

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین کو دنیاوی اور اخروی عذاب سے ڈراتے رہتے تھے۔ دنیاوی عذاب کا آغاز جنگِ بدر سے ہوا جب کہ اُخروی عذابِ قیامت کے دن ہوگا۔ آنحضرتؐ نے جب ایک طویل عرصہ تک لوگوں کو عذاب سے خبردار کیا' لیکن انہیں کہیں دُور دُور تک عذاب الٰہی کے آثار دکھائی نہ دیئے تو انھوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر وہ عذاب لا کر دکھائیں۔

پھر اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ① (القمر: ا۔ ''قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا'') کی آیت نازل ہوئی تو کفار نے ایک دوسرے سے کہا کہ اب ہمیں اپنی غلط روش چھوڑ دینی چاہیے' ممکن ہے کہ قیامت آ ہی جائے' لیکن قیامت نہ

آئی۔ انھوں نے آنحضرتؐ کی زور شور سے تکذیب کرنا شروع کر دی۔ پھر اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ (الانبیاء:۱۔ "لوگوں کا حساب قریب آ گیا") کی آیت نازل ہوئی تو کفارِ مکہ نے مزید چند دن پریشانی میں گزارے، لیکن حساب کی گھڑی نہ آئی تو انھوں نے آنحضرتؐ سے کہا: آپؐ جس چیز سے ہمیں ڈرا رہے ہیں اس کا تو کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اَتٰٓى اَمۡرُ اللّٰهِ کی آیت نازل فرمائی۔ جیسے ہی اَتٰٓى اَمۡرُ اللّٰهِ کے الفاظ لوگوں نے سنے تو انھوں نے سر اُٹھا کر دیکھنا شروع کر دیا کہ امرِ الٰہی کیسے آ گیا ہے؟ اس کے فوراً بعد آنحضرتؐ نے آیت کے یہ الفاظ پڑھے: فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ "جلدی مت مچاؤ"۔

جس چیز کا وقوع یقینی ہو تو اسے فعلِ ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے "امرِ الٰہی" کے یقینی وقوع پذیر ہونے کا اظہار لفظ "اَتٰٓى" فعلِ ماضی سے کیا۔

مشرکین نے کہا کہ اگر ہم مان بھی لیں کہ قیامت قائم ہوگی تو بھی ہمیں اس سے فکرمند ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ہماری شفاعت کے لیے ہمارے بت موجود ہیں۔ وہ ہمیں روزِ قیامت کی ہولناکی سے بچالیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعمِ باطل کا اِبطال کرتے ہوئے فرمایا: سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ۝ (وہ لوگ جو شرک کر رہے ہیں اللہ اس سے کہیں بلند و برتر ہے، اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے)

عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ کی "مَا" کے متعلق دو احتمال ہیں۔ یہ مصدریہ بھی ہو سکتی ہے اگر اسے مصدریہ مان لیا جائے تو آیتِ مجیدہ کے اس حصہ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ ان کے شرک سے بلند و برتر ہے۔

"مَا" کے متعلق دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ موصولہ ہے اور اَلَّذِیۡ کے معنی میں ہے تو اس صورت میں آیتِ مجیدہ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ خدا ان کے خودساختہ معبودوں سے کہیں بلند و برتر ہے، جنہیں یہ خدا کا شریک ٹھہرا رہے ہیں، کیونکہ ایک خسیس حمار کا رب العالمین سے تقابل ہی کیا ہے۔

اب کفار کی طرف سے یہ سوال متوقع تھا کہ اگر ہم بالفرض مان بھی لیں کہ یہ تمام باتیں جو آپ بتا رہے ہیں درست ہیں، لیکن ان باتوں کا تعلق اسرارِ الٰہی سے ہے۔ آپ کو ان اسرارِ الٰہی کا علم کس طرح سے ہوا؟ اس کے جواب میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ۝

''وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے ملائکہ کو روح کے ساتھ نازل کرتا ہے کہ بندوں کو خبردار کرو کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے' لہٰذا مجھ سے ہی ڈرتے رہو''۔

اس آیت مجیدہ کے ذریعہ سے خدا نے ان کے سوال کا جواب دیا کہ ان اَسرار کو وحی الٰہی کے ذریعہ سے حبیبِ خدا تک پہنچایا گیا ہے۔

روح کے متعلق مفسرین سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ روح سے روحِ وحی یعنی کلامِ خدا مراد ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ (الشوریٰ:۵۲) ''اور اس طرح ہم نے آپؐ کی طرف اپنے امر میں سے روح کو نازل کیا''۔

عارفین کا بیان ہے کہ جسم کثیف اور تاریک ہے۔ جب اس کے ساتھ روح کا اِتّصال ہوتا ہے تو اسے زندگی ملتی ہے اور حواسِ خمسہ میں زندگی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اور روحِ حیات بھی تاریک ہے۔ جب اس کے ساتھ عقل کا اتصال ہوتا ہے تو اس میں روشنی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝

''اللہ نے تمہیں شکمِ مادر سے اس حالت میں برآمد کیا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اُس نے تمہارے لیے کان' آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکرگزار ہوسکو''۔

عقل بھی اس وقت تک کامل طور پر نورانی نہیں ہے' جب تک اسے اللہ کی ذات' صفات اور اَفعال' عالمِ اَرواح واَجساد کے حالات کی معرفت اور دنیا و آخرت کے عالَم کی پہچان نہ ہو۔ اور یہ معارفِ الٰہی نورِ وحی اور نورِ قرآن کے علاوہ کہیں سے حاصل نہیں ہوسکتے۔

۲- اکثر مفسرین نے ''روح'' سے جبریلِ امینؑ مراد لیا ہے۔

۳- روایاتِ اہلِ بیتؑ میں یہ کہا گیا ہے کہ ''روح'' ایک مخلوق ہے جو حضرت جبریلؑ سے بھی عظیم ہے۔ جبریلؑ کا تعلق صفِ ملائکہ سے ہے' جب کہ اللہ نے ''روح'' کو ملائکہ میں شامل نہیں کیا۔ عنقریب آپ اس کے دلائل پڑھیں گے۔

اس آیتِ مجیدہ میں حسب ذیل نکتہ پایا جاتا ہے: وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے' اسے لے کر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اسے انبیاء کے پاس لے جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ البقرہ کے آخر میں اصولِ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓـئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (البقرہ:۲۸۵)

''رسول اس وحی پر ایمان رکھتا ہے' جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور اہلِ ایمان بھی ایمان رکھتے ہیں' سب کا ایمان اللہ' اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ہے''۔

اللہ کے ذکر کے بعد ملائکہ کا ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ملائکہ وحی الٰہی کو براہِ راست حاصل کرتے ہیں۔ ملائکہ کے بعد ''کتب'' کا ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ کتب ہی وحی الٰہی پر مشتمل ہیں۔ اور ملائکہ وہ وحی انبیاء پر لے کر آتے ہیں اسی لیے ''وَرُسُلِهٖ'' کا تذکرہ آخر میں کیا گیا ہے' کیونکہ ترتیبِ نزولی یہی ہے۔ ابتداء اللہ کے ذکر سے کی گئی۔ پھر ملائکہ کا ذکر کیا گیا' پھر وحی و کتاب کا ذکر کیا گیا اور آخر میں وحی و کتاب حاصل کرنے والے افراد یعنی رسولوں کا ذکر کیا گیا۔

یہ آیت مجیدہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وحی الٰہی کا مرکزی نکتہ لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ ہے اور یہی تمام انبیاء کی تبلیغ کی اساس ہے اور جب کسی کو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی معرفت حاصل ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے۔ گویا تقویٰ معرفتِ توحید کا ثمر ہے' تقویٰ ہی روحِ معرفت ہے' تقویٰ ہی تمام سعادتوں کا مبدا ہے' تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے اور ہر عظمت و کرامت کی بنیاد ہے۔

اس کے بعد رب العالمین نے اپنی توحید کے دلائل دیئے اور دلائل کا انداز یہ رکھا کہ سب سے پہلے زیادہ محترم چیز سے آغاز کیا' پھر اس سے کم درجہ کی مخلوق کا ذکر کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دلائل کا آغاز اجرامِ عالیہ فلکیہ سے کیا۔ پھر انسان کی تخلیق کا تذکرہ کیا۔ پھر جانوروں کی تخلیق سے اِستدلال کیا۔ پھر نباتات کی پیدائش کا ذکر کیا' آخر میں عناصرِ اربعہ کے حالات سے توحید کا اِستدلال کیا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۝ (اس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا وہ اس شرک سے کہیں بلند و برتر ہے جو وہ کر رہے ہیں۔)

آسمانوں اور زمین کی پیدائش خدا کے وجود کی نشانی ہے اور اجرامِ فلکی اور زمین ازل سے موجود نہ تھے' بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تو وہ وجود میں آئے۔ اَفلاک و کواکب کے بعد باقی اَجسام سے انسان اَشرف ہے' اسی لیے خداوند عالم نے اثباتِ توحید کے لیے انسان کی تخلیق کا تذکرہ کیا اور فرمایا: خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ ۝ ''اللہ نے

انسان کو پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا' پھر وہ کھلم کھلا جھگڑالو بن گیا''۔

اطباء بیان کرتے ہیں کہ نطفہ ''ہضم رابع'' کا جوہر ہے کیونکہ غذا جب پیٹ میں داخل ہوتی ہے تو سب سے پہلے اسے معدہ ہضم کرتا ہے' اس کے بعد جگر اسے ہضم کرتا ہے' پھر تیسرے درجہ پر اسے عروق ہضم کرتی ہیں اور پھر جب یہ جوہر اعضا میں پہنچتا ہے تو پھر اس سے نطفہ جنم لیتا ہے۔ تخلیقِ انسانی کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورہ دہر میں ارشاد فرمایا:

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۖ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ (الدھر:۲)

''یقیناً ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا اور ہم نے اسے سننے والا دیکھنے والا بنا دیا''۔

اسی تخلیقِ انسان کو اللہ تعالیٰ نے سورہ الطارق میں ان الفاظ سے بیان کیا:

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝ (الطارق:۵-۷)

''انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے۔ وہ اچھلتے ہوئے پانی سے بنایا گیا ہے جو پشت اور سینہ سے برآمد ہوتا ہے''۔

انسان کے بچے اور دوسرے حیوانات کے بچوں میں بڑا فرق ہے۔ مرغی کا ایک چوزہ اپنی پیدائش کے بعد دوڑ سکتا ہے اور وہ اپنے دوست دشمن میں تمیز کر سکتا ہے۔ وہ بلی کو دیکھ کر بھاگتا ہے اور اپنی ماں کے پروں کو اپنی پناہ گاہ سمجھتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کون سی غذا اسے موافق ہے اور کون سی غذا اس کے لیے ناموافق ہے۔

اس کے برعکس انسان کا بچہ جب شکمِ مادر سے برآمد ہوتا ہے تو اسے دوست دشمن کی تمیز نہیں ہوتی اور وہ اپنے نفع و نقصان سے بے خبر ہوتا ہے' پھر یہی انسان جب بڑا ہوتا ہے تو اس کی عقل میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ زمین اور اجرامِ فلکی کی پیمائش اور ان کا وزن نکالنے لگ جاتا ہے اور خداوند عالم کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ اور اگر اس پر بدبختی کا غلبہ ہو جائے تو خدا اور اس کے دین کا انکار کرنے لگ جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جو ابتداء میں اتنا کم فہم تھا بعد میں اتنا ذہین و فطین کیسے بنا اور اسے یہ قوت کس نے عطا کی؟ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ یہ تمام تر قوت خدا کی عطا کردہ ہے۔ انسان کے بعد عالمِ وجود میں حیوانات کا درجہ ہے اسی لیے رب العالمین نے اپنی توحید کے اثبات کے لیے جانوروں کی تخلیق اور ان کے فوائد کا تذکرہ کیا اور فرمایا:

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا ۗ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ

تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ۙ

''اور اس نے جانور پیدا کیے، جن سے تمہیں گرم پوشاک حاصل ہوتی ہے اور جانوروں میں بہت سے فائدے ہیں اور بعض جانوروں کو تم کھاتے ہو۔ تمہارے لیے ان میں جمال بھی ہے۔ جب سرِ شام انہیں واپس لاتے ہو اور جب صبح کو انہیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور یہ جانور تمہارا وہ بوجھ اُٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں، جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بے شک تمہارا رب شفیق اور مہربان ہے''۔

حیوانات

عالم سفلی میں انسان کے بعد حیوان کا درجہ ہے، کیونکہ حیوان متحرک بالارادہ ہے اور حیوانات میں ظاہری اور باطنی حواس پائے جاتے ہیں، اور اس میں شہوت اور غضب کی خصوصیات بھی موجود ہیں۔

حیوانات کی دو قسمیں ہیں: ① ایسے حیوان جن سے انسان کو استفادۂ عام ہوتا ہے ② ایسے حیوان جن سے انسان کو کچھ خاص فائدہ نہیں پہنچتا۔ حیوانات کی پہلی قسم دوسری قسم سے زیادہ مفید اور اشرف ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اور جو جانور اس کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائیں گے وہ اشرف الحیوانات قرار پائیں گے۔

پھر نفع بخش جانوروں کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ① ایسے جانور جو انسانی معیشت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں مثلاً انسانی خوراک اور پوشاک کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ ② ایسے جانور جو غیر ضروری اُمور میں فائدہ دیتے ہیں مثلاً وہ زیب و زینت کا باعث بنتے ہیں۔

پہلی قسم کے جانور دوسری قسم کے جانوروں سے بہتر و اعلیٰ ہیں اور اسی پہلی قسم کے جانوروں کو اَنعام کہا جاتا ہے۔ اَنعام کی اسی خوبی کی وجہ سے جب اللہ نے جانوروں کا ذکر کیا تو آغاز اَنعام سے ہی کیا۔ اَنعام کا اِطلاق بھیڑ، بکری، گائے اور اُونٹ کی تمام نسلوں پر ہوتا ہے۔ بعض اہلِ لغت کہتے ہیں کہ لفظ ''اِنعام'' کا اِطلاق اُونٹ، گائے اور بکری پر کیا جاتا ہے۔

صاحبِ کشاف لکھتے ہیں کہ لفظ ''اِنعام'' کا اِطلاق زیادہ تر اُونٹ پر ہوتا ہے۔ ان جانوروں کا پہلا فائدہ یہ بتایا گیا کہ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ (تمہیں ان سے گرم پوشاک میسر آتی ہے)۔

اسی مفہوم کو ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا: وَ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ (النحل:۸۰) ''اور اس نے جانوروں کی صوف اور اُون اور بالوں سے تمہارے لیے پہننے اور برتنے کی بہت سی چیزیں پیدا کردیں، جو زندگی کی مقررہ مدت تک تمہارے کام آتی ہیں''۔

جانوروں کی اُون سے گرم شالیں، سویٹر، جرسیاں اور ٹوپیاں وغیرہ بنتی ہیں، جو انسان کو سردیوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔

جانوروں کے دوسرے فائدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنَافِعُ اور بھی بہت سے فائدے ہیں مثلاً تم ان کا دودھ پیتے ہو اور ان سے بچے پیدا ہوتے ہیں، جن سے تمہاری غذائی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں جانوروں کو فروخت کر کے دیگر اشیائے ضرورت حاصل کرتے ہو۔ الغرض ان تمام فوائد کو اللہ تعالیٰ نے وَمَنَافِعُ کے لفظ سے تعبیر کیا۔

گھریلو جانوروں کا تیسرا فائدہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ (تم ان کا گوشت کھاتے ہو)

اس آیت میں یہ نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوشاک کا ذکر پہلے کیا اور خوراک کا ذکر بعد میں کیا۔ اس کی غالبًا وجہ یہ ہے کہ خوراک کی بہ نسبت پوشاک زیادہ عرصہ تک چلتی ہے، اسی لیے اللہ نے پوشاک کو خوراک پر مقدم رکھا۔

مندرجہ بالا تین ضروری فوائد کے علاوہ جانوروں کا ایک غیر ضروری فائدہ بھی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ (اور تمہارے لیے ان میں جمال بھی ہے۔ جب تم انہیں سرِ شام واپس لاتے ہو اور جب صبح کو انہیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو)

اس آیت مجیدہ میں یہ نکتہ خصوصی توجہ کے قابل ہے کہ اللہ نے جانوروں کی سرِ شام واپسی کو صبح روانگی پر مقدم رکھا اور فرمایا: اس میں تمہارے لیے جمال ہے۔

بات یہ ہے کہ جانور جب صبح کے وقت جنگل میں چرنے کے لیے جاتے ہیں تو ان کے پیٹ خالی ہوتے ہیں اور ان کے شیر دان تہی ہوتے ہیں، اسی لیے جمال وخوبصورتی کا پہلو کم ہوتا ہے، جب سرِ شام جانور چراگاہ سے واپس آتے ہیں تو ان کے پیٹ بھرے ہوتے ہیں اور شیر دان دودھ سے لبریز ہوتے ہیں۔ اس وقت ان کا منظر دیدنی ہوتا ہے۔

جانوروں کا دوسرا غیر ضروری فائدہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا:

وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ۙ

''یہ جانور تمہارا بوجھ اُٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ

سکتے تھے' یقیناً تمہارا پروردگار شفیق مہربان ہے"۔

مقصد یہ ہے کہ جانور بار برداری کے کام آتے ہیں اور وہ بھاری بھرکم سامان اُٹھا کر دُور دراز لے جاتے ہیں۔ اگر یہی سامان انسانوں کو اُٹھا کر لے جانا پڑتا تو ان کے لیے سخت مشکلات پیدا ہو جاتیں اور اُن کے لیے زندگی تلخ ہو جاتی۔

دودھیال اور حلال گوشت جانوروں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان تین جانوروں کا ذکر کیا ہے' جو صرف بار برداری اور سواری کے کام آتے ہیں۔ چنانچہ رب العالمین نے فرمایا: وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً (اور اس نے گھوڑے' خچر اور گدھے پیدا کیے' تاکہ تم ان پر سواری کرو اور وہ تمہارے لیے زینت بنیں)۔ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (اور ان کے علاوہ اللہ وہ سواریاں پیدا کرے گا جنہیں تم نہیں جانتے)

تفسیر المراغی' تفسیر طنطاوی اور فی ظلال القرآن میں مرقوم ہے کہ آیت مجیدہ کے اس حصہ میں جدید دور کی گاڑیوں کی پیشین گوئی کی گئی ہے جن میں کاریں' بسیں' ریل گاڑیاں اور ہوائی جہاز شامل ہیں۔ یہ آیتِ مجیدہ قرآنِ حکیم کی صداقت کا زندہ معجزہ ہے۔ (اضافۃ من المترجم ملخصاً عن الرازی)

اب ہم بحث روایات کے لیے نورالثقلین کی طرف رجوع کرتے ہیں: کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں ابان بن تغلب سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جب حضرت قائم علیہ السلام ظہور کریں گے تو سب سے پہلے حضرت جبریل امینؑ ان کی بیعت کریں گے۔ جبریلؑ سفید پرندے کی شکل میں نازل ہوں گے اور ان کی بیعت کریں گے۔ پھر وہ ایک قدم بیت اللہ پر اور دوسرا قدم بیت المقدس پر رکھ کر فصیح آواز میں یہ اعلان کریں گے جسے تمام دنیا سنے گی۔ وہ کہیں گے: اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (خدا کا امر آ گیا لہٰذا خواہ مخواہ کی جلدی نہ مچاؤ"۔

ابن مہزیار کہتے ہیں کہ میں نے امام علیہ السلام سے پوچھا کہ "امر" سے کیا مراد ہے؟ اُنھوں نے فرمایا: "ہم ہی اللہ کا امر اور اس کا لشکر ہیں"۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب اللہ نبی کو کسی واقعہ کے پیش آنے کی اطلاع کر دے تو وہ ہر قیمت پر ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے' البتہ لوگوں کو اس لیے جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ ہر واقعہ اپنے وقت پر ہی ظاہر ہوتا ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ کفار وقریش نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عذاب کے مطالبہ کیا۔ ا

کے جواب میں خدا نے اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ (امرالٰہی آ گیا تم خواہ مخواہ کی جلدی نہ مچاؤ) کی آیت مجیدہ نازل ہوئی۔

مذکورہ دو روایات سے اَمۡرُ اللّٰہِ کے متعلق دو مفہوم واضح ہوتے ہیں: ① قائمِ آلِ محمدؑ کا ظہور ② عذابِ الٰہی کا نزول۔

اصولِ کافی میں سعد الاسکاف سے منقول ہے کہ ایک شخص نے امیرالمومنین علی علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا ''روح'' سے جبریلِ امین مراد نہیں ہے؟

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، جبریلؑ کا تعلق صنفِ ملائکہ سے ہے، جب کہ روح کا تعلق صنفِ ملائکہ سے نہیں ہے۔ سوال کرنے والے شخص نے اپنے موقف پر اصرار کیا اور اس نے کہا: آپؑ تو ایک عظیم بات کہہ رہے ہیں، جب کہ تمام لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ روح سے مراد جبریلؑ ہی ہیں۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے اس سے فرمایا: تو گمراہ ہے اور گمراہوں سے ہی روایت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے فرمایا ہے: اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ۝ یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ (اللہ کا امر آ گیا، جلدی نہ مچاؤ، اللہ ان شرکاء سے کہیں بلند و برتر ہے جنہیں وہ شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ وہ ملائکہ کو ''روح'' کے ساتھ نازل کرتا ہے'')۔

اس آیت مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ اور ہیں اور روح اور ہے۔

وضاحت: اسی طرح سے سورہ قدر میں ارشاد خداوندی ہے: تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوۡحُ ...... (اس رات ملائکہ اُترتے ہیں اور روح اترتا ہے) اس آیت مجیدہ سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ملائکہ اور ہیں اور روح اور ہے۔ (اضافۃ من المترجم)

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ ...... (اللہ ملائکہ کو روح کے ساتھ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے) مقصد یہ ہے کہ اللہ ملائکہ کو کتاب دے کر روانہ کرتا ہے۔ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ۝ (خدا نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا پھر وہ کھلم کھلا جھگڑالو بن گیا) مقصد یہ ہے کہ خدا نے انسان کو بدبودار اور حقیر پانی سے پیدا کیا اور حقیر پانی سے پیدا ہونے والا انسان فصیح و بلیغ بن گیا اور وہ جھگڑا کرنے لگا۔

ابوالجارود نے وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَہَا ۚ لَکُمۡ فِیۡہَا دِفۡءٌ وَّمَنَافِعُ کے ضمن میں کہا ہے کہ ''دف'' سے اُونٹ کی صوف مراد ہے اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے اُونی کپڑے اور اُونی خیمے مراد ہیں۔

سکتے تھے، یقیناً تمہارا پروردگار شفیق مہربان ہے''۔

مقصد یہ ہے کہ جانور بار برداری کے کام آتے ہیں اور وہ بھاری بھرکم سامان اُٹھا کر دُور دراز لے جاتے ہیں۔ اگر یہی سامان انسانوں کو اُٹھا کر لے جانا پڑتا تو ان کے لیے سخت مشکلات پیدا ہو جاتیں اور اُن کے لیے زندگی تلخ ہو جاتی۔

دودھیال اور حلال گوشت جانوروں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان تین جانوروں کا ذکر کیا ہے، جو صرف بار برداری اور سواری کے کام آتے ہیں۔ چنانچہ رب العالمین نے فرمایا: وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً (اور اس نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کیے، تاکہ تم ان پر سواری کرو اور وہ تمہارے لیے زینت بنیں)۔ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۸ (اوران کے علاوہ اللہ وہ سواریاں پیدا کرے گا جنھیں تم نہیں جانتے)

تفسیر المراغی، تفسیر طنطاوی اور فی ظلال القرآن میں مرقوم ہے کہ آیت مجیدہ کے اس حصہ میں جدید دور کی گاڑیوں کی پیشین گوئی کی گئی ہے جن میں کاریں، بسیں، ریل گاڑیاں اور ہوائی جہاز شامل ہیں۔ یہ آیتِ مجیدہ قرآنِ حکیم کی صداقت کا زندہ معجزہ ہے۔ (اضافۃ من المترجم ملخصاً عن الرازی)

اب ہم بحث روایات کے لیے نورالثقلین کی طرف رجوع کرتے ہیں: کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں ابان بن تغلب سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جب حضرت قائم علیہ السلام ظہور کریں گے تو سب سے پہلے حضرت جبریل امینؑ ان کی بیعت کریں گے۔ جبریلؑ سفید پرندے کی شکل میں نازل ہوں گے اور ان کی بیعت کریں گے۔ پھر وہ ایک قدم بیت اللہ پر اور دوسرا قدم بیت المقدس پر رکھ کر فصیح آواز میں یہ اعلان کریں گے جسے تمام دنیا سنے گی۔ وہ کہیں گے: اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (خدا کا امر آ گیا لہٰذا خواہ مخواہ کی جلدی نہ مچاؤ''۔

ابن مہزیار کہتے ہیں کہ میں نے امام علیہ السلام سے پوچھا کہ ''امر'' سے کیا مراد ہے؟ اُنھوں نے فرمایا: ''ہم ہی اللہ کا امر اور اس کا لشکر ہیں''۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب اللہ نبی کو کسی واقعہ کے پیش آنے کی اطلاع کر دے تو وہ ہر قیمت پر ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے، البتہ لوگوں کو اس لیے جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ ہر واقعہ اپنے وقت پر ہی ظاہر ہوتا ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ کفار و قریش نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عذاب کے مطالبہ کیا۔ ا

کتاب الخصال میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا مال بہتر ہے؟

آپؐ نے فرمایا: کھیتی باڑی بہترین چیز ہے' بشرطیکہ اس کا مالک اس کا حق کٹائی کے دن ادا کرے۔ پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کیا بہتر ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: آدمی کے پاس بکریاں ہوں' جہاں بارش پڑی ہو وہ انہیں اس جگہ لے جا کر چرائے اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے۔ پھر پوچھا گیا بکریوں کے بعد کون سا مال بہتر ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: انسان کے پاس گائیاں ہوں وہ انہیں صبح شام چرانے کے لیے لے جائے۔ پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سا مال بہتر ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: مضبوط کھجوریں جو خشک سالی کے ایام میں بھی پھل دیں۔ کھجور بہترین مال ہے جو کھجور کا تنا بیچے گا تو اس کی رقم اس طرح سے اُڑ جائے گی جس طرح سے شدید آندھی میں راکھ کا ڈھیر اُڑ جاتا ہے۔ پھر پوچھا گیا کہ کھجور کے بعد کون سا مال بہتر ہے؟

آنحضرتؐ خاموش ہو گئے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ اُونٹ کی کیا حیثیت ہے؟

آپؐ نے فرمایا: اُونٹ میں بدبختی' سختی' پریشانی اور وطن سے دُوری ہے۔ صبح کو بھی یہ پشت کر کے جاتا ہے اور شام کو بھی پشت کر کے آتا ہے۔ اس کی بھلائی اس کے منحوس حصہ ہی سے نصیب ہوتی ہے۔

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: بکریاں جب آتی ہیں تو چلی آتی ہیں۔ جب پشت کر کے جاتی ہیں تو بھی واپس آ جاتی ہیں اور گائیں جب آتی ہیں تو چلی آتی ہیں اور جب جاتی ہیں تو پشت کر کے چلی جاتی ہیں اور اُونٹ تو شیاطین کی گردنیں ہیں' جب وہ آتی ہیں تو بھی پشت کر کے جاتے ہیں اور اُونٹوں کی بھلائی ان کے منحوس حصہ سے نصیب ہوتی ہے۔

آنحضرتؐ سے کہا گیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ کے اس فرمان کے بعد اُونٹ کون پالے گا؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: بدبخت فاجر کہاں جائیں گے؟

وضاحت: مترجم کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا ایک امکانی مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بکریاں غربت و امارت کے دنوں میں یکساں مفید ہیں جب کہ گائیں امارت کے دنوں میں تو فائدہ مند ہے لیکن غربت کے

ایام میں فائدہ مند نہیں ہیں جب کہ اُونٹ زیادہ محنت طلب کرتے ہیں۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم بکریاں پالو اور کاشتکاری کرو۔ اس سے تمہیں صبح وشام بہتری نصیب ہوگی۔

حاضرین میں سے کسی نے کہا: یارسولؐ اللہ! اُونٹوں کے متعلق بھی وضاحت فرمائیں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: اُونٹ شیاطین کی گردنیں ہیں۔ اگر اس کی بھلائی نصیب ہو بھی تو اس کے منحوس حصہ سے ہی ملتی ہے۔ کسی نے کہا: یارسولؐ اللہ! اگر لوگوں نے آپ کا یہ فرمان سن لیا تو لوگ اُونٹ رکھنا چھوڑ دیں گے۔

آپؐ نے فرمایا: بدبخت اور فاجر پھر بھی انہیں نہیں چھوڑیں گے۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: انسان اپنے خاندان کے لیے اپنے گھر میں جو چیز رکھتا ہے اس میں سب سے بہتر بکریاں ہیں، جس کے گھر میں بکریاں ہوں فرشتے روزانہ دو مرتبہ اس کی تقدیس کرتے ہیں اور جب کسی کے گھر میں تین بکریاں ہوں تو فرشتے دعا دے کر کہتے ہیں کہ خدا تمہیں برکت دے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزانہ ایک فرشتہ ندا دے کر کہتا ہے:

اے بندگانِ خدا! اللہ کی نافرمانی سے باز آجاؤ۔ اگر یہ چرنے والے جانور نہ ہوتے اور دودھ پیتے بچے نہ ہوتے اور کمرخمیدہ بوڑھے نہ ہوتے تو تم پر عذاب نازل ہوجاتا اور تم پس کر رہ جاتے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے: وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ کا مقصد یہ ہے کہ جب شام کے وقت جانور چراگاہ سے واپس آتے ہیں اور جب صبح کے وقت چرنے کے لیے جاتے ہیں تو ان کی آمدورفت میں تمہارے لیے زینت اور جمال کا سامان پوشیدہ ہے۔ اور وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ سے مراد یہ ہے کہ جانور تمہارا وہ سامان اُٹھا کر دُوردراز کے ان شہروں تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ جانور تمہارا سامان مکہ مدینہ اور تمام شہروں تک لے جاتے ہیں۔

الکافی میں عبداللہ بن یحییٰ کاہلی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

حج دو جہادوں میں سے ایک جہاد ہے۔ حج کمزوری کا جہاد ہے اور ہم کمزور ہیں۔ نماز کے بعد اسلام کا افضل ترین عمل حج ہے۔ حج میں نماز شامل ہے، جب کہ نماز میں حج شامل نہیں ہے۔ جب تجھے قدرت میسر ہو تو حج نہ چھوڑو۔ کیا تجھے دکھائی

نہیں دیتا کہ حج کے دوران میں تیرا سر غبار آلود ہوتا ہے۔ تیری جلد کی رنگت بدل جاتی ہے اور تجھے عورتوں کے دیکھنے سے روک دیا جاتا ہے، جب کہ ہم لوگ تو مکہ کے قریب ہیں اور ہمیں مکہ تک جابجا پانی بھی ملتا ہے، اس کے باوجود حج ہمارے لیے مشقت کا سبب ہے، دور رہنے والوں کا اس میں کیا حال ہوتا ہے۔ حج کے لیے جو بھی آتا ہے بڑی زحمت اور مشقت اٹھا کر ہی آتا ہے۔ خدا نے تمہارے لیے جانور پیدا کیے ہیں جو تمہیں اور تمہارے سامان کو اٹھا کر وہاں لے جاتے ہیں جہاں تم سخت مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔

علل الشرائع میں بھی یہ روایت مرقوم ہے۔

تفسیر عیاشی میں زرارہ سے منقول ہے کہ امامین علیہما السلام میں سے ایک بزرگوار سے پوچھا گیا کہ گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کے پیشاب کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

آپؑ نے کراہت کا اظہار کیا۔ میں نے عرض کیا: کیا ان جانوروں کا گوشت حلال نہیں ہے؟

آپؑ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بیان نہیں کیا: وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ ''اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو پیدا کیا تمہیں ان سے گرم پوشاک حاصل ہوتی ہے اور تمہارے لیے ان میں بہت سے فائدے ہیں اور کچھ جانوروں کا تم گوشت کھاتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کا ذکر کیا ہے، جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، جب کہ اللہ نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو سواری کے لیے پیدا کیا ہے اور ان کا گوشت حرام نہیں ہے، البتہ لوگ ان سے کراہت کرتے ہیں۔

الکافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: گھوڑے بلادِ عرب میں وحشی جانور تھے۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام ''جبلِ جیاد'' پر چڑھے اور انھوں نے گھوڑوں کو آواز دے کر کہا کہ ہمارے قریب آ جاؤ۔ آپؑ کی آواز سن کر تمام گھوڑے چلے آئے اور وہ رام ہو گئے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک بھلائی وابستہ ہے''۔

یہی روایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

کتاب علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: سب سے پہلے حضرت اسماعیلؑ نے گھڑ سواری کی تھی۔ گھوڑے سے پہلے سے جنگلوں میں پھرا کرتے تھے اور ان پر کوئی سوار نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے منیٰ کے

پہاڑ پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے گھوڑوں کو رام کیا۔ گھوڑوں کو عربی زبان میں ''الخیل العراب'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ نے ہی سب سے پہلے گھڑسواری کی تھی اور وہ عربوں کے جدِ اعلیٰ تھے۔

کتاب الخصال میں حسین بن زید سے منقول ہے' انھوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ اللہ نے گھوڑوں کو چار عناصر سے پیدا کیا ہے: ① زمین کے گرد پھیلے ہوئے سمندر سے ② آگ سے ③ ابراہیم نامی فرشتے کے آنسو سے ④ ایک خوشبو سے۔

علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ایک یہودی کے سوالات کے جواب میں یہ کلمات فرمائے: سب سے پہلے گھوڑے پر قابیل سوار ہوا تھا اور اس نے گھڑسواری اس دن کی جب اس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا اور خچر پر سب سے پہلے فرزندِ آدمؑ ''معد'' سوار ہوا تھا اور وہ جانوروں کا دلدادہ تھا۔ گدھے پر سب سے پہلے ''حوا'' سوار ہوئی تھیں۔

کتاب الخصال میں ام الدرداء سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جسے خدا نے تندرستی عطا کی ہو اور وہ اپنے گھر میں امن سے رہ رہا ہو اور اس کے پاس ایک دن کی خوراک بھی موجود ہو تو وہ یہ سمجھے کہ اسے دنیا جہان کی بھلائی مل چکی ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے فرزندِ آدم! تیرے لیے دنیا کی اتنی مقدار کافی ہے جس سے تو اپنے پیٹ کی آگ بجھا سکے اور اپنے جسم کو ڈھانپ سکے اور اگر تیرے پاس اقامت کے لیے کوئی گھر موجود ہے تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تیرے پاس سواری بھی موجود ہے تو تجھے مبارک ہو۔ یہ سب کچھ بھلائی ہی بھلائی ہے۔ اس کے علاوہ باقی جو کچھ بھی ہے تو اس کا تجھ سے حساب لیا جائے گا یا اس کی وجہ سے تجھے عذاب دیا جائے گا۔

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین باتیں مسلمان کے لیے خوش نصیبی کی علامت ہیں: ① مکان کھلا ہو ② ہمسایہ نیک ہو ③ سواری اچھی ہو۔

حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر علیہما السلام سے منقول ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ رسولِ خدا خالی پشت گدھے پر سواری کیا کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک جانور پر تین افراد نہ بیٹھیں۔ ان میں سے آگے بیٹھنے والا ملعون ہوتا ہے۔

پہاڑ

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے جتنی بھی مخلوق پیدا کی ہے ان میں سے کوئی چیز مغلوب ہے اور کوئی غالب ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آسمان میں سمندر پیدا کیے تو اس نے ناز کرتے ہوئے کہا: مجھ پر کون سی چیز غالب آسکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ''فلک'' پیدا کیا، جس نے اسے گردش دی اور اسے تابع بنایا، جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی تو زمین نے ناز کیا اور کہا مجھ پر کون غالب آسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا کیے، جنہوں نے زمین کو بے قاعدہ حرکت سے بچالیا۔اس کے بعد زمین اپنے محور پر قائم ہوگئی۔

کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے، جس میں یہ کلمات بھی ہیں: ''قاف'' وہ پہاڑ ہے جو زمین کے اِردگرد پھیلا ہوا ہے اور آسمان کا نیلا رنگ بھی اسی کی وجہ سے ہے اور وہی پہاڑ زمین کو لڑھکنے سے بچائے ہوئے ہے۔

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام اللہ کا مقرر کردہ وہ دروازہ ہیں جس کے بغیر خدا تک رسائی ناممکن ہے اور آپؑ اللہ کا وہ راستہ ہیں کہ جس نے اسے چھوڑا وہ ہلاک ہوگیا۔آپؑ کے بعد ہر امام کو یہی درجہ ملا۔ اللہ نے انہیں زمین کا لنگر بنایا جس سے زمین لڑھکنے سے محفوظ ہوگئی۔

کتاب کمال الدین میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اگر ایک گھڑی کے لیے امام کو زمین سے اٹھالیا جائے تو زمین پر یوں تلاطم برپا ہوجائے جیسا کہ سمندر میں تلاطم پیدا ہوتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: ہماری وجہ سے اللہ زمین کو متلاطم ہونے سے روکے ہوئے ہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہ خلفاء کا تذکرہ کیا اور آخر میں فرمایا: انہی کی وجہ سے اللہ آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے اور انہی کی وجہ سے اللہ زمین کو لڑھکنے سے بچائے ہوئے ہے۔

شیخ صدوق کمال الدین میں لکھتے ہیں کہ اخبارِ صحیحہ میں آئمہ ہدیٰ علیہم السلام سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ رسولِ خدا یا آئمہ ہدیٰ علیہم السلام میں سے کوئی کسی شہر یا گاؤں میں آئے ہیں تو وہ شہر اور وہ گاؤں اللہ کے عذاب سے محفوظ ہوجائے گا اور اس شہر اور گاؤں والوں کی دلی مرادیں پوری ہوں گی۔

علامات اور ستارہ

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجۡمِ هُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ۝

''اس نے علامات مقرر کیں اور وہ ستارے سے ہدایت پاتے ہیں''۔

اصول کافی کی تین، کتاب المناقب کی چار، تفسیر علی بن ابراہیم کی دو، امالی شیخ الطائفہ کی ایک اور تفسیر عیاشی کی دو روایات میں مروی ہے کہ ''نجم'' سے رسولؐ خدا اور علامات سے آئمہ ہدیٰ علیہم السلام مراد ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ قبلہ کی سمت معلوم کرنے کے لیے ستارے سے مدد لیتے ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ قبلہ کی سمت معلوم کرنے کے لیے کس ستارہ سے مدد لی جاتی ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''جدی'' سے مدد لی جاتی ہے اور بر و بحر میں راستہ اسی سے ہی معلوم کیا جاتا ہے۔

تفسیر عیاشی کی دو روایات میں بھی یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

بت مُردہ ہیں

وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَخۡلُقُوۡنَ شَيۡـئًا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ۝ اَمۡوَاتٌ غَيۡرُ اَحۡيَآءٍ ۚ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ۙ اَيَّانَ يُبۡعَثُوۡنَ۝

(خدا کے علاوہ لوگ جنہیں پکار رہے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتے، وہ تو خود ہی مخلوق ہیں۔ وہ مُردہ ہیں، زندہ نہیں ہیں اور انہیں کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کرکے اُٹھایا جائے گا)

اللہ تعالیٰ نے بتوں کے نقائص بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بت خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں، جب کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ خالق اور غیر خالق یکساں نہیں ہوسکتے۔

اللہ تعالیٰ نے بتوں کے بارے میں فرمایا: اَمۡوَاتٌ غَيۡرُ اَحۡيَآءٍ (کہ بت مُردہ ہیں، زندہ نہیں ہیں)۔ اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا تھا کہ بت مُردہ ہیں تو اس کے بعد غَيۡرُ اَحۡيَآءٍ (زندہ نہیں ہیں) کہنے کی کیا ضرورت تھی، جب کہ مُردہ ہوتا ہی وہی ہے جو زندہ نہ ہو؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ صرف یہی کہتا: اَمۡوَاتٌ بُت مردہ ہیں تو ممکن تھا کہ کوئی بت پرست یہ کہتا کہ جی ہاں آج یہ مُردہ ہیں، لیکن کسی زمانہ میں یہ بھی زندہ تھے یا مستقبل میں انہیں زندگی مل جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیالِ خام کی تردید کی اور فرمایا: غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ (وہ زندہ نہیں ہیں) یعنی نہ وہ کل زندہ تھے اور نہ ہی وہ پرسوں زندہ ہوں گے۔

بتوں کا تیسرا نقص بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بتوں کو تو خود یہ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا۔ (اضافۃ من المترجم)

متکبرین خدا کو ناپسند ہیں

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا گزر مساکین کی ایک جماعت سے ہوا۔ وہ دسترخوان بچھا کر سوکھی روٹی کھا رہے تھے۔ انھوں نے آپؑ کو اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی۔ آپؑ ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور پھر آپؑ نے اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡتَكۡبِرِیۡنَ۝ (اللہ بڑا بننے والوں کو پسند نہیں کرتا) کی آیت تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد آپؑ نے ان سے فرمایا کہ میں نے تمہاری دعوت قبول کی ہے اب تم بھی میری دعوت قبول کرو۔

آپؑ انہیں اپنے مہمان خانہ میں لے آئے اور زوجہ سے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے گھر میں پکا ہے وہ مساکین کے لیے باہر بھجواؤ۔

روضہ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ اسے دوسروں پر فضیلت حاصل ہے تو وہ شخص ''متکبرین'' میں سے ہے۔

حفص بن غیاث (راوی) نے کہا: اگر کوئی شخص کسی کو گناہ میں مبتلا دیکھے اور وہ شخص خود اس گناہ سے پاک ہو تو کیا پھر بھی وہ اپنے ذہن میں اپنے آپ کو اس سے بہتر تصور نہ کرے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، پھر بھی اسے دوسروں کو اپنے سے کم تر نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ عین ممکن ہے کہ خدا گناہ گار کا گناہ معاف کردے اور وہ خود عرصۂ محشر میں حساب دیتا رہے۔

گمراہ کرنے والا اپنے بوجھ کے ساتھ دوسروں کا بوجھ بھی اٹھائے گا

لِیَحۡمِلُوۡۤا اَوۡزَارَهُمۡ كَامِلَةً یَّوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ۙ وَمِنۡ اَوۡزَارِ الَّذِیۡنَ یُضِلُّوۡنَهُمۡ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ

''وہ یہ باتیں اس لیے کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اپنے بوجھ بھی اٹھائیں اور ساتھ ساتھ ان لوگوں کا بھی کچھ بوجھ اٹھائیں جنہیں یہ جہالت کی وجہ سے گمراہ کر رہے ہیں''۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ مقصدِ آیت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے کفر کی تکمیل کر سکیں اور اپنے پیرووں کے کفر کی ذمہ داری بھی اپنی گردن پر اٹھائیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جن لوگوں نے امیر المومنین علی علیہ السلام کا حق غصب کیا تو وہ صرف اپنا بوجھ ہی نہیں اٹھائیں گے اپنے بوجھ کے ساتھ ساتھ اپنے ماننے والے افراد کا بوجھ بھی اٹھائیں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جتنی بھی خوں ریزی ہوئی ہے اور جتنی بھی لڑائیاں ہوئی ہیں اور جتنی بھی عصمتیں لٹی ہوئی ہیں اور جتنا بھی ناحق مال لوٹا گیا ہے اس سب کی ذمہ داری امیر المومنینؑ کا حق غصب کرنے والوں پر عائد ہوگی، مگر ظلم کرنے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص لوگوں کو نیکی کی دعوت دے اور اس کی تبلیغ کی وجہ سے جتنے لوگ نیکی پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ دعوت دینے والے کو ان سب افراد کی نیکیوں کے مطابق اجر دے گا جب کہ نیکی کرنے والوں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں کرے گا اور جو شخص لوگوں کو گمراہی کی دعوت دے اور اس کی دعوت کی وجہ سے جتنے لوگ بھی گمراہ ہوں تو ان سب کی گمراہی کا بوجھ دعوت دینے والے کی گردن پر ہوگا' جب کہ گمراہ ہونے والوں کے عذاب میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

مکر کرنے والوں کا انجام

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

''یقیناً ان سے پہلے والوں نے بھی مکاریاں کی تھیں۔ اللہ نے ان کے مکر کی عمارت جڑ سے اکھاڑ پھینکی اور ان کی چھت اُوپر سے ان کے سر پر آرہی اور ان پر اس رخ سے عذاب آیا جدھر سے انہیں گمان تک نہیں تھا''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے مکر کرنے والوں کے گھر کو منہدم کردیا اور مکر کرنے والے اس میں دب کر ہلاک ہوگئے۔ خدا نے انہیں دوزخ میں ڈال دیا۔ یہ دشمنانِ آلِ محمدؐ کی تمثیل ہے۔

کتاب التوحید میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ عمارت کی جڑ اُکھاڑنے سے عذاب نازل کرنا مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ؀ ''پھر قیامت کے دن اللہ انہیں ذلیل وخوار کرے گا اور ان سے کہے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے لیے تم جھگڑا کیا کرتے تھے؟ اس وقت صاحبانِ علم کہیں گے کہ آج رسوائی اور برائی ان کافروں کے لیے ثابت ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اُوْتُوا الْعِلْمَ صاحبانِ علم سے آئمہ ہدیٰ علیہم السلام مراد ہیں اور وہ قیامت کے دن اپنے دشمنوں سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کی تم دنیا میں اطاعت کیا کرتے تھے؟

کیا آیاتِ قرآنی میں تضاد ہے؟

کتاب التوحید میں ایک روایت مرقوم ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک شخص نے امیرالمومنین علی علیہ السلام سے عرض کیا کہ قرآنِ مجید کی بعض آیات ایک دوسرے سے متضاد ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر:۴۲) ''اللہ ہی نفوس کو موت دیتا ہے''۔ پھر دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (السجدہ:۱۱) ''آپ کہہ دیں کہ تمہیں موت کا فرشتہ ہی موت دے گا جسے تم پر موکل کیا گیا ہے''۔

ایک اور آیت میں فرمایا: حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ؀ (الانعام:۶۱) ''یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو ہمارے نمائندے اسے موت دیتے ہیں اور وہ کسی طرح کی کمی نہیں کرتے)۔ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىھُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ (النساء:۹۷) ''بے شک وہ لوگ جنہیں فرشتے موت دیتے ہیں''۔

ان چار آیات میں موت کی نسبت چار مختلف شخصیات کی طرف دی گئی ہے۔ پہلی آیت میں کہا کہ اللہ موت دیتا ہے۔ دوسری آیت میں کہا کہ ملک الموت موت دیتا ہے۔ تیسری آیت میں کہا کہ ہمارے رسول موت دیتے ہیں اور چوتھی آیت میں کہا کہ فرشتے موت دیتے ہیں تو کیا یہ چاروں آیات ایک دوسری کی متضاد نہیں ہیں؟

اس کے جواب میں آپؑ نے فرمایا کہ ان آیات میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔ ''رسل'' سے فرشتے مراد ہیں۔ موت کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کسی کو موت نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو موت کے شعبہ کا نگران مقرر کیا ہے اور ملک الموت کے زیرفرمان بہت سے فرشتے ہیں جو جانداروں کی جان نکالتے ہیں۔

احتجاج طبرسی میں یہی روایت امیر المومنین سے اور من لا یحضرہ الفقیہ میں یہ روایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔

شیخ الطائفہ امالی میں رقم طراز ہیں کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ہر شخص جب یہ جہان چھوڑنے لگتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی منزل جنت ہے یا دوزخ ہے۔ اور وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ وہ خدا کا دوست ہے یا دشمن ہے۔ اگر مرنے والا خدا کا دوست ہو تو اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور وہ خدا کی ان نعمات کو دیکھنے لگ جاتا ہے جو خدا نے اس کے لیے تیار کی ہیں۔

اور اگر مرنے والا خدا کا دشمن ہو تو اس کے لیے دوزخ کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور وہ اس عذاب کا مشاہدہ کرتا ہے جو اس کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ بہرحال موت کے وقت ہر شخص پر اپنی منزل کا تعین آسان ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ النحل میں فرمایا:

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''جنہیں ملائکہ اس حال میں دنیا سے لے جاتے ہیں کہ وہ پاک و پاکیزہ ہوتے ہیں۔ ملائکہ انہیں سَلَامٌ عَلَيْكُمْ کہتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ تم اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ''۔

اہلِ دوزخ کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝

''جنہیں ملائکہ جہان سے اس حالت میں اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں تو وہ اس وقت انہیں اطاعت کی پیش کش کرتے ہیں کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کیا کرتے تھے۔ بے شک خدا خوب جانتا ہے کہ تم کیا کرتے تھے۔ اب دوزخ کے دروازوں میں گھس جاؤ جہاں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ تکبر کرنے والوں کے لیے انتہائی برا ٹھکانا ہے''۔

پھر امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: لوگو! خدا کا تقویٰ اپناؤ' تقویٰ تمام بھلائیوں کو جمع کرتا ہے اور دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کو اس کے علاوہ جمع نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:
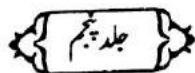
وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝

''اور جب صاحبانِ تقویٰ سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا اُتارا ہے تو انھوں نے کہا کہ خدا نے بھلائی اتاری ہے۔ اس طرح کے نیکوکاروں کے لیے اس دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت کا گھر مزید بہتر ہے اور متقین کے لیے کیا ہی اچھا گھر ہے''۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ سے دنیا مراد ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ ''طیبین'' سے وہ مومن مراد ہیں جن کی پیدائش پاکیزہ ہے۔

الذی امنوا و کانوا یتقون لهم البشریٰ فی الحیاۃ الدنیا وفی الاخرۃ

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے ان کے لیے دنیا کی زندگی اور آخرت دونوں میں ہی خوش خبری ہے''۔

دنیا کی خوش خبری یہ ہے کہ مومن کو اچھے خواب دکھائے جاتے ہیں اور آخرت کی خوش خبری یہ ہے کہ جب ملائکہ ان کی روح قبض کریں گے تو انہیں سلام کر کے کہیں گے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ نے جتنے بھی انبیاء مبعوث کیے ہیں ان سے ہماری ولایت اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری کا عہد لیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۶

''ہم نے ہر اُمت میں رسول بھیجا کہ تم لوگ خدا کی عبادت کرو اور ''طاغوت'' کی بندگی سے بچو۔ ان لوگوں میں سے کچھ کو خدا نے ہدایت دے دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ تم زمین میں چلو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے''۔

قسمیں کھا کر معاد کا انکار کرنے والے

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

''یہ لوگ اللہ کے نام کی کڑی قسمیں کھا چکے ہیں کہ اللہ کسی مرنے والے کو پھر نہیں اُٹھائے گا۔ یہ تو ایک وعدہ کیا ہے جس کا پورا کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے، مگر لوگوں کی اکثریت کو اس کا علم نہیں ہے''۔

تفسیر عیاشی کی دو، روضہ کافی کی ایک اور تفسیر علی بن ابراہیم کی ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے:

ابوبصیر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے میرے سامنے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ لوگ اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

میں نے کہا: لوگ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خدا کی پختہ قسمیں کھا کر کہا کہ اللہ مُردوں کو کبھی دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ مُردوں کا اٹھانا ہمارے ذمہ واجب ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر یہی بات درست ہوتی تو پھر بتاؤ کہ مشرکین اللہ کی قسم کھاتے یا اپنے بتوں لات ومنات وعزیٰ کی قسم کھاتے۔ اگر یہ بات مشرک کہتے تو وہ اپنے ہی خودساختہ خداؤں کی قسم کھاتے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ بات مشرکین نے نہیں کہی تھی۔ اس آیت کا تعلق زمانۂ رجعت سے ہے، جب قائم آلِ محمد علیہ السلام کا ظہور ہوگا تو اس وقت تمہارے مخالفین تم سے کہیں گے کہ لو شیعو! اب تو تمہاری حکومت قائم ہو چکی ہے، لیکن اس کے ساتھ تمہارا جھوٹ بھی ظاہر ہوگیا ہے۔ تم لوگ تو کہتے تھے کہ ظہور قائمؑ کے وقت مُردے قبروں سے اٹھائے جائیں گے، لیکن ایسا تو ابھی تک نہیں ہوا اور خدا کی قسم! ایسا کبھی نہ ہوگا۔

ان کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ یہ تو ایسا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے، لیکن لوگوں کی اکثریت کو اس کا علم نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سرکردہ دشمنانِ آلِ محمدؑ کو زندہ کرے گا اور امام علیہ السلام انہیں قتل کریں گے۔ یوں اہلِ ایمان کے سینوں کو تسکین فراہم ہوگی۔

ارادۂ الٰہی

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

''ہم جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے''۔

شیخ الطائفہ امالی میں لکھتے ہیں کہ صفوان بن یحییٰ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ ارادہ خداوندی کی کیا حقیقت ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ارادہ کا مقصد کسی چیز کو وجود میں لانا ہے' کیونکہ اللہ کے ارادہ میں سوچ اور فکر کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اہلِ ذکر سے سوال کرو

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

''اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے سوال کرو''۔

اس آیتِ مجیدہ نے قیامت تک لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک وہ جو نہیں جانتے' اور دوسرے وہ جو اہلِ ذکر ہیں۔

اور جو لوگ نہیں جانتے ان پر واجب ہے کہ وہ اہلِ ذکر سے سوال کریں۔ اور یہ بات عدلِ الٰہی کے خلاف ہے کہ سوال کرنے والے تو موجود ہوں' لیکن اہلِ ذکر میں سے کوئی فرد موجود نہ ہو۔ اگر اہلِ ذکر نہ ہوں اور سوال کرنے والے گمراہ ہو جائیں تو ان کی گمراہی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر عائد ہوگی۔ (اضافۃ من المترجم)

بصائر الدرجات میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ذکر سے قرآن اور اہلِ ذکر سے آلِ محمدؐ مراد ہیں۔ اور لوگوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہم سے سوال کریں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ذکر'' میں ہوں اور ''اہلِ ذکر'' آئمہ علیہم السلام ہیں۔

عبدالرحمٰن بن کثیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''ذکر'' ہیں اور اہلِ بیت محمدؐ اہلِ ذکر ہیں اور لوگوں کو ہم سے ہی پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

معلّٰی بن محمد نے وشاء سے نقل کیا کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے آیت مجیدہ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ

لا تَعْلَمُوْنَ کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: ہم ہی اہلِ ذکر ہیں اور ہم ہی سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

میں (راوی) نے کہا: اگر آپؑ مسئول ہیں تو پھر ہم سائل ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، ایسا ہی ہے۔

میں (راوی) نے عرض کیا: اس کا مقصد تو یہ ہوا کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم آپؑ سے سوال کریں اور آپؑ پر واجب ہے کہ آپؑ ہمیں جواب دیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: سوال کرنا تم پر فرض ہے، لیکن جواب دینا ہم پر فرض نہیں ہے۔ یہ ہماری صوابدید پر موقوف ہے، چاہیں تو جواب دیں اور چاہیں تو جواب نہ دیں۔ کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا:

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (ص:۳۹) (یہ ہماری بخشش ہے تجھے اختیار ہے جسے چاہے دے اور جس سے چاہے روک لے کوئی حساب نہیں ہے)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے آیت وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ (الزخرف:۴۴) تلاوت فرمائی پھر کہا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "ذکر" ہیں اور آپؐ کے اہلِ بیت "اہلِ ذکر" ہیں اور لوگوں کو ہمی سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ابوبکر حضرمی کا بیان ہے کہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ کمیت شاعر کا بھائی "ورد" آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: مولاؑ! میری خواہش تھی کہ میں آپؑ سے ستر مسائل پوچھوں، لیکن اس وقت ایک مسئلہ بھی ذہن میں موجود نہیں ہے۔

آپؑ نے فرمایا: کیا ایک مسئلہ بھی اس وقت ذہن میں نہیں ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں، اب ایک مسئلہ یاد آیا ہے اور وہ یہ ہے کہ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ کی آیت مجیدہ کے متعلق بتائیں کہ "اہلِ ذکر" کون ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اہلِ ذکر ہم ہیں۔

اس نے کہا تو اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم آپؑ سے سوال کریں اور آپؑ پر واجب ہے کہ ہمیں جواب دیں؟

آپؑ نے فرمایا: تم پر سوال کرنا واجب ہے اور ہم پر جواب دینا واجب نہیں ہے۔

محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے پاس ایسے لوگ بھی رہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ کی آیت میں ''اہلِ ذکر'' سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر ان سے پوچھو کہ اگر مسلمانوں کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ سے پوچھیں تو وہ تو انہیں اپنے دین کی دعوت دیں گے۔ اس وقت وہ کیا کریں گے؟ پھر آپؑ نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ''اہلِ ذکر'' ہم ہیں اور لوگوں کو ہم ہی سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

خدا نے آئمہؑ پر وہ چیز واجب کی ہے جو ان کے شیعوں پر واجب نہیں ہے اور شیعوں پر وہ چیز واجب کی ہے جو آئمہ پر واجب نہیں کی۔ اللہ نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ ہم سے سوال کریں اور فرمایا ہے: فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ انہیں تو ہم سے سوال کرنے کا حکم دیا ہے لیکن ہم پر جواب دینا واجب نہیں کیا۔ یہ ہماری صوابدید پر موقوف ہے چاہیں تو جواب دیں اور اگر چاہیں تو جواب نہ دیں۔

محمد بن ابی نصر بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کو ایک خط لکھا' اس میں میں نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۧ (التوبہ: ۱۲۲)

(سارے مومن نہیں جاسکتے تو ان کے ہر گروہ میں سے چند افراد دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے کیوں نہیں جاتے' تاکہ جب وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرلیں تو اپنی قوم کے پاس واپس آکر انہیں تبلیغ کریں تاکہ لوگ خدا کے عذاب سے بچ سکیں۔)

مگر اس کے باوجود آپ کا موقف یہ ہے کہ اہلِ ایمان پر سوال کرنا فرض ہے' لیکن آپؑ پر جواب دینا فرض نہیں ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

امام علیہ السلام نے جواب میں یہ آیت لکھی: فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ (القصص: ۵۰) (اگر وہ آپ کا کہنا نہ مانیں تو جان لیں کہ وہ تو صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں)

وضاحت: امام علیہ السلام کے اس جواب کا مقصد یہ ہے کہ اگر ہم تمہارے ہر سوال کا جواب دینے لگ جائیں اور تم نے کچھ جوابات پر عمل نہ کیا تو تم اس آیت کے مستحق بن جاؤ گے۔ اسی لیے اگر ہم بعض سوالوں کے جواب نہ بھی دیں تو اس میں تمہاری بھلائی مضمر ہوتی ہے۔ (من المترجم)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ کی آیت مجیدہ کے ضمن میں فرمایا: کتاب "ذکر" ہے اور آلِ محمدؐ "اہلِ ذکر" ہیں۔ اللہ نے لوگوں کو جاہلوں سے سوال کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کا نام "ذکر" رکھا ہے، جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ (النحل: ۴۴) (ہم نے آپ کی طرف "ذکر" (قرآن) کو نازل کیا ہے، تاکہ آپؐ ان احکام کو واضح کریں جو اُن کی طرف نازل کیے گئے ہیں، شاید یہ اس بارے میں غور وفکر کریں)۔

عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا وہ مباحثہ مرقوم ہے جو آپؑ نے دربارِ مامون میں کیا تھا اور آپؑ نے اس گفتگو میں عترت اور اُمت کے بارہ فرق بیان کیے تھے۔ آپؑ نے دورانِ گفتگو فرمایا:

"عترت اور اُمت کا نواں فرق یہ ہے کہ ہم اہلِ ذکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے متعلق فرمایا: فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ (اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے سوال کرو)

دربار میں موجود علماء نے کہا کہ اہلِ ذکر سے تو یہود ونصاریٰ مراد ہیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: سبحان اللہ! اگر اس سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں تو جب تم ان سے سوال کرو گے، وہ کہیں گے کہ ان کا دین تمہارے دین سے بہتر ہے، پھر اس وقت تم کیا کہو گے؟

مامون نے کہا کہ آخر اس آیت کی تشریح کیا ہوسکتی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: "ذکر" حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ہم ان کے اہل ہیں، لہٰذا ہم "اہلِ الذکر" ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ الطلاق میں ارشاد فرمایا: قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿۱۰﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ (اللہ نے تمہاری طرف "ذکر" کو رسول بنا کر بھیجا جو تم پر اللہ کی واضح آیات تلاوت کرتا ہے)۔ لہٰذا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر ہیں اور ہم اہل الذکر ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم اور روضہ کافی کی دو روایات اور کتاب المناقب کی ایک اور تفسیر عیاشی کی ایک روایت میں بھی یہی مفہوم منقول ہے۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ
اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ ۙ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ
تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ ۙ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ
رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ
يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ
دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ
دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ
وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ السجدة وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ
اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ
مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ۚ ثُمَّ
اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ ۙ
لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾
وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ
عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ

مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا
وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ
اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا
يَحْكُمُوْنَ ﴿٥٩﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ
الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٠﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ
بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ
مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا
يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ
الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ
مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ
الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾
وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ
وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ

بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾
وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا
حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى
النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا
يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ۙ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا
ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ
قفۖ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا
ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾ع وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي
الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ
جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ
وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ
اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ۙ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ
رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ۚ فَلَا

تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ
رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ
يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ
اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ
عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ
وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ ع وَلِلّٰهِ غَيْبُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ
اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ
بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ
جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ
جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ
اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا

إِلَىٰ حِينٍ ﴿٨٠﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ﴿٨١﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٨٢﴾ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٣﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِن دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿٨٨﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ

وَالۡاِحۡسَانِ وَاِيۡتَآئِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَيَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ وَالۡبَغۡىِ ۚ يَعِظُكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿٩٠﴾

"کیا بدترین چالیں چلنے والے لوگ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر اُس جگہ سے عذاب لے آئے جہاں سے انہیں اندازہ ہی نہ ہو یا اچانک انہیں چلتے پھرتے پکڑ لے۔ یہ لوگ خدا کو عاجز کرنے والے نہیں ہیں۔ یا انہیں ایسی حالت میں پکڑے کہ انہیں خود مصیبت آنے کا کھٹکا لگا ہوا ہو۔ یقیناً تمہارا پروردگار شفیق اور مہربان ہے۔

کیا ان لوگوں نے اللہ کی بنائی ہوئی کسی چیز کو نہیں دیکھا جس کا سایہ اللہ کے حضور سجدہ کرتے ہوئے دائیں بائیں گرتا ہے، سب کے سب اس طرح اظہارِ عجز کر رہے ہیں۔ زمین اور آسمانوں میں جتنے بھی جاندار ہیں اور جتنے بھی فرشتے ہیں سب کے سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ بڑائی طلب نہیں کرتے۔ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں جو ان کے اُوپر ہے، انہیں جو بھی حکم دیا جاتا ہے وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور اللہ نے کہا ہے کہ دو معبود مت بناؤ۔ معبود تو بس ایک ہی ہے پس تم مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اسی کی ملکیت ہے اور اسی کے لیے مسلسل چلنے والا دین ہے تو کیا خدا کے علاوہ کسی اور سے ڈرو گے؟ تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے، پھر جب تم پر سختی آتی ہے تو تم اُسی کی طرف دوڑتے ہو۔ پھر جب اللہ تم سے سختی ہٹا دیتا ہے تو تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ اوروں کو شریک کرنے لگ جاتا ہے، تاکہ جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے وہ اس کی ناشکری کریں، اچھا خوب مزے اُڑا لو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

یہ لوگ ہمارے عطا کردہ رزق میں ان کے حصے مقرر کرتے ہیں جن کی حقیقت سے یہ واقف نہیں ہیں۔ خدا کی قسم تم جو افتراء پردازی کر رہے ہو اس کے متعلق تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔

یہ لوگ خدا کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں' جب کہ وہ اس سے پاک و پاکیزہ ہے اور خود ان کے لیے وہ ہے جسے یہ خود چاہتے ہیں۔ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی بشارت دی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ خون کے گھونٹ پینے لگ جاتا ہے۔ اس بُری خبر کو سننے کے بعد وہ قوم سے چھپتا پھرتا ہے' سوچنے لگ جاتا ہے کہ آیا ذلت کے ساتھ بیٹی کو اپنے گھر میں لیے رہے یا مٹی میں دفن کر دے۔ یہ لوگ خدا کے متعلق کتنا ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے بدترین مثال ہے اور اللہ کے لیے سب سے برتر صفات ہیں اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر خدا لوگوں کی زیادتی پر فوراً گرفت کرتا تو زمین پر کسی بھی جاندار کو نہ چھوڑتا' لیکن وہ سب کو ایک مقررہ وقت تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب ان کا مقررہ شدہ وقت آ جاتا ہے تو ان کے لیے ایک ساعت کی تاخیر ہوتی ہے اور نہ تقدیم۔

یہ لوگ خدا کے لیے وہ چیز تجویز کرتے ہیں' جو خود انہیں اپنے لیے ناپسندیدہ ہے' اور ان کی زبانیں غلط کہہ رہی ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ ان کے لیے تو بس دوزخ کی آگ ہے۔ یہ سب سے پہلے اس میں ڈالے جائیں گے۔

اے نبیؐ! خدا کی قسم! ہم نے تم سے پہلے بہت سی اُمتوں میں رسول بھیج چکے ہیں مگر شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے آراستہ کیے اور آج بھی وہی ان کا سرپرست ہے اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اور ہم نے آپؐ پر کتاب صرف اس غرض سے نازل کی ہے کہ آپؐ لوگوں کے سامنے ان باتوں کی وضاحت کریں جس میں اُنھوں نے اختلاف کیا ہے۔ یہ کتاب اہلِ ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

اور اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا اور اس کی وجہ سے مُردہ زمین میں جان ڈالی۔ یقیناً اس میں سننے والوں کے لیے نشانی ہے۔ اور یقیناً تمہارے لیے جانوروں میں عبرت کا سامان موجود ہے۔ ہم ان کے شکم سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ تمھیں پلاتے ہیں، جو پینے میں نہایت خوشگوار ہے۔

(اسی طرح) کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں سے بھی ہم تمھیں ایک چیز پلاتے ہیں جسے تم نشہ آور بھی بنا لیتے ہو اور پاک رزق بھی۔ یقیناً اس میں عقل مندوں کے لیے نشانی ہے۔ اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور باڑوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کے ہموار راستوں پر چلتی رہ۔ اس کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا مشروب نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ یقیناً اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانی ہے۔

اللہ نے تمھیں پیدا کیا پھر وہ تمھیں موت دے گا اور تم میں سے بعض افراد کو عمر کے بدترین حصہ تک پہنچا دیا جاتا ہے، تاکہ وہ علم کے بعد کچھ بھی جاننے کے لائق نہ رہیں۔ یقیناً اللہ علم رکھنے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت عطا کی ہے، پھر جن لوگوں کو یہ فضیلت دی گئی ہے وہ ایسے نہیں کہ اپنا رزق اپنے غلاموں کی طرف پھیر دیتے ہیں، تاکہ دونوں اس رزق میں برابر ہو جائیں۔ کیا یہ لوگ اللہ کی نعمت کا انکار ہی کرتے رہیں گے؟

اور اللہ ہی نے تمہارے لیے تمہاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور اُسی نے ہی ان بیویوں سے

تمہیں بیٹے اور پوتے عطا کیے ہیں اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا کیا۔ تو کیا یہ لوگ باطل پر ہی ایمان رکھیں گے اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے رہیں گے؟

یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہیں، جو آسمانوں اور زمین میں کسی کے رزق کے کچھ بھی مالک نہیں ہیں اور نہ وہ کسی چیز کی طاقت ہی رکھتے ہیں۔ تم اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو۔ اللہ جانتا ہے جب کہ تم نہیں جانتے۔

اللہ ایک عبدِ مملوک کی مثال دیتا ہے، جو کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا اور دوسرا وہ ہے جسے ہم نے اچھا رزق دیا ہے اور وہ اس میں سے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے تو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، لیکن لوگوں کی اکثریت کچھ نہیں جانتی۔

اللہ نے ایک اور مثال ان دو انسانوں کی بیان کی ہے، جن میں سے ایک گونگا ہے۔ اُس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے اور وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے، وہ جدھر بھی اسے بھیجے وہ کوئی بھلائی حاصل کر کے نہ لے آئے اور دوسرا شخص وہ ہے جو عدل کا حکم دیتا ہے اور وہ صراطِ مستقیم پر ہے۔ تو کیا یہ دونوں برابر ہوں گے؟

آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں اللہ کی ملکیت ہیں اور قیامت کا معاملہ تو پلک جھپکنے کے برابر یا اس سے بھی قریب تر ہے۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے اس عالم میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح آسمانی فضا میں مسخر ہیں؟ اللہ کے علاوہ انہیں کوئی تھامنے والا نہیں ہے۔ یقیناً اس میں اہلِ ایمان کے لیے نشانی ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو سکون کا باعث بنایا اور تمہارے لیے جانوروں کی کھالوں سے ایسے گھر بنا دیئے جنہیں تم سفر اور قیام دونوں حالتوں میں ہلکا پاتے ہو، اس نے جانوروں کے صوف،

اُون اور بالوں سے تمہارے لیے پہننے اور برتنے کی چیزیں پیدا کردیں' جو مقررہ وقت تک تمہارے کام آتی ہیں۔ اس نے تمہارے لیے اپنی پیدا کردہ بہت سی چیزوں سے سائے کا انتظام کیا ہے اور پہاڑوں میں تمہارے لیے پناہ گاہیں بنائیں اور تمہیں ایسی پوشاک عطا کی جو تمہیں گرمی سے محفوظ رکھتی ہے اور تمہارے لیے ایسے پیراہن بھی بنائے جو تمہیں ہتھیاروں کے اثر سے بچاتے ہیں اور اس طرح سے وہ تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کر رہا ہے' تاکہ تم فرماں بردار بن سکو۔

اور اگر یہ لوگ منہ موڑ لیں تو تم پر بھی صاف پیغام پہنچانے کے علاوہ کوئی دوسری ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں' پھر اس کا انکار کرتے ہیں' ان کی اکثریت کافر ہے۔ اور جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں گے پھر کافروں کو حجت پیش کرنے کا نہ تو موقع دیا جائے گا اور نہ ہی ان سے توبہ واستغفار کا مطالبہ کیا جائے گا۔

جب ظالم عذاب دیکھ لیں گے تو پھر اس میں نہ تو کوئی تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی اور جب مشرکین اپنے شرکاء کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے پروردگار! یہی ہمارے وہ شریک تھے جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔ جواب میں وہ کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔ اس دن وہ اللہ کے حضور اطاعت کی پیشکش کریں گے اور وہ جن باتوں کا افترا کیا کرتے تھے وہ سب بیکار ہوجائیں گی۔ وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا تو ہم انہیں اس فساد کی وجہ سے جسے وہ بپا کرتے ہیں عذاب پر عذاب دیں گے۔

اور جب ہم ہر اُمت میں سے خود انہی میں سے گواہ لائیں گے اور ہم ان کے لیے آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپؐ پر وہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو صاف صاف بیان کرنے والی ہے اور فرماں بردار لوگوں کے لیے ہدایت' رحمت اور خوش خبری ہے۔

بے شک اللہ عدل و احسان اور قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے اور بدکاری، بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے کہ شاید تم اس طرح سے نصیحت حاصل کرو۔

زمین میں دھنس جانے والے

اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰہُ بِہِمُ الْاَرْضَ ......

''کیا بُری چالیں چلنے والے اس بات سے بے خوف ہو چکے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے......''

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد امامت حضرت علی بن الحسینؑ تک پہنچا۔ ان کے بعد محمد بن علیؑ تک پہنچا۔ اس کے بعد خدا جو چاہے سرانجام دے۔ تم ان سے وابستہ رہو۔ جب ان میں سے ایک شخص خروج کرے گا اور اُس کے ساتھ تین سو مددگار ہوں گے اور اُس کے پاس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم ہوگا اور وہ مدینہ کی طرف جا رہا ہوگا اور جب وہ میدان ''بیداء'' میں پہنچے گا تو وہ اپنے ساتھیوں سے کہے گا کہ اس مقام پر اللہ نے ہمارے دشمنوں کو زمین میں دھنسایا ہے''۔

اس واقعہ کی طرف خدا نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰہُ بِہِمُ الْاَرْضَ ......

ابن سنان بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ ......کی آیت مجیدہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا: اس سے خدا کے دشمن مراد ہیں، جنہیں خدا زمین میں دھنسائے گا اور ان کی شکلوں کو مسخ کرے گا اور انہیں زمین میں پھینک دیا جائے گا۔

روضۂ کافی میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے وعظ و زُہد کے متعلق ایک خطبہ منقول ہے کہ جس میں آپؑ نے ارشاد فرمایا:

''خبردار، غفلت کرنے والوں میں سے نہ بنو۔ دنیا کی رنگینیوں پر مر مٹنے والے نہ بنو اور ایسے لوگ نہ بنو جنھوں نے بُری چالیں چلی ہیں کہ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰہُ بِہِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَہُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ

لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

"کیا بُری چالیں چلنے والے لوگ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر ایسی جگہ سے عذاب لے آئے جہاں سے انہیں اندازہ ہی نہ ہو یا اچانک انہیں چلتے پھرتے پکڑ لے۔ یہ لوگ خدا کو عاجز کرنے والے نہیں ہیں یا انہیں ایسی حالت میں پکڑے کہ جب خود انہیں بھی مصیبت آنے کا کھٹکا لگا ہوا ہو۔ یقیناً تمہارا پروردگار شفیق اور مہربان ہے"۔

لوگو! اپنے آپ کو اس سزا سے بچاؤ جس سے خدا نے ظالموں کو ڈرایا ہے اور اِس بات سے بے خوف نہ ہو جاؤ کہ کہیں تم پر وہ عذاب نہ آ جائے جس کا خدا نے ظالموں سے وعدہ کیا ہے۔ اللہ نے دوسری اقوام پر آنے والے عذاب کی داستانیں سنا کر تمہیں نصیحت کی ہے اور وہ شخص خوش نصیب ہے جو دوسروں کے انجام سے نصیحت حاصل کرے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں درج بالا آیات کے ضمن میں مرقوم ہے: لوگ تجارت اور لین دین میں مصروف ہوں گے کہ اچانک ان پر خدا کا عذاب آ جائے گا۔ بعض لوگوں کو عذابِ الٰہی نازل ہونے کا اندیشہ ہوگا۔ اُن کے لیے خدا کی گرفت شروع ہو جائے گی۔

ہر چیز کا سایہ خدا کو سجدہ کرتا ہے

اَوَ لَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ۝

"کیا ان لوگوں نے اللہ کی بنائی ہوئی کسی چیز کو نہیں دیکھا، جس کا سایہ اللہ کے حضور سجدہ کرتے ہوئے دائیں بائیں گرتا ہے۔ سب کے سب اسی طرح سے اظہارِ عجز کر رہے ہیں"۔

وہ سایہ خدا کے لیے سجدہ کرتے ہیں لیکن ان کے سجدہ کا وہ انداز نہیں ہے جو انسانوں کا ہے۔ سائے کا مشرق و مغرب کی طرف جانا اور چھوٹا یا بڑا ہونا ہی اس کا سجدہ ہے۔

ملائکہ کی عبادت

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

''آسمانوں اور زمین میں جتنے بھی جاندار اور فرشتے ہیں وہ سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ بڑائی طلب نہیں کرتے وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں جو اُن کے اُوپر ہے۔ انہیں جو بھی حکم دیا جاتا ہے وہ اس پر عمل کرتے ہیں''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ ملائکہ حکمِ الٰہی کی تعمیل کرتے ہیں اور سر مو انحراف نہیں کرتے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات منقول ہے کہ ساتویں آسمان میں اللہ نے کچھ ایسے فرشتے بھی بنائے ہیں جو اپنی پیدائش کے دن سے ہی سجدہ میں ہیں اور قیامت تک سجدہ میں رہیں گے۔ خوف خدا سے ان کا رواں رواں کانپتا ہے۔ ان کے آنسوؤں کے جتنے بھی قطرے گرتے ہیں ان سے فرشتے پیدا ہوتے ہیں اور جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ سر اُٹھا کر کہیں گے: ''ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا''۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے قرآنِ مجید کی یہ آیت پڑھی: وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ''اور اللہ نے کہا کہ دو معبود مت بناؤ' معبود تو بس ایک ہی ہے''۔

پھر آپؑ نے فرمایا: جس طرح دو معبود بنانا صحیح نہیں ہے اسی طرح دو امام بنانا بھی صحیح نہیں ہے' امام بھی ایک ہی ہے۔

نعمتوں کا سرچشمہ خدا کی ذات ہے

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ...... ''تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ خدا کی نعمت صرف کھانے اور لباس تک ہی محدود ہے تو ایسے شخص کا عمل کم ہے اور اس کا عذاب قریب آ چکا ہے۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو شخص گناہ کر کے اس پر ندامت کا اظہار کرے تو خدا اس کے استغفار سے پہلے اسے معاف کر دے گا اور جو بندہ نعمت حاصل کر کے یہ سمجھے کہ یہ مجھے خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہے تو حمد کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔

ملائکہ خدا کی بیٹیاں نہیں ہیں

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾

''یہ لوگ خدا کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں جب کہ وہ اس سے پاک و پاکیزہ ہے اور خود ان کے لیے وہ ہے جسے وہ چاہتے ہیں''۔

کفار و مشرکین کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا ہے کہ کچھ تو حیا کرو۔ اللہ اولاد سے پاک ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ تمہیں تو بیٹیوں سے محبت ہو اور بیٹیوں سے نفرت ہو، لیکن تم نے خدا کے لیے بیٹیاں تجویز کر رکھی ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ قریش کہتے تھے کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں جب کہ بیٹیاں انہیں اپنے لیے ناگوار تھیں، مگر خدا کی طرف بیٹیاں ہی منسوب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فاسد عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔

بیٹیاں مصیبت نہیں رحمت ہیں

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾

''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے''۔

اس بُری خبر کو سننے کے بعد وہ قوم سے چھپتا پھرتا ہے، سوچنے لگ جاتا ہے کہ آیا ذلت کے ساتھ بیٹی کو اپنے گھر میں لیے رہے یا مٹی میں دفن کر دے۔ یہ لوگ خدا کے متعلق کتنا ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔

عربوں اور دیگر وحشی اَقوام و ملل میں بیٹی کی پیدائش کو نحوست کا باعث سمجھا جاتا تھا، کیونکہ بیٹی نہ تو دشمنوں سے جنگ کر سکتی تھی اور نہ ہی باپ کا معاشی سہارا بن سکتی تھی اور بعض عرب قبائل میں بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کا رواج تھا۔ قبائلی معاشرے میں عورت کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔ عورت کو ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ عورت کی نہ تو گواہی قبول کی جاتی تھی اور نہ ہی اسے میراث میں سے کچھ حصہ ملتا تھا۔ اسلام نے عورت کے مقام کو پستی سے نکال کر اَوجِ ثریا تک

پہنچا دیا اور اس کی گواہی کو پذیرائی ملی اور اسے میراث میں حصہ دار مقرر کیا گیا۔ اسے بھی مردوں جیسے حقوق ملے۔ (اضافۃ من المترجم)

کتاب ثواب الاعمال میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اَلْبِنَاتُ حَسَنَاتٌ وَالْبَنُونَ نِعمَۃٌ "بیٹیاں نیکیاں ہیں اور بیٹے نعمت ہیں"۔ نیکیوں پر ثواب دیا جائے گا اور نعمت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

آپؑ نے فرمایا: جب حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا پیدا ہوئیں اور آپؐ کو حضرت سیدہؑ کی بشارت دی گئی تو آپؐ کے اصحاب کے چہروں پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا: تمہیں پریشانی کیوں ہے، وہ ایک خوشبو ہے جسے میں سونگھوں گا، اس کا رزق خدا کے ذمہ ہے۔

علیؑ تو وصیِ پیغمبرؐ ہیں

تفسیر عیاشی میں انس بن مالک سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وضو کے لیے پانی لانے کا حکم دیا۔ میں نے آپؐ کے لیے بیت الخلا میں پانی رکھا۔ آپؐ اُٹھے اور حوائجِ ضروریہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر میں تشریف فرما ہوئے اور آپؐ نے مجھ سے فرمایا: انس! جو سب سے پہلے یہاں داخل ہوگا وہ مومنین کا امیر، مسلمانوں کا سردار اور چمکتے ہوئے چہرے رکھنے والوں کا قائد ہوگا۔

انس کہتے ہیں کہ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ خدا کرے کہ اس وقت میری قوم کا کوئی فرد آجائے۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ میں اُٹھا اور دروازہ کھولا۔ میں نے دیکھا تو علی بن ابی طالبؑ کھڑے تھے۔ آپؑ اندر آئے رسولِ اکرمؐ نے اُٹھ کر آپؑ کا استقبال کیا اور علیؑ کو گلے لگایا اور اپنی آستین سے اپنا چہرہ پونچھ کر علیؑ کے چہرے پر مس کرنے لگے اور علیؑ کا چہرہ پونچھ کر اپنے چہرے کو مس کرنے لگے۔

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آج آپؐ نے مجھ سے وہ سلوک کیا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا؟

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس سے کیا چیز مانع ہے جب کہ تو میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے اور میرے بعد لوگ جس بات میں اختلاف کریں گے تو ان کے لیے اس کی وضاحت کرے گا اور تو لوگوں کو میری نبوت کی تعلیمات پہنچائے گا۔

دودھ کے فوائد

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾

''اور یقیناً تمہارے لیے جانوروں میں عبرت کا سامان موجود ہے۔ ہم ان کے شکم سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ تمہیں پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے نہایت خوش گوار ہے''۔

الکافی میں مرقوم ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دودھ پینے سے کسی کو ''اچھو'' نہیں لگتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دودھ کے متعلق فرمایا: لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ ''خالص دودھ پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے''۔

ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ میں نے دودھ پیا ہے لیکن اس نے مجھے نقصان پہنچایا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! دودھ کبھی نقصان نہیں پہنچاتا۔ تو نے اس کے ساتھ کوئی اور چیز کھائی ہوگی۔ اس نے تجھے نقصان دیا ہوگا' لیکن تو نے یہ سمجھ لیا کہ دودھ نے تجھے نقصان پہنچایا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: دودھ انبیاء و مرسلین کی غذا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''سیاہ بکری کا دودھ سرخ بکری کے دودھ سے بہتر ہوتا ہے اور سرخ گائے کا دودھ سیاہ رنگ کی گائے کے دودھ سے بہتر ہوتا ہے''۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: گائے کا دودھ دوا ہے۔

ابوالبلاد کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے فسادِ معدہ کا شکوہ کیا۔ آپؑ نے فرمایا: تم گائے کا دودھ کیوں نہیں پی لیتے؟ پھر آپؑ نے فرمایا: کیا تم نے کبھی گائے کا دودھ پیا بھی ہے؟

میں (راوی) نے عرض کیا: مولاؑ! کئی بار پیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: پھر تم نے اسے کیسا پایا؟

میں نے کہا: گائے کا دودھ معدہ کو صاف کرتا ہے' گردوں پر چربی پیدا کرتا ہے اور بھوک بڑھاتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اگر اس وقت ہماری گائیں دودھ دے رہی ہوتیں تو ہم اکٹھے ''ینبع'' جاتے اور وہاں جا کر دودھ پیتے۔

وضاحت: "بقیع" مدینہ سے کچھ فاصلہ پر ہے وہاں اہلِ بیتؑ کی زمین تھی اور وہاں ان کے مویشی بھی چرا کرتے تھے۔ (من المترجم)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: اُونٹ کا پیشاب اس کے دودھ سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے دودھ میں شفا رکھی ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: دودھ میں پکا ہوا "حسو" موت کے علاوہ ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔

وضاحت: "حسو" اہلِ عرب کا مخصوص کھانا ہے، جو آٹے اور دودھ سے تیار کیا جاتا ہے۔ (من المترجم)

انگور اور کھجور

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

"اور اسی طرح سے کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں سے بھی ایک چیز پلاتے ہیں جسے تم نشہ آور بھی بنا لیتے ہو اور پاک رزق بھی۔ یقیناً اس میں عقل مندوں کے لیے نشانی ہے"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ سَكَرًا سے مراد سرکہ ہے اور رِزْقًا حَسَنًا سے منقّٰی مراد ہے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ کشتی میں ہر چیز کا جوڑا سوار کریں۔ آپؑ نے عجوہ کھجور اور اس کے نر کھجور کو سوار کیا اور یوں یہ ایک جوڑا بنا۔ جب پانی خشک ہوا تو اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کو حکم دیا کہ وہ انگور کاشت کریں۔ آپؑ نے انگور کاشت کرنے کا ارادہ کیا تو ابلیس آیا اور اس نے آپؑ کو انگور کاشت کرنے سے روکا۔

حضرت نوحؑ نے فرمایا: میں اسے ضرور کاشت کروں گا۔ جواب میں ابلیس نے کہا: میں آپؑ کو انگور کاشت نہیں کرنے دوں گا، کیونکہ انگور آپؑ کے لیے نہیں یہ میرے اور میرے ساتھیوں کے لیے ہے۔ چنانچہ ایک سال تک یہ جھگڑا چلتا رہا۔ بعد ازاں حضرت نوحؑ اور ابلیس کے درمیان مصالحت ہوگئی کہ اس کے شیرہ کا کچھ حصہ ابلیس کے لیے ہوگا اور کچھ حصہ نوحؑ کے لیے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

مسلمان ابتدائی دور میں انگور سے شراب کشید کرتے رہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت کا اعلان کیا اور
اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (المائدہ: ۹۰) (شراب، جوا، بت اور پانسے کے تیر ناپاک ہیں یعنی شیطانی عمل ہیں تم ان سے پرہیز کرو) کی آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے شراب چھوڑ دی اور اس آیتِ مجیدہ نے سورہ النحل کی آیت کو منسوخ کر دیا۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ابلیس لعین نے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ انگور کے متعلق جھگڑا کیا تھا۔ حضرت جبریلؑ آئے اور اُنھوں نے حضرت نوحؑ سے کہا: انگوروں میں ابلیس کا بھی حصہ ہے۔ حضرت نوحؑ نے اسے تہائی حصہ دیا، لیکن ابلیس اس پر راضی نہ ہوا۔ پھر حضرت نوحؑ نے اسے نصف حصہ دیا اس پر بھی وہ راضی نہ ہوا۔

حضرت جبریلؑ آگ لائے جس نے دو تہائیاں جلا ڈالیں اور ایک تہائی باقی رہ گئی۔ حضرت جبریلؑ نے کہا: جتنے حصہ کو آگ نے جلایا ہے وہ ابلیس کا حصہ ہے اور جو حصہ بچ گیا ہے وہ آپؑ کا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انگور کے شیرے کو آگ پر گرم کیا جائے اور وہ جوش کھانے لگے تو وہ نجس ہو جاتا ہے اور جب دو حصے جل جائیں اور ایک تہائی باقی رہے تو وہ حلال ہو جاتا ہے۔ (من المترجم)

شہد اور شہد کی مکھی

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ......

''اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی......''

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت میں لفظ ''وحی'' الہام کے معنی میں ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں اس آیتِ مجیدہ کے ضمن میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کو الہام فرمایا کہ وہ تمام نباتات کے پھلوں پر بیٹھے اور رس میں سے رَس چوسے اور اس رَس سے شہد تیار کرے۔

اس آیتِ مجیدہ کی ایک باطنی تاویل کرتے ہوئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''نحل'' امام ہے اور ''جبال'' سے شیعانِ عرب ''شجر'' سے شیعانِ عجم اور ''مما یعرشون'' سے غلام اور مملوک مراد ہیں اور اس ''نحل'' سے وہ علم برآمد ہوتا ہے جو انسانوں کے لیے شفا ہے۔

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چیونٹی، شہد کی مکھی، مینڈک، صرد، ہُدہُد اور اَبابیل کے مارنے سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ شہد کی مکھی پاکیزہ غذا کھاتی ہے اور پاکیزہ شہد بناتی ہے اور یہ اگرچہ نہ انسان ہے اور نہ جن ہے پھر بھی اللہ نے اس کی طرف وحی فرمائی ہے۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اپنے دین کی تقیہ سے حفاظت کرو جس میں تقیہ نہیں اس میں ایمان نہیں۔ تمہاری مثال وہی ہے جو پرندوں میں شہد کی مکھی کی ہے۔ اگر پرندوں کو علم ہوجائے کہ اس کے اندر کیا جوہر چھپا ہوا ہے تو وہ اسے ختم کرڈالیں گے۔ اسی طرح سے اگر لوگوں کو تمہارے سینوں میں چھپے ہوئے نورِ ولایت کا علم ہوجائے تو وہ بھی تمہیں ختم کردیں گے۔ اللہ تم میں سے اس بندے پر رحم کرے جو ہماری ولایت کا عقیدہ رکھتا ہو۔

ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ مجھے بدن میں درد محسوس ہوتا ہے اور اس کے لیے میں نبیذ (کھجور سے بنی ہوئی شراب) پیتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: تو پانی کیوں استعمال نہیں کر لیتا جس سے اللہ نے ہر زندہ چیز کو زندگی عطا کی ہے؟

اس شخص نے کہا: وہ مجھے موافق نہیں آتا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: نبیذ کے بجائے تو شہد استعمال کیوں نہیں کرتا جس میں خدا نے لوگوں کے لیے شفا رکھی ہے؟ اس شخص نے کہا: مجھے شہد نہیں ملتا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: نبیذ کی جگہ تو دودھ استعمال کیوں نہیں کرتا، جس سے تیرا گوشت اُگا ہے اور تیری ہڈیاں مضبوط ہوئی ہیں؟ اس شخص نے کہا: دودھ مجھے راس نہیں آتا۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے شراب پینے کی اجازت دے دوں؟ خدا کی قسم! میں تجھے شراب پینے کا کبھی حکم نہیں دوں گا۔ میں تجھے شراب پینے کا کبھی حکم نہیں دوں گا۔ (آپؑ نے دو بار یہ کلمات فرمائے)

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

شہد چاٹنا ہر بیماری سے شفا کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا ہے: یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ”اس (شہد کی مکھی) کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا مشروب برآمد ہوتا ہے جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے“۔

عیون الاخبار میں حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ”اگر کسی چیز میں شفا ہوسکتی ہے تو وہ یا تو پچھنے لگانے والے کا نشتر ہے یا پھر شہد کا شربت ہے۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو تمہیں شہد کا شربت پیش کرے اسے مت ٹھکراؤ''۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تین چیزیں حافظہ کو تیز کرتی ہیں اور بلغم دُور کرتی ہیں: ① قرآن ② شہد ③ کندر (ایک قسم کا گوند جو دھونی کے کام آتا ہے)۔

الکافی میں حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: شہد کا چاٹنا ہر بیماری سے شفا کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ''اس کے شکم سے مختلف رنگوں کا مشروب برآمد ہوتا ہے اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے''۔ اور اگر اس کے ساتھ قرآن پڑھا جائے اور کندر کو چبایا جائے تو اس سے بلغم دُور ہوتا ہے۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ایک شخص امیرالمومنین علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: امیرالمومنینؑ! میرے پیٹ میں درد رہتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا کیا تیری بیوی ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی بیوی سے کہو کہ وہ اپنے ذاتی مال میں سے خوشی خوشی تمہیں کچھ رقم دے۔ پھر اس رقم سے شہد خرید کر لو اور اس شہد میں بارش کا پانی ملا کر پیئو۔ خدا نے چاہا تو تجھے تندرستی ملے گی۔ میں نے اللہ کی کتاب میں یہ آیت پڑھی ہے: وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا (ق: ۹) ''اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی نازل کیا''۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ''اس (شہد کی مکھی) کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا مشروب برآمد ہوتا ہے، جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ④ (النساء: ۴) ''اور اگر وہ تمہیں خوشی سے کچھ دے دیں تو اسے خوشگوار سمجھ کر کھا لو''۔ چنانچہ جب برکت، شفا اور خوشگواریت جمع ہو جائیں گی تو تم شفایاب ہو جاؤ گے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ شہد اور اس کی مکھی میں عبرت کی بہت سی باتیں ہیں۔ شہد ہمیشہ مکھی کے منہ سے نکلتا ہے جو کہ پیغامِ شفا ہے، اور عجیب بات یہ ہے کہ جس منہ سے شہد برآمد ہوتا ہے اسی کے اندر زہر بھی ہے، کیونکہ مکھی ڈنگ بھی مارا کرتی ہے۔ مکھیوں کی ایک ملکہ ہوتی ہے جو ہمیشہ ان کے آگے پرواز کرتی ہے اور مکھیوں کی حفاظت کرتی ہے اور اس کا چھتہ انجینئرنگ کا شاہکار ہے۔ ملکہ مکھی کو ''یعسوب'' کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی مکھی غلط جگہ چلی جائے تو وہ اسے چھتہ میں داخل نہیں ہونے دیتی۔

اور اگر چھتہ میں ملکہ نہ رہے تو ان کی ساری جمعیت درہم برہم ہو جاتی ہے اور ان کا نظام مختل ہو جاتا ہے۔ ملکہ مکھی کی

انہی خصوصیات کو مدنظر رکھ کر امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا تھا: اَنَا يَعسُوبُ المُؤمِنِينَ ''میں اہلِ ایمان کا ''یعسوب'' ہوں''۔

عمر کا رذیل ترین حصہ

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا

''اور تم میں سے بعض افراد کو عمر کے بدترین حصہ تک پہنچا دیا جاتا ہے تا کہ وہ علم کے بعد کچھ بھی جاننے کے لائق نہ رہیں''۔

اصولِ کافی میں اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے اہلِ ایمان ''اصحابِ میمنہ'' میں چار روحیں رکھی ہیں: ① روحِ امان ② روحِ قوت ③ روحِ شہوت ④ روحِ بدن۔

روحِ ایمان کے ذریعہ سے اُنھوں نے اللہ کی عبادت کی اور انھوں نے شرک نہیں کیا۔ روحِ قوت کے ذریعہ سے انھوں نے دشمنوں سے جہاد کیا اور اپنا رزق روزی تلاش کیا۔ روحِ شہوت کے ذریعہ سے انھوں نے لذیذ کھانے کھائے اور حلال طریقہ سے انھوں نے جنسی تسکین حاصل کی اور روحِ بدن کے ذریعہ سے وہ بڑھے اور پروان چڑھے۔ انسان ان چار اَرواح کی تکمیل میں مصروف رہتا ہے' یہاں تک کہ اس پر حالات طاری ہوتے ہیں۔

راوی نے کہا: امیر المومنینؑ! وہ کون سے حالات ہوسکتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: ان میں سے پہلی حالت تو وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا (اور تم میں سے بعض کو عمر کے بدترین حصہ تک پہنچا دیا جاتا ہے' تا کہ وہ علم کے بعد کچھ بھی جاننے کے لائق نہ رہے۔)

جب کسی شخص پر بڑھاپا طاری ہوتا ہے تو اس میں باقی اَرواح بھی کمزور ہو جاتی ہیں' لیکن وہ اتنی کمزور نہیں ہوتیں کہ وہ شخص دین سے خارج ہو جائے۔ جب کوئی شخص بڑھاپے کی آخری منزل پر پہنچتا ہے تو اسے نہ تو نماز کے وقت کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی وہ نمازِ تہجد پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی وہ نمازِ باجماعت میں لوگوں کے ساتھ کھڑا ہوسکتا ہے۔ بڑھاپے کی وجہ سے روحِ ایمان میں کمزوری واقع ہوتی ہے۔

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ جب کسی کی عمر سو سال کی ہو جائے تو وہ ''ارذل العمر'' (عمر کے رذیل ترین حصہ)

میں پہنچ جاتا ہے اور ''ارذل العمر'' کی علامت یہ ہے کہ بوڑھے انسان کی عقل سات سال کے بچے کے برابر ہو جائے۔ جب انسان بڑھاپے کی آخری سرحدوں پر پہنچتا ہے تو اسے سابقہ معلومات بھول جاتی ہیں۔

مجمع البیان میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''ارذل العمر'' پچھتر سال سے شروع ہو جاتی ہے۔

اپنے ماتحتوں کے ساتھ بھلائی کرو

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۗ

''اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔ پھر جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ ایسے نہیں ہیں کہ اپنا رزق اپنے غلاموں کی طرف پھیر دیتے ہوں' تاکہ وہ رزق میں برابر ہو جائیں''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں اس آیتِ مجیدہ کے ضمن میں مرقوم ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ کسی غذا کو اپنے لیے مخصوص کرے اور اپنے اہل وعیال کو اس سے محروم رکھے۔

جوامع الجامع میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ''لوگو! یہ تمہارے بھائی ہیں جو لباس خود پہنو انہیں بھی وہی لباس پہناؤ اور جو کھانا خود کھاؤ انہیں بھی وہی کھانا کھلاؤ''۔

صحابہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے بعد حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام ہمیشہ وہی لباس پہنتے تھے جو خود حضرت ابوذرؓ نے پہنا ہوتا تھا۔

پوتے نواسے

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً ......

''اللہ نے ہی تمہارے لیے تمہاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور اسی نے ہی ان بیویوں سے تمہیں بیٹے اور پوتے عطا کیے''۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "حفید" کا اطلاق پوتے اور نواسے پر یکساں ہوتا ہے اور ہم رسولؐ خدا کے نواسے ہیں۔

مملوک کے پاس اختیار نہیں ہوتا

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ ......

"اللہ ایک عبدِ مملوک کی مثال بیان کرتا ہے، جو کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا....."

الکافی کی ایک، من لا یحضرہ الفقیہ کی ایک، تہذیب الاحکام اور تفسیر عیاشی کی تین تین روایات کا ماحصل اور نتیجہ یہ ہے کہ غلام اور کنیز کو کسی طرح کا اختیار نہیں ہوتا اور حد یہ ہے کہ انہیں اپنی مرضی سے نکاح اور طلاق کا اختیار بھی نہیں ہوتا۔ مملوک کے نفع ونقصان کے تمام اختیار اس کے مالک کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ (اور جو عدل کا حکم دے اور وہ صراطِ مستقیم پر ہو) کی آیت کے مصداق حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام ہیں۔

انسان پیدائش کے وقت جاہل ہوتا ہے

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

"اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے اس عالم میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکرگزار بن جاؤ"۔

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ بالکل جاہل ہوتا ہے۔ اسے اپنے نفع ونقصان کا علم نہیں ہوتا اور تخلیقِ انسان کا مقصد اس کی آزمائش ہے جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۲﴾ (الدہر: ۲)

"یقیناً ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ ہم اس کی آزمائش کریں۔ چنانچہ ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنا دیا"۔

انسان سے آزمائش کا تقاضا تب صحیح ہوسکتا ہے جب اس کے پاس علم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے علم حاصل کرنے کے لیے

انسان کو آلات دیئے' اسے کان دیئے تا کہ وہ ان سے سنے اور آنکھیں دیں تا کہ وہ ان سے اشیاء کو دیکھے' پھر دل دیا تا کہ اس سے اپنی معلومات میں صحیح و باطل کی تمیز کر سکے۔ دل تمام اعضاء و جوارح کا پیشوا اور امام ہے۔

آنکھ اور کان اگرچہ اللہ تعالیٰ کی دونوں نعمتیں ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ پر کان کو آنکھ سے مقدم رکھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معلومات کا تعلق آنکھ کی بہ نسبت کان سے زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص پیدائشی نابینا ہو اور اس کے کان صحیح ہوں تو وہ بہت کچھ علم حاصل کر سکتا ہے اور اگر کوئی شخص پیدائشی بہرا ہو اور اس کی آنکھیں سلامت ہوں تو اس کے پاس انتہائی کم معلومات ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے عام نوعِ انسانی کے متعلق فرمایا کہ جب تم شکمِ مادر سے برآمد ہوئے تو تم لَا تَعْلَمُوْنَ تھے یعنی کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور اسی سورہ کی ایک سابقہ آیت میں حکم دیا: فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ اگر تم لَا تَعْلَمُوْنَ ہو تو اہلِ ذکر سے سوال کرو۔

ان آیاتِ مجیدہ پر توجہ دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ نسلِ انسانی کے دو طبقات ہیں: پہلا طبقہ لَا تَعْلَمُوْنَ ہے اور دوسرا طبقہ ''اہل الذکر'' ہے اور پہلے طبقہ کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اہلِ الذکر سے سوال کرے۔

لَا تَعْلَمُوْنَ طبقہ کے علم کے ذرائع بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تمہارے لیے کان بنائے' تمہیں آنکھیں دیں اور دل عطا کیا۔ کان نے سنا' آنکھ نے دیکھا اور وہی معلومات دل میں جمع ہوئیں اور اگر اہلِ الذکر کا ذریعہ علم بھی وہی ہو جو لَا تَعْلَمُوْنَ کا ہے تو پھر ان سے رجوع کرنے کا حکم ہی لغو قرار پائے گا۔

لَا تَعْلَمُوْنَ اور اہلِ الذکر میں فرق یہ ہے کہ لَا تَعْلَمُوْنَ کا علم باہر سے اندر آتا ہے اور اہلِ الذکر کا علم اندر سے باہر آتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں قرآنِ کریم میں اللہ نے فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی والدہ کی آغوش میں رہ کر مکمل تقریر کی تھی۔ جب کہ یہ علم انھوں نے نہ تو کانوں سے سنا تھا اور نہ ہی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ (اضافۃ من المترجم)

ہشام بن الحکم کا تاریخی مناظرہ

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دربار میں آپؑ کے شاگرد بیٹھے ہوئے تھے جن میں حمران بن اعین' محمد بن اعین' محمد بن نعمان' ہشام بن سالم' طیار اور دوسرے بہت سے شاگرد موجود تھے ان میں ہشام بن

حکم بھی موجود تھے۔ اس وقت ہشام تمام شاگردوں میں سے سن و سال میں چھوٹے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہشام سے فرمایا: ہشام! اپنا وہ مباحثہ تو سناؤ جو تم نے عمرو بن عبید بصری کے ساتھ کیا تھا۔ ہشام نے عرض کیا: آپؑ کا جلال لب کشائی سے مانع ہے اور آپؑ کی موجودگی میں مَیں کچھ عرض کرنے کے لائق نہیں ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر عمل کیا کرو۔

ہشام نے کہا: مولاؑ! واقعہ یہ ہے کہ مجھے معلوم ہوا کہ عمرو بن عبید بصرہ کی ایک مسجد میں بیٹھا ہوا ہے اور مسائل پوچھنے والے لوگ اسے گھیرے ہوئے ہیں۔ میں بھی اُس مسجد میں چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ لوگوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہوا تھا اور چاروں طرف سے اس کے عقیدت منداسے گھیرے ہوئے تھے۔ میں صفوں کو چیرتا ہوا اس کی محفل کے ایک کنارے پر جا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد میں نے اس سے کہا:

اے محترم عالم! میں ایک مسافر ہوں' کیا میں بھی آپ سے کوئی مسئلہ پوچھ سکتا ہوں؟

عمرو بن عبید نے میری طرف دیکھا اور کہا: ہاں تمہیں مسئلہ پوچھنے کی اجازت ہے (بعد کی گفتگو کو ہم مکالمہ کی شکل میں لکھتے ہیں)۔

ہشام: کیا آپ کی آنکھیں ہیں؟

عمرو بن عبید: بیٹا! یہ بھی کوئی سوال ہے' میری آنکھیں تو تمہیں دکھائی دے رہی ہیں' اس کے باوجود تم مجھ سے اِس طرح کا بے مقصد سوال کیوں پوچھتے ہو؟

ہشام: میں نے ایسا ہی مسئلہ پوچھنا ہے۔

عمرو بن عبید: پوچھو! اگرچہ تمہارا سوال حماقت پر مبنی ہے۔

ہشام: میں نے پوچھا تھا کہ آپ کی آنکھیں ہیں؟

عمرو بن عبید: جی ہاں' میری آنکھیں ہیں۔

ہشام: آپ آنکھوں سے کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو بن عبید: میں اس سے رنگ اور اَجسام کو دیکھتا ہوں۔

ہشام: کیا آپ کی ناک ہے؟

عمرو بن عبید: جی ہاں۔

ہشام: آپ ناک سے کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو بن عبید: میں اس سے سونگھتا ہوں۔

ہشام: کیا آپ کا منہ ہے؟

عمرو بن عبید: جی ہاں۔

ہشام: آپ منہ سے کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو بن عبید: میں اس سے اشیاء کا ذائقہ معلوم کرتا ہوں۔

ہشام: کیا آپ کے کان ہیں؟

عمرو بن عبید: جی ہاں' میرے کان ہیں۔

ہشام: آپ کانوں سے کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو بن عبید: میں کانوں سے آوازیں سنتا ہوں۔

ہشام: کیا آپ کا دل ہے؟

عمرو بن عبید: جی ہاں' میرا دل ہے۔

ہشام: آپ دل سے کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو بن عبید: اعضاء و جوارح جو کچھ محسوس کرتے ہیں میں اس کے ذریعہ سے ان کی محسوسات میں تمیز کرتا ہوں۔

ہشام: کیا آپ کے اعضاء و جوارح دل سے بے نیاز ہیں؟

عمرو بن عبید: نہیں' ان کے لیے دل کی ضرورت ہے۔

ہشام: جب آپ کے اعضاء و جوارح مکمل طور پر صحت مند ہیں تو آپ کو دل کی ضرورت کیوں ہے؟

عمرو بن عبید: بیٹا! جب اعضاء کو سونگھنے' چکھنے اور سننے میں کوئی اشتباہ ہوتا ہے تو وہ اسے دل کی طرف پلٹا دیتے ہیں۔ دل فیصلہ کرتا ہے اور یقین اور شک میں امتیاز کرتا ہے۔

ہشام: اس کا مقصد تو یہ ہوا کہ اللہ نے اعضاء و جوارح کے شک کو دُور کرنے کے لیے دل پیدا کیا ہے!

عمرو بن عبید: جی ہاں' ایسا ہی ہے۔

ہشام: دل کا وجود ضروری ہے، ورنہ اعضاء و جوارح کو یقین حاصل نہیں ہوگا؟

عمرو بن عبید: جی ہاں، یہ سچ ہے۔

اس کے بعد میں (ہشام) نے اس سے کہا: اللہ نے تیرے اعضاء کو بھی امام کے بغیر نہیں چھوڑا اور اس نے دل کو امام بنایا، تا کہ صحیح و غلط کا فیصلہ ہو سکے اور شک دُور ہو اور یقین حاصل ہو۔ اب تیرا کیا خیال ہے کہ جس خدا نے ایک انسان کے اعضاء و جوارح کو امام کے بغیر نہیں رکھا تو کیا اس کے عدل کا یہی تقاضا ہے کہ اپنی پوری مخلوق کو امام کے بغیر رکھے اور وہ امام کے بغیر حیرت و شک میں سرگرداں رہے؟!!

جب عمرو بن عبید نے یہ گفتگو سنی تو وہ خاموش ہوگیا اور اس سے کوئی جواب نہ بن سکا۔ کچھ دیر بعد وہ میری طرف متوجہ ہوا اور مجھ سے کہا: خدارا! مجھے بتاؤ کیا تم ہشام بن الحکم تو نہیں ہو؟

میں نے کہا: نہیں۔

اس نے کہا: کیا تم اس کے ہم نشین ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔

اس نے کہا: تمہارا گھر کہاں ہے؟ میں نے کہا: میں کوفہ کا رہائشی ہوں۔

اس نے کہا: اگر تم کوفہ کے رہائشی ہو تو یقیناً تم ہی ہشام بن الحکم ہو۔ پھر اس نے مجھے سینہ سے لگایا اور اپنی مسند پر بٹھایا اور جب تک میں وہاں موجود رہا اس نے کوئی بات نہ کی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ سن کر مسکرانے لگے اور فرمایا: ہشام! یہ باتیں تمہیں کس نے تعلیم دیں؟

اس نے کہا: مولاؑ! یہ سب آپؑ ہی کا فیضانِ نظر ہے۔ میں نے یہ باتیں آپؑ ہی سے سنی ہیں اور انہیں ایک خاص شکل میں ترتیب دیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ بات صحائف ابراہیمؑ و موسٰیؑ میں لکھی ہوئی ہے۔

سردی و گرمی کا چکر

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝۸۱

"اس نے تمہارے لیے اپنی پیدا کردہ بہت سی چیزوں سے سائے کا انتظام کیا ہے اور پہاڑوں میں

تمہارے لیے پناہ گاہیں بنائیں اور تمہیں ایسی پوشاک عطا کی جو تمہیں گرمیوں سے محفوظ رکھتی ہے
اور تمہارے لیے ایسے پیراہن بھی بنائے' جو تمہیں ہتھیاروں کی زد سے بچاتے ہیں۔ اس طرح سے
وہ تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کر رہا ہے' تاکہ تم فرماں بردار بن سکو"۔

روضہ کافی میں سلیمان بن خالد سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ سردی اور گرمی کا سبب کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے ابوایوب! مریخ گرم ستارہ ہے اور زُحل سرد ستارہ ہے۔ جب مریخ بلند ہوتا ہے تو زُحل ہٹ جاتا ہے۔ ربیع میں اس کا آغاز ہوتا ہے۔ مریخ تین ماہ تک بلندی پر رہتا ہے اور زُحل درجہ حضیض میں رہتا ہے۔ اسی وجہ سے گرمی بڑھ جاتی ہے۔ جب موسم گرما کے آخری دن ہوتے ہیں اور موسم خریف کی ابتداء ہوتی ہے تو زُحل بلندی کی طرف آتا ہے اور مریخ پستی کی جانب جاتا ہے اور یہ سلسلہ پورے موسمِ سرما اور خریف کے آخر تک قائم رہتا ہے۔ اسی لیے سردی بڑھ جاتی ہے اور یہ دونوں ستارے ہمیشہ ایک دوسرے کے برعکس سفر کرتے رہتے ہیں۔ اور جب موسم گرما میں سرد دن ہو تو اس کا تعلق چاند سے ہوتا ہے اور جب موسم سرما میں گرم دن ہو تو اس کا تعلق سورج سے ہوتا ہے۔ یہ اس خدا کا مقرر کردہ نظام ہے' جو غالب اور صاحبِ علم ہے اور میں رب العالمین کا بندہ ہوں۔

نعمت کو پہچان کر اس کا انکار کرنے والے

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾

"یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں' ان کی اکثریت کافر ہے"۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا: اُنھوں نے اللہ کی نعمت کو پہچان لیا تھا۔ پھر انھوں نے انکار کیا تھا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی نعمت اہلبیتؑ ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا...... (ابراہیم: ۲۸)

"کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا' جنھوں نے اللہ کی نعمت کے بدلے میں کفر کیا"۔

پھر آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! ہم اللہ کی وہ نعمت ہیں جو اُس نے اپنے بندوں پر کی ہے اور جو بھی کامیاب ہوا وہ ہماری وجہ سے ہوا۔

اصولِ کافی میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب حضرت علی علیہ السلام کی شان میں اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴿۵۵﴾ (المائدہ:۵۵) (بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اسی کا رسول ہے اور وہ اہلِ ایمان تمہارے ولی ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں) کی آیت مجیدہ نازل ہوئی تو حضرت علی علیہ السلام کے کچھ سیاسی حریف مسجد میں جمع ہوئے اور اُنھوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اس آیت کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟

ان میں سے بعض نے کہا: اگر ہم اس آیت کا انکار کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہمیں باقی آیات کا بھی انکار کرنا پڑے گا اور اگر ہم اسے تسلیم کرتے ہیں تو یہ ہمارے لیے ہمیشہ کی ذلت ہے۔ اس طرح سے علیؑ ہم پر مسلط ہو جائے گا۔

اس وقت سب نے کہا: ہم جانتے ہیں کہ محمدؐ اپنی بات میں سچے ہیں، اب اس کا یہی ایک حل ہے کہ ظاہری طور پر ہم علیؑ سے محبت رکھیں، لیکن علیؑ کا کہنا نہ مانیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا ''وہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں''۔ مقصد یہ ہے کہ انہیں علیؑ کی ولایت کی پہچان ہو چکی ہے۔ وہ جان بوجھ کر اس کا انکار کر رہے ہیں۔

وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴿۸۳﴾ ان کی اکثریت ولایت کی منکر ہے۔

ہر اُمت کا گواہ ہوگا اور نبی اکرمؐ سب کے گواہ ہوں گے

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ

''اور جس روز ہم ہر اُمت میں سے خود انہی میں سے گواہ لائیں گے اور ہم ان پر آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے''۔

کتاب المناقب میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اس اُمت کے گواہ ہم ہیں۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر اُمت کے انبیاء اور عادل افراد کو ان کا گواہ بنا کر مبعوث کرے گا وہ لوگوں کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہر زمانہ اور ہر اُمت کے لیے ایک امام ہوتا ہے اور ہر اُمت اپنے امام کے ساتھ مبعوث کی جائے گی۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی یہی روایت مرقوم ہے اور ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے کہ آئمہ لوگوں کے گواہ ہوں گے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئمہ کے گواہ ہوں گے۔

تفسیر عیاشی میں حماد لحام سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم، ہم جانتے ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ زمین و آسمان کے مابین ہے اور ہم جانتے ہیں جو کچھ جنت و دوزخ میں ہے۔ جب میں نے امامؑ کا یہ فرمان سنا تو میں حیران و پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگ گیا۔ آپؑ نے میری پریشانی کو بھانپ کر فرمایا: حماد! قرآنِ مجید میں اس مفہوم کی تین آیات موجود ہیں۔ ان میں سے ایک آیت یہ ہے:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾

''اور جب ہم ہر اُمت میں سے خود انہی میں سے گواہ لائیں گے اور ہم ان کے لیے آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپؐ پر وہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو صاف صاف بیان کرنے والی ہے اور فرماں بردار لوگوں کے لیے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے فرمایا: وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (الاعراف: ۱۴۵) ''ہم نے موسیٰؑ کے لیے ہر چیز میں سے کچھ نہ کچھ تختیوں میں لکھ دیا تھا''۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں ہر چیز کی تفصیل موجود نہ تھی، بلکہ اس میں سے کچھ کچھ کا تذکرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے فرمایا: لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ''تاکہ وہ ان کے لیے ان مسائل کو واضح کرے، جن میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں''۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں تمام مسائل نہیں تھے، بلکہ اس میں وہ مسائل تھے جن کے متعلق لوگ اختلاف کرتے تھے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ سے فرمایا: وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ''ہم آپ کو ان گواہوں پر گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: میں آسمانوں، زمین، ماضی اور مستقبل کی خبریں جانتا ہوں گویا سب کچھ میری مٹھی میں ہے۔ آپؑ نے فرمایا: میں اللہ کی کتاب سے یہ سب کچھ جانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ "قرآن میں ہر چیز کا صاف صاف بیان موجود ہے"۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مختلف اَدیان وملل کے علماء سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: ہمارے نبیؐ کی صداقت کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ آپؐ یتیم اور مفلس تھے اور اُجرت پر بکریاں چراتے تھے۔ آپؐ نے دنیا کی کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی اور آپؐ کسی معلم کے پاس نہیں گئے تھے، اس کے باوجود آپؐ نے دنیا کے سامنے وہ کتاب پیش کی جس میں انبیائے سابقین اور ان کی اُمتوں کا تفصیلی ذکر ہے اور اس میں گذشتہ واقعات موجود ہیں اور قیامت تک آنے والے حالات کا تذکرہ موجود ہے۔

اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ہر چیز کا صاف صاف بیان نازل کیا ہے۔ اللہ نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس کی بندوں کو ضرورت ہو اور اس کا ذکر قرآن میں نہ ہو۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں مسئلہ قرآن میں ہوتا تو بہت اچھا تھا۔ اس لیے اللہ نے ہر مسئلہ قرآن میں نازل کر دیا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اُمت کو جس چیز کی بھی ضرورت تھی وہ اللہ نے کتاب میں نازل کر دی ہے اور اپنے رسولؐ سے بیان کر دی ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے حد مقرر کی ہے اور اس پر رہنما مقرر کیا ہے جو اس کی رہنمائی کرتا ہے اور جو اس حد سے تجاوز کرے اس پر شرعی حد مقرر کی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کتاب وسنت میں ہر مسئلہ کا حل موجود ہے۔ آپؑ نے فرمایا: ہر وہ بات جس میں دو انسان اختلاف کر سکتے ہوں اس کے لیے اللہ کی کتاب میں کوئی نہ کوئی قاعدہ موجود ہے، لیکن لوگوں کی عقل وہاں تک پہنچ نہیں سکتی۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس رسول بھیجا اور آپؐ وہ نسخہ لے کر آئے، جس میں سابقہ صحائف کے حقائق موجود ہیں۔ یہ کتاب سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حلال کو حرام کے شبہات سے علیحدہ کرتی ہے۔ اے لوگو! اس کتاب کا نام قرآن ہے۔ تم اس سے بولنے کی درخواست کرو۔ یہ تم سے کبھی نہیں بولے گا۔ البتہ میں تمہیں اس کے متعلق بتا سکتا ہوں۔ اس میں گذشتہ کا علم ہے اور اس میں صبح قیامت تک آنے والے حالات موجود

ہیں اور اس میں آسمان و زمین کی خبریں موجود ہیں۔ اس میں جنت و دوزخ کے حالات موجود ہیں۔ میں ان تمام باتوں کو اس طرح سے جانتا ہوں جس طرح سے اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے متعلق فرمایا: تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ''اس میں ہر چیز کا واضح بیان موجود ہے''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کتابِ خدا میں تم سے پہلے لوگوں اور تمہارے بعد آنے والوں کی خبریں موجود ہیں اور تمہارے باہمی اختلافات کا حل اس میں موجود ہے اور ہم اسے جانتے ہیں۔

سماعہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا: مولاً! یہ بتائیں کیا ہر چیز کا حل کتاب و سنت میں موجود ہے یا لوگوں کو بھی اس میں مداخلت کی اجازت ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ہر مسئلہ کا حل کتاب و سنت میں موجود ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے ذریعہ سے انبیاءؑ کے سسلہ کو ختم کیا اور تمہاری کتاب کے ذریعہ سے کتابوں کے سلسلہ کو ختم کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی۔ اللہ نے اس میں ہر چیز کا واضح بیان نازل کیا۔ اس میں تمہاری پیدائش اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر موجود ہے۔ اس میں تم سے پہلے لوگوں کا تذکرہ موجود ہے اور تمہارے اختلافات کا حل اس میں موجود ہے۔ تم سے بعد میں آنے والے لوگوں کے حالات اس میں موجود ہیں اور اس میں جنت و جہنم اور تمہارے انجام کا تفصیلی ذکر موجود ہے''۔

عبدالاعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا: میں خاندانِ قریش کا فرد ہوں۔ میں رسولِ خدا کا فرزند ہوں۔ میرے پاس کتاب اللہ کا علم ہے۔ اس میں ہر چیز کا واضح بیان موجود ہے۔ اس میں آسمان و زمین، اوّلین و آخرین اور ماضی و مستقبل کا علم موجود ہے اور یہ سب کچھ میں اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں۔

سماعہ بن مہران کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: عزیز و جبار خدا نے جو کہ صادق البار بھی ہے، تم پر کتاب نازل کی ہے، جس میں تمہارے اور تم سے پہلے لوگوں اور تمہارے بعد آنے والے لوگوں اور آسمان و زمین کی خبریں موجود ہیں۔ اگر کوئی حقیقی عالمِ قرآن تمہیں قرآن کے معارف بتلانا شروع کرے تو تمہیں تعجب ہوگا۔

مفتیوں کی ستم رانی

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کا ایک خطبہ موجود ہے جس میں آپؑ نے علماء کے مختلف الآراء ہونے کی مذمت میں فرمایا ہے:

''جب ان میں سے کسی ایک کے سامنے کوئی معاملہ فیصلہ کے لیے پیش ہوتا ہے تو وہ اپنی رائے سے اس کا حکم لگا دیتا ہے' پھر وہی مسئلہ بعینہٖ دوسرے کے سامنے پیش ہوتا ہے تو وہ اس پہلے کے حکم کے خلاف حکم دیتا ہے' پھر یہ تمام کے تمام قاضی اپنے اس خلیفہ کے پاس جمع ہوتے ہیں جس نے انہیں قاضی بنا رکھا ہے۔ وہ سب کی آراء کو صحیح قرار دیتا ہے' حالانکہ ان کا اللہ ایک' نبی ایک اور کتاب ایک ہے (انہیں غور تو کرنا چاہیے)۔ کیا اللہ نے انہیں اختلاف کا حکم دیا تھا اور یہ اختلاف کر کے اس کا حکم بجالاتے ہیں یا اس نے حقیقتاً اختلاف سے منع کیا ہے اور یہ اختلاف کر کے عمداً اس کی نافرمانی کرنا چاہتے ہیں۔ یا یہ کہ اللہ نے دین کو اُدھورا چھوڑ دیا تھا اور ان سے تکمیل کے لیے ہاتھ بٹانے کا خواہش مند ہوا تھا یا یہ کہ اللہ کے شریک تھے کہ انہیں اس کے احکام میں دخل دینے کا حق ہو اور اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر رضامند رہے۔ یا یہ کہ اللہ نے دین کو مکمل اتارا تھا' مگر اس کے رسول نے اس کے پہنچانے اور ادا کرنے میں کوتاہی کی تھی۔ اللہ نے تو قرآن میں یہ فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کے بعض حصے بعض حصوں کی تصدیق کرتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ اللہ کا یہ ارشاد ہے: ''اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کا بھیجا ہوا ہوتا تو تم اس میں کافی اختلاف پاتے''۔ اور یہ کہ اس کا ظاہر خوشنما اور باطن گہرا ہے اور اس کے عجائبات نہ مٹنے والے اور اس کے لطائف نہ ختم ہونے والے ہیں۔ ظلمت (جہالت) کا پردہ اسی سے چاک کیا جاتا ہے۔

عدل و احسان

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

''بے شک اللہ عدل' احسان اور قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے اور بدکاری' بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے کہ شاید تم اس طرح سے نصیحت حاصل کرو''۔

یہ آیتِ مجیدہ اسلامی اخلاقیات میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے' اس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تین کام کرنے

کا حکم دیا ہے اور تین کام کرنے سے منع کیا ہے، جن تین کاموں کو بجا لانے کا حکم دیا ہے وہ اتنے جامع ہیں کہ تمام فضائلِ انسانی ان میں داخل ہیں اور جن تین کاموں سے منع کیا ہے وہ بھی تمام رذائل اور خرابیوں کی جڑ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت ''تحلی بالفضائل اور تخلی عن الرذائل'' کے لیے مضبوط اساس فراہم کرتی ہے۔ (اضافۃ من المترجم)

کتاب معانی الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے اصحاب کے پاس آئے۔ اس وقت وہ ''مروّت'' پر آپس میں بحث کر رہے تھے۔ آپؑ نے فرمایا: کیا تم نے قرآن مجید میں مروّت کا تذکرہ نہیں پڑھا؟

انھوں نے عرض کیا: آپؑ فرمائیں وہ کہاں ہے؟

جواب میں آپؑ نے یہ آیت پڑھی: اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی ......

پھر آپؑ نے فرمایا: عدل، انصاف کو کہا جاتا ہے اور احسان، تفضّل (مہربانی) کو کہا جاتا ہے۔

الکافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام جمعہ کے پہلے خطبہ کے آخر میں اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ ...... کی آیت پڑھتے تھے۔ اس کے بعد آپؑ یہ دعا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡنَا مِمَّنۡ یَذَّکَّرُ فَتَنۡفَعُہُ الذِّکۡرٰی (خدایا! ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جو نصیحت حاصل کرتے ہیں اور نصیحت انہیں فائدہ دیتی ہے) اس کے بعد آپؑ پہلا خطبہ ختم کر دیتے تھے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ ...... کی آیت مجیدہ کی تاویلِ باطنی کے تحت مرقوم ہے کہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ کی گواہی عدل ہے اور احسان سے امیر المومنین علی علیہ السلام مراد ہیں اور بدکاری، بُرائی اور ظلم و زیادتی سے ان کے مخالفین مراد ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام مجسّم احسان ہیں اور ان کے مخالفین مجسّم بُرائی ہیں۔

اسماعیل بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اُس نے اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ ...... کی آیتِ مجیدہ کی تلاوت کی۔

آپؑ نے فرمایا: میرے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔ اللہ نے اپنے بندوں کو عدل و احسان کا حکم دیا ہے۔ اللہ کی طرف سے دعوتِ عام ہے لیکن ہدایتِ خاص ہے جیسا کہ اس نے کہا: یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۴۲﴾ (البقرہ:۱۴۲) ''وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے''۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ عثمان بن مظعون کے متعلق منقول ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مسلسل اسلام کی دعوت دی تو میں نے شرم کے مارے اسلام قبول کر لیا، لیکن ایک عرصہ تک اسلام نے میرے دل میں جگہ نہ بنائی۔ ایک دن میں آنحضرتؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپؐ پر وحی کے آثار نمایاں ہوئے۔ جب آپؐ کی وہ حالت ختم

ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ کیا معاملہ ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: میں تم لوگوں سے محوِ گفتگو تھا کہ مجھے جبریلؑ امین دکھائی دیئے اور انھوں نے مجھ تک اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَائِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ کی آیت پہنچائی۔

اس آیتِ مجیدہ نے میرے دل پر اتنا اثر کیا کہ اسلام میرے دل میں راسخ ہوگیا۔ پھر میں آپؐ کے چچا حضرت ابوطالبؑ کے پاس گیا اور انہیں یہ آیت سنائی تو انھوں نے کہا: اے آلِ قریش! تم محمدؐ کی پیروی کرو تمہیں ہدایت نصیب ہوگی۔ محمدؐ تمہیں مکارمِ اخلاق کے علاوہ کسی اور چیز کی دعوت نہیں دیتے۔

پھر میں ولید بن مغیرہ کے پاس گیا اور میں نے اسے یہ آیت سنائی تو اس نے کہا: اگر محمدؐ نے یہ کلمات اپنی طرف سے کہے ہیں پھر بھی یہ عظیم کلمات ہیں اور اگر اپنے رب کی طرف سے کہے ہیں تو پھر بھی بہترین جملے ہیں۔ مگر اس نے پھر بھی اسلام قبول نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ آیت نازل کی: اَفَرَءَيْتَ الَّذِي تَوَلّٰى ﴿٣٣﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿٣٤﴾ (النجم: ۳۳-۳۴) "اے نبیؐ! کیا آپ نے اس کو دیکھا جو راہِ خدا سے پھر گیا اور تھوڑا سا دے کر رُک گیا"۔

"اعطی قلیلا" کے الفاظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس نے کہا تھا کہ یہ کلمات بہت اچھے ہیں اور "واکدیٰ" سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس نے اپنے قول کی پابندی نہیں کی۔

عکرمہ کا بیان ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت ولید بن مغیرہ کے سامنے پڑھی تو اس نے کہا: اے بھتیجے! اس کو مکرر پڑھو۔ آپؐ نے آیت دوبارہ پڑھی تو اس نے کہا: اس میں بڑی مٹھاس ہے اور اس میں ایک حُسن ہے۔ اس کا اُوپر والا حصہ ثمردار ہے اور اس کا نچلا حصہ بارش سے فیض یافتہ ہے اور یہ بشر کا کلام نہیں ہے۔

روضۃ الواعظین میں مرقوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے تقویٰ کے تمام تقاضوں کو اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ...... کی آیت میں بند کردیا ہے۔

کتاب الخصال کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے جس کو حکومت دی ہوگی اور اس نے عدل نہ کیا ہوگا تو دوزخ کی آگ اسے عرصۂ محشر سے یوں اُچک لے گی جیسے پرندہ دانے کو اُچک لیتا ہے۔

حضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بھلائی کا ثواب سب سے تیز تر ہے اور ظلم وزیادتی کا عذاب بھی بہت تیز تر ہے۔

ابی مالک کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے عرض کیا: آپؑ مجھے کامل دین سے آگاہ فرمائیں۔ آپؑ نے فرمایا: سچ بولنا' عادلانہ فیصلہ کرنا اور عہد کی پابندی پورا دین ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: تین عادات ایسی ہیں کہ ان پر عمل کرنے والا جب تک ان کا وبال نہیں دیکھے گا جب تک اس پر موت وارد نہ ہوگی اور وہ عادات یہ ہیں: ① ظلم و زیادتی ② قطع رحمی ③ جھوٹی قسم۔ ان عادات پر عمل کرنے والا دراصل خدا سے جنگ کرتا ہے۔

کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اس شخص کو خدا کی معرفت حاصل نہیں جو اسے مخلوق سے تشبیہ دے اور جو بندوں کے گناہوں کو اللہ کی طرف منسوب کرے تو اس نے خدا کو عادل ہی نہیں مانا۔

تفسیر عیاشی میں اس آیتِ مجیدہ کی باطنی تاویل میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

محمدؐ، عدل ہیں اور علیؑ احسان ہیں اور ایتاء ذی القربٰی سے ہماری قرابت مراد ہے۔ اللہ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ہم سے مودّت رکھیں اور ہمارے حقوق ادا کریں۔ اللہ نے لوگوں کو بُرائی' بے حیائی سے منع کیا ہے اور جو ہم اہلِ بیتؑ سے زیادتی کرے اور ہمارے مخالفین کی امامت کی دعوت دے' اللہ نے اس سے تعاون کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت کا ماحصل یہ ہے: ایتاء ذی القربٰی سے امام کے حقوق کی ادائیگی اور فحشاء منکر سے ہمارے مخالفین کی دوستی مراد ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ "عدل" سے توحید کی گواہی اور احسان سے امیر المومنین کی ولایت مراد ہے اور "فحشاء' منکر اور بغی" سے ہمارے مخالفین مراد ہیں۔

سعد الاسکاف راوی ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے سعد! اللہ عدل کا حکم دیتا ہے اور حضرت محمد مصطفیٰؐ عین عدل ہیں اور اللہ اِحسان کا حکم دیتا ہے اور حضرت علی مرتضیٰؑ عین احسان ہیں۔ جس نے رسولؐ خدا کی اطاعت کی تو اس نے عدل کیا اور جس نے علیؑ کی اطاعت کی اس نے احسان کے تقاضوں پر عمل کیا اور احسان کے تقاضوں پر عمل کرنے والے کا ٹھکانا جنت ہے۔ اللہ نے "ذی القربٰی" کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا۔ اس سے ہماری قرابت مراد ہے۔ اللہ نے اپنے بندوں کو ہماری مودّت اور ہمارے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا۔ اللہ نے لوگوں کو بُرائی' بے حیائی اور ہمارے خلاف زیادتی کرنے والے اور ہمارے مخالفین کی امامت کی دعوت دینے والے سے تعاون کرنے کو ممنوع قرار دیا۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ
تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا
تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِىْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ
اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِىَ
اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً
وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ
بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ
ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا
عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا
اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ
اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ
اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ
عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى
الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً
مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ
بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ
يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾
اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ
وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا
فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ
اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ
فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ
بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ
نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً
كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ
فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا
كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ
فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا
طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا
حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ
بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا
حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى
اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ؕ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا
ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ
عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوا ۙ إِنَّ
رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱۹﴾ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا
لِلّٰهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ ۖ
اجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَآتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا
حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا
إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۳﴾ إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ
وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ
يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۲۴﴾ ادْعُ إِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ
الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ
ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۲۵﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ
فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ
لِلصّٰبِرِينَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿۱۲۷﴾ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿۱۲۸﴾

''اور جب تم اللہ سے کوئی عہد کرو تو اسے پورا کرو اور اپنی قسموں کو پختہ کرنے کے بعد انہیں مت توڑو جب کہ تم اللہ کو اپنا کفیل بنا چکے ہو۔ اللہ تمہارے تمام افعال کو جانتا ہے۔ اور تم اس عورت کی طرح سے نہ بنو جس نے دھاگہ کو محنت سے کاتنے کے بعد خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تم اپنی قسموں کو آپس کے معاملات میں مکروفریب کا ہتھیار بناتے ہو' تاکہ ایک قوم دوسری قوم کی بہ نسبت زیادہ فائدہ اٹھائے' حالانکہ اللہ اس عہدو پیمان کی وجہ سے تمہاری آزمائش کر رہا ہے اور جن باتوں میں تم اختلاف کر رہے ہو وہ انہیں تمہارے لیے قیامت کے دن واضح کر دے گا۔

''اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت بنا سکتا تھا' لیکن وہ اختیار دے کر جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے اور تم سے تمہارے اعمال کی بازپُرس ضرور کی جائے گی۔

اور اپنی قسموں کو آپس میں ایک دوسرے کو دھوکا دینے کا ذریعہ نہ بناؤ' کہیں ایسا نہ ہو کہ قدم جمنے کے بعد پھر اکھڑ جائیں اور تمہیں راہِ خدا سے روکنے کی وجہ سے بڑے عذاب کا مزہ چکھنا پڑے اور تم عذابِ عظیم کے حقدار بن جاؤ۔

اللہ سے کیے ہوئے عہد کو تھوڑے سے فائدے کے بدلے نہ بیچو' جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے' اگر تمہیں اس کا علم ہو سکے۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب خرچ ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا اور ہم صبر کرنے والوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے۔

جو شخص بھی نیک کام کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو اسے ہم پاکیزہ زندگی دیں گے اور ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق عطا کریں گے۔

اور جب قرآن پڑھنے لگو تو شیطانِ رجیم سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔ اس کا اہلِ ایمان پر کوئی تسلط نہیں ہے جو کہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا زور تو انہی پر چلتا ہے جو اسے اپنا سرپرست بناتے ہیں اور اُس کی وجہ سے شرک کرتے ہیں۔

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کر رہا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم افتراء کر رہے ہو، اصل بات یہ ہے کہ ان کی اکثریت حقیقت سے ناواقف ہے۔

آپ کہہ دیں کہ اسے تو روح القدس نے ٹھیک میرے رب کی طرف سے بالتدریج نازل کیا ہے، تاکہ ایمان والوں کے ایمان کو پختہ کرے اور یہ فرماں برداروں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔

اور ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اسے ایک انسان تعلیم دے رہا ہے، حالانکہ یہ جس کی طرف نسبت دیتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔ جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اللہ انہیں منزلِ مقصود پر نہیں پہنچائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ جھوٹ تو وہ لوگ گھڑا کرتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے وہی حقیقت میں جھوٹے ہیں۔

جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر کرے البتہ وہ شخص اس سے مستثنٰی ہے جسے کفر پر مجبور کر دیا گیا ہو اور دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو تو خیر۔ اور جو کفر کے لیے سینہ کشادہ رکھتا ہو تو اس کے اُوپر اللہ کا غضب ہے اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ اُنھوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کیا ہے۔ اللہ انکار کرنے والوں

کو منزلِ مقصود پر نہیں پہنچاتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مُہر لگا دی ہے، یہی وہ لوگ ہیں جو غافل ہیں۔ ضروری ہے کہ آخرت میں یہ لوگ خسارے میں رہیں۔

اس کے بعد وہ لوگ جنھوں نے آزمائش میں مبتلا ہونے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا ان کو یقیناً تیرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔ جس دن ہر جاندار حاضر ہوکر اپنا دفاع کرے گا اور ہر متنفس کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

اللہ اس بستی کو بعنوانِ مثال پیش کرتا ہے، جو امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہی تھی اور ہر طرف سے انہیں بفراغت رزق پہنچ رہا تھا، مگر اس نے اللہ کی نعمات کی ناقدری کی تب اللہ نے اس بستی والوں کو ان کے افعال کا یہ مزہ چکھایا کہ ان پر بھوک اور خوف مسلّط ہوگیا۔

ان کے پاس ان کی قوم میں سے ایک رسول آیا، مگر اُنھوں نے اسے جھٹلایا، آخر کار عذاب نے ان کو آلیا، جب کہ وہ ظالم ہو چکے تھے۔ اللہ کا عطا کردہ حلال اور طیب رزق کھاؤ اور اللہ کے اِحسان کا شکر بجالاؤ۔ اگر تم واقعی اسی کی بندگی کرنے والے ہو۔

اللہ نے بس تم پر مُردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا ہے جس پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ البتہ بھوک سے مجبور اور بے بس ہوکر اگر کوئی ان چیزوں کو کھالے حالانکہ وہ قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی کا خواہش مند نہ ہو اور ضرورت سے زیادہ کا مرتکب نہ ہو تو یقیناً اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

اور خبردار یہ تو تم اپنی زبانی فیصلے کر لیتے ہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ اس طرح کی باتیں بنا کر اللہ پر جھوٹ نہ باندھو جو لوگ اللہ پر جھوٹ تراشتے ہیں وہ کبھی کامیابی حاصل

نہیں کیا کرتے' (یہ) چند دنوں کا فائدہ ہے (پھر) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور ہم نے یہودیوں کے لیے ان تمام چیزوں کو حرام کیا تھا جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ہم نے تو ان پر کوئی زیادتی نہیں کی تھی وہ تو اپنے اُوپر خود ہی ستم ڈھایا کرتے تھے۔

البتہ وہ لوگ جنھوں نے جہالت کی وجہ سے برائی کی پھر اس کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لی تو توبہ و اصلاح کے بعد یقیناً تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ بے شک ابراہیمؑ اپنی ذات میں ایک اُمت اور اللہ کا اطاعت گزار اور باطل سے کترا کر چلنے والا تھا اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھا۔ وہ اللہ کی نعمات کا شکر گزار تھا۔ اللہ نے اسے منتخب کیا اور اسے سیدھے راستہ کی ہدایت کی۔ ہم نے اسے دنیا میں بھلائی عطا کی اور آخرت میں وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔

پھر ہم نے آپؐ کی طرف وحی کی کہ آپ یک سُو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقہ پر چلو وہ مشرکین میں سے نہیں تھا۔ رہی ''سبت'' (روزِ ہفتہ) کی بات وہ ہم نے ان لوگوں پر مسلط کیا تھا' جنھوں نے اس کے احکام میں اختلاف کیا۔ یقیناً تیرا رب قیامت کے دن ان تمام باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف کررہے ہیں۔ آپؐ اپنے رب کے راستے کی حکمت اور عمدہ وعظ سے دعوتِ دین اور لوگوں سے بہترین طریقہ کے تحت مباحثہ کریں۔ تمہارا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔

اور اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اسی قدر لو جتنی تم پر زیادتی کی گئی ہو' لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے لیے بہتر ہے۔ اور آپ صبر کریں اور اللہ کی توفیق کے بغیر آپ صبر نہیں کرسکیں گے اور ان کے حال پر رنجیدہ نہ ہوں اور ان کی مکاریوں کی وجہ سے تنگ دلی کا مظاہرہ نہ کریں۔ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے' جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور جو نیک عمل انجام دینے والے ہوتے ہیں''۔

اپنے عہد اور قسموں کا لحاظ رکھو

وَ اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدۡتُّمۡ وَلَا تَنۡقُضُوا الۡاَيۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡكِيۡدِهَا ......

''جب تم اللہ سے کوئی عہد کرو تو اسے پورا کرو اور اپنی قسموں کو پختہ کرنے کے بعد انہیں مت توڑو''۔

تفسیر عیاشی کی ایک' اصولِ کافی کی ایک' اور تفسیر علی بن ابراہیم کی چار روایات میں حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے اور ان سب روایات کا ماحصل یہ ہے کہ جب اللہ نے ولایتِ علیؑ نازل کی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیرِ خُم میں اس کا اعلان کیا تو آپؐ نے مشاہیر صحابہ سے فرمایا کہ اُٹھو اور علیؑ کو امیرالمومنین کہہ کر سلام کرو۔ چنانچہ چند مشاہیر صحابہ نے عرض کیا: کیا یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے حکم ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں' یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے۔ چنانچہ تمام صحابہ نے حضرت علی علیہ السلام کو سلام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی کہ ''اے ایمان والو! اگر تم عہد کر رہے ہو تو اسے پورا کرنا اور اپنی قسموں کو مت توڑنا''۔

حق تلفی کے لیے قسمیں مت کھاؤ

وَلَا تَتَّخِذُوۡۤا اَيۡمَانَكُمۡ دَخَلًاۢ بَيۡنَكُمۡ ......

''اور اپنی قسموں کو آپس میں ایک دوسرے کو دھوکا دینے کا ذریعہ نہ بناؤ''۔

مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ ''حضرموت'' کا ایک شخص آیا جس کا نام ''عبدان الاشرع'' تھا۔ اس نے آنحضرتؐ سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! امرؤالقیس کندی کی زمین میری زمین سے متصل ہے' اس نے میری زمین کا کچھ حصہ ہتھیا لیا ہے۔ سارے لوگ جانتے ہیں کہ میں سچا ہوں اور وہ جھوٹا ہے' لیکن اس کے باوجود لوگ اس سے خوفزدہ ہیں' میرے حق میں کوئی شخص گواہی دینے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر مَیں اس سے قسم کا مطالبہ کرتا ہوں۔

عبدان نے کہا: یارسولؐ اللہ! اس شخص کے دل میں ذرا بھی خوفِ خدا نہیں ہے۔ یہ میری جائیداد ہڑپ کرنے کے لیے حلف اٹھانے سے نہیں چوکے گا۔

رسولِ خدا نے مدعا علیہ کو حلف اٹھانے کا حکم دیا۔ وہ بے دریغ حلف اٹھانے کے لیے اُٹھا۔ ابھی اس نے حلف نہیں

اٹھایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ رُک جا۔ اتنے میں جبریل امینؑ یہ آیت لے کر نازل ہوئے: وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ "اپنی قسموں کو ایک دوسرے کو دھوکا دینے کا ذریعہ نہ بناؤ"۔

رسولِ خدا نے دونوں آیات اس کے سامنے پڑھیں۔ امرؤالقیس نے کہا: یارسولؐ اللہ! یہ بالکل سچ ہے میری جائیداد ختم ہوجائے گی، لیکن اللہ کے خزانے ختم نہیں ہوں گے اور میرے بھائی نے جو دعویٰ کیا ہے وہ اس میں حق بجانب ہے۔ میں نے اس کی زمین پر قبضہ کیا ہوا ہے، لیکن مجھے یہ علم نہیں ہے کہ اس کی کتنی جائیداد میرے قبضہ میں ہے، اس کی جتنی زمین میرے پاس ہے وہ واپس لے لے اور میری زمین میں سے بھی اتنی مزید جائیداد لے لے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا۔

مومن کے عمل قبول ہوتے ہیں

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ ......

"جو شخص بھی نیک عمل کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی دیں گے"۔

کتاب معانی الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ "ابوالخطاب آپ" کے متعلق کہتا ہے کہ آپؑ نے اسے کہا ہے کہ جب تجھے حق کی پہچان ہوگئی تو پھر جو چاہے عمل کرتا رہ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ "ابوالخطاب" پر لعنت کرے۔ میں نے ایسے نہیں کہا تھا جیسا کہ اس نے بیان کیا ہے۔ میں نے تو اس سے یہ کہا تھا کہ جب تجھے حق کی معرفت حاصل ہوجائے تو پھر جو بھی نیک کام چاہے سرانجام دے وہ تیری طرف سے بارگاہِ حق میں قبول ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ (الغافر:۴۰)

"جو کوئی نیک عمل کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ جنت میں داخل ہوں گے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ "جو شخص بھی نیک عمل کرے بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی دیں گے"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ "حیاتِ طیبہ" سے خدا کے عطا کردہ رزق پر قناعت کرنا مراد ہے۔

نہج البلاغہ میں ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام سے فَلَنُحۡیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا: وہ قناعت ہے۔

مجمع البیان میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ "حیاتِ طیبہ" سے قناعت مراد ہے۔

استعاذہ

فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ﴿۹۸﴾

"جب قرآن پڑھنے لگو تو شیطانِ رجیم سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو"۔

الکافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہر آسمانی کتاب کا آغاز "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے ہوا ہے۔ جب تم بسم اللہ پڑھ لو تو اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ نہ پڑھنے کی فکر نہ کرو۔ جب تم بسم اللہ پڑھتے ہو تو وہ آسمان و زمین کے مابین تجھے تمام شیاطین سے محفوظ کرلے گی۔

روضہ کافی میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے ایک خطبہ منقول ہے جس کا آغاز آپؑ نے اس طرح سے کیا:
اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡم - بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ۔ وَالۡعَصۡرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ﴿۲﴾......

عوالی اللئالی میں مرقوم ہے کہ عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا کے سامنے استعاذہ کو یوں پڑھا:
وَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡم۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے ابن اُمِ عبد! اس طرح سے پڑھو: اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡم، مجھے جبریل امین نے ایسا ہی پڑھایا ہے۔

حمیری قربُ الاسناد میں لکھتے ہیں کہ حنان بن سدیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پیچھے نمازِ مغرب پڑھی۔ آپؑ نے بلند آواز سے اعوذ بِاللّٰہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم. واعوذ بِاللّٰہ ان یحضرون پڑھا۔ پھر آپؑ نے بلند آواز سے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھی۔

تہذیب الاحکام میں بھی یہ روایت انہی الفاظ سے مروی ہے۔

عیون الاخبار میں ہے کہ ہارون الرشید نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا کہ تم اپنے آپؑ کو ذریتِ رسولؐ کیسے کہتے ہو جب کہ رسولِ خدا کی تو کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔

امام علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - ومن ذریته داؤد وسلیمان وایوب...... الی آخرالایۃ۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اگرچہ ایک آیت پڑھی تھی، مگر آپؑ نے اس سے پہلے استعاذہ اور تسمیہ کو پڑھا۔

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو نقل کرتے کہا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: میری طرف وحی ہوئی: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یاایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك......

اس حدیث کے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے قرآن کی آیت پڑھنے سے قبل صرف بسم اللہ کو ہی کافی سمجھا۔ آپؐ نے اَعوذُ بِاللّٰہ نہ پڑھی۔

تفسیر عیاشی میں بھی اسی مفہوم کی ایک روایت مرقوم ہے۔

تفسیر عیاشی میں سماعہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب قرآن پڑھو تو شیطان رجیم سے بچنے کے لیے خدا سے پناہ طلب کرو۔ آپؑ یہ بتائیں کہ میں کن الفاظ سے پناہ طلب کروں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم یہ پڑھو: استعیذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم۔

پھر آپؑ نے فرمایا: ''رجیم'' سب سے خبیث شیطان کا لقب ہے۔

میں (راوی) نے عرض کیا اسے ''رجیم'' کیوں کہا جاتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: لفظ رجیم ''رجم'' سے ہے، اسے رجم کیا جائے گا۔

میں نے کہا: تو کیا ابھی تک وہ رجم نہیں ہوا؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں، البتہ اللہ کے علم میں ہے کہ وہ رجم کیا جائے گا۔

کتاب معانی الاخبار میں حضرت سید عبدالعظیم حسنی سے منقول ہے کہ امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا:

''رجیم'' کا معنی ہے جس پر لعنت کے پتھر برستے ہوں اور جو نیکی سے دھتکارا گیا ہو۔ جب بھی کوئی مومن اس کا نام لیتا ہے تو وہ اس پر لعنت کرتا ہے۔ خدا کے علمِ سابق میں یہ بات تھی کہ جب حضرت قائمؑ ظہور کریں گے تو ان کے زمانہ میں

E8

ہر مومن ابلیس کو پتھر مارے گا۔ قائمِ آلِ محمدؐ کے ظہور کے بعد وہ ظاہری طور پر رجم کیا جائے گا' جب کہ اس سے قبل وہ لعنت کے پتھروں سے رجم ہوتا رہا ہے۔

مصباح الشریعہ میں مرقوم ہے کہ تلاوت کرنے والے کو تین چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے: ① خشوع وخضوع کرنے والا دل ② حوائجِ ضروریہ سے فارغ بدن ③ خالی جگہ۔ تلاوت کرنے والے کا دل جب خدا کے حضور خشوع کرتا ہے تو شیطانِ رجیم اس سے بھاگ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ نماز اور نماز کے علاوہ تلاوت کے وقت استعاذہ مستحب ہے' واجب نہیں ہے اور تمام علماء کا اس پر اجماع ہے۔

روضہ کافی میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ "اس کا اہلِ ایمان پر کوئی تسلط نہیں ہے' جو اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں"۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ابوبصیر! ابلیس بعض اوقات مومن کے بدن پر تسلط حاصل کر لیتا ہے' لیکن اس کے دین پر تسلط حاصل نہیں کرسکتا۔ وہ لعین حضرت ایوبؑ کے بدن پر مسلط ہوا تھا اور انہیں اُس نے بدصورت بنا دیا تھا لیکن وہ ان کے دین پر مسلط نہیں ہوسکا تھا۔ اسی طرح سے وہ اہلِ ایمان کے اَبدان پر تسلط حاصل کر لیتا ہے' لیکن ان کے ایمان پر تسلط حاصل نہیں کرسکتا جب کہ مشرکین کے اَبدان اور ان کے اَدیان پر اس کا پورا تسلط ہوتا ہے۔

تفسیر عیاشی میں حماد بن عیسیٰ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ (اس کا زور تو ان پر چلتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور جو اس کی وجہ سے مشرک ہیں)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ابلیس کی یہ جرأت نہیں ہے کہ وہ اہلِ ایمان کو عقیدۂ ولایت سے دُور کرے' البتہ گناہ اور غلطیوں کا جہاں تک تعلق ہے وہ ان سے بھی اسی طرح سے صادر ہوتی ہیں جیسا کہ دُوسروں سے صادر ہوتی ہیں۔

نسخِ آیت کے وقت مشرکین کا ردِّعمل

وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ

''اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت کو بدل دیتے ہیں، حالانکہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کر رہا ہے اس وقت کافر یہ کہتے ہیں کہ تو تو افتراء کرنے والا ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب خدا کی طرف سے کوئی آیت منسوخ ہوتی اور اس کی جگہ نئی آیت نازل ہوتی تو کفار آنحضرتؐ سے کہتے تھے کہ تم تو افتراء کرنے والے ہو۔ کل تک اور حکم تھا اور آج اس کی جگہ نیا حکم آ گیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپؐ ان سے یہ کہیں کہ نیا حکم میں نے اپنی طرف سے تھوڑا سنایا ہے کہ تم مجھ پر اس کا الزام عائد کر رہے ہو۔ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

''آپؐ کہہ دیں کہ اسے تو روح القدس یعنی جبریل امینؑ تیرے رب کی طرف سے لے آیا ہے، تاکہ اہلِ ایمان ثابت قدم رہیں اور یہ فرماں برداروں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے''۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ روح القدس سے جبریل امینؑ مراد ہیں اور انہیں ''قدس'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ طاہر ہیں اور لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے آلِ محمدؐ مراد ہیں۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ نے روح القدس کو پیدا کیا اور وہ تمام مخلوقات میں سے اللہ کے زیادہ قریب ہے، لیکن وہ اللہ کو سب کی بہ نسبت زیادہ عزیز نہیں ہے۔ جب اللہ کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی طرف اِلقاء کرتا ہے۔ وہ ستاروں کی طرف القاء کرتا ہے وہ اسے لے کر چل پڑتے ہیں۔

آنحضرتؐ پر ایک الزام

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾

''اور ہمیں معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اسے ایک انسان تعلیم دے رہا ہے، حالانکہ یہ لوگ جس کی طرف نسبت دیتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے، جب کہ یہ تو صاف عربی زبان ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ ابن حضرمی کا غلام ابی فکیہ ایک غیر عرب شخص تھا۔ وہ آنحضرتؐ پر ایمان لایا تھا جب کہ اس سے پہلے وہ اہلِ کتاب کا ایک فرد تھا۔ قریش نے آنحضرتؐ پر یہ الزام عائد کیا کہ محمدؐ کو یہ شخص ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے اور محمدؐ اس سے یہ باتیں سن کر اسے وحی الٰہی کا نام دے کر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید

کرتے ہوئے فرمایا کہ جس شخص کی طرف تم یہ نسبت دے رہے ہو وہ تو عجمی ہے جب کہ قرآن خالص عربی زبان میں ہے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ عبیداللہ بن مسلم کا بیان ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ''عین التمر'' سے تعلق رکھنے والے دو غلام مکہ میں رہتے تھے اور ان کا تعلق صقالبہ سے تھا۔ ان کے پاس ایک کتاب ان کی زبان میں لکھی ہوئی موجود تھی جسے وہ پڑھا کرتے تھے۔ کبھی کبھی نبی اکرمؐ کا ان کے پاس سے گزر ہوتا تو آپؐ رُک کر ان کی کتاب کو سن لیا کرتے تھے۔ کفارِ مکہ نے آنحضرتؐ پر الزام عائد کیا کہ محمدؐ جو باتیں پیش کرتا ہے اس کی تعلیم وہ ان سے لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کچھ تو انصاف کرو' ان کی زبان عجمی ہے' جب کہ قرآن خالص عربی ہے۔

واضح رہے کہ ایک غلام کا نام ''یسار'' اور دوسرے کا نام ''خیر'' تھا۔

کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: جو اللہ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دے تو وہ مشرک ہے اور جو اللہ کو کسی مکان سے مخصوص کرے تو وہ کافر ہے اور جو اس کی طرف ایسی بات منسوب کرے' جس سے اس نے رُوکا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ پھر آپؑ نے اس آیت اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ (وہ جھوٹ لوگ تراشا کرتے ہیں جن کا اللہ کی آیات پر ایمان نہیں ہوتا اور وہ جھوٹے ہوتے ہیں) کی تلاوت فرمائی۔

حضرت عمارؓ کا واقعہ

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ......

''ہاں جسے مجبور ہونا پڑے اور اُس کا دل ایمان پر مطمئن ہو''۔

حضرت عمارؓ اور اُن کے والد حضرت یاسرؓ اور ان کی والدہ حضرت سمیہؓ کا تعلق سابقینِ اوّلین سے ہے' اور یہ گھرانہ ایک غلام گھرانہ تھا۔ جب اُنھوں نے اسلام قبول کیا تو ابوجہل نے ان کو سخت اذیتیں دیں اور اس نے درندگی کی انتہا کرتے ہوئے حضرت سمیہؓ کو نیزہ مارا' جس سے وہ شہید ہوگئیں اور وہ اسلام کی پہلی شہید خاتون تھیں۔ اس کے بعد اُس نے حضرت یاسرؓ کو شہید کیا۔

جب حضرت عمارؓ کے والدین ان کی آنکھوں کے سامنے شہید ہوئے تو حضرت عمارؓ گھبرا گئے اور ابوجہل لعین کے کہنے پر انھوں نے آنحضرتؐ کو ناسزا کہا اور ان کے معبودوں کی تعریف کی۔

ابوجہل نے انہیں چھوڑ دیا۔ لوگوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ عمارؓ مرتد ہوگیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ عمارؓ سر کی چوٹی سے لے کر قدموں تک ایمان سے بھرا ہوا ہے' اس کے گوشت اور خون میں ایمان مخلوط ہو چکا ہے۔ کچھ دیر بعد عمارؓ روتے ہوئے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عمارؓ! کیا خبر لائے ہو؟ انہوں نے کہا: میں بُری خبر لایا ہوں۔ مجھ پر بے تحاشا ظلم ہوا' جس کی وجہ سے میں نے مجبور ہو کر آپ کو ناسزا کہا اور ان کے معبودوں کی تعریف کی۔

آنحضرتؐ نے عمار کی آنکھوں کو اپنے ہاتھوں سے پونچھا اور فرمایا: اگر دوبارہ وہ ایسی حرکت کریں تو تم یہی کلمات دہرا دینا اتنے میں حضرت جبریلؑ یہ آیت لے کر آئے: إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ (سوائے اس کے جس کو مجبور ہونا پڑے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو)

یہ روایت ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے: هَكَذَا فِي مَجْمَعِ الْبَيَان۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اہلِ کوفہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا تھا:

''عنقریب حکام تم سے مجھ پر سَب کرنے اور مجھ سے بیزاری اختیار کرنے کا مطالبہ کریں گے' جہاں تک سَب کا تعلق ہے تو تم مجھے سَب کرنا' لیکن مجھ سے بیزاری اختیار نہ کرنا' کیونکہ میں دینِ محمدؐ پر ہوں''۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت علی علیہ السلام نے یہ جملے نہیں کہے تھے کہ مجھ سے بیزاری اختیار نہ کرنا۔

راوی نے کہا: مولاؑ! یہ فرمائیں اگر کوئی ظالم حاکم یہ کہے کہ یا تو علیؑ سے بیزاری اختیار کرو یا پھر قتل ہونا قبول کرو تو اس صورت میں انسان کو کیا کرنا چاہیے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم عمارؓ کی سنت پر عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اگر کبھی ایسا وقت آجائے کہ اپنی جان بچانے یا حضرت علیؑ سے بیزاری کا اظہار کرنے میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو انسان کو کیا کرنا چاہیے؟

آپؑ نے فرمایا: مجھے رخصت زیادہ عزیز ہے۔ کیا تو نے عمارؓ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ

وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ۔

عبداللہ بن عجلان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ ضحاک بن قیس شیبانی خارجی کوفہ پر قبضہ کر چکا ہے' اب وہ ہمیں حضرت علی علیہ السلام سے بیزاری کے اظہار کا حکم دے گا۔ اس حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر ایسا ہو تو پھر تم سنتِ عمارؓ پر عمل کرو۔ جب عمارؓ سے اہلِ مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ تم محمد مصطفیٰؐ سے بیزاری کا اظہار کرو تو انھوں نے ان کا کہنا مانا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کی جان بچی تھی۔ اللہ نے عمارؓ کے طرزِ عمل کو درست قرار دیتے ہوئے فرمایا: اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ "ہاں جسے مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو کوئی حرج نہیں ہے"۔

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے دل کے لیے ایمان کا جو حصہ مقرر کیا ہے وہ اِقرار' معرفت اور عقیدہ و رضا ہے اور انسان دل سے یہ اقرار کرے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کی نہ تو کوئی بیوی ہے اور نہ ہی اس کے ہاں کوئی اولاد ہے اور دل یہ تصدیق کرے کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ اللہ کے عبد اور اس کے رسولؐ ہیں اور دل یہ تصدیق کرے کہ خدا کے بھیجے ہوئے انبیاء اور اس کی نازل کردہ کتابیں صحیح ہیں۔

ایمان کے لحاظ سے دل کا یہی عمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے دل کے اسی فعل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا۔

اور اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ؀ (الرعد: ۲۸) "اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ملتا ہے"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک شخص رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اس نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! مجھے نصیحت فرمائیں۔

آپؐ نے فرمایا: کسی چیز کو اللہ کا شریک مت بنانا' اگرچہ تمہیں آگ میں ہی کیوں نہ جلنا پڑے اور تجھے عذاب کیوں نہ دیا جائے' ہاں اگر کبھی کلماتِ کفر کہنے پر مجبور ہو جاؤ اور تمہارا دل ایمان پر مطمئن ہو تو یہ علیحدہ بات ہے۔

سعدہ بن صدقہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا گیا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے منبرِ کوفہ پر یہ اعلان کیا تھا: "اے لوگو! عنقریب تمہیں مجھ پر سب کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ تم مجھ

سَب کرلینا۔ پھر تمہیں مجھ سے بیزاری کے اظہار کی دعوت دی جائے گی لیکن مجھ سے بیزاری کا اظہار نہ کرنا۔

یہ سن کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: لوگ حضرت علی علیہ السلام پر کتنا جھوٹ باندھ رہے ہیں۔ آپ نے تو یہ کہا تھا کہ عنقریب تمہیں مجھ پر سَب کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ تم مجھ پر سَب کرلینا' پھر تمہیں مجھ سے اظہارِ بیزاری کا حکم دیا جائے گا۔ لوگو! میں دین محمدؐ پر ہوں۔ آپؑ نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم مجھ سے بیزاری کا اظہار نہ کرنا۔

سائل نے کہا: مولاؑ! یہ بتائیں کہ اگر کوئی شخص حضرت سے بیزاری کے اظہار کے بجائے قتل ہونا پسند کرے تو کیا یہ درست ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے عمارؓ بن یاسر کی سیرت پر عمل کرنا چاہیے کہ جب اہلِ مکہ نے انہیں مجبور کیا تھا تو انھوں نے کلماتِ کفر زبان سے ادا کیے تھے' جب کہ ان کا دل ایمان پر مطمئن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ کی آیت نازل فرمائی تھی اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: ''اگر مشرکین یہ حرکت دہرائیں تو تم بھی یہ کلمات دہرا دینا''۔

محمد بن مروان بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: نہ جانے میثم رحمہ اللہ نے تقیہ پر عمل کیوں نہیں کیا تھا' جب کہ انہیں یہ بھی علم تھا کہ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ کی آیت عمارؓ اور اس کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کو چار باتیں معاف کی گئی ہیں: ① خطا ② نسیان ③ جس پر انہیں مجبور کردیا جائے۔ ④ جس چیز کی انہیں طاقت نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کو قرآن مجید میں اہلِ ایمان کی دعا کے طور پر نقل کیا ہے: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِيۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَيۡنَاۤ اِصۡرًا كَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ (البقرہ:۲۸۶)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ۔

من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے محمد بن حنفیہ کو وصیت کی جس میں آپؑ نے یہ کلمات بھی فرمائے: ''اللہ نے دل کو تمام اعضاء و جوارح کا حاکم مقرر کیا ہے۔ اسی کے ذریعہ سے تم غور کرتے ہو اور سمجھتے ہو اور اس کے حکم اور اس کی رائے سے ہی تمام معاملات طے کرتے ہو۔ اسی دل پر اللہ نے ایمان فرض کیا ہے اور فرمایا ہے: اِلَّا

مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ ۔

قرب الاسناد میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: تقیہ مومن کی ڈھال ہے اور جس میں تقیہ نہیں اس میں ایمان نہیں ہے۔ راوی نے کہا کہ اللہ کا فرمان ہے: اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہی تو تقیہ ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ کی آیت حضرت عمارؓ کے متعلق نازل ہوئی جب اہلِ مکہ نے انہیں ایذائیں دیں تو انھوں نے مجبور ہو کر زبان سے کفریہ کلمات کہے تھے، جب کہ ان کا دل ایمان پر مطمئن تھا، لیکن اس کے برعکس وَلٰكِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡكُفۡرِ صَدۡرًا ...... هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾ تک کی جملہ آیات عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق نازل ہوئی تھیں اور اسے خلیفہ ثالث نے اپنے دورِ حکومت میں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا۔

کفرانِ نعمت کرنے والوں کا انجام

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرۡيَةً كَانَتۡ اٰمِنَةً مُّطۡمَئِنَّةً يَّاۡتِيۡهَا رِزۡقُهَا رَغَدًا مِّنۡ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتۡ بِاَنۡعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الۡجُوۡعِ وَالۡخَوۡفِ بِمَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾

''اور اللہ اس بستی کو بعنوان مثال پیش کرتا ہے جو امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہی تھیں اور ہر طرف سے انہیں بفراغت رزق پہنچ رہا تھا، مگر اس نے اللہ کی نعمات کی ناقدری کی تب اللہ نے اس بستی والوں کو ان کے افعال کا یہ مزہ چکھایا کہ ان پر بھوک اور خوف کو مسلط کر دیا''۔

تفسیر علی بن ابراہیم، محاسن برقی اور تفسیر عیاشی میں مرقوم روایات کا ماحصل یہ ہے کہ یہ آیت ایک ایسی قوم کے متعلق نازل ہوئی جو ایک دریا کے کنارے آباد تھی اور دریا کا نام ''بلیان'' تھا۔ ان کے پاس انتہائی زرخیز زمینیں تھیں، جہاں بے تحاشا اناج پیدا ہوتا تھا۔ ان لوگوں نے نرم روٹیاں بنا کر ان سے استنجا کرنا شروع کر دیا تھا اور کہتے تھے کہ پتھروں سے استنجا کرنے سے ان سے استنجا کرنا بہتر ہے کیونکہ یہ نرم ہیں۔

اللہ ان پر ناراض ہوا، ان کا دریا خشک ہو گیا، جس کی وجہ سے ان کی زراعت اور تجارت تباہ ہو گئی اور اُن پر اتنی قحط سالی آئی کہ جن روٹیوں سے استنجا کر کے راستوں میں پھینک دیتے تھے انھوں نے وہ روٹیاں اٹھائیں اور انہیں صاف کر کے پیٹ کی آگ بجھائی۔

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: تین طرح کی محفلوں پر اللہ ناراض ہوتا ہے اور اہلِ محفل پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے تم ان محفلوں میں شرکت نہ کرو۔ ایک وہ محفل جس میں جھوٹے فتاویٰ جاری ہو رہے ہوں۔ دوسری وہ محفل جس میں ہمارے دشمنوں کا ذکر تازہ اور ہمارا ذکر فرسودہ ہو اور تیسری وہ محفل ہے جس میں ہم سے لوگوں کو روکا جاتا ہو اور انہیں اس کا علم ہو۔ پھر آپؑ نے یہ تین آیات تلاوت فرمائیں:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام:۱۰۸) ''وہ لوگ خدا کے علاوہ جن کو پکارتے ہیں تم ان کو سَب نہ کرو ورنہ وہ لوگ زیادتی کرتے ہوئے کسی علم کے بغیر اللہ کو سَب کریں گے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ (الانعام: ۶۸) ''اور جب آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات کے متعلق خواہ مخواہ مباحثہ کر رہے ہوں تو آپ ان سے منہ موڑ لیں' یہاں تک کہ وہ کسی دوسری گفتگو میں بحث و مباحثہ کریں''۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (النحل:۱۱۶) ''خبردار یہ تو تم اپنی زبانی فیصلے کر لیتے ہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس طرح کی باتیں بنا کر اللہ پر جھوٹ نہ باندھو''۔

کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عبدالملک بن اعین کے ذریعہ ایک خط روانہ کیا جس میں آپؑ نے لکھا:

''جب کوئی انسان گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے یا کسی ایسے گناہ صغیرہ کا ارتکاب کرتا ہے جس سے خدا نے منع کیا ہے تو ایسا شخص ایمان سے خارج ہے اور اس سے ایمان کا نام ساقط ہو جاتا ہے' البتہ اس پر اسلام کا نام باقی رہتا ہے۔ اگر وہ اس کے بعد توبہ و استغفار کرے تو وہ ایمان کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے' اور کوئی شخص صرف گناہ کرنے سے کافر نہیں ہو جاتا' ہاں اپنی طرف سے شریعت سازی نہ کرے اور اگر کوئی شخص کسی حلال چیز کے متعلق کہے کہ یہ حرام ہے اور کسی حرام کے متعلق کہے کہ یہ حلال ہے اور اس کا عقیدہ رکھے تو اس وقت وہ ایمان اور اسلام کی سرحدوں سے خارج ہو جائے گا اور کفر میں داخل ہو جائے گا۔ وہ اس شخص کی طرح سے ہوگا جو پہلے حرم میں داخل ہوا ہو' پھر کعبہ میں داخل ہوا ہو اور بعد ازاں کعبہ اور حرم دونوں سے نکل جائے۔ ایسے شخص کی گردن ماردی جائے گی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

کتاب کمال الدین میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی تو اس نے خدا پر جھوٹ تراشا۔

ابراہیم پوری اُمت ہیں

اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا ؕ وَلَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ﴿۱۲۰﴾

''بے شک ابراہیمؑ اپنی ذات میں پوری اُمت اور اللہ کے اطاعت گزار اور باطل سے کترا کر چلنے والے تھے وہ مشرکین میں سے نہیں تھے''۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ لفظ ''اُمت'' کا اطلاق فردِ واحد پر بھی ہوتا ہے اور زیادہ افراد پر بھی ہوتا ہے' جیسا کہ فرمانِ قدرت ہے: اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا۔

تفسیر عیاشی میں صادقین علیہما السلام سے منقول ہے کہ اللہ نے ابراہیمؑ کو اُمت کا درجہ دے کر انہیں فضیلت دی ہے۔ ابراہیمؑ اُمت واحدہ تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے اُمت کا درجہ دیا۔

سماعہ کہتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: ابراہیمؑ اپنے دور میں واحد خدا پرست تھے۔ اللہ نے انہیں اُمت کا درجہ دیا۔ ایک عرصہ تک آپؑ اکیلے ہی اُمت کے مقام پر فائز رہے' پھر اللہ نے انہیں اسماعیلؑ و اسحاقؑ جیسے بیٹے دیئے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ نے ابراہیمؑ کو اس لیے اُمت قرار دیا کہ وہ اپنے دور میں اکیلے ہی موحد تھے اور وہ خدا کے اطاعت گزار بندے تھے۔ اللہ نے انہیں سیدھے راستے کی ہدایت کی تھی۔

مصباح الشریعہ میں مرقوم ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: عقل مند مومنین کے لیے اقتداء سے بڑھ کر سلامتی کا اور کوئی راستہ نہیں ہے' کیونکہ یہ واضح راستہ ہے' اس لیے اللہ نے فرمایا: ثُمَّ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ''پھر ہم نے آپؐ کو وحی کی کہ آپؐ یکسو ہو کر ملتِ ابراہیمؑ کی پیروی کریں''۔

اگر اقتداء سے بڑھ کر سلامتی کا کوئی راستہ ہوتا تو اللہ اپنے اولیاء و انبیاء کو اسی کی دعوت دیتا

محاسن برقی میں ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی: اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا (آل عمران: ۶۸) ''ابراہیمی وراثت کے زیادہ حقدار وہ ہیں جنھوں نے اس کی اتباع کی اور یہ نبی اور اہلِ ایمان کے زیادہ قریب ہیں''۔

پھر آپؑ نے وہاں پر موجود اپنے شیعوں سے فرمایا: اللہ کی قسم! تم ابراہیمؑ کے دین اور اس کے راستے پر ہو' تم میرا ابراہیمؑ کے زیادہ حقدار ہو' تم لوگ میرے اور میرے آباء کے دین پر ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے شیعوں سے فرمایا: اے بندگانِ خدا اس وقت تمہارے علاوہ کوئی بھی ملّتِ ابراہیمؑ پر نہیں ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلا نے فرمایا: ہم اور ہمارے شیعہ ہی ملّتِ ابراہیمؑ پر ہیں' باقی لوگ اس سے بیزار ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: حنیفیت نے کسی بھی چیز کو نہیں چھوڑا' یہاں تک کہ اس میں مونچھوں اور ناخنوں کا کٹوانا اور ختنہ بھی شامل ہے۔

دعوت کا انداز

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔۔۔۔۔۔

''آپ اپنے رب کے راستے کی حکمت اور عمدہ وعظ سے دعوت دیں اور لوگوں سے بہترین طریقہ سے مباحثہ کریں''۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' سب سے پہلے اللہ نے ہی لوگوں کو اپنی ذات پر ایمان لانے اور اپنی اطاعت کرنے کی دعوت دی اور فرمایا: وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ (یونس:۲۵) ''اللہ سلامتی کے گھر کی دعوت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے''۔

پھر دعوت کے کام میں اللہ نے اپنے رسول کو شریک کیا اور فرمایا: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ یہاں ''احسن'' سے قرآن مراد ہے یعنی آپ قرآن کی آیات سے مباحثہ کریں''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہم ہی اللہ کا وہ راستہ ہیں جس کی اتباع کا تمہیں خدا نے حکم دیا ہے اور وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ میں لفظ ''احسن'' سے قرآن مراد ہے۔ یعنی آپ آیاتِ قرآنی سے مباحثہ کریں۔

مباحثہ مطلقاً ممنوع نہیں ہے

کتاب احتجاج طبرسی میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی محفل میں یہ تذکرہ ہوا کہ حضرت رسولِ اکرم اور آئمہ علیہم السلام نے مباحثہ سے منع کیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلا نے فرمایا: ہادیانِ دین نے مباحثہ کو مطلقاً ممنوع قرار نہیں دیا' البتہ اُنھوں نے غیر

اَحسن مجادلہ سے منع کیا ہے۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (اپنے رب کے راستے کی حکمت اور موعظہ حسنہ سے دعوت دو اور ان سے اَحسن انداز میں مجادلہ کرو۔)

جدال اَحسن کو علمائے کرام نے دین کے ساتھ شامل کیا ہے۔ البتہ غیر اَحسن مجادلہ حرام ہے' جسے اللہ نے ہمارے شیعوں کے لیے حرام کیا ہے اور جہاں تک جدال اَحسن کا تعلق ہے تو اللہ نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا ہے کہ وہ حیات بعد الموت کا انکار کرنے والوں سے اَحسن انداز میں مجادلہ کریں' جیسا کہ اللہ نے قرآنِ مجید میں ان کے نظریہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَہٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَھِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾ (سورہ یٰسین:۷۸)

''اور وہ ہمارے متعلق باتیں بنانے لگ گیا ہے اور اپنی تخلیق کو بھول چکا ہے' اور کہتا ہے کہ بوسیدہ ہڈیوں کو بھلا کون زندہ کرے گا؟''

اللہ تعالیٰ نے حیات بعد الموت کا انکار کرنے والوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ یُحْیِیْھَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَھَآ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ وَھُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۨ ﴿۷۹﴾ (سورہ یٰسین:۷۹)

''آپ کہہ دیں کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ تمام مخلوقات کا جاننے والا ہے''۔

اس پوری حدیث کو ہم سورہ عنکبوت میں نقل کریں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ہم ستر انبیاء کی زبان سے اللہ کے دین میں مجادلہ کرنے والے ہیں۔

سزا ظلم کے برابر ہونی چاہیے

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۲۶﴾

''اور اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اسی قدر لو جتنی تم پر زیادتی کی گئی ہو لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ روزِ اُحد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا کسی کو میرے چچا حمزہؓ کا

علم ہے؟

حارث بن الصمت نے کہا کہ مجھے ان کے مقامِ شہادت کا علم ہے۔ چنانچہ وہ گیا اور حضرت حمزہؓ کی لاش کو دیکھا۔ حضرت حمزہؓ کی لاش پر اتنا ظلم ہو چکا تھا کہ وہ رسولِ خدا کو بتانے کے لیے واپس نہ آیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ! تم جاؤ اور اپنے چچا کو تلاش کرو۔

حضرت علیؑ آئے اور اُنھوں نے حضرت حمزہؓ کی لاش کو دیکھا' انہیں رسولؐ خدا کے پاس جانے سے شرم مانع ہوئی۔ اتنے میں رسولِ خدا خود چلتے ہوئے وہاں تشریف لائے۔ جب آپؐ نے حضرت حمزہؓ کی لاش کی بے حُرمتی دیکھی تو آپؐ رونے لگے اور فرمایا: میں نے اس سے زیادہ دلخراش منظر کبھی نہیں دیکھا۔ اگر خدا نے مجھے قریش پر تسلط عطا کیا تو میں ان کے ستر آدمی قتل کروں گا۔

حضرت جبریل امینؑ نازل ہوئے اور انھوں نے آپ کو اللہ کا یہ پیغام دیا: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝۱۲۶ "اور اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اسی قدر لو جتنی تم پر زیادتی کی گئی ہو' لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے لیے یہی بہتر ہے"۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: میں صبر کروں گا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی لاش کی بے حُرمتی ملاحظہ کی تو آپؐ نے فرمایا:

پروردگار! تمام حمد تیرے لیے ہے اور شکوہ بھی تیرے ہی حضور ہے اور جو منظر میں دیکھ رہا ہوں' اس کے لیے تجھ سے ہی مدد کی درخواست کی جاسکتی ہے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: اگر میں کامیاب ہوا تو میں ان کی لاشوں کا حلیہ بگاڑ دوں گا' میں ان کی لاشوں کا حلیہ بگاڑ دوں گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر یہ آیت نازل فرمائی: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝۱۲۶ "اور اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اسی قدر لو جتنی تم پر زیادتی کی گئی ہو لیکن' اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے لیے ہی بہتر ہے"۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں صبر کروں گا' میں صبر کروں گا۔

○○○

سورۃ بنی اسرآءِیل
سورة بنی اسرائیل نزلت بمکة وهی مائة واحدی عشر اية واثنا عشر رکوعا
''سورہ بنی اسرائیل مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سو گیارہ آیات اور بارہ رکوع ہیں''

فضائل سورہ بنی اسرائیل

کتاب ثواب الاعمال، مجمع البیان اور تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''جو شخص ہر شب جمعہ سورہ بنی اسرائیل کی تلاوت کرے تو وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ قائم آلِ محمدؑ کے ظہور کو نہ دیکھ لے اور ایسا شخص اُن کے مددگاروں میں سے شمار ہوگا''۔

مجمع البیان میں ابی بن کعب سے منقول ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص سورہ بنی اسرائیل پڑھے اور ذکرِ والدین کے وقت اُس کے دل میں رِقت پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے دو ''قنطار'' اجر عطا فرمائے گا اور ایک قنطار بارہ سو اوقیہ کا ہوتا ہے اور ہر اوقیہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کے مرکزی موضوعات

اس سورہ میں حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج اور بنی اسرائیل کی سرگزشت اور ان کا دو مرتبہ تباہی سے دوچار ہونا، فضیلتِ قرآن، انسانی جلد بازی، شمس و قمر کی گردش، نامۂ اعمال، بربادی کے اسباب، اور دنیا و آخرت کے طلب گاروں کا تذکرہ، اور احکام، ملائکہ خدا کی بیٹیاں نہیں ہیں، زیادہ معبود ہوتے تو کیا ہوتا؟ کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح خواں ہے، قرآن سن کر مشرکین کا اعراض کرنا، قیامت کی بعثت پر شک کرنے والوں کا اعتراض اور اس کا جواب، اور وسیلہ تلاش کرنے والوں کا بیان۔ ایک خواب اور شجرہ ملعونہ، رحمٰن و شیطان کا مکالمہ، بنی آدم کی عظمت قیامت کے دن تمام لوگ اپنے امام کے ساتھ بلائے جائیں گے، جو دنیا میں بے بصیرت ہو وہ آخرت میں بھی بے بصیرت ہوگا، نبی کو نکالنے کے بعد اہلِ مکہ کے دن بھی گن دیئے جائیں گے۔ اوقاتِ نماز، ایک دعا، حق آنے پر باطل بھاگ جاتا ہے، انسانی نفسیات، روح کیا ہے؟ قرآن کی نظیر ناممکن ہے، مشرکین کے عجیب مطالبات، فرشتوں کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا؟ قصۂ موسیٰ و فرعون، نماز کو جہر و خفات کی بجائے درمیانی طریقہ سے ادا کیا جانا چاہیے اور عظمتِ خداوندی جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِىۡ بٰرَكۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنۡ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ①

سہارا اللہ کے نام کا جو کہ رحمٰن و رحیم ہے

''پاک و پاکیزہ ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد الحرام سے دور کی مسجد (آخری نقطۂ سجود) تک لے گیا' جس کے اطراف میں ہم نے برکت رکھی ہے' تاکہ ہم اسے اپنی بعض نشانیاں دکھلائیں۔ بے شک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے''۔

تفسیر عیاشی میں ہشام بن الحکم سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ مولا! ''سبحان'' کے کیا معنی ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: ''سبحان اللہ'' اللہ کی تنزیہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی صفات سے کہیں بلند و بالا ہے اور ہر طرح کی صفات رذیلہ اور صفات جسمانیہ سے پاک و پاکیزہ ہے۔

ہشام سے مروی ایک اور روایت میں بھی یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

افضل ترین مساجد

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ افضل ترین مساجد کون سی ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: مسجد الحرام اور مسجد نبویؐ افضل ترین مساجد ہیں۔

سائل نے کہا: تو کیا مسجد اقصیٰ ان میں شامل نہیں ہے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ مسجد آسمان میں ہے اور رسولِ خدا کو اسی کی طرف معراج کرائی گئی تھی۔

سائل نے کہا: لوگ تو کہتے ہیں کہ اس سے بیت المقدس کی مسجد مراد ہے!

آپؑ نے فرمایا: نہیں، اس سے تو مسجدِ کوفہ افضل ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں اسماعیل جعفی سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں مسجد الحرام میں بیٹھا ہوا تھا اور میرے ساتھ ایک کونے میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بھی تشریف فرما تھے۔ آپؑ نے سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور پھر ایک مرتبہ کعبہ شریف کی طرف دیکھا۔ پھر آپؑ نے سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَهٗ...... کی آیت مجیدہ کی تلاوت کی۔

آپؑ نے تین بار یہ عمل دہرایا۔ پھر آپؑ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''عراقی! اہلِ عراق اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

میں نے عرض کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو مسجد الحرام سے بیت المقدس تک رات کے وقت سیر کرائی۔

آپؑ نے فرمایا: ایسا نہیں ہے، بلکہ خدا نے آنحضرتؐ کو یہاں سے وہاں تک سیر کرائی۔ یہ کہہ کر آپؑ نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ان دونوں کے درمیان سارا حرم ہی حرم ہے۔

حضرت موسیٰؑ اور آنحضرتؐ کی فضیلت کا موازنہ

احتجاج طبرسی میں ابن عباس کی زبانی منقول ہے کہ یہودیوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ہمارے پیغمبر حضرت موسیٰؑ آپؐ سے افضل تھے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: وہ کیسے؟ یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے چار ہزار کلمات کہے تھے، جب کہ اس نے آپؐ سے کوئی کلام نہیں کیا۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: مجھے موسیٰؑ سے بھی بہتر فضیلت عطا ہوئی ہے۔

یہودیوں نے کہا: وہ کون سی فضیلت ہے؟

آپؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ ...... ''وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد الحرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے اَطراف میں ہم نے برکت رکھی ہے''۔

میں جبریل امینؑ کے پَر پر سوار ہوا' یہاں تک کہ میں ساتویں آسمان تک پہنچا' پھر سدرۃ المنتہٰی سے بھی آگے گیا جس کے قریب جنت الماویٰ تھی۔ پھر میں ساقِ عرش پر پہنچا۔ ساقِ عرش سے خدا کی مجھے یہ ندا۔سنائی دی: اِنِّیۡ انا اللّٰہ لا الٰہ الا انا السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر الرؤوف الرحيم ''میں ہی اللہ ہوں' میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ میں ہی سلامتی دینے والا اور امن دینے والا' نگہبان' غالب' جبار' متکبر اور رؤوف ورحیم ہوں''۔

میں نے اپنے دل سے خدا کو دیکھا۔ میں نے اسے آنکھوں سے نہیں دیکھا اور یہ مقام حضرت موسیٰؑ کے مقام سے افضل ہے۔

یہودیوں نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے سچ کہا ہے اور تورات میں بھی یہی لکھا ہوا ہے۔

معراج

کتاب الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک سو بیس بار معراج نصیب ہوئی اور ہر بار اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو حضرت علی علیہ السلام اور اُن کی نسل کے آئمہؑ کی ولایت کی وصیت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے باقی فرائض کے متعلق اتنی وصیت نہیں کی جتنی کہ ولایت۔ کے لیے کی۔

اصولِ کافی میں علی بن ابی حمزہ سے منقول ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ میری موجودگی میں ابوبصیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ رسولِ خدا کو کتنی بار معراج کرائی گئی؟

آپؑ نے فرمایا: دو بار۔ جبریل امینؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ایسی جگہ پر کھڑا کیا اور ان سے کہا: اے محمدؐ! آپؐ یہاں رکیے۔ آپؐ اس مقام پر آئے ہیں کہ آپؐ سے قبل کوئی فرشتہ یا کوئی نبی یہاں تک نہیں آیا۔ آپ کا رب اپنی ثنا میں مصروف ہے۔

رسولِ خدا نے فرمایا: وہ کس طرح کی ثنا میں مصروف ہے؟

جبریلؑ نے کہا: وہ کہہ رہا ہے سبوح قدوس انا رب الملائكة والروح سبقت رحمتي غضبي۔ اس وقت

رسولؐ خدا نے عرض کیا: پروردگار! تیری بخشش چاہیے، تیری بخشش چاہیے۔ اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ﴿٩﴾ (النجم) کہہ کر اشارہ کیا ہے یعنی دو کمانوں کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم فاصلہ تھا۔

ابوبصیر نے عرض کیا: قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ﴿٩﴾ سے کتنا فاصلہ مراد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: کمان کے منحنی حصہ سے اس کے سرے تک کا فاصلہ مراد ہے۔ اور عبد و معبود میں ایک حجاب تھا جو ہل رہا تھا اور چمک رہا تھا اور میرے خیال کے مطابق وہ حجاب زبرجد کا تھا۔ نبی اکرمؐ نے سوئی کے سوراخ جیسے سوراخ سے نورِ عظمت کو دیکھا۔

اس وقت ندائے قدرت بلند ہوئی: یا محمدؐ۔

آپؐ نے جواب میں لَبَّيْكَ رَبِّي کہا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ بتاؤ تمہارے بعد تمہاری اُمت کا نگہبان اور وارث کون ہے؟

آنحضرتؐ نے عرض کیا: پروردگار! تو ہی بہتر جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری اُمت کا نگہبان اور وارث امیرالمومنین، سیدالوصیین، قائد الغرالمحجلین علی بن ابی طالب ہے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابومحمد، خدا کی قسم! علیؑ کی ولایت زمین سے نہیں آئی بلکہ براہِ راست آسمان سے اُتری ہے۔

کتاب علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ ثابت بن دینار نے حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ کو کسی مکان سے منسوب کیا جاسکتا ہے؟

حضرت امام زین العابدین نے فرمایا: خدا اس سے کہیں بلند و برتر ہے۔

سائل نے کہا: اگر یہ بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو آسمانوں کی معراج کیوں کرائی تھی؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان کی بادشاہت اور اپنی صفت کے عجائبات دکھانے کے لیے آسمانوں کی سیر کرائی تھی۔

حضرت امام زین العابدین سے منقول ہے کہ جس قمیص میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج ہوئی تھی، آپؐ نے اپنی وفات کے وقت وہ قمیص حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کی تھی۔

کتاب التوحید میں یونس بن عبدالرحمٰن سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا:
اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو آسمان پر کیوں بلند کیا' پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ اور حجاباتِ نور تک کیوں سیر کرائی اور آپؐ سے وہاں گفتگو کیوں کی' جب کہ اللہ تو کسی مکان میں محدود نہیں ہے؟

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کو مکان کے ساتھ متصف نہیں کیا جاسکتا اور اس پر زمانہ بھی طاری نہیں ہوتا۔ اللہ چاہتا تھا کہ اپنے ملائکہ اور آسمانوں کی مخلوقات کو اپنے حبیب کا دیدار کرائے اور خدا کی مشیت یہ تھی کہ میرا عبد جب زمین پر لوٹ کر جائے تو مخلوقات کو میری عظمت کے عجائب کی خبر دے۔

تشبیہ کا عقیدہ رکھنے والے جو کچھ کہتے ہیں اس سے وہ کچھ مراد نہیں ہے' اللہ ان کے شرک سے کہیں بلند وبالا ہے۔

روضہ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ شبِ معراج جبریل امینؑ بُراق لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ بُراق خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا جانور تھا۔ اس کے کان ہر وقت متحرک رہتے تھے۔ اس کی آنکھیں اس کے سموں میں تھیں اور جہاں تک اس کی نظر جاتی تھی وہ وہاں تک اپنا قدم رکھتا تھا اور براق جب کسی پہاڑ پر پہنچتا تو اس کے اگلے پاؤں چھوٹے ہوجاتے اور پچھلے پاؤں بڑے ہوجاتے تھے اور جب وہ پہاڑ سے اُترتا تو اس کے اگلے پاؤں لمبے اور پچھلے پاؤں چھوٹے ہوجاتے تھے۔ اس کے عقب میں دو پَر لگے ہوئے تھے۔

عیون الاخبار میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میرے لیے براق مسخر کیا۔ بُراق جنت کا ایک جانور ہے' جو نہ تو چھوٹا ہے اور نہ ہی زیادہ لمبا ہے۔ اگر خدا اسے اجازت دیتا تو وہ دنیا وآخرت کو ایک ہی جست میں عبور کرلیتا۔ وہ انتہائی خوبصورت قسم کا جانور ہے۔

تفسیر عیاشی میں ہشام بن سالم سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

شبِ معراج بُراق کے ساتھ جبریلؑ، میکائیلؑ اور اسرافیل آئے۔ اُن میں سے ایک نے رکاب تھامی' دوسرے نے لگام پکڑی اور تیسرے نے زین کے کپڑے درست کیے۔ جب رسول اکرمؐ بُراق پر سوار ہوئے تو بُراق مچلنے لگا۔ حضرت جبریلؑ نے اُسے طمانچہ مار کر کہا:

''اے بُراق! سکون میں آ۔ تجھ پر ان سے افضل شخص نہ تو اس سے پہلے سوار ہوا ہے اور نہ ہی ان کے بعد کوئی سوار ہوگا۔ پھر بھی تو مچل رہی ہے؟''

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ایک مرتبہ میں

"ابطح" میں سویا ہوا تھا، علیؑ میری دائیں طرف، جعفرؓ میری بائیں طرف اور حمزہؓ میرے آگے سوئے ہوئے تھے۔ اتنے میں مجھے ملائکہ کے پَروں کے پھڑ پھڑانے کی آواز سنائی دی۔ ان میں سے ایک نے کہا: اے جبریلؑ! تمہیں کس کی طرف بھیجا گیا ہے؟

جبریل امینؑ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے ان کی طرف بھیجا گیا ہے اور یہ اولادِ آدمؑ کے سردار ہیں اور یہ (علی) ان کے وصی، وزیر اور ان کی اُمت میں ان کے جانشین ہیں اور یہ ان کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ ہیں اور یہ ان کا تایازاد بھائی جعفرؓ ہیں جنہیں دو پَر ملیں گے، جن کے ساتھ وہ جنت میں ملائکہ کے ساتھ پرواز کریں گے۔ ابھی انہیں سو لینے دو، ان کی آنکھیں سو لیں اور ان کے کان سنیں اور ان کے لیے ایک مثال بیان کرو کہ ایک بادشاہ نے ایک گھر تعمیر کیا اور اس نے لوگوں کے لیے دسترخوان بچھایا اور ایک بلانے والے کو روانہ کیا کہ وہ لوگوں کو خدائی دسترخوان پر آنے کی دعوت دے۔

اس وقت میں (محمدؐ) نے کہا: وہ بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے اور دسترخوان جنت ہے اور بلانے والا میں ہوں۔

پھر جبریل امینؑ نے مجھے بُراق پر سوار کیا اور مجھے بیت المقدس لے گئے اور وہاں مجھے انبیاء کے محراب دکھائے اور میں نے وہاں نماز پڑھی۔ پھر اسی رات جبریلؑ مجھے وہاں سے مکہ واپس لے آئے۔ واپسی پر میرا گزر قریشِ مکہ کے ایک تجارتی قافلہ کے پاس سے ہوا۔ ان کا پانی ایک برتن میں رکھا ہوا تھا۔ میں نے وہاں سے پانی پیا اور باقی پانی میں نے زمین پر اُنڈیل دیا۔ اس وقت ان کا ایک اُونٹ گم ہو گیا تھا اور اہلِ قافلہ اس کو تلاش کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

راویوں کا بیان ہے کہ جب صبح ہوئی تو رسولِ خدا نے قریش سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس رات مجھے بیت المقدس کی سیر کرائی اور میں نے انبیاء کے محراب دیکھے اور واپسی پر میرا گزر تمہارے (قریش کے) قافلہ سے ہوا۔ میں نے وہاں پانی پیا اور باقی پانی میں نے زمین پر اُنڈیل دیا اور قافلہ والوں کا اُونٹ گم ہو گیا تھا۔ وہ اسے تلاش کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

جب ابوجہل کو آنحضرتؐ کی اس گفتگو کا پتہ چلا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ لو! تمہیں آج اچھا موقع ملا ہے۔ محمدؐ سے جا کر پوچھو کہ تم نے جو مسجدِ اقصیٰ دیکھی ہے یہ بتاؤ اس کے ستون کتنے ہیں اور اس میں قندیلیں کتنی ہیں؟

کفارِ مکہ نے آنحضرتؐ سے یہ سوال کیا: جبریل امینؑ نے اسی وقت بیت المقدس کی تصویر آنحضرتؐ کے سامنے پیش کی۔ لوگوں نے جو کچھ پوچھا آپؐ نے تصویر کو دیکھ کر ان کو پوری تفصیل بتا دی۔

قریش نے کہا: اچھا ہمیں یہ بتاؤ کہ ہمارا قافلہ واپس کب آئے گا، ہم اُن سے تمہارے بیان کی تصدیق کریں گے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا قافلہ طلوعِ آفتاب کے وقت یہاں آ جائے گا اور ان کے آگے آگے ایک سرُخ رنگ کا اُونٹ ہوگا۔

دوسرے دن طلوعِ آفتاب سے قبل قریش کے افراد گھاٹی کے پاس جا کر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ابھی آفتاب طلوع ہونے ہی والا ہے۔ ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ آفتاب طلوع ہوا اور قافلہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ آگے آگے سرخ رنگ کا اُونٹ تھا۔

قریش کے افراد نے ان کے سامنے رسولؐ خدا کا بیان پیش کیا تو اُنھوں نے کہا: واقعی یہ سچ ہے۔ فلاں مقام پر ہمارا اُونٹ گم ہوگیا تھا اور ہم اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔ جب ہم واپس آئے تو ہمارا پانی زمین پر اُنڈیلا جا چکا تھا۔

یہ بیان سننے کے بعد بھی قریش کی سرکشی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

روضہ کافی میں بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت منقول ہے اور اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ جب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ کل طلوعِ آفتاب کے ساتھ تمہارا قافلہ آ جائے گا اور ان کے آگے سرخ رنگ کا اُونٹ ہوگا تو قریش نے ایک شخص کو بھیجا کہ تم قافلہ سے جا کر ملو اور ان سے کہو کہ وہ مکہ میں داخل ہوتے وقت سرخ اُونٹ کو آگے نہ آنے دیں۔ مگر ان کی ہر کوشش ناکام ہوئی۔ قافلہ اسی طرح سے آیا جیسا کہ آنحضرتؐ نے بیان فرمایا تھا۔

قرطہ بن عبد عمرو نے آنحضرتؐ کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا کہ کاش میں آپ کا اُونٹ ہوتا جو آپ کو مکہ سے بیت المقدس اور پھر وہاں سے اسی رات مکہ میں پہنچاتا۔

حضرت علیؑ کا مثالی جسم

تفسیر علی بن ابراہیم میں ابی بُردہ اسلمی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ آپؐ حضرت علیؑ سے یہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سات مقامات پر تجھے میرے ساتھ حاضر کیا۔ پہلا موقع وہ ہے جب مجھے معراج ہوئی اور میں آسمان پر پہنچا تو جبریل امینؑ نے مجھ سے کہا: آپؐ کا بھائی کہاں ہے؟ میں نے کہا: میں اسے پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں۔ جبریلؑ نے کہا: آپؐ خدا سے دعا کریں وہ اسے آپؐ کے پاس لے آئے۔ میں نے خدا سے دعا کی تو اس وقت تیری مثال میرے پاس موجود تھی۔ وہاں ملائکہ کی صفیں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے جبریلؑ سے کہا کہ یہ کون ہیں؟ جبریلؑ نے کہا: یہ وہ ہیں کہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آپؐ کی وجہ سے فخر و مباہات کرے گا۔ میں ان صفوں کے قریب

گیا اور میں نے ان کے سامنے ماضی اور مستقبل کے تا قیامت حالات و واقعات بیان کیے۔

دوسرا موقع وہ ہے جب مجھے دوسری بار معراج کرائی گئی تو جبریلؑ نے مجھ سے کہا: آپ کا بھائی کہاں ہے؟ میں نے کہا: میں اسے پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں۔ جبریلؑ نے کہا: آپؐ خدا سے دعا کریں وہ اسے آپؐ کے پاس لے آئے۔ میں نے دعا کی تو تیری مثال میرے پاس موجود تھی۔ میرے لیے سات آسمانوں کے حجاب اُٹھا دیئے گئے' یہاں تک کہ میں نے آسمانوں پر رہنے والوں کا مشاہدہ کیا اور ہر فرشتے کی جگہ کا معائنہ کیا......

چھٹا موقع وہ ہے جب مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی اور میرے لیے تمام انبیاء کو جمع کیا گیا اور میں نے ان کی امامت کروائی اور انہوں نے میری اقتداء میں نماز پڑھی تو اس وقت بھی تیری مثال میرے پیچھے موجود تھی۔

کتاب علل الشرائع میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

شبِ معراج جبریلؑ نے مجھے اپنے دائیں کندھے پر سوار کیا' مجھے ایک پہاڑ کے دامن میں ایک زمین دکھائی دی' جس کا رنگ سرخ تھا اور وہ زعفران سے بھی زیادہ حسین تھی اور کستوری سے زیادہ معطر تھی۔ وہاں مجھے ایک بوڑھا دکھائی دیا جس نے لمبی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ میں نے جبریلؑ سے کہا کہ یہ کون سی زمین ہے جو اتنی حسین اور معطر ہے؟ جبریلؑ نے کہا: یہ سرزمین آپؐ کے اور آپ کے وصی علیؑ کے شیعوں کی ہے۔ میں نے کہا: یہ ٹوپی والا کون ہے؟ جبریل امینؑ نے کہا: یہ ابلیس ہے۔ میں نے کہا: یہ (بدبخت) یہاں پر کیا کر رہا ہے؟ جبریلؑ نے کہا: یہ لوگوں کو امیرالمومنین کی ولایت سے ہٹا رہا ہے اور انہیں فسق و فجور کی دعوت دے رہا ہے۔ میں نے جبریلؑ سے کہا کہ ہمیں وہاں تیزی سے لے جاؤ۔ جبریلؑ بجلی کی تیزی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ مجھے وہاں لے گئے اور میں نے وہاں پہنچ کر اس لعین سے کہا: لعین! یہاں سے کھڑا ہو جا اور ان کے دشمنوں کے اموال' اولاد اور عورتوں میں جا کر شریک ہو جا۔ میرے اور علیؑ کے شیعوں پر تجھے کوئی غلبہ حاصل نہیں ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جبریلؑ، میکائیلؑ اور اسرافیل بُراق لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ ایک نے لگام تھامی' دوسرے نے رکاب پکڑی اور تیسرے نے زمین پر کپڑوں کو درست کیا۔ بُراق مچلنے لگا۔ جبریل امینؑ نے اسے طمانچہ مار کر کہا: سکون میں رہ۔ ان سے پہلے تم پر کوئی نبی سوار نہیں ہوا اور ان کے بعد ان جیسا کوئی بھی شخص تم پر سوار نہ ہوگا۔ پھر بُراق نے پرواز شروع کی اور زیادہ بلندی پر نہ گئی۔ اس دوران میں جبریل امینؑ آنحضرتؐ کو زمین و آسمان کی نشانیاں دکھاتے رہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: میں سفر میں مصروف تھا کہ کسی ندا دینے والے نے میرے دائیں طرف سے میرا نام لے کر مجھے

پکارا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور میں نے اس کی طرف دھیان نہ دیا۔ پھر کسی نے بائیں طرف سے میرا نام لے کر مجھے پکارا۔ میں نے اسے بھی کوئی جواب نہ دیا اور اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔

پھر ایک عورت میرے سامنے آئی، جس کے بازو ظاہر تھے اور اس کے بازو پر ہر قسم کا زیور موجود تھا۔ اس نے میرا نام لے کر کہا: آپؐ رُک جائیں مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ میں اپنے سفر میں مصروف رہا۔ اس دوران میں مجھے ایک مہیب سی صدا سنائی دی۔ جبریلؑ مجھے لے کر اُترے اور اس نے کہا: آپؐ نے یہاں نماز پڑھی۔ میں نے وہاں نماز پڑھی۔

جبریلؑ نے کہا: آپؐ جانتے ہیں کہ آپؐ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا۔ جبریلؑ نے کہا: آپؐ نے طیبہ (مدینہ) میں نماز پڑھی ہے اور آپ کو اسی طرف ہجرت کرنا ہوگی۔ پھر میں سوار ہوا، جہاں تک خدا چاہتا تھا، سفر کرتا رہا، پھر ایک مقام آیا جہاں جبریلؑ نے مجھے کہا کہ آپؐ یہاں اُتریں اور نماز پڑھیں۔ میں بُراق سے اُترا اور نماز پڑھی۔ جبریلؑ نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپؐ نے نماز کہاں پڑھی ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو جبریلؑ نے کہا: یہ طورِ سینا ہے۔ اسی جگہ پر خدا نے موسیٰؑ سے کلام کیا تھا۔

پھر ہم نے سفر کیا، پھر ایک جگہ پہنچے تو جبریلؑ نے مجھ سے کہا: آپؐ یہاں اُتریں اور نماز پڑھیں۔ میں بُراق سے اُترا اور وہاں نماز پڑھی۔ جبریل امینؑ نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو جبریلؑ نے کہا: یہ جگہ بیت لحم ہے۔ یہ جگہ بیت المقدس کے نواح میں ہے۔ یہاں عیسیٰ بن مریمؑ پیدا ہوئے تھے۔

پھر میں سوار ہوا، اور ہم بیت المقدس پہنچے۔ میں نے اپنے بُراق کو اس زنجیر سے باندھا جس کے ساتھ انبیاء اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے۔ میں مسجد میں داخل ہوا۔ جبریلؑ میرے پہلو میں تھے۔ وہاں پر حضرت ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو خدا نے جمع کیا اور نماز قائم کی گئی۔ مجھے یقین تھا کہ جبریلؑ ہماری امامت کرائیں گے لیکن جب صفیں سیدھی ہوگئیں تو جبریلؑ نے میرے بازو سے پکڑا اور مجھے آگے کھڑا کیا۔ میں نے امامت کرائی، میں اس پر فخر نہیں کرتا۔ پھر خازن میرے پاس تین برتن لے کر آیا۔ ایک برتن میں دودھ تھا، دوسرے میں پانی تھا اور تیسرے میں شراب تھی۔ میں نے ایک کہنے والے کی یہ بات سنی وہ کہہ رہا تھا کہ اگر اس نے پانی پیا تو یہ خود بھی غرق ہوجائے گا اور اس کی اُمت بھی غرق ہوجائے گی۔ اور اگر اس نے شراب پی تو یہ خود بھی گمراہ ہوجائے گا اور اس کی اُمت بھی گمراہ ہوجائے گی اور اگر اس نے دودھ پیا تو یہ خود بھی ہدایت پر رہے گا اور اس کی اُمت بھی ہدایت پر رہے گی۔ چنانچہ میں نے دودھ کا پیالہ اٹھایا اور دودھ

گیا اور میں نے ان کے سامنے ماضی اور مستقبل کے تا قیامت حالات و واقعات بیان کیے۔

دوسرا موقع وہ ہے جب مجھے دوسری بار معراج کرائی گئی تو جبریلؑ نے مجھ سے کہا: آپ کا بھائی کہاں ہے؟ میں نے کہا: میں اسے پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں۔ جبریلؑ نے کہا: آپؐ خدا سے دعا کریں وہ اسے آپؐ کے پاس لے آئے۔ میں نے دعا کی تو تیری مثال میرے پاس موجود تھی۔ میرے لیے سات آسمانوں کے حجاب اُٹھا دیئے گئے' یہاں تک کہ میں نے آسمانوں پر رہنے والوں کا مشاہدہ کیا اور ہر فرشتے کی جگہ کا معائنہ کیا......

چھٹا موقع وہ ہے جب مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی اور میرے لیے تمام انبیاء کو جمع کیا گیا اور میں نے ان کی امامت کروائی اور انہوں نے میری اقتداء میں نماز پڑھی تو اس وقت بھی تیری مثال میرے پیچھے موجود تھی۔

کتاب علل الشرائع میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

شبِ معراج جبریلؑ نے مجھے اپنے دائیں کندھے پر سوار کیا' مجھے ایک پہاڑ کے دامن میں ایک زمین دکھائی دی' جس کا رنگ سرخ تھا اور وہ زعفران سے بھی زیادہ حسین تھی اور کستوری سے زیادہ معطر تھی۔ وہاں مجھے ایک بوڑھا دکھائی دیا جس نے لمبی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ میں نے جبریلؑ سے کہا کہ یہ کون سی زمین ہے جو اتنی حسین اور معطر ہے؟ جبریلؑ نے کہا: یہ سرزمین آپؐ کے اور آپ کے وصی علیؑ کے شیعوں کی ہے۔ میں نے کہا: یہ ٹوپی والا کون ہے؟ جبریل امینؑ نے کہا: یہ ابلیس ہے۔ میں نے کہا: یہ (بدبخت) یہاں پر کیا کر رہا ہے؟ جبریلؑ نے کہا: یہ لوگوں کو امیرالمومنین کی ولایت سے ہٹا رہا ہے اور انہیں فسق و فجور کی دعوت دے رہا ہے۔ میں نے جبریلؑ سے کہا کہ ہمیں وہاں تیزی سے لے جاؤ۔ جبریلؑ بجلی کی تیزی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ مجھے وہاں لے گئے اور میں نے وہاں پہنچ کر اس لعین سے کہا: لعین! یہاں سے کھڑا ہو جا اور ان کے دشمنوں کے اموال' اولاد اور عورتوں میں جا کر شریک ہو جا۔ میرے اور علیؑ کے شیعوں پر تجھے کوئی غلبہ حاصل نہیں ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جبریلؑ، میکائیلؑ اور اسرافیل بُراق لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ ایک نے لگام تھامی' دوسرے نے رکاب پکڑی اور تیسرے نے زمین پر کپڑوں کو درست کیا۔ بُراق مچلنے لگا۔ جبریل امینؑ نے اسے طمانچہ مار کر کہا: سکون میں رہ۔ ان سے پہلے تم پر کوئی نبی سوار نہیں ہوا اور ان کے بعد ان جیسا کوئی بھی شخص تم پر سوار نہ ہوگا۔ پھر بُراق نے پرواز شروع کی اور زیادہ بلندی پر نہ گئی۔ اس دوران میں جبریل امینؑ آنحضرتؐ کو زمین و آسمان کی نشانیاں دکھاتے رہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: میں سفر میں مصروف تھا کہ کسی ندا دینے والے نے میرے دائیں طرف سے میرا نام لے کر مجھے

پکارا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور میں نے اس کی طرف دھیان نہ دیا۔ پھر کسی نے بائیں طرف سے میرا نام لے کر مجھے پکارا۔ میں نے اسے بھی کوئی جواب نہ دیا اور اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔

پھر ایک عورت میرے سامنے آئی' جس کے بازو ظاہر تھے اور اس کے بازو پر ہر قسم کا زیور موجود تھا۔ اس نے میرا نام لے کر کہا: آپؐ رُک جائیں مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ میں اپنے سفر میں مصروف رہا۔ اس دوران میں مجھے ایک مہیب سی صدا سنائی دی۔ جبریلؑ مجھے لے کر اُترے اور اس نے کہا: آپؐ نے یہاں نماز پڑھی۔ میں نے وہاں نماز پڑھی۔

جبریلؑ نے کہا: آپؐ جانتے ہیں کہ آپؐ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا۔ جبریلؑ نے کہا: آپؐ نے طیبہ (مدینہ) میں نماز پڑھی ہے اور آپ کو اسی طرف ہجرت کرنا ہوگی۔ پھر میں سوار ہوا' جہاں تک خدا چاہتا تھا' سفر کرتا رہا' پھر ایک مقام آیا جہاں جبریلؑ نے مجھے کہا کہ آپؐ یہاں اُتریں اور نماز پڑھیں۔ میں بُراق سے اُترا اور نماز پڑھی۔ جبریلؑ نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپؐ نے نماز کہاں پڑھی ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو جبریلؑ نے کہا: یہ طورِ سینا ہے۔ اسی جگہ پر خدا نے موسٰیؑ سے کلام کیا تھا۔

پھر ہم نے سفر کیا' پھر ایک جگہ پہنچے تو جبریلؑ نے مجھ سے کہا: آپؐ یہاں اُتریں اور نماز پڑھیں۔ میں بُراق سے اُترا اور وہاں نماز پڑھی۔ جبریل امینؑ نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو جبریلؑ نے کہا: یہ جگہ بیت لحم ہے۔ یہ جگہ بیت المقدس کے نواح میں ہے۔ یہاں عیسٰیؑ بن مریمؑ پیدا ہوئے تھے۔

پھر میں سوار ہوا' اور ہم بیت المقدس پہنچے۔ میں نے اپنے بُراق کو اس زنجیر سے باندھا جس کے ساتھ انبیاء اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے۔ میں مسجد میں داخل ہوا۔ جبریلؑ میرے پہلو میں تھے۔ وہاں پر حضرت ابراہیم، موسٰی، عیسٰی اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو خدا نے جمع کیا اور نماز قائم کی گئی۔ مجھے یقین تھا کہ جبریلؑ ہماری امامت کرائیں گے لیکن جب صفیں سیدھی ہوگئیں تو جبریلؑ نے میرے بازو سے پکڑا اور مجھے آگے کھڑا کیا۔ میں نے امامت کرائی، میں اس پر فخر نہیں کرتا۔ پھر خازن میرے پاس تین برتن لے کر آیا۔ ایک برتن میں دودھ تھا' دوسرے میں پانی تھا اور تیسرے میں شراب تھی۔ میں نے ایک کہنے والے کی یہ بات سنی وہ کہہ رہا تھا کہ اگر اس نے پانی پیا تو یہ خود بھی غرق ہوجائے گا اور اس کی اُمت بھی غرق ہوجائے گی۔ اور اگر اس نے شراب پی تو یہ خود بھی گمراہ ہوجائے گا اور اس کی اُمت بھی گمراہ ہوجائے گی اور اگر اس نے دودھ پیا تو یہ خود بھی ہدایت پر رہے گا اور اس کی اُمت بھی ہدایت پر رہے گی۔ چنانچہ میں نے دودھ کا پیالہ اٹھایا اور دودھ

پیا۔ جبریلؑ نے مجھ سے کہا: آپ بھی ہدایت پر قائم ہیں اور آپ کی اُمت بھی ہدایت پر رہے گی۔

پھر اس نے مجھ سے کہا کہ آپؐ نے اس سفر میں کیا دیکھا؟ میں نے کہا کہ دورانِ سفر میں مَیں نے دائیں جانب سے ایک آواز سنی تھی، لیکن میں اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ پھر میں نے بائیں جانب سے ایک آواز سنی تھی۔ میں نے اس کی طرف بھی توجہ نہیں کی تھی۔ پھر ایک زیورات سے آراستہ عورت نے مجھ سے گفتگو کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن میں نے اس پر بھی توجہ نہیں کی تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ اگر آپ دائیں جانب سے پکارنے والے کی بات کا جواب دیتے تو آپؐ کی اُمت یہودیت اختیار کر لیتی، کیونکہ وہ یہودیت کا داعی تھا اور اگر آپؐ بائیں طرف سے پکارنے والے کی آواز کا جواب دیتے تو آپ کی اُمت نصرانیت اختیار کر لیتی، کیونکہ وہ نصرانیت کا داعی تھا اور اگر آپؐ زیورات سے آراستہ عورت سے گفتگو کرتے تو آپ کی تمام اُمت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی اور وہ دنیا تھی جو عورت کے تمثیلی انداز میں آپؐ کے سامنے آئی تھی۔

میں نے کہا: اس کے بعد میں نے ایک مہیب سی صدا سنی تھی جس سے میرا دل لرز گیا تھا۔ جبریلؑ نے کہا: وہ آواز ایک چٹان کی تھی جسے میں نے آج سے ستر برس قبل دوزخ میں پھینکا تھا۔ وہ آج دوزخ کی پاتال میں جا کر گری ہے۔ یہ آواز اسی کی تھی۔ اس کے بعد کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

آسمانوں کے مناظر

اس کے بعد میں اور جبریل امینؑ آسمانِ دنیا پر پہنچے۔ اس کا دربان ایک فرشتہ ہے جسے اسماعیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ وہی فرشتہ ہے جو شیاطین کے پیچھے شہابِ ثاقب کو روانہ کرتا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝۱۰ (الصافات:۱۰)

''تاہم اگر ان میں سے کوئی کچھ لے اُڑے تو ایک تیز شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے''۔

آسمانِ اول کے دربان کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک فرشتے کے ماتحت ستر ستر ہزار فرشتے ہیں۔ چنانچہ آسمانِ اول کے دربان نے جبریلؑ سے کہا: تمہارے ساتھ یہ کون ہیں؟ جبریلؑ نے کہا: یہ محمدؐ ہیں۔ دربان نے کہا تو کیا وہ مبعوث ہو چکے ہیں؟ جبریلؑ نے کہا: جی ہاں۔ پھر اس نے ہمارے لیے دروازہ کھولا۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ میں نے اس کے لیے مغفرت طلب کی۔ اس نے میرے لیے مغفرت طلب کی اور کہا: نیک بھائی اور نیک نبی کو خوش آمدید ہو۔

پھر ملائکہ نے مجھ سے ملاقات کی اور ہر فرشتے نے مجھ سے مسکرا کر ملاقات کی۔ میں نے وہاں ایک فرشتہ دیکھا جو انتہائی بدشکل تھا اور اس کے چہرے پر ناراضگی کے آثار تھے۔ اس نے بھی مجھ سے سلام دعا کی لیکن اس کے چہرے پر مجھے خوشی کے آثار نظر نہ آئے۔ میں نے جبریلؑ سے کہا کہ یہ کون ہے؟ میں تو اسے دیکھ کر گھبرا گیا ہوں۔

جبریل امینؑ نے کہا: اس سے تو گھبرانا ہی چاہیے۔ یہ مالک ہے اور یہ دوزخ کا داروغہ ہے۔ اس کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ نہیں آتی۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے اُسے دوزخ کا خازن مقرر کیا ہے تب سے روزانہ دشمنانِ خدا اور معصیت کاروں کے خلاف اس کے غصہ میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ اگر یہ آپؐ سے قبل کسی کے لیے ہنسا ہوتا یا آپؐ کے بعد اس نے کسی کے لیے ہنسنا ہوتا تو یہ آپؐ سے بھی ہنس کر ملتا لیکن اس کی فطرت میں ہی ہنسنا شامل نہیں ہے۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے مجھے سلام کا جواب دیا اور جنت کی بشارت دی۔

میں نے جبریلؑ سے کہا کہ عالمِ بالا میں تمہاری اطاعت کی جاتی ہے اور خدا نے تمہیں ''مطاع ثم امین'' کا لقب دیا ہے۔ ذرا اس سے کہو کہ وہ مجھے دوزخ دکھائے۔

جبریل امینؑ نے اس سے کہا کہ مالک! محمدؐ کو دوزخ دکھاؤ۔ چنانچہ مالک نے دوزخ سے پردہ ہٹایا یا اس نے اس کا دروازہ کھولا تو دوزخ کے شعلے بلند ہوئے، یہاں تک کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ یہ ہمیں اپنی لپیٹ میں نہ لے لیں۔ میں نے جبریلؑ سے کہا کہ اس سے کہو کہ اب دوزخ کا دروازہ بند کردے۔ اس نے دوزخ کے شعلوں سے کہا کہ اپنی جگہ پر واپس آ جاؤ۔ اس کے بعد دوزخ کے شعلے غائب ہوگئے۔ پھر میں آگے چلا تو مجھے ایک گندمی رنگ کا لحیم وشحیم شخص نظر آیا۔ میں نے جبریلؑ سے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ آپ کا باپ آدمؑ ہے اور جب اس کی نیک اولاد اس کے سامنے پیش ہوتی ہے تو یہ کہتا ہے: کیا کہنے پاکیزہ روح کے اور کیا کہنے اس پاکیزہ خوشبو کے جو ایک پاکیزہ شخص کے جسم سے بلند ہوتی ہے۔

پھر رسولؐ خدا نے یہ آیات پڑھیں: كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ ٱلْأَبْرَارِ لَفِى عِلِّيِّينَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا عِلِّيُّونَ ﴿۱۹﴾ كِتَٰبٌ مَّرْقُومٌ ﴿۲۰﴾ يَشْهَدُهُ ٱلْمُقَرَّبُونَ ﴿۲۱﴾ (مطففین: ۱۸-۲۱) ''ہرگز نہیں، بے شک نیک آدمیوں کا نامۂ اعمال بلند پایہ لوگوں کے دفتر میں ہے اور تمہیں کیا خبر کہ بلند پایہ لوگوں کا دفتر کیا ہے؟ وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے جس کی نگہداشت مقرب افراد کرتے ہیں)۔

میں نے اپنے والد حضرت آدم علیہ السلام پر سلام کیا۔ اُنھوں نے مجھ پر سلام کیا۔ میں نے ان کے لیے مغفرت طلب کی اور اُنھوں نے میرے لیے مغفرت طلب کی اور کہا کہ نیک فرزند اور نیک زمانہ میں مبعوث ہونے والے نیک نبی کو

خوش آمدید ہو۔

پھر میرا گزر ایک فرشتے کے پاس سے ہوا۔ پوری کائنات اس کے گھٹنوں کے درمیان تھی اور اس کے ہاتھ میں نور کی ایک تختی تھی جس کو وہ دیکھنے میں مصروف تھا اور وہ غمگین شکل بنائے بیٹھا تھا۔ وہ دائیں بائیں کسی طرف توجہ نہیں کرتا تھا۔ میں نے جبریلؑ سے کہا کہ یہ کون ہے؟

جبریلؑ نے کہا کہ یہ ملک الموت ہے، جو قبضِ ارواح میں مصروف ہے۔ میں نے جبریلؑ سے کہا کہ مجھے اس کے قریب لے جاؤ، تاکہ میں اس سے کلام کروں۔ جبریلؑ مجھے اس کے نزدیک لے گئے۔ میں نے اس پر سلام کیا۔ جبریلؑ نے اس سے کہا کہ یہ نبی رحمتؐ ہیں جنہیں خدا نے بندوں کی طرف مبعوث کیا ہے۔

ملک الموت نے مجھے خوش آمدید کہا اور مجھ پر سلام کیا اور کہا کہ محمدؐ! تمہیں بشارت ہو، میں تمام خوبیاں آپؐ کی اُمت میں دیکھ رہا ہوں۔

میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لائی اور کہا کہ یہ مجھ پر میرے رب کا فضل و کرم ہے۔ جبریلؑ نے کہا کہ تمام ملائکہ میں سے اس کا کام سب سے زیادہ سخت ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ بتاؤ جتنے مر گئے اور جتنے مریں گے کیا تم ہی ان سب کی اُرواح کو قبض کرو گے؟

ملک الموت نے کہا: جی ہاں۔ خدا نے مجھے دنیا پر تمکین عطا کی ہے اور پوری دنیا میرے لیے ایسے ہی ہے جیسا کہ کسی کے ہاتھ میں درہم ہو، وہ اسے جیسے چاہے حرکت میں لے آئے۔ میں روزانہ ہر گھر پر پانچ مرتبہ نظر کرتا ہوں اور جب کوئی خاندان اپنے کسی مرنے والے پر روتا ہے تو میں ان سے کہتا ہوں، تم اس پر گریہ نہ کرو۔ مجھے یہاں بار بار آنا ہے اور میں تم میں سے کسی کو بھی باقی نہیں رہنے دوں گا۔

رسولِ خدا نے فرمایا: موت سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں ہے۔ جبریلؑ نے کہا: آپؐ نے سچ کہا، لیکن موت کے بعد کے مصائب موت سے بھی زیادہ مشکل ہیں۔

پھر میں آگے چلا۔ میں نے کچھ افراد کے گروہ دیکھے، جن کے سامنے دستر خوان بچھے ہوئے تھے اور دستر خوان پر پاکیزہ گوشت بھی تھا اور حرام گوشت بھی رکھا ہوا تھا۔ وہ لوگ حلال گوشت کی بجائے حرام کھانے میں مصروف تھے۔ میں نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟

جبریلؑ نے کہا: یہ آپؐ کی اُمت کے وہ لوگ ہیں جنہیں حلال میسر ہے مگر وہ اس کے باوجود حرام کھاتے ہیں۔ پھر

میں نے ایک عجیب الخلقت فرشتہ دیکھا' جس کا آدھا جسم برف کا تھا اور آدھا جسم آگ کا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ نہ تو برف آگ کو بجھاتی تھی اور نہ آگ برف کو پگھلاتی تھی' اور وہ بلند آواز سے یہ کہتا تھا کہ تمام حمد اس ذات کے لیے مخصوص ہے جس نے آگ کی گرمی کو روک دیا اور اسے برف پگھلانے کی اجازت نہ دی اور جس نے برف کی ٹھنڈک کو روک دیا اور اسے آگ بجھانے کی اجازت نہ دی۔ اے برف اور آگ کو جمع کرنے والے! اپنے مومن بندوں کے دلوں کو ایک دوسرے سے جوڑے رکھ۔

میں نے جبریلؑ سے کہا کہ یہ فرشتہ کون ہے؟

اس نے کہا: یہ وہ ہے جسے اللہ تعالٰی نے آسمان کے اَطراف اور زمین کے گرد و پیش پر مؤکل فرمایا ہے اور یہ زمین پر رہنے والے مومنین کے لیے بہت زیادہ شفیق ہے اور جب سے یہ پیدا ہوا ہے وہ ان کے لیے مسلسل دعاؤں میں معروف رہتا ہے۔

پھر میں نے دو فرشتے دیکھے' ایک فرشتہ آسمان پر یہ منادی کرتا تھا۔ خدایا! جو بھی تیری راہ میں خرچ کرے اسے اس کا نعم البدل عطا فرما۔ اور دوسرا فرشتہ یہ کہتا تھا: خدایا! جو اپنے ہاتھ کو روکے اسے نقصان سے دوچار کر۔

پھر میں آگے بڑھا تو مجھے کچھ ایسے لوگ دکھائی دیئے جن کے ہونٹ اُونٹ کے ہونٹوں جیسے تھے اور فرشتے ان کے ہونٹوں کے کناروں کو مقراض سے کاٹ کر ان کے منہ میں ڈال رہے تھے اور پھر وہ ان کی دُبر سے نکل رہے تھے۔

میں نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟

جبریلؑ نے کہا: یہ طعنہ دینے والے عیب جو ہیں۔ پھر میں آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے سروں کو چٹانوں سے کچلا جا رہا ہے۔ میں نے جبریل امینؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟

جبریلؑ نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نمازِ عشاء ادا کرنے سے پہلے سو جاتے تھے۔

پھر میں آگے بڑھا تو مجھے ایسے لوگ دکھائی دیئے کہ فرشتے ان کے منہ میں دوزخ کی آگ ڈال رہے تھے اور وہ ان کے پاخانہ کے مقام سے نکل رہی تھی۔ میں نے جبریلؑ سے ان کے متعلق پوچھا تو جبریلؑ نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم کر کے یتیموں کا مال کھایا کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے شکموں میں آگ بھرا کرتے تھے۔

پھر میں آگے بڑھا تو مجھے کچھ ایسے لوگ دکھائی دیئے جن کے پیٹ بہت بڑھے ہوئے تھے اور وہ اٹھنے کے قابل نہیں تھے۔ میں نے جبریلؑ سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو سود کھایا کرتے تھے۔ ایسے لوگ قیامت کے

پھر ہم تیسرے آسمان پر گئے' وہاں پر میں نے ایک حسین وجمیل شخص کو دیکھا جو تمام مخلوق میں ایسے چمک رہا تھا جیسا کہ چودھویں کا چاند ستاروں میں چمکتا ہے۔

میں نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟

جبریلؑ نے کہا: یہ آپؐ کے بھائی یوسفؑ ہیں۔ میں نے ان پر سلام کیا اور ان کے لیے مغفرت طلب کی۔ جواب میں انہوں نے بھی مجھے سلام کیا اور میرے حق میں دعا کی۔ وہاں میں نے فرشتوں کی فوجیں دیکھیں جو تسبیح خداوندی میں معروف تھیں۔ اُنھوں نے مجھے میرے لیے اور میری اُمت کے لیے خیر وعافیت کی بشارت دی۔

پھر ہم چوتھے آسمان پر گئے' وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا تو میں نے جبریلؑ سے اس کے متعلق پوچھا۔ جبریلؑ نے بتایا کہ یہ ادریسؑ نبی ہیں' جنہیں خدا نے بلند مقام پر بٹھایا ہے۔ میں نے ان پر سلام کیا اور ان کے لیے استغفار کیا۔ جواب میں اُنھوں نے مجھ پر سلام کیا اور میرے لیے استغفار کیا۔ اس آسمان کے فرشتوں نے مجھے میرے لیے اور میری اُمت کے لیے بھلائی کی بشارت دی۔ پھر میں نے وہاں ایک فرشتے کو دیکھا' جو ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور ستر ہزار فرشتے اس کے ماتحت تھے اور ان میں سے پھر ہر فرشتے کے نیچے ستر ہزار فرشتے تھے۔

رسولؐ خدا کے دل میں خیال آیا کہ یہ وہی ہے۔ جبریل امینؑ نے چیخ کر اسے کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ قیامت کے دن تک کھڑا رہے گا۔ پھر ہم وہاں سے پانچویں آسمان پر گئے۔ وہاں مجھے ایک سرگیں آنکھوں والا شخص دکھائی دیا۔ میں نے اس سے بہتر آنکھیں کسی کی نہیں دیکھی تھیں۔ اس کے گرد اس کی اُمت کے تین گروہ تھے۔ مجھے ان کی کثرت نے متاثر کیا۔

میں نے جبریلؑ سے کہا: یہ کون ہے؟ اُنھوں نے کہا: یہ ہارون بن عمران ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا اور ان کے لیے استغفار کیا۔ جواب میں اُنھوں نے بھی مجھے سلام کیا اور میرے لیے استغفار کیا۔ اس آسمان میں بھی مجھے خشوع وخضوع کرنے والے فرشتے دکھائی دیے۔ پھر ہم چھٹے آسمان پر گئے' وہاں مجھے ایک گندمی رنگت والے طویل القامت بزرگ دکھائی دیے۔ اُن کی شکل وصورت قبیلہ ''شبوہ'' کے افراد جیسی تھی۔ اور اگر انہوں نے دو قمیصیں نہ پہن رکھی ہوتیں تو ان کے بال باہر آ جاتے۔ میں نے ان سے یہ الفاظ سنے:

بنی اسرائیل میرے متعلق گمان کرتے ہیں کہ میں بنی آدم میں سے افضل ہوں' جب کہ حقیقت یہ ہے کہ میری نسبت یہ شخص خدا کے ہاں زیادہ محترم ہے۔

دن پاگلوں کی طرح سے اٹھائے جائیں گے اور یہ آلِ فرعون کی راہ کے راہی ہیں۔ انہیں صبح وشام دوزخ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ خدایا! قیامت کب قائم ہوگی؟ پھر میں آگے بڑھا تو مجھے کچھ عورتیں دکھائی دیں جنہیں ان کے پستانوں سے لٹکایا گیا تھا۔ میں نے جبریل امینؑ سے پوچھا کہ یہ کون عورتیں ہیں؟

جبریلؑ نے کہا: یہ وہ بدکار عورتیں ہیں جو زنا سے بچے پیدا کر کے انہیں اپنے شوہر کی جائیداد کا وارث بناتی ہیں۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس عورت پر اللہ کا شدید غضب ہوتا ہے جو کسی حرامزادے کو کسی دوسری قوم کے نسب میں شامل کرے۔ اور حرامزادہ اس قوم کا فرد نہ ہونے کے باوجود ان کے رازوں سے آگاہی حاصل کرے اور ان کے خزانوں کو کھائے۔

پھر مجھے کچھ ایسے فرشتے دکھائی دیئے جن کے بدن کا ایک ایک حصہ مختلف زبانوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مصروف تھا اور اُن کی حمد اور خوفِ خدا سے ان کے رونے کی آوازیں بلند تھیں۔

میں نے جبریلؑ امین سے اُن کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: آپؐ نے ان کی عجیب خلقت تو دیکھ ہی لی ہے ان میں سے کسی نے آج تک اپنے ساتھی سے کبھی گفتگو نہیں کی ہے اور خوفِ خدا ان پر اتنا مسلط ہے کہ اُنھوں نے آج تک نہ تو سر اُٹھا کر اُوپر دیکھا ہے اور نہ ہی سر جھکا کر نیچے دیکھا ہے۔

میں نے ان پر سلام کیا۔ اُنھوں نے سر کے اشارہ سے مجھے سلام کا جواب دیا اور وہ خوفِ خدا میں اتنے ڈوبے ہوئے تھے کہ اُنھوں نے میری طرف دیکھا تک نہیں تھا۔ جبریلؑ نے ان سے کہا یہ نبی رحمت محمدؐ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے بندوں کی طرف نبی و رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یہ انبیائے کرام کے خاتم اور اُن کے سردار ہیں، اس کے باوجود تم نے ان سے کلام کیوں نہ کیا؟ اس وقت اُنھوں نے مجھے سلام کیا اور میرا احترام کیا اور مجھے میرے لیے اور میری اُمت کے لیے بشارت دی۔

پھر ہم دوسرے آسمان پر پہنچے، وہاں مجھے دو ہم شکل افراد دکھائی دیئے۔ میں نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریلؑ نے بتایا کہ یہ ایک دوسرے کے خالہ زاد بھائی یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ اُنھوں نے بھی مجھے سلام کیا اور میں نے ان کے لیے مغفرت طلب کی اور اُنھوں نے بھی میرے لیے مغفرت طلب کی اور انہوں نے کہا: ہم اپنے نیک بھائی اور نیک نبی کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

وہاں میں نے بہت سے فرشتے دیکھے، جن کے پروں کو خدا نے جیسا چاہا تھا ویسا بنایا۔ ان میں سے ہر فرشتہ مختلف آوازوں میں خدا کی تسبیح کرنے میں مصروف تھا۔

میں نے جبریلؑ سے ان کے متعلق پوچھا تو اُنھوں نے کہا یہ آپ کے بھائی موسیٰ بن عمرانؑ ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا اور ان کے لیے استغفار کی۔ جواب میں انہوں نے بھی مجھے سلام کیا اور میرے لیے استغفار کی۔ وہاں بھی میں نے ملائکہ کو خشوع وخضوع میں مصروف دیکھا۔

پھر ہم وہاں سے ساتوں آسمان پر گئے۔ راستے میں ہمیں جو بھی فرشتہ ملا تو اس نے مجھ سے یہ کہا: محمدؐ آپ خود بھی فصد کھلوائیں اور اپنی اُمت کو بھی فصد کھلوانے کا حکم دیں۔ وہاں مجھے ایک بزرگ دکھائی دیئے جن کے سر کے بالوں میں سیاہی اور سفیدی تھی اور وہ ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔

میں نے جبریلؑ سے کہا کہ یہ بزرگ کون ہیں، جو خدا کی ہمسائیگی میں بیت المعمور کے دروازے پر تشریف فرما ہیں؟ جبریلؑ نے مجھے بتایا کہ یہ آپؐ کے جد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہ آپؐ اور آپؐ کی اُمت کے متقی افراد کی جگہ ہے۔ پھر رسولؐ خدا نے اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ (آل عمران:۶۸) کی آیت پڑھی۔ (بے شک ابراہیمی فکر کے زیادہ قریب وہ ہیں جنھوں نے اس کی پیروی کی ہے اور یہ نبی اور اہل ایمان ان سے زیادہ قریب ہیں اور اللہ اہلِ ایمان کا سرپرست ہے)

میں نے ان پر سلام کیا، اُنھوں نے بھی مجھے سلام کیا اور اُنھوں نے کہا کہ نبیؐ صالح اور صالح زمانہ میں مبعوث ہونے والے فرزندِ صالح کو خوش آمدید ہو۔ وہاں بھی میں نے ملائکہ کو خشوع میں مصروف پایا۔ اُنھوں نے مجھے میرے لیے اور میری اُمت کے لیے بھلائی کی بشارت دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے آسمان میں نور کے سمندر دیکھے، جن کی روشنی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ میں نے وہاں تاریکی کے سمندر اور برف کے ہیبت ناک سمندر دیکھے۔ جبریلؑ نے مجھے وہاں تسلی دی اور کہا: محمدؐ! تمہیں بشارت ہو اور خدا نے تمہیں جو عزت عطا کی ہے اس پر اس کا شکر ادا کرو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت وطاقت سے مجھے ثبات عطا کیا۔ میں نے بہت سی چیزوں پر اپنے تعجب کا اظہار کیا۔ جبریل امینؑ نے کہا: کیا آپؐ ان چیزوں کو بڑا خیال کر رہے ہو؟ جب خدا کی مخلوق اتنی عظیم ہے تو نجانے ان کا خالق کتنا عظیم ہوگا؟

اللہ اور اُس کی مخلوق کے درمیان نوے ہزار حجابات ہیں اور میں اور اسرافیل اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہیں، لیکن ہمارے اور اس کے درمیان میں بھی چار حجابات حائل ہیں۔ پہلا حجاب نور کا ہے، دوسرا حجاب تاریکی کا ہے، تیسرا حجاب بادلوں

کا ہے اور چوتھا حجاب پانی کا ہے۔

میں نے شبِ معراج ایک مرغا دیکھا، جس کے پاؤں ساتویں زمین میں نصب تھے، اور اُس کا سر عرش کے قریب تھا اور وہ خدا کی تسبیح میں مصروف تھا۔ اُس کے دو پَر تھے۔ جب وہ انہیں پھیلاتا تو ایک مشرق تک اور دوسرا مغرب تک پھیل جاتا تھا۔ جیسے ہی سحر کا وقت ہوتا ہے تو وہ اپنے پَروں کو پھڑ پھڑاتا ہے اور بلند آواز سے یہ تسبیح کرتا ہے:

سُبحَانَ المَلِكِ القُدُّوس سُبحَانَ اللهِ الكَبِيرِ المُتَعَالِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ الحَيُّ القَيُّومُ ۔زمین کے مرغے اس کی تسبیح کی آواز سن کر اپنے پَروں کو پھڑ پھڑانے لگتے ہیں اور اذانیں دینا شروع کر دیتے ہیں، اور جب وہ آسمانی مرغ خاموش ہوتا ہے تو زمینی مرغ بھی خاموش ہو جاتے ہیں۔ اس کے چھوٹے پَر سبز اور بڑے پَر سفید رنگ کے نشان ہیں اور وہ انتہائی حسین و جمیل پرندہ ہے۔

پھر میں جبریلؑ کی معیت میں بیت المعمور میں داخل ہوا، اور میں نے وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ میرے ساتھ کچھ اور دوست بھی وہاں پر موجود تھے۔ ان میں سے کچھ نے نئے کپڑے پہن رکھے تھے اور کچھ نے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ نئے کپڑے والوں کو اندر جانے کی اجازت مل گئی اور پرانے کپڑے والوں کو اندر جانے سے روک دیا گیا۔

پھر میں وہاں سے باہر آیا تو میرے لیے دو نہریں مسخر کر دی گئیں۔ ان میں سے ایک نہر کوثر تھی اور دوسری نہر رحمت تھی۔ میں نے کوثر کا پانی پیا اور نہر رحمت سے غسل کیا۔ پھر میں جنت میں داخل ہوا۔ نہر کوثر کے کنارے میرے اور میرے خاندان کے مکانات تھے۔ وہاں کی مٹی کستوری کی مانند خوشبودار تھی۔

وہاں میں نے ایک لڑکی کو غسل کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کس کے حصہ میں آئے گی؟ اُس نے کہا: میں زید بن حارثہ کی بیوی بنوں گی۔ میں صبح کے وقت جب واپس آیا تو میں نے زید بن حارثہ کو اس کی بشارت دی۔ وہاں میں نے خراسانی اُونٹوں جیسے بڑے بڑے پرندے دیکھے اور وہاں کے انار بڑے بڑے گھڑوں جیسے تھے۔ وہاں میں نے ایک درخت دیکھا۔ اگر کوئی پرندہ سات سو سال تک بھی پرواز کرے تو بھی وہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتا، جنت کے تمام مکانات پر اس کی شاخ سایہ فگن تھی۔

میں نے جبریلؑ سے اس درخت کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: یہ شجرہ طوبیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کے لیے قرآن میں فرمایا ہے: طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ (الرعد:۲۹) (ان کے لیے خوش خبری اور اچھا انجام ہے)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت میں پہنچنے کے بعد جبریلؑ سے ان سمندروں اور ان کی

ہیبت اور ان کے عجائبات کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: وہ سراوقاتِ حجابات ہیں جن کے حجاب میں نورِ خداوندی ہے اور اگر وہ حجابات ہٹا دیئے جائیں تو نورِ عرش ہر چیز کو تباہ کر کے رکھ دے۔

پھر میں سدرۃ المنتہیٰ پہنچا۔ اس کا ایک ایک پتا اتنا چوڑا تھا کہ اس کے سائے تلے پوری اُمت بیٹھ سکتی تھی اور یہ وہی مقام ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ (النجم:۹) ''وہاں دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم''۔

اس وقت مجھے یہ ندا دی گئی: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ (البقرہ: ۲۸۵) (ہم اس سورۃ البقرہ کے اختتام پر اس کی تفصیلی بحث کر چکے ہیں)

اس وقت رسولؐ خدا نے عرض کیا: پروردگار! تو نے اپنے انبیاء کو بہت کچھ عطا فرمایا ہے مجھے بھی کچھ عطا فرما۔

خدا نے فرمایا: میں نے تجھے اپنے عرش کے نیچے سے دو کلمات عطا کیے ہیں اور وہ یہ ہیں: لَاحَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ العَلِيِّ العَظِيْمِ وَلَا مَنجا مِنكَ اِلَّا اِلَيكَ ۔علاوہ ازیں ملائکہ نے مجھے تعلیم دی کہ میں صبح وشام یہ دعا پڑھوں: اَللّٰهُمَّ ان ظلمی اصبح مستجیرا بعفوك وذنبی اصبح مستجیرا بمغفرتك وذلی اصبح مستجیرا بوجهك الدائم الباقی الذی لا یفنٰی۔

پھر میں نے اذان سنی۔ وہ اذان اس فرشتے نے دی جو اس سے پہلے آسمان پر کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ اس نے کہا: اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے سچ کہا میں واقعی ''اکبر'' ہوں۔ پھر مؤذن نے کہا: اشهد ان لا الٰه الا الله ، اشهد ان لا الٰه الا الله۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے سچ کہا ہے میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر مؤذن نے کہا: اشهد ان محمداً رسول الله، اشهد ان محمداً رسول الله۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے سچ کہا ہے، بے شک محمدؐ میرا عبد اور میرا رسول ہے۔ میں نے اسے مبعوث کیا ہے اور اس کا انتخاب کیا ہے۔

پھر مؤذن نے کہا: حی علی الصلاة ، حی علی الصلاة۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے سچ کہا ہے۔ اس نے میرے فریضہ کی دعوت دی ہے۔ جو کوئی میرا یہ فرض رغبت سے اور مجھ سے ثواب حاصل کرنے کی غرض سے ادا کرے گا تو یہ فریضہ اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ پھر مؤذن نے کہا: حی علی الفلاح ، حی علی الفلاح۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واقعی اس میں صلاح وفلاح اور نجات ہے۔ پھر میں نے وہاں ملائکہ کی امامت کی جیسا کہ بیت المقدس میں انبیاء کی امامت کی تھی۔

پھر میرے دل میں ایک اشتیاق سا پیدا ہوا۔ میں سجدہ میں گر پڑا۔ اس وقت میرے رب نے مجھے ندا دی کہ میں نے تجھ سے پہلے انبیاء پر پچاس نمازیں فرض کی تھیں اور میں تجھ پر اور تیری اُمت پر پچاس نمازیں فرض کر رہا ہوں۔ اب جا کر اپنی اُمت کو ان کی ادائیگی کا حکم دو۔

رسولِ خدا نے فرمایا: میں وہاں سے نیچے آیا۔ ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی' اُنھوں نے مجھ سے کچھ نہ پوچھا۔ پھر میں حضرت موسیٰ سے ملا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تیرے پروردگار نے تجھے کیا عطا کیا؟

میں نے کہا کہ میرے رب نے کہا کہ تجھ سے پہلے انبیاء پر میں نے پچاس نمازیں فرض کی تھیں۔ اب تجھ پر اور تیری اُمت پر بھی پچاس نمازیں فرض کر رہا ہوں۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ نے کہا: محمدؐ! آپ کی اُمت آخری اُمت ہے اور وہ باقی اُمتوں سے زیادہ کمزور ہے اور آپؐ کی اُمت کبھی پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی' آپؐ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور اس سے تخفیف کی درخواست کریں۔

میں اپنے رب کے پاس واپس گیا اور سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا اور وہاں جا کر سجدہ میں گر پڑا اور کہا: خدایا! تو نے مجھ پر اور میری اُمت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں اور ان کی ادائیگی کی نہ تو مجھ میں طاقت ہے اور نہ ہی میری اُمت میں اس کی طاقت ہے' ان میں تخفیف فرما۔

خدا نے دس نمازیں معاف کر دیں۔ پھر میں وہاں سے روانہ ہوا۔ راستے میں حضرت موسیٰ سے ملاقات کی اور میں نے بتایا کہ اب ہمارے لیے چالیس نمازیں رہ گئی ہیں۔

حضرت موسیٰ نے کہا: آپؐ دوبارہ جائیں اور ان میں تخفیف کرائیں' لوگ چالیس نمازیں نہیں پڑھ سکیں گے۔ میں دوبارہ بارگاہِ احدیت کے آستانے پر گیا اور تخفیف کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے مزید دس نمازیں معاف کر دیں۔ الغرض میں کئی بار گیا اور تخفیف کی درخواست کرتا رہا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تم پر پانچ نمازیں فرض ہیں۔ میں وہاں سے لوٹا تو حضرت موسیٰ سے ملاقات ہوئی۔ اُنھوں نے کہا: آپؐ دوبارہ جائیں اور یہ پانچ نمازیں بھی معاف کرائیں' آپؐ کی اُمت میں اس کی تاب بھی نہیں ہے۔

میں نے کہا: اب مجھے بار بار جاتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ اب میں ان پر صبر کروں گا۔

اس وقت ایک منادی نے ندا دی۔ تو نے پانچ پر صبر کیا ہے تو تمہیں ان پانچ کی وجہ سے پچاس نمازوں کا ثواب ملے گا۔ ایک نماز کے بدلے دس نمازوں کا ثواب ملے گا اور تیری اُمت میں سے جو بھی نیکی کا ارادہ کر کے اس پر عمل کرے گا تو

اسے دس نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا اور اگر وہ عمل نہ کرے گا تو اچھی نیت کی وجہ سے اسے ایک نیکی کا ثواب دیا جائے گا اور جو برائی کا ارادہ کر کے برائی سرانجام دے اس کے نامۂ اعمال میں ایک برائی لکھی جائے گی اور اگر وہ عمل نہ کرے گا تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس اُمت کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کو جزائے خیر دے۔ یہ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا ...... کی تفسیر ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ میں بھی پچاس نمازوں کی تخفیف کی روایت مرقوم ہے۔ علاوہ ازیں کتابِ مذکور میں حضرت زید بن امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ ہمارے جدِ اطہر کو اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج پچاس نمازوں کا حکم دیا تھا تو آپؐ نے خود ہی اپنے رب سے تخفیف کی درخواست کیوں نہ کی جب تک حضرت موسیٰؑ نے انہیں تخفیف کے لیے نہیں کہا؟

میرے والد ماجد علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا! رسولؐ خدا اپنے رب کے سامنے اپنی کوئی تجویز پیش نہیں کرنا چاہتے تھے اور خدا کے حکم کے متعلق خدا سے نظرثانی کی درخواست بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے انہیں مشورہ دیا اور وہ اُمت محمدیہؐ کے لیے شفاعت کرنے والے بنے تو حبیبِ خدا کے لیے حضرت موسیٰؑ کی شفاعت کو ٹھکرانا جائز نہیں تھا۔ اسی لیے آپ نے خدا سے تخفیف کی درخواستیں کیں، یہاں تک کہ آخر میں پانچ نمازیں باقی رہ گئیں۔

میں (زید بن علیؑ) نے عرض کیا: اباجان! جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پینتالیس نمازیں معاف کرا چکے تھے تو آپؐ نے باقی ماندہ پانچ نمازیں خدا سے کیوں معاف نہ کرائیں؟

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا! آپؐ چاہتے تھے کہ پانچ نمازیں باقی رہیں، تاکہ ان کے ذریعہ سے پچاس نمازوں کا ثواب حاصل ہو سکے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِہَا (الانعام:۱۶۰) "ایک نیکی کے عوض دس گنا ثواب ملتا ہے"۔

کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ جب آپؐ زمین پر تشریف لائے تو آپؐ پر جبریلؑ نازل ہوئے اور اُنھوں نے آپؐ سے کہا کہ آپ کا رب آپؐ پر سلام بھیجتا ہے اور وہ یہ کہتا ہے: "اے محمدؐ! یہ پانچ پچاس کے برابر ہیں"۔ مَا یُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ لَدَیَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ (ق:۲۹) "ہمارے ہاں کا قول بدلا نہیں کرتا اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں"۔

میں نے اپنے والد ماجد علیہ السلام سے عرض کیا: اباجان! خدا تو مکان و مکانیات سے پاک ہے۔ پھر حضرت موسیٰ ؑ کے اس قول کا کیا مقصد ہے کہ آپ اپنے رب کے پاس جائیں اور اس سے تخفیف کی درخواست کریں؟

میرے والد علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ سچ ہے کہ اللہ مکان و مکانیات سے کہیں بلند و برتر ہے اور آپ اپنے رب کے پاس جائیں'' کا وہی مطلب ہے جو ان تین آیات کا مطلب ہے۔

① ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا: اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ (الصفات:۹۹) ''میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں''۔

② حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ (طٰہٰ:۸۴) ''اے میرے پروردگار! میں نے تیری طرف جلدی کی تاکہ تو راضی ہوجائے''۔

③ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ (الذاریات:۵۰) ''اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑ پڑو''۔

اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑنے کا مقصد یہ ہے کہ بیت اللہ تعالیٰ کے حج کے لیے جاؤ۔ جو شخص بیت اللہ کا حج کرتا ہے تو وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف قصد کرتا ہے۔ مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں جو ان کی طرف جاتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف جاتا ہے اور جب تک کوئی شخص حالتِ نماز میں ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی کھڑا ہوتا ہے۔ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ مقامات مقرر کیے ہیں جو وہاں تک جاتا ہے تو گویا وہ اللہ تک جاتا ہے۔ کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ (المعارج:۴) ''ملائکہ اور روح اس کی طرف چڑھتے ہیں''۔

اسی طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء:۱۵۸) ''بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف بلند کرلیا تھا''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (فاطر:۱۰) ''اچھے کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور عملِ صالح انہیں بلند کرتا ہے''۔

الکافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسولؐ خدا شبِ معراج پانچ نمازیں لائے تھے اور ہر نماز دو رکعت پر مشتمل تھی۔

ابن اذینہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک بار مجھ سے فرمایا کہ نواصب اذان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: وہ یہ کہتے ہیں ابی بن کعب نے خواب میں اذان سنی تھی۔ انہوں نے وہ خواب رسولؐ خدا کو سنایا تھا۔ اس دن سے آپؐ نے اذان شروع کرا دی تھی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کا دین خوابوں سے کہیں بلند و بالا ہے۔

سدیر صیرفی نے کہا: مولاؑ! تو آپؑ ہی ہمیں بتائیں کہ اذان کی ابتداء کیسے ہوئی تھی؟

آپؑ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو معراج کرائی تو پہلے آسمان پر اُنھیں برکت عطا کی اور دوسرے آسمان پر انہیں اپنے فرض کی تعلیم دی۔ اللہ تعالیٰ نے نور کا ایک محمل اتارا جس میں چالیس قسم کے نور تھے۔ وہ محمل اس سے قبل عرشِ پروردگار سے معلق تھا اور اس کا نور دیکھنے والوں کی نگاہوں کو خیرہ کرتا تھا۔ ان انوار میں سے ایک نور زرد رنگ کا تھا اور دنیا میں ہر زرد رنگ کا ماخذ وہی ہے۔ ایک نور سرخ تھا اسی کی وجہ سے سرخی وجود میں آئی۔ ایک نور سفید تھا اور اسی کی وجہ سے سفیدی ظہور پذیر ہوئی۔ ان کے علاوہ باقی رنگ بھی اس میں موجود تھے۔ اس محمل میں چاندی کی زنجیریں اور کڑے تھے۔ پھر اسے آسمان پر بلند کیا گیا۔ ملائکہ آسمان کے اَطراف میں پھیل گئے اور اُنھوں نے سجدہ کیا اور کہا: سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ۔ یہ نور ہمارے رب کے نور سے کتنی مشابہت رکھتا ہے۔

اس وقت جبریلؑ نے کہا: اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ پھر آسمان کے دروازے کھل گئے، فرشتے جمع ہوئے اور اُنھوں نے فوج درفوج نبی اکرمؐ پر سلام کیا اور اُنھوں نے آنحضرتؐ سے کہا: آپؐ کے بھائی کیسے تھے؟ جب آپؐ زمین پر واپس جائیں تو ہماری طرف سے ان کو سلام پہنچائیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم انہیں پہچانتے ہو؟

فرشتوں نے کہا: ہم بھلا انہیں کیوں نہ پہچانیں جب کہ آپؐ کا اور آپؐ کے بھائی علیؑ اور قیامت کے دن تک ان کے آنے والوں شیعوں کا ہم سے میثاق لیا گیا تھا اور ہم روزانہ پنجگانہ نمازوں میں ان کے شیعوں کے چہروں پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ ہم ہمیشہ آپؐ پر اور علیؑ پر درود بھیجتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے چالیس قسم کے اور نور عطا کیے جو پہلے اَنوار سے مختلف تھے اور مجھے کچھ مزید کپڑے اور زنجیریں عطا فرمائیں۔ پھر مجھے دوسرے آسمان پر لے جایا گیا جب میں آسمانِ دوم کے دروازے کے قریب پہنچا تو فرشتے آسمان کے اَطراف میں بکھر گئے اور سجدہ میں گر پڑے اور انہوں نے کہا: سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ، یہ نور ہمارے رب کے نور سے کتنی مشابہت رکھتا ہے۔

اس وقت جبریلؑ نے کہا: اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان لا اله الا الله۔ ملائکہ جمع ہو گئے اور اُنھوں نے جبریلؑ سے کہا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ جبریلؑ نے کہا: یہ محمدؐ ہیں۔ فرشتوں نے کہا: تو کیا وہ مبعوث ہو چکے ہیں؟ جبریلؑ

نے کہا: جی ہاں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر میرے سامنے تیز رفتار گھوڑوں جیسی ایک مخلوق نمودار ہوئی۔ اُنھوں نے مجھ پر سلام کیا اور پھر کہا کہ آپؐ ہماری طرف سے اپنے بھائی کو بھی سلام پہنچائیں۔ میں نے کہا: تو کیا تم انہیں پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم انہیں کیسے نہ پہچانیں گے جب کہ ہم سے آپؐ، علیؑ اور ان کے شیعوں کے لیے میثاق لیا گیا ہے ہم روزانہ اوقاتِ نماز میں ان کے شیعوں کے چہروں پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے چالیس قسم کے اور نور عطا کیے جو پہلے اَنوار سے مختلف تھے۔ پھر مجھے تیسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ فرشتے ہمیں دیکھ کر منتشر ہو گئے اور سجدہ میں گر پڑے اور انہوں نے یہ تسبیح پڑھی: سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ المَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ ، یہ نور ہمارے رب کے نور سے کتنا مشابہ ہے؟ اس وقت جبریلؑ نے کہا: اشھد ان محمداً رسول اللہ۔ جبریلؑ کی آواز سن کر فرشتے جمع ہو گئے اور اُنھوں نے مجھے خوش آمدید کہتے ہوئے کہا: اوّل، آخر، حاشر، ناشر، محمد خیرالنبیین اور علی خیرالوصیین کو خوش آمدید ہو۔

پھر اُنھوں نے مجھے سلام کیا اور مجھ سے میرے بھائی کے متعلق سوال کیا۔ میں نے ان سے کہا: وہ زمین پر موجود ہے۔ تم کیا اسے پہچانتے ہو؟

فرشتوں نے کہا: ہم بھلا ان سے ناواقف کیسے رہ سکتے ہیں جب کہ وہ ہر سال بیت المعمور کا حج کرنے کے لیے آتے ہیں اور اس نے سفید رنگت کی ایک کھال پہنی ہوئی ہوتی ہے جس پر محمدؐ، علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ اور قیامت کے دن تک آنے والے شیعوں کے نام لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور ہم علیؑ کے شیعوں کے لیے نماز کے پانچوں اوقات میں دعا کرتے ہیں اور ہم اوقاتِ نماز میں ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے مزید چالیس قسم کے نور عطا کیے جو پہلے اَنوار سے مختلف تھے۔ پھر مجھے چوتھے آسمان پر لے جایا گیا۔ یہاں فرشتوں نے کچھ نہ کہا۔ ان کی تسبیح سینوں سے بلند ہو رہی تھی۔ فرشتے جمع ہوئے، آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور تیز رفتار گھوڑوں جیسی ایک مخلوق نمودار ہوئی۔ اس وقت جبریلؑ نے کہا: حی علی الصلاۃ ، حی علی الصلاۃ ، حـــی علی الفلاح ، حی علی الفلاح ۔ فرشتوں نے کہا کہ یہ دو ملی ہوئی معروف آوازیں ہیں۔ پھر جبریلؑ نے کہا قدقامت الصلاۃ ، قد قامت الصلاۃ ۔ فرشتوں نے کہا: یہ اس کے شیعوں کے لیے روزِ قیامت تک قائم رہے گی۔ پھر فرشتوں نے جمع ہو کر مجھ سے پوچھا کہ آپؐ نے اپنے بھائی کو کس حالت میں چھوڑا؟

میں نے کہا: تو کیا تم اُنھیں پہچانتے ہو؟ فرشتوں نے کہا: ہم انہیں اور ان کے شیعوں کو پہچانتے ہیں۔ وہ عرشِ الٰہی

کے گرد نور کی شکل میں تھے۔ بیت المعمور میں ایک نورانی کھال پر نور کی ایک دستاویز لکھی ہوئی ہے۔ اس میں محمدؐ، علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ اور باقی آئمہؑ اور قیامت تک آنے والے ان کے شیعوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ لکھے ہوئے ناموں میں نہ تو ایک فرد کا اضافہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی ایک فرد کی کمی ہوسکتی ہے۔ ہر جمعہ کے دن ان کے نام ہمیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ پھر آسمان کے طبق شق ہوگئے اور تمام حجابات ہٹا دیئے گئے اور مجھ سے کہا گیا کہ اپنا سر اُٹھاؤ اور دیکھو تمہیں کیا دکھائی دیتا ہے؟

میں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو اس بیت اللہ جیسا بیت دکھائی دیا اور اس کے حرم جیسا ایک حرم دکھائی دیا اور وہ اس کی بالکل سیدھ میں تھا۔ اگر میں وہاں سے کوئی چیز نیچے گراتا تو عین بیت اللہ پر ہی آتی۔

پھر مجھ سے کہا گیا: محمدؐ! یہ حرم ہے اور تو حرم کے رہنے والا ہے۔ ہر چیز کی (عالمِ بالا میں) کوئی نہ کوئی مثال موجود ہے۔ بعدازاں اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی اور فرمایا: محمدؐ! ''صادٔ'' کے قریب جاؤ اور وہاں سے وضو کرو اور اپنے اعضاء کو پاک کرو اور اپنے رب کی نماز پڑھو۔

رسولِ خدا ''صادٔ'' پر گئے اور ''صادٔ'' اس پانی کا نام ہے جو عرش کی دائیں ساق سے بہہ رہا ہے۔ آپؐ نے دائیں ہاتھ سے پانی لیا، اسی لیے دائیں ہاتھ سے وضو کرنا سنت بن گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر وحی کی کہ منہ دھولو، کیونکہ تم نے میری عظمت کا مشاہدہ کرنا ہے۔ پھر اپنا دایاں اور بایاں ہاتھ دھوؤ کیونکہ تم نے اپنے ہاتھ میں میرا کلام لینا ہے۔ پھر ہاتھوں کی تری سے سر اور پاؤں کا ٹخنوں تک مسح کرو۔ میں تجھ پر برکت نازل کروں گا اور تمہیں اس مقام پر لے جاؤں گا جہاں کسی دوسرے کا قدم نہیں پڑا ہوگا۔

چنانچہ یہ ہے اذان اور وضو کی علت۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر وحی فرمائی: محمدؐ! حجرِ اسود کی طرف رخ کرو اور میرے حجابات کی تعداد کے برابر میری تکبیر کہو۔ اسی لیے نماز کی سات تکبیریں قرار پائیں، کیونکہ حجابات کی تعداد بھی سات ہے۔ جب حجاب ختم ہوجائیں تو نماز کا افتتاح کرنا۔ اسی لیے افتتاح کو سنت کا درجہ حاصل ہوا اور حجاب بحارِ نور کے برابر ہیں اور وہ نور وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ پر نازل فرمایا تو اسی لیے تکبیریں سات اور افتتاح تین مرتبہ قرار پایا۔

جب رسالت مآب تکبیر و افتتاح سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر وحی کی کہ اب میرا نام لو۔ اسی لیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو سورہ کی ابتداء میں رکھا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اب میری حمد کرو۔ آپؐ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہا، پھر آپؐ نے دل میں شُکْرًا کے الفاظ کہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوئی کہ تم نے میری حمد کو کاٹ دیا ہے اسی لیے میرا دوبارہ نام لو۔ آنحضرتؐ نے الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھا۔ پھر جب آپؐ وَلَا الضَّالِّیْنَ پر پہنچے تو اس وقت آپؐ نے

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ شُکرًا کہا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی: تم نے میرے ذکر کو قطع کیا ہے لہٰذا دوبارہ میرا نام لو۔ آنحضرتؐ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا۔ پھر وحی آئی کہ محمدؐ! اب تم اپنے رب کی خالص توحید بیان کرو۔ اس وقت آپؐ نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ کی تلاوت کی۔ وحی رک گئی۔ آپؐ نے کَذٰلِکَ اللّٰہُ رَبِّی ، کَذٰلِکَ اللّٰہُ رَبُّنَا پڑھا۔ اس وقت وحی آئی کہ اب اپنے رب کے لیے رکوع کرو۔ آپؐ نے رکوع کیا۔ وحی نازل ہوئی کہ رکوع میں سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیمِ وَبِحَمدِہٖ پڑھو۔ آپؐ نے تین بار یہ جملے دُہرائے۔ پھر وحی ہوئی کہ اب آپؐ اپنا سر بلند کریں۔ رسولؐ خدا سیدھے کھڑے ہوئے۔ پھر وحی نازل ہوئی کہ اب آپؐ رب کے سامنے سجدہ کریں۔ رسولؐ خدا سجدے میں گر پڑے۔ وحی نازل ہوئی کہ سجدہ میں سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی وَبِحَمدِہٖ پڑھو۔ آنحضرتؐ نے تین بار یہ تسبیح پڑھی۔ پھر وحی نازل ہوئی کہ اب سیدھے بیٹھ جاؤ۔ آپؐ سیدھے بیٹھے تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا تصور کیا اور اس کے ساتھ ہی آپؐ نے اپنی طرف سے دوسرا سجدہ کیا اور اس میں تین بار وہی تسبیح دہرائی۔

پھر وحی ہوئی کہ اب سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ آپؐ سیدھے کھڑے ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوئی کہ پہلی رکعت کی طرح سے اب سورۃ الحمد پڑھو۔ آپؐ نے سورۃ الحمد پڑھی۔ پھر وحی ہوئی کہ اب سورہ انا انزلناہ پڑھو جس طرح سورہ اخلاص میری توحید خالص ہے اسی طرح سے اس سورہ میں تمہاری اور تمہاری اہلِ بیتؑ کی نسبت ہے۔ پھر آپؐ نے پہلے کی طرح سے رکوع کیا۔ پھر ایک سجدہ کیا اور سجدہ سے سر اُٹھا کر بیٹھے ہی تھے کہ عظمتِ پروردگار کا مشاہدہ کیا۔ مشاہدہ ہوتے ہی آپؐ دوسرے سجدہ میں گر پڑے۔ پھر وحی ہوئی کہ اب سر اُٹھاؤ، تمہارا رب تمہیں ثابت قدم رکھے۔ اس وقت آپؐ نے اٹھنا چاہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ آپؐ بیٹھ گئے۔ خدا نے فرمایا: میں تم پر نعمت تمام کر چکا ہوں، اب میرا نام لو۔ اس وقت آپؐ نے یہ پڑھا: بِسمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَالاَسمَاءُ الحُسنٰی کُلُّھَا لِلّٰہِ۔ پھر وحی ہوئی کہ اب اپنے آپؐ پر اور اپنے خاندان پر درود بھیجو۔ اس وقت آپؐ نے یہ کلمات کہے: صَلَّی اللّٰہُ عَلَیَّ وَعَلٰی اَھلِ بَیتِی وَقَد فَعَلَ۔ پھر جو آپؐ متوجہ ہوئے تو آپ کو انبیاء و مرسلین اور ملائکہ کی صفیں دکھائی دیں۔ آپؐ سے کہا گیا کہ آپؐ ان پر سلام کریں تو آپؐ نے اَلسَّلَامُ عَلَیکُم وَرَحمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ پڑھا۔ اس وقت وحی نازل ہوئی کہ تم پر اور تمہاری ذرّیت پر سلام، رحمت، تحیات اور برکات ہوں۔

پھر وحی ہوئی کہ بائیں جانب متوجہ نہ ہوں اور آپؐ نے سورہ اخلاص اور سورہ قدر کی تلاوت کے بعد جو پہلی آیت سنی وہ اَصحَابُ الیَمِینِ وَاَصحَابُ الشِّمَالِ کی آیت تھی۔ اسی لیے سلام ایک ہی ہے اور وہ بھی قبلہ رُو ہو کر پڑھنا ہے، اسی لیے

سجدہ کی تکبیر شکر بن گئی۔

اور جہاں تک سَمِعَ اللّٰهُ لِمَن حَمِدَهٗ کے جملہ کا تعلق ہے تو جب رسولؐ خدا نے ملائکہ کی تسبیح وتحمید اور تہلیل کا شور سنا تو آپؐ نے فرمایا: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَن حَمِدَهٗ۔ یہی وجہ ہے کہ جب پہلی دو رکعات میں کوئی حدث واقع ہو جائے تو اس کا اعادہ واجب ہے۔ یہ نمازِ ظہر کا فرض اوّل ہے۔

حضرت زہراءؑ کا آسمانی مادۂ تخلیق

کتاب علل الشرائع میں ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت عائشہ رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس وقت آپ حضرت زہراءؑ کو پیار کر رہے تھے۔ بی بی عائشہ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا آپؐ ان سے محبت کرتے ہیں؟ نبی اکرمؐ نے فرمایا: اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں اس سے کتنی محبت کرتا ہوں تو یقیناً تمہاری محبت میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔

بات یہ ہے کہ جب مجھے چوتھے آسمان پر لے جایا گیا تو جبریلؑ نے اذان کہی اور میکائیلؑ نے اقامت کہی۔ پھر مجھ سے کہا گیا: محمدؐ! آگے بڑھیں۔ میں نے کہا: جبریلؑ کیا میں تمہاری موجودگی میں آگے بڑھوں؟ جبریلؑ نے کہا: جی ہاں' اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے و مرسلین کو ملائکہ مقربین پر فضیلت دی ہے اور آپؐ کو تو خصوصی فضیلت عطا کی ہے۔ چنانچہ میں آگے بڑھا اور چوتھے آسمان والوں کو نماز پڑھائی۔ پھر میں دائیں جانب متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام جنت کے باغات میں سے ایک باغ میں موجود ہیں اور ملائکہ کی ایک جماعت انہیں گھیرے ہوئے ہے۔ پھر میں وہاں سے پانچویں آسمان پر گیا اور پانچویں سے چھٹے آسمان پر گیا۔ وہاں مجھے یہ ندا سنائی دی:

محمدؐ! تمہارا باپ ابراہیمؑ ہے جو بہترین باپ ہے' تمہارا بھائی علیؑ ہے جو بہترین بھائی ہے۔ پھر جب میں حجابات تک پہنچا تو جبریلؑ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنت میں لے گئے' وہاں میں نے ایک درخت دیکھا جس کی جڑوں کے پاس دو فرشتے خلعتوں اور زیورات کو سمیٹ رہے تھے۔ میں نے کہا: پیارے جبریلؑ! یہ درخت کس کی ملکیت ہے؟

اس نے کہا: یہ آپؐ کے بھائی علی بن ابی طالبؑ کی ملکیت ہے اور یہ دو فرشتے روزِ قیامت تک علیؑ کی پوشاکوں اور جنتی زیورات کو ہی جمع کرتے رہیں گے۔ پھر میں آگے بڑھا تو مجھے ایسی کھجوریں دکھائی دیں جو مکھن سے زیادہ نرم اور کستوری سے زیادہ خوشبودار اور شہد سے زیادہ شیریں تھیں۔ میں نے ایک کھجور کا دانہ تناول کیا۔ وہ کھجور کا دانہ جب میرے اندر گیا تو اس نے میری صُلب میں نطفہ کی صورت اختیار کی۔ جب میں زمین پر آیا تو میں نے خدیجہؓ سے حقوقِ زوجیت

ادا کیے جس سے فاطمہؑ حمل میں آئیں۔ (یاد رکھو) فاطمہؑ انسانی شکل میں حور ہے۔ جب مجھے جنت کا اشتیاق ہوتا ہے تو میں فاطمہؑ کی خوشبو سونگھتا ہوں۔

انوارِ معصومینؑ کا آسمانوں پر ظہور

عیونُ الاخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضوؐر نے فرمایا:

''جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو میرے رب نے میری طرف وحی کی اور فرمایا: اے محمدؐ! میں نے روئے زمین پر نگاہ کی تو میں نے تیرا انتخاب کیا اور تجھے نبی بنایا اور میں نے اپنے نام سے تیرے نام کو مشتق کیا۔ میں ''محمود'' ہوں اور تو ''محمدؐ'' ہے۔ پھر میں نے دوبارہ زمین پر نگاہ کی تو میں نے علیؑ کا انتخاب کیا۔ میں نے اسے تیرا وصی، تیرا خلیفہ، تیرا داماد اور تیری ذریت کا والد بنایا اور میں نے اپنے نام سے اس کا نام مشتق کیا۔ میں خود علی الاعلیٰ ہوں اور وہ علیؑ ہے۔ اور میں نے فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو تم دونوں کے انوار سے بنایا۔ پھر میں نے ان کی ولایت ملائکہ کے سامنے پیش کی جس نے اسے قبول کیا وہ میرے ہاں مقرب ٹھہرا۔

محمدؐ! اگر کوئی بندہ میری اتنی عبادت کرے کہ اس کا وجود خشک مشکیزے کی طرح سے ہو جائے پھر میرے پاس تمہاری ولایت کا منکر بن کر آئے تو میں اسے اپنی جنت میں رہائش نہیں دوں گا اور نہ ہی اپنے عرش کا اس پر سایہ کروں گا۔ محمدؐ! کیا تم ان کو دیکھنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں، اے میرے پروردگار! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سر بلند کرو۔ میں نے سر اُٹھایا تو مجھے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ، علی بن الحسینؑ، محمد بن علی، جعفر بن محمدؑ، موسیٰؑ بن جعفرؑ، علی بن موسیٰؑ، محمد بن علیؑ، علی بن محمدؑ اور حسن بن علی علیہم السلام کے انوار دکھائی دیئے اور حجۃ بن الحسنؑ کا نور ان کے درمیان روشن ستارے کی مانند چمک رہا تھا۔

میں نے کہا: پروردگار! یہ کون ہیں؟ خدا نے فرمایا: یہ آئمہؑ ہیں اور یہ جو قائمؑ ہے وہ میرے حلال کو حلال اور میرے حرام کو حرام قرار دے گا اور اسی کے ذریعہ سے میں اپنے دشمنوں سے انتقام لوں گا اور وہ میرے دوستوں کے لیے ذریعۂ راحت ہوگا اور یہ وہی ہے جو ظالموں، منکروں اور کافروں کو قتل کر کے تیرے شیعوں کے دلوں کو شفا عطا کرے گا اور یہ لات وعزیٰ کو تر و تازہ حالت میں باہر نکالے گا اور انہیں نذرِ آتش کر دے گا۔ اس دن لوگ ان کی محبت میں اتنے گرویدہ ہوں گے جیسا کہ بنی اسرائیل سامری کے گوسالہ پر گرویدہ ہوئے تھے۔

عبدالسلام بن صالح ہروی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! یہ فرمائیں کیا اس وقت جنت و دوزخ پیدا ہو چکے ہیں اور وہ موجود ہیں یا قیامت میں بنیں گے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شبِ معراج جنت میں داخل ہوئے تھے اور آپؐ نے دوزخ کو بھی دیکھا تھا۔

میں (راوی) نے عرض کیا: کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ خدا نے ان کی تخلیق کا فیصلہ تو کر دیا ہے لیکن ابھی تک انہیں پیدا نہیں کیا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ایسے لوگوں کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی ہمارا ان سے کوئی واسطہ ہے، جو شخص جنت و دوزخ کی پیدائش کا انکار کرتا ہے وہ درحقیقت رسولؐ خدا کی اور ہماری تکذیب کرتا ہے۔ ایسے شخص کا ہماری سرپرستی سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾

(الرحمٰن: ۴۳-۴۴)

"یہ وہی دوزخ ہے جس کو مجرمین جھٹلایا کرتے تھے۔ اسی دوزخ اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان وہ گردش کرتے رہیں گے"۔

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو جبریل امینؑ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنت میں لے گئے اور مجھے جنت کی کھجور کھانے کو دی۔ میں نے جنت کی کھجور کھائی۔ میری صُلب میں پہنچ کر اس نے نطفہ کی شکل اختیار کی اور جب میں زمین پر واپس آیا تو میں نے خدیجہؑ سے حقوقِ زوجیت ادا کیے جس سے فاطمہؑ کا حمل استقرار پذیر ہوا۔ لہٰذا فاطمہؑ انسانی شکل میں حور ہے۔ مجھے جب بھی خوشبوئے جنت کا اشتیاق ہوتا ہے تو میں اپنی دختر کی خوشبو سونگھتا ہوں۔

عورتوں کو مختلف سزائیں

سید عبدالعظیم حسنی نے امام محمد تقی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے روایت نقل کی کہ آپؑ نے فرمایا: ایک مرتبہ میں اور فاطمہؑ رسولؐ خدا کی خدمت میں

حاضر ہوئے، میں نے آپؐ کو سخت گریہ کرتے ہوئے پایا۔ میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان جائیں، آپؐ کو کس چیز نے رُلایا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو میں نے اپنی اُمت کی عورتوں کو سخت عذاب میں مبتلا دیکھا تھا۔ میں ان کے عذاب کی شدت کو یاد کر کے رو رہا ہوں:

① میں نے ایک عورت دیکھی جو اپنے بالوں سے لٹکی ہوئی تھی اور دوزخ کی تپش سے اس کا دماغ کھول رہا تھا۔

② میں نے ایک عورت کو دیکھا جو اپنی زبان سے لٹکی ہوئی تھی اور اس کے منہ میں دوزخ کا گرم پانی اُنڈیلا جا رہا تھا۔

③ میں نے ایک عورت کو دیکھا جو اپنے پستانوں سے لٹکی ہوئی تھی۔

④ میں نے ایک عورت کو دیکھا جو اپنے جسم کو کھا رہی تھی اور اس کے نیچے آگ جل رہی تھی۔

⑤ میں نے ایک عورت کو دیکھا جس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور اُس پر سانپ اور بچھو مسلط تھے۔

⑥ میں نے ایک عورت کو دیکھا جو بہری، گونگی اور اندھی تھی۔ وہ آگ کے ایک صندوق میں قید تھی۔ اس کا دماغ پگھل کر اس کے نتھنوں سے بہہ رہا تھا اور اُس کا وجود برص و جذام کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔

⑦ میں نے ایک اور عورت کو دیکھا جسے منہ کے بل دوزخ کے تنور میں لٹکایا گیا تھا۔

⑧ میں نے ایک اور عورت دیکھی کہ فرشتے دوزخ کی مقراضوں سے اس کے جسم کے حصوں کو کاٹ رہے تھے۔

⑨ میں نے ایک اور عورت کو دیکھا جس کے چہرے اور ہاتھوں کو جلایا جا رہا تھا اور وہ اپنی انتڑیاں کھا رہی تھی۔

⑩ میں نے ایک اور عورت کو دیکھا، جس کا سر خنزیر کا تھا اور اس کا دھڑ گدھے کا تھا اور اس پر لاکھوں قسم کا عذاب ہو رہا تھا۔

⑪ میں نے ایک اور عورت کو دیکھا جو کتے کی شکل میں تھی اور دوزخ کی آگ اس کی دُبر میں داخل ہو کر اس کے منہ سے نکل رہی تھی اور فرشتے اس کے سر اور بدن پر دوزخ کے ہتھوڑے برسا رہے تھے۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے والد گرامی سے عرض کیا: اے میرے پیارے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک! آپؐ یہ بتائیں کہ ان عورتوں کا عمل اور ان کا کردار کیا تھا جس کی وجہ سے ان پر یہ عذاب نازل ہو رہے تھے؟

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پیاری بیٹی! ① جس عورت کو میں نے بالوں کے ساتھ لٹکا ہوا

دیکھا تھا یہ وہ عورت تھی جو مردوں سے اپنے بال نہیں چھپاتی تھی۔

② جو عورت اپنی زبان سے لٹکی ہوئی تھی وہ اپنی زبان سے شوہر کو اذیت دیا کرتی تھی۔

③ جو عورت پستانوں سے لٹکی ہوئی تھی تو وہ اپنے شوہر کو حقوقِ زوجیت کی ادائیگی سے منع کیا کرتی تھی۔

④ جو عورت پاؤں سے لٹکی ہوئی تھی وہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جایا کرتی تھی۔

⑤ جو عورت اپنے ہی وجود کو کاٹ کاٹ کر کھا رہی تھی وہ لوگوں کے لیے زیب و زینت کیا کرتی تھی۔

⑥ جس عورت کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور اس پر سانپ اور بچھو مسلط تھے یہ صفائی کا خیال نہ رکھنے والی عورت تھی اور یہ جنابت اور حیض کا غسل نہیں کیا کرتی تھی اور نماز کو حقیر سمجھتی تھی۔

⑦ جو عورت اندھی، گونگی اور بہری تھی یہ وہ عورت تھی جو اولادِ زنا پیدا کر کے اپنے شوہر سے منسوب کرتی تھی۔

⑧ جس عورت کے وجود کو دوزخ کی مقراض سے کاٹا جا رہا تھا تو یہ وہ عورت تھی جو اپنے آپ کو مردوں کے سامنے پیش کرتی تھی۔

⑨ جس عورت کا چہرہ اور بدن جل رہا تھا اور وہ اپنی انتڑیاں کھانے میں مصروف تھی وہ "دلالہ" تھی۔

⑩ جس عورت کا سر خنزیر کا اور دھڑ گدھے کا تھا وہ چغل خور اور جھوٹی تھی۔

⑪ وہ عورت جس کی شکل کتے کی تھی اور جس کی دُبر میں آگ داخل ہو کر منہ سے نکل رہی تھی وہ گلوکارہ اور حاسدہ تھی۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہلاکت ہے اُس عورت کے لیے جس نے اپنے شوہر کو ناراض کیا اور خوش نصیب ہے وہ عورت جس سے اس کا شوہر راضی ہو۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت نقل کی کہ آپؐ نے فرمایا:

شبِ معراج جبریل امینؑ نے میرا ہاتھ پکڑا اور جنت کے ایک قالین پر مجھے بٹھایا اور اس نے مجھے ایک "بہی" دیا۔ میں نے اسے اپنے ہاتھوں میں گردش دی تو وہ پھٹ گیا اور اس میں سے ایک خوبصورت حور برآمد ہوئی جس سے زیادہ حسین حور میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس نے مجھے سلام کیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا: میں راضیہ مرضیہ ہوں۔ خداوند جبار نے مجھے تین قسم کے مواد سے بنایا ہے۔ میرا نچلا حصہ کستوری کا ہے اور میرے وجود کا درمیانی

حصہ کافور سے بنا ہے اور میرا اُوپر کا وجود عنبر سے بنا ہے۔ خدا نے آبِ حیات سے میرا وجود گوندھا اور مجھ سے فرمایا کہ ہوجا بس میں ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپؐ کے بھائی اور آپؐ کے ابن عم کے لیے پیدا کیا ہے۔

گذشتہ اسناد سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

شبِ معراج میں نے تیسرے آسمان پر ایک شخص کو بیٹھا ہوا دیکھا جس کا ایک پاؤں مشرق اور دوسرا پاؤں مغرب میں تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تختی تھی جس پر وہ نظر کر رہا تھا اور اپنے سر کو حرکت دے رہا تھا۔ میں نے جبریل امینؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اُس نے بتایا کہ یہ ملک الموت ہے۔

کتاب الخصال میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان روایت کیا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

میں نے شب معراج ایک رِحم کو عرش سے معلّق دیکھا تو وہ دوسرے رِحم کی رب تعالیٰ سے شکایت کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ ان دو رشتوں میں کتنا فاصلہ ہے؟ جواب ملا کہ یہ چالیسویں پشت میں ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔

کتاب ثواب الاعمال میں حضرت امام علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

یا علیؑ! میں نے چار مقامات پر تیرے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا ہوا پایا' اور تیرا نام دیکھ کر مجھے بڑا سکون محسوس ہوا:

① جب شبِ معراج میں بیت المقدس پہنچا تو وہاں چٹان پر یہ جملے لکھے ہوئے تھے: لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ اَيَّدْتُهٗ بِوَزِيرِهٖ وَنَصَرْتُهٗ بِوَزِيرِهٖ — (اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ محمدؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں نے اس کے وزیر کے ذریعہ سے اس کی تائید ونصرت کی ہے)

میں نے جبریلؑ سے کہا: میرا وزیر کون ہے؟ اُنھوں نے کہا: علی بن ابی طالبؑ آپؐ کا وزیر ہے۔

② جب میں سدرۃ المنتہٰی پر پہنچا تو میں نے وہاں یہ جملے لکھے ہوئے دیکھے: اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰـهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا وَحْدِي، مُحَمَّدٌ صِفْوَتِي مِنْ خَلْقِي، اَيَّدْتُهٗ بِوَزِيرِهٖ وَنَصَرْتُهٗ بِوَزِيرِهٖ (میں ہی اللہ ہوں' میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے میں واحد ہوں۔ محمدؐ میری مخلوق میں سے میرا منتخب کردہ ہے۔ میں نے اس کے وزیر کے ذریعہ سے اس کی تائید و نصرت کی ہے)

میں نے جبریلؑ سے کہا: میرا وزیر کون ہے؟ اُنھوں نے کہا: علی بن ابی طالبؑ آپ کا وزیر ہے۔

④ جب میں سدرہ سے گزر کر عرش رب العالمین کے پاس پہنچا تو میں نے قوائم عرش پر یہ عبارت لکھی ہوئی دیکھی:
اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا وَحدِی ، مُحَمَّدٌ حَبِیبِی ، اَیَّدتُہٗ بِوَزِیرِہٖ وَنَصَرتُہٗ بِوَزِیرِہٖ ۔ "میں اللہ واحدہٗ لاشریک ہوں میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ محمدؐ میرا حبیب ہے۔ میں نے اس کی تائید و نصرت اس کے وزیر سے کرائی ہے"۔

④ جب میں نے سر بلند کیا تو عرش کے درمیان یہ عبارت لکھی ہوئی دیکھی: اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا وَحدِی ، مُحَمَّدٌ عَبدِی وَرَسُولِی ، اَیَّدتُہٗ بِوَزِیرِہٖ وَنَصَرتُہٗ بِوَزِیرِہٖ ۔ "میں ہی اللہ ہوں میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ محمدؐ میرا عبد اور میرا رسول ہے۔ میں نے اس کی تائید و نصرت اس کے وزیر سے کرائی ہے"۔

ابن عباس سے منقول ہے کہ میں نے حضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ فضیلتیں عطا کی ہیں اور علیؑ کو بھی پانچ فضیلتیں عطا کی ہیں:

① مجھے معراج نصیب ہوئی جب کہ علیؑ کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے' جو کچھ میں نے وہاں دیکھا۔ علیؑ نے یہاں رہ کر وہ سب کچھ دیکھا۔

(نوٹ: حدیث طویل ہے ہم نے بقدرِ ضرورت اس کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا ہے۔ من المؤلف)

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں وہب بن منبہ سے منقول ہے' اُس نے ابن عباس سے نقل کیا' اُنھوں نے کہا: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس رات مجھے معراج ہوئی تو مجھے یہ ندا سنائی دی: یا محمدؐ! میں نے کہا: لَبَّیکَ رَبُّ العَظمَۃِ لَبَّیکَ۔

اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی: محمدؐ! "ملاءِ اعلیٰ" کس بات میں جھگڑ رہے تھے؟ میں نے عرض کیا: پروردگار! مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمدؐ! کیا تو نے انسانوں میں سے کسی کو اپنا بھائی' وزیر اور اپنے بعد وصی چُنا ہے؟ میں نے عرض کیا: خدایا! تو ہی بتا میں کسے مقرر کروں؟ میرے لیے اس کا انتخاب تو کر۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ علیؑ تیرا جانشین ہے اور تیرے بعد تیرے علم کا وارث ہے اور قیامت کے دن تیرے پرچم "لواءُ الحمد" کے اٹھانے والا وہی ہے اور تیرے حوض کا وہ مالک ہے' تیری اُمت کے مومن اس کے پاس حوض پر اُتریں گے اور وہ اُنھیں سیراب کرے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی اور فرمایا: اے محمدؐ! میں اپنی ذات کے لیے قسم کھا چکا ہوں کہ اس حوض سے تجھ سے اور تیری اہل بیتؑ و ذرّیت سے بُغض رکھنے والا پانی نہیں پیئے گا۔ محمدؐ! میں جو کہہ رہا ہوں وہ عینِ حق ہے۔ میں تیری تمام

اُمت کو جنت میں داخل کروں گا' البتہ میری مخلوق میں سے جو خود جنت میں جانے سے انکار کردے تو اسے جنت میں داخل نہ کروں گا۔

میں نے عرض کیا: پروردگار! کیا کوئی جنت میں داخل ہونے سے بھی انکار کرسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی اور ارشاد کیا کہ جی ہاں' میں نے عرض کیا: پروردگار! وہ بھلا کیسے؟ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی اور فرمایا:

محمدؐ! میں نے اپنی مخلوق میں سے تجھے چنا اور میں نے تیرے بعد تیرے وصی کا انتخاب کیا اور میں نے اسے تجھ سے وہی نسبت دی ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی' لیکن تیرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور میں نے اس کی محبت تیرے دل میں ڈال دی ہے اور میں نے اسے تیری اولاد کا والد بنایا ہے۔ تیرے بعد تیری اُمت پر اس کا وہی حق ہے جو تیری زندگی میں تیری اُمت پر حق ہے۔ جس نے اس کے حق کا انکار کیا اس نے تیرے حق کا انکار کیا' جس نے اس کی دوستی سے انکار کیا اس نے جنت میں داخل ہونے سے انکار کیا۔

میں خدا کے اِنعام پر اس کے حضور سجدہ میں گر پڑا۔ اس وقت منادی نے ندا دی۔ اپنا سر سجدہ سے اُٹھاؤ اور مجھ سے سوال کرو' میں عطا کروں گا۔ میں نے عرض کیا: پروردگار! میری تمام اُمت کو علیؑ کی ولایت پر جمع کردے' تاکہ میری پوری اُمت قیامت کے دن میرے حوض سے سیراب ہوسکے۔

اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی اور فرمایا: میں لوگوں کی تخلیق سے بھی قبل ان کے متعلق اپنے فیصلے کرچکا ہوں اور میرا فیصلہ ان میں جاری ہوکر رہے گا۔ اس کے ذریعہ سے میں جسے چاہوں گا ہلاک کروں گا اور جسے چاہوں گا منزلِ مقصود تک پہنچاؤں گا۔ میں نے تیرے بعد تیرا علم علیؑ کو دیا ہے اور میں نے اسے تیرا وزیر اور تیرے خاندان اور تیری اُمت میں اسے خلیفہ مقرر کیا ہے۔ یہ میری طرف سے پختہ عہد ہے۔ چنانچہ جو بھی اس سے بُغض رکھے' اس سے دشمنی رکھے اور تیرے بعد اس کی ولایت کا انکار کرے میں اسے جنت میں داخل نہ ہونے دوں گا۔ جس نے اس سے بُغض رکھا تو گویا اس نے تجھ سے بُغض رکھا اور جس نے تجھ سے بُغض رکھا اس نے مجھ سے بُغض رکھا اور جس نے اس سے دشمنی کی تو اس نے تجھ سے دشمنی کی اور جس نے تجھ سے دشمنی کی تو اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے اس سے محبت رکھی تو اس نے تجھ سے محبت رکھی اور جس نے تجھ سے محبت رکھی تو اس نے مجھ سے محبت رکھی۔

میں نے اس کے لیے یہ فضیلت مقرر کردی ہے۔ اس کی صُلب میں سے میں گیارہ امام پیدا کروں گا جو کہ بتول عذراؑ کی اولاد ہوں گے اور ان کا آخری فرد وہ ہوگا جس کے پیچھے عیسیٰ بن مریمؑ نماز پڑھے گا اور وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی زمین کو

عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ میں اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہلاکت سے نجات دوں گا اور گمراہی سے نکال کر ہدایت دوں گا اور اندھوں کو بینائی اور بیماروں کو شفا دوں گا۔

علائم ظہورؑ

میں نے عرض کیا: پروردگار! اس کا ظہور کب ہوگا؟

اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی کہ جب علم اُٹھ جائے' جہالت غالب آ جائے' پڑھنے والے زیادہ اور عمل کرنے والے کم رہ جائیں' دنیا میں کثرت سے قتل ہونے لگیں' ہدایت دینے والے فقیہ کم رہ جائیں اور گمراہی پھیلانے والے فقیہ کثرت میں ہوں اور خیانت کرنے والوں کی کثرت ہو جائے۔ شعراء کی کثرت ہو جائے اور لوگ اپنی قبروں کو مسجد کا درجہ دے دیں اور قرآن کو مزین کیا جائے اور مساجد کو زیب و زینت دی جائے اور ظلم وفساد بڑھ جائے اور برائیاں کھل کر ہونے لگیں اور تیری اُمت بھی گمراہی کا حکم دینے لگے اور نیکی سے منع کرنے لگے اور مرد مردوں پر قناعت کرنے لگ جائیں اور عورتیں عورتوں پر قناعت کرنے لگیں اور جب آپؐ کی اُمت کے حکام کافر اور ان کے دوست فاجر اور ان کے مددگار ظالم اور ان کے اہل رائے فاسق ہوں۔ اس زمانہ میں تین بار زمین دھنسے گی۔ ایک بار مشرق میں' ایک بار مغرب میں اور ایک بار جزیرۃ العرب میں۔

اس زمانہ میں آپؐ کی نسل کے ایک فرد کے ہاتھوں بصرہ تباہ ہوگا اور آپ کی نسل کے فرد کی پیروی کرنے والے زنگی ہوں گے اور اولاد حسین بن علیؑ میں سے ایک شخص خروج کرے گا اور سرزمینِ مشرق "سجستان" سے دجال خروج کرے گا اور سفیانی نمودار ہوگا۔

میں نے عرض کیا: پروردگار! میرے بعد یہ فتنے کب ظاہر ہوں گے؟

اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی فرمائی اور مجھے بنی اُمیہ اور بنی عباس کے فتنوں سے آگاہ کیا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اس کے متعلق بھی باخبر کیا۔ جب میں زمین پر آیا تو میں نے اپنے ابن عم کو اس کی وصیت کی اور میں نے پیغام پہنچا دیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور میں بھی اس کی ویسی ہی حمد کرتا ہوں جیسا کہ مجھ سے پہلے ہر نبی نے حمد کی تھی اور جس طرح سے اس کی تمام مخلوق اس کی حمد کر رہی ہے۔

عبدالسلام بن صالح ہروی (ابوصلت) راوی ہیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند

سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک طویل حدیث نقل کی جس کا آخری حصہ یہ ہے: جب مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا تو جبریلؑ نے اذان کے دو دو کلمات کہے۔ پھر مجھ سے کہا: اے محمدؐ! آپ آگے آئیں۔ میں نے کہا: جبریلؑ! کیا میں تم سے سبقت کروں اور آگے بڑھوں؟

جبریلؑ نے کہا: جی ہاں، اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرامؑ کو تمام ملائکہ پر فضیلت دی ہے اور بزم انبیاء میں سے آپ کو خصوصی فضیلت دی ہے۔ چنانچہ میں آگے بڑھا اور میں نے انہیں نماز پڑھائی۔ اس پر میں فخر نہیں کرتا۔ جب میں نور کے حجابوں تک پہنچا تو جبریلؑ نے مجھے کہا: محمدؐ! آپ آگے بڑھیں، یہ میری آخری حد ہے جو خدا نے یہاں میرے لیے مقرر کی ہے اگر میں اس سے آگے بڑھا تو خدا کی مقرر کردہ حد عبور کرنے کی وجہ سے میرے پَر جل جائیں گے۔

اس وقت مجھے بڑی تیزی سے نور میں ڈال دیا گیا۔ پھر جہاں تک خدا چاہتا تھا میں اس کی سلطنت میں چلا گیا۔ اس وقت مجھے یہ ندائے قدرت سنائی دی:

محمدؐ! تو میرا عبد ہے اور میں تیرا رب ہوں، لہٰذا میری ہی عبادت کر اور مجھ پر ہی توکل کر، تو میرے بندوں میں میرا نور ہے اور میری مخلوق کی طرف تو میرا رسول ہے اور میری مخلوق میں تو میری حجت ہے۔ تیرے پیروؤں کے لیے میں نے اپنی جنت بنائی ہے اور تیرے نافرمانوں اور تیرے مخالفین کے لیے میں نے دوزخ بنائی ہے اور تیرے اوصیاء کو میں نے عظمت دی ہے اور تیرے شیعوں کے لیے میں نے اپنا ثواب لازمی قرار دیا ہے۔

میں نے کہا: خدایا! میرے اوصیاء کون ہیں؟ آواز آئی: تیرے اوصیاء کے نام ساقِ عرش پر لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنے رب کے حضور کھڑے ہو کر ساقِ عرش کو دیکھا تو مجھے وہاں بارہ نور نظر آئے اور ہر نور میں سبز رنگ کی سطر تھی۔ ان سطروں میں میرے اوصیاء کے نام لکھے گئے تھے۔ ان کا پہلا فرد علی بن ابی طالبؑ اور آخری فرد میری اُمت کا مہدیؑ تھا۔

میں نے عرض کیا: پروردگار! کیا یہی میرے اوصیاء ہیں؟ ندائے قدرت بلند ہوئی: محمدؐ! یہ میرے اولیاء اور میرے حبیب اور میرے صفی اور تیرے بعد میری مخلوق پر میری حجت ہیں اور یہ تیرے اوصیاء و خلفاء ہیں اور تیرے بعد یہی میری افضل ترین مخلوق ہیں۔ مجھے اپنی عزت و جلالت کی قسم! میں انھی کے واسطے سے اپنے دین کو غلبہ دوں گا اور انھی کے ذریعے اپنے کلمہ کو بلند کروں گا اور ان کے آخری فرد کے ذریعہ سے میں اپنی زمین کو اپنے دشمنوں سے پاک کروں گا اور اسے زمین کے مشارق و مغارب کا مالک بناؤں گا اور میں اس کے لیے ہواؤں کو مسخر کروں گا اور سرکش گردنوں کو اس کے سامنے جھکا دوں گا۔ میں اس کے اسباب میں ترقی دوں گا اور اپنے لشکر سے اس کی مدد کروں گا اور اپنے ملائکہ سے اس کی امداد کروں گا

یہاں تک کہ میری دعوت کو فروغ حاصل ہوگا اور پوری مخلوق میری توحید پر جمع ہو جائے گی۔ پھر میں اس کی سلطنت کو طول دوں گا اور قیامت آنے تک اپنے دوستوں میں ہی حکومت و اقتدار کو گردش دیتا رہوں گا۔

علل الشرائع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج نصیب ہوئی اور نماز کا وقت ہوا تو حضرت جبرئیلؑ نے اذان و اقامت کہی اور نماز کے لیے صفیں بندھیں تو جبریلؑ نے کہا: محمدؐ! آگے بڑھیں۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا: جبریلؑ آپؑ آگے آئیں۔ جبریلؑ نے عرض کیا: جس دن سے ہم سے آدمؑ کا سجدہ کرایا گیا ہے اس دن سے ہم بنی آدم کے آگے کھڑے نہیں ہوتے۔

ہشام بن الحکم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ افتتاح نماز میں سات تکبیریں کیوں افضل قرار دی گئیں؟ اور رکوع میں سبحان ربی العظیم وبحمدہ اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ کیوں پڑھا جاتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہشام! اللہ تعالیٰ نے آسمان سات بنائے، زمین سات پیدا کیں اور حجاب بھی سات بنائے۔ جب آنحضرت کو معراج ہوئی تو آپؐ مقامِ قَابَ قَوسَین اَو اَدنیٰ پر فائز ہوئے۔ پھر آپؐ کے سامنے حجابات آئے۔ اس وقت رسولؐ خدا نے تکبیر کہی اور وہ کلمات کہے جو افتتاح اوّل میں پڑھے جاتے ہیں۔ اس وقت پہلا حجاب ہٹا۔ پھر آپؐ تکبیر کہتے گئے اور حجاب ہٹتے گئے، یہاں تک کہ آپؐ نے سات تکبیریں کہیں اور ساتوں حجاب ہٹے۔ اسی لیے افتتاحِ نماز میں سات تکبیریں مسنون قرار پائیں اور پھر جب آپؐ نے عظمتِ پروردگار کا مشاہدہ کیا تو آپؐ کے اَعصاب کانپ اُٹھے اور گھٹنوں کے بل جھکے۔ اُس وقت آپؐ نے سبحان ربی العظیم وبحمدہ کہا۔ پھر آپؐ رکوع سے سیدھے کھڑے ہوئے تو آپؐ نے اس سے بھی زیادہ عظمت الٰہی کا مشاہدہ کیا تو آپ سجدہ میں چلے گئے اور آپؐ نے سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ کہا۔ جب آپؐ نے سات تکبیریں کہی تو وہ رُعب و دبدبہ رُک گیا۔ اسی لیے سات تکبیریں سنت قرار پائیں۔

اسحاق بن عمار کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ مولاؑ! یہ بتائیں ایک رکعت کے دو سجدے کیوں ہیں اور اگر دو سجدے ہی کرنے تھے تو انہیں دو رکعات شمار کیوں نہیں کیا گیا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر پوچھ ہی لیا ہے تو پوری توجہ سے جواب بھی سن لے۔ رسولؐ خدا نے جو پہلی نماز پڑھی تھی وہ وہی تھی جو انہوں نے عرشِ خداوندی کے سامنے خدا کے حضور پڑھی تھی اور یہ نماز آپؐ نے شبِ معراج پڑھی تھی۔ جب آپ عرشِ الٰہی کے قریب گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمدؐ! ''صادؔ'' (عرش کے قریب بہنے والا چشمہ) کے قریب جاؤ اور

اعضائے وضو دھو کر اپنے رب کی نماز پڑھو۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "صاد" پر تشریف لے گئے اور وضو کیا' پھر خدا کے سامنے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نماز شروع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: محمدؐ! بسم اللہ سے لے کر پوری سورہ فاتحہ پڑھو۔ آپؐ نے سورہ فاتحہ پڑھی۔ پھر خدا نے حکم دیا کہ میری توحید خالص بیان کرو۔ آپؐ نے سورہ قل ھو اللّٰہ احد کی تلاوت کی۔ پھر آپؐ نے تین بار کذلك اللّٰہ ربی کہا۔ پھر خدا نے فرمایا کہ اب رکوع کرو۔ آپؐ نے رکوع کیا اور رکوع میں سبحان ربی العظیم وبحمدہ کی تین بار تسبیح پڑھی۔

پھر اللہ کا حکم ہوا کہ محمدؐ! اب سر اُٹھاؤ۔ آپؐ نے سر اٹھایا اور کھڑے ہوئے' اس وقت ندائے قدرت بلند ہوئی کہ محمدؐ! اب رب کے سامنے سجدہ کرو۔ آپؐ سجدہ میں گر گئے اور آپؐ نے تین بار سبحان ربی الاعلٰی وبحمدہ پڑھا۔ پھر خدا نے فرمایا کہ اب سجدہ سے سر اُٹھاؤ اور سیدھے بیٹھ جاؤ۔ آپؐ جیسے ہی بیٹھے تو آپؐ نے جلالِ کردگار کا تصور کیا تو آپؐ دوسری بار بھی سجدہ میں چلے گئے۔

جب آپؐ دوسرے سجدے سے اُٹھے تو خدا نے فرمایا: محمدؐ کھڑے ہو جاؤ اور دوسری رکعت بھی اسی طرح سے پڑھو جیسا کہ تم نے پہلی رکعت پڑھی ہے۔ آپؐ نے قیام و رکوع کیا' پھر سجدہ میں گئے۔ پہلے سجدہ سے سر اُٹھایا تو جلالِ الٰہی کے مشاہدہ کی وجہ سے دوسرے سجدہ میں چلے گئے۔ رکعت کا دوسرا سجدہ آنحضرتؐ نے اپنی طرف سے کیا تھا' حکمِ الٰہی نہیں تھا۔

دوسرے سجدہ سے فارغ ہوئے تو خدا نے فرمایا: اب سجدے سے سر اُٹھاؤ' خدا تمہیں ثابت قدم رکھے اور یہ تشہد پڑھو:

اَشْھَدُ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مِنَ الْقُبُورِ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَتَرَحَّم عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيتَ وَبَارَكتَ وَتَرَحَّمتَ عَلٰى اِبْرَاهِيمَ وَاٰلِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ، اَللّٰهُمَّ تَقَبَّل شَفَاعَتَهٗ وَارفَع دَرَجَتَهٗ ـ

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمدؐ! اب سلام کرو۔ آنحضرتؐ نے نگاہیں نیچی کیں اور بڑے ادب سے "السلام" کہا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو یہ آواز سنائی دی: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَامُحمدُ۔ محمدؐ تم پر بھی سلام ہو' میں نے اپنی نعمت سے تجھے اپنی اطاعت کی قوت دی اور میں نے اپنی عصمت سے تجھے نبی اور حبیب بنایا۔

پھر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو نماز فرض کی تھی' اس کی دو رکعتیں تھیں اور اس میں دو سجدے

تھے۔ جیسا کہ میں تجھے بتا چکا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی عظمت کے پیش نظر ایک ایک سجدہ زیادہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرض بنا دیا۔

پھر میں (راوی) نے پوچھا کہ وہ "صاد" کیا ہے، جس سے آنحضرتؐ کو وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: وہ ایک چشمہ ہے جو عرش کے ارکان میں سے ایک رکن سے جاری ہوتا ہے، اُسے "آبِ حیات" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ﴿۱﴾ (ص:۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو حکم دیا تھا کہ وہ وضو کریں اور قراءت کریں اور نماز پڑھیں۔

حضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شبِ معراج میرے پسینے کا ایک قطرہ گرا، اس سے گلاب پیدا ہوئی اور گلاب کا ایک پھول پیدا ہوا۔ وہ پھول سمندر میں گرا۔ اس کو کھانے کے لیے مچھلی بڑھی اور "دعموص" بھی بڑھا۔ مچھلی کہتی تھی کہ پھول پر میرا حق ہے اور "دعموص" کہتا تھا کہ اس پر میرا حق بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو منصف بنا کر بھیجا اور اس نے کہا: تم آپس میں مت لڑو۔ اس کے دو حصے کرلو۔ ایک حصہ مچھلی کا ہے اور دوسرا حصہ "دعموص" کا ہے۔

(وضاحت: دعموص سمندر میں رہنے والا ایک جاندار ہے)

جہر و اخفات

من لا یحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ محمد بن عمران نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ نمازِ جمعہ، نمازِ مغرب کی پہلی دو رکعات اور عشاء کی پہلی دو رکعات اور نمازِ فجر میں بلند آواز سے قرأت کیوں کی جاتی ہے اور باقی نمازوں میں خاموشی سے قراءت کیوں کی جاتی ہے؟ اور آخری دو رکعات میں تسبیح قراءت سے کیوں بہتر ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر جو سب سے پہلی نماز فرض کی وہ جمعہ کے دن کی نمازِ ظہر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے ملائکہ کو آپؐ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا حکم دیا اور اپنے نبیؐ سے فرمایا کہ تم بلند آواز سے نماز پڑھو، تاکہ فرشتے آپؐ کی فضیلت سے آگاہ ہوسکیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر عصر فرض کی تو اس میں کوئی فرشتے نازل نہ کیے اور آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ وہ اس نماز کو دل میں آہستہ سے پڑھیں، کیونکہ آپؐ کے پیچھے کوئی مقتدی نہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر مغرب فرض کی اور کچھ ملائکہ کو آپؐ کی اقتداء کے لیے بھیجا اور آپؐ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے نماز پڑھیں اور نمازِ عشاء کے وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ نمازِ فجر کے

قریب آپؐ زمین پر تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر نمازِ فجر فرض کی اور آپ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے اس نماز کو پڑھیں، تاکہ جس طرح سے فرشتوں کے سامنے آپؐ کی عزت ظاہر ہوئی ہے اسی طرح سے انسان بھی آپؐ کی عظمت کا مشاہدہ کر سکیں۔

اسی وجہ سے ان نمازوں میں قراءت بلند آواز سے کی جاتی ہے اور ظہر و عصر اور عشاء کی آخری دو رکعات اور نمازِ مغرب کی آخری ایک رکعت میں تسبیح، قراءت سے افضل ہے کیونکہ جب نبی اکرمؐ ان رکعات تک پہنچے تھے تو آپؐ نے عظمتِ خداوندی کا اس قدر مشاہدہ کیا کہ حیران رہ گئے تھے۔ آپؐ نے اس وقت سُبحان اللہ والحمدللہ ولا اِلٰہ اِلّا اللہ واللہُ اکبر پڑھا تھا۔ اسی لیے ان رکعات میں یہ تسبیح قراءت سے افضل قرار پائی۔

کتاب معانی الاخبار میں انس سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شبِ معراج میں نے ایک ستون دیکھا جس کا ابتدائی حصہ سفید چاندی اور اُس کا درمیانی حصہ یاقوت و زبرجد کا اور آخری حصہ سُرخ رنگ کے سونے کا تھا، میں نے جبریلؑ سے کہا یہ کیا ہے؟

اُس نے کہا: یہ آپؐ کے دین کو تمثیلی رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس ستون کی طرح سے آپؐ کا دین بھی روشن اور واضح ہے۔ میں نے کہا: اس کا درمیان کیسا ہے؟ جبریلؑ نے کہا: یہ آپؐ کے دین میں جہاد کی علامت ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ سرخ سونا کیسا ہے؟

جبریلؑ نے عرض کیا: اس سے ہجرت مراد ہے اور علیؑ کا ایمان باقی تمام مومنین کے ایمان سے بلند و بالا ہے۔

اُصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: شبِ معراج حضرت جبریلؑ ایک مقام پر رُک گئے تھے۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: کیا یہاں آ کر مجھے اکیلا چھوڑ دو گے؟

جبریلؑ نے عرض کیا: آپؐ سفر جاری رکھیں۔ آپ ایسی جگہ پر پہنچ چکے ہیں جہاں آپؐ سے پہلے کسی انسان کا قدم نہیں آیا۔

امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نے اسلام بنایا، اس کے لیے ایک صحن بنایا اور اس کے لیے نور بنایا اور اس کے لیے قلعہ بنایا اور اس کا مددگار بنایا۔

اسلام کا صحن قرآن کریم ہے اور اسلام کا نور حکمت ہے اور اس کا قلعہ بھلائی کرنا ہے اور اسلام کے مددگاروں میں مَیں، میرے اہلِ بیتؑ اور ہمارے شیعہ ہیں۔ لہٰذا میری اہلِ بیتؑ اور ان کے شیعوں اور مددگاروں سے محبت کرو، کیونکہ جب

میں آسمانِ دنیا پر پہنچا اور جبریلؑ نے اہلِ آسمان کے سامنے میرا تعارف کرایا تو اللہ تعالیٰ نے میری اور میرے اہلِ بیتؑ اور ان کے شیعہ اور ان کے مددگاروں کی محبت کو میری اُمت کے اہلِ ایمان افراد کے دلوں میں ودیعت کیا۔ میری اُمت کے اہلِ ایمان روزِ قیامت تک میری اس امانت کی حفاظت کریں گے۔ اگر میری اُمت کا کوئی فرد روزِ قیامت تک خدا کی عبادت کرتا رہے، لیکن جب خدا کے سامنے آئے تو میری اہلِ بیتؑ اور میرے شیعوں کا دشمن ہو تو اس کے دل میں منافقت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ شبِ معراج جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المعمور پر پہنچے اور نماز کا وقت ہوا تو جبریل امینؑ نے اذان و اقامت کہی۔ رسولؐ خدا نے جماعت کرائی، تمام انبیاء اور آدھے ملائکہ نے آپؐ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

مسجدِ کوفہ کی فضیلت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہارون بن خارجہ سے فرمایا: اے ہارون بن خارجہ! یہ بتاؤ کہ تمہارے اور مسجد کوفہ کے درمیان کتنے میلوں کا فاصلہ ہے؟

اُس نے عرض کیا: کچھ بھی فاصلہ نہیں ہے۔ آپؑ نے فرمایا: تو کیا تم تمام نمازیں وہیں ادا کرتے ہو؟

اس نے کہا: نہیں۔ آپؑ نے فرمایا: اگر میں مسجدِ کوفہ کے قریب ہوتا تو میں ہر نماز اس میں ادا کرتا۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ اس مقام کی کیا فضیلت ہے؟ اگر نہیں تو سن لو کہ تمام نیک بندوں اور انبیاء نے مسجدِ کوفہ میں نماز پڑھی ہے اور جب رسول اکرم کو معراج ہوئی تو ایک جگہ جبریلؑ نے کہا: یارسولؐ اللہ! آپؐ اس وقت مسجد کوفہ کے سامنے جا رہے ہیں۔

نبی اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی۔ بُراق رُک گئی اور آپؐ نیچے تشریف لائے اور مسجدِ کوفہ میں نماز ادا کی۔

عقیدہ تشبیہ کی نفی

تفسیر علی بن ابراہیم میں احمد بن محمد بن ابی نصر سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ امام علی رضا علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: تمہارے اور ہشام بن الحکم کے شاگردوں کے درمیان توحید کے متعلق کیا اختلاف ہے؟

میں (راوی) نے عرض کیا: ہم خدا کے لیے صورت کے قائل ہیں، کیونکہ حدیث معراج میں کہا گیا ہے کہ رسولؐ خدا نے اللہ تعالیٰ کو ایک جوان کی صورت میں دیکھا تھا اور اُس کے برعکس ہشام بن الحکم جسم کی نفی کا عقیدہ رکھتا تھا۔ یہ سن کر امام

علی رضا علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

احمد! شبِ معراج جب رسولؐ خدا مقامِ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو آپؐ کے لیے حجاب میں سے سوئی کی نوک کے برابر ایک چھید نمودار ہوا اور پھر جتنا خدا کو منظور تھا اتنا آپ نے نورِ عظمت کا مشاہدہ کیا اور تم لوگوں نے تشبیہ کا ارادہ کر لیا؟

احمد! ان باتوں کو چھوڑ دو۔ تم اس سے کوئی امرِ عظیم حاصل نہ کر سکو گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شبِ معراج میں جنت میں گیا تو میں نے وہاں یاقوت سرخ سے بنا ہوا ایک محل دیکھا اور وہ اتنا صاف تھا کہ باہر سے اندر کا حصہ دکھائی دیتا تھا اور اندر سے باہر کے مناظر دکھائی دیتے تھے۔ اس میں موتی اور زبرجد کے دو گھر تھے۔ میں نے جبریلؑ سے کہا کہ یہ محل کس کے لیے ہے؟

انہوں نے کہا: یہ گھر اس کے لیے ہے جو مسلسل روزے رکھے اور لوگوں کو کھانا کھلائے اور جب لوگ رات کے وقت سوئے ہوئے ہوں تو وہ اس وقت اُٹھ کر نمازِ تہجد ادا کرے۔

ابن سنان کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے اَرواح سے اَلَسْتُ بِرَبِّکُم کا میثاق لیا تھا تو حضرت رسول اکرمؐ نے سب سے پہلے بَلٰی کہا تھا اور اس سبقت کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ تمام خلقت میں سے خدا کے زیادہ قریب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شبِ معراج جبریلؑ نے آپ سے کہا تھا آپؐ نے اس جگہ کو طے کیا ہے جہاں پر آج تک کسی ملک مقرب اور کسی نبی مرسل کا قدم نہیں آیا۔ اگر آپؐ کا نفس اور آپؐ کی روح کا اس جگہ سے تعلق نہ ہوتا تو آپؐ اس جگہ پر کبھی پہنچ نہ سکتے اور آپ خدا کے اتنے قریب تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی قربت کو فَکَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی سے تعبیر کیا ہے۔

ابن مسکان راوی ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب آنحضرتؐ کو معراج ہوئی تو انہیں وحی میں علیؑ کی عظمت و شرف کے متعلق خبر دی گئی۔ جب آپؐ بیت المعمور پر پہنچے اور انبیاءؑ کو نماز پڑھائی تو آپؐ کے دل میں یہ خیال سا آیا کہ کیا یہ فضیلت کچھ زیادہ تو نہیں ہے۔

اس وقت وحی نازل ہوئی: فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (یونس: ۹۴) ''اگر آپؐ کو ہماری نازل کردہ وحی میں کوئی شک ہے تو آپؐ ان سے پوچھیں جو آپ سے پہلے کتابیں پڑھتے تھے۔ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس حق ہی آیا ہے۔ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ بننا''۔

مقصد یہ ہے کہ آپ انبیائے سابقین سے بھی یہ بات دریافت کرسکتے ہیں کہ ہم نے ان کی کتابوں میں بھی علیؑ کی فضیلت نازل کی تھی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! نہ تو رسولؐ خدا کو شک ہوا اور نہ ہی آپؐ نے سوال کیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: حضرت رسولؐ خدا حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کو بہت پیار کیا کرتے تھے۔ حضرت بی بی عائشہ کو کچھ تعجب سا ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! جب مجھے معراج ہوا اور میں جنت میں داخل ہوا تو جبریلؑ نے مجھے شجرۂ طوبیٰ کے قریب لے گئے اور مجھے اس کے پھل کھلائے۔ میں نے پھل کھائے تو وہ مادہ منویہ میں تبدیل ہوئے۔ جب میں زمین پر آیا تو میں نے خدیجہؑ سے مقاربت کی جس کی وجہ سے فاطمہؑ حمل میں آئیں۔ میں جب بھی اپنی بیٹی کو پیار کرتا ہوں تو مجھے اس سے شجرۂ طوبیٰ کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔

ابو الربیع بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ اُس سال حج کیا جس سال ہشام بن عبدالملک بھی حج پر آیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ حضرت عمر کا آزاد کردہ غلام نافع بھی تھا۔ نافع نے دیکھا کہ امام محمد باقر علیہ السلام رکن بیت اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگ اُن کے گرد جمع ہیں۔ نافع نے ہشام سے کہا: امیرالمومنین! یہ کون ہے، جس کے گرد اتنی مخلوق جمع ہے؟

ہشام نے کہا: یہ اہلِ کوفہ کا نبی محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالبؑ ہے۔ نافع نے یہ سنا تو اُس نے کہا: پھر میں اس کے پاس جاتا ہوں اور اس سے ایسا سوال کروں گا جس کا جواب یا نبی دے سکتا ہے یا وصی دے سکتا ہے؟

ہشام نے کہا: ضرور جاؤ، ان سے سوال کرو۔ ممکن ہے اس طرح سے ہم اسے شرمندہ کرسکیں۔

نافع چلا اور عوام الناس کے مجمع میں گھستا ہوا امام علیہ السلام کے قریب آیا اور اس نے کہا: محمد بن علیؑ! میں نے تورات، انجیل، زبور اور فرقان پڑھا ہے اور میں ان کتب کے حلال و حرام سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں آپؑ سے چند مسائل پوچھنے کے لیے آیا ہوں اور یہ وہ مسائل ہیں جن کا جواب یا تو نبی دے سکتا ہے یا نبی کا وصی دے سکتا ہے یا پھر اس کا فرزند اِن کا جواب دے سکتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جو تیرے جی میں آئے وہ پوچھ۔ نافع نے کہا: یہ بتائیں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کے متعلق میں تمہارا قول بتاؤں یا اپنا؟ نافع نے کہا: آپؑ دونوں اقوال بیان فرمائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے قول کے مطابق پانچ سو سال کا فاصلہ ہے جب کہ تمہارے قول کے مطابق حضرت عیسیٰ اور حضرت محمدؐ میں چھ سو سال کا فاصلہ ہے۔

نافع نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝ (الزخرف:۴۵) ''آپ ان رسولوں سے پوچھیں جنہیں ہم نے آپ سے پہلے روانہ کیا ہے۔ کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ بھی کوئی معبود بنائے ہیں؟''

اب سوال یہ ہے کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسولوں سے سوال نہیں کرتے تو آیت پر عمل نہیں ہوتا اور اگر سوال کرنا چاہیں تو ان کے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچ سو برس کا فاصلہ ہے۔ آخر مقصدِ آیت کیا ہے؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: یہ آیت شبِ معراج نازل ہوئی' جب پروردگار عالم نے بیت المقدس میں تمام انبیائے کرام کو جمع کیا۔ پھر حکم خداوندی سے جبریلؑ نے اذان و اقامت کہی اور اس نے اپنی اقامت میں حی علی خیر العمل بھی کہا۔ پھر رسول اکرمؐ آگے بڑھے۔ آپؐ نے انبیاء و مرسلین کو نماز پڑھائی۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی: وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ ......(آپؐ ان رسولوں سے پوچھیں جنہیں ہم نے آپؐ سے پہلے روانہ کیا تھا......)

اس وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گروہِ انبیاء سے پوچھا کہ تم کیا گواہی دیتے ہو اور کس کی عبادت کرتے تھے؟ اُنھوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ہم سے یہی عہد و میثاق لیا گیا تھا۔

نافع نے یہ جواب سن کر کہا: ابوجعفرؑ! آپؑ نے سچ کہا ہے۔

(وضاحت: حدیث کافی طویل ہے' ہم نے بقدر ضرورت اس کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔ من المؤلف)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: شبِ معراج جب میں جنت میں گیا تو وہاں میں نے کچھ خالی پلاٹ دیکھے جن پر ملائکہ تعمیرات کر رہے تھے اور ایک اینٹ سونے اور ایک اینٹ چاندی کی لگا رہے تھے۔ کسی وقت وہ کام بند کر کے بیٹھ جاتے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ کیا وجہ ہے آپ کسی وقت کام کرتے ہیں اور کسی وقت کام سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں؟ اُنھوں نے کہا کہ جب تک مالک کی طرف سے اس کا خرچہ نہ آئے ہم محل کو کیسے جاری رکھ سکتے ہیں؟

میں نے کہا: مکانِ جنت کا وہ خرچہ کیا ہے؟

انہوں نے کہا: جب کوئی مومن دنیا میں رہ کر سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہتا ہے تو ہم کام شروع کر دیتے ہیں اور جب وہ خاموش ہو جاتا ہے تو ہم بھی رُک جاتے ہیں۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: شبِ معراج رسولؐ خدا نے عشاء کی نماز مکہ میں پڑھی تھی اور صبح کی نماز بھی آپؐ نے مکہ ہی میں پڑھی تھی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ابوسعید خدری نے بیان کیا کہ جب سفرِ معراج سے آنحضرتؐ زمین پر واپس تشریف لائے تو آپؐ نے جبریل امینؑ سے کہا کہ آپ کا کوئی کام ہو تو مجھے بتائیں؟ جبریل امینؑ نے عرض کیا: میری ایک ہی حاجت ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور میری طرف سے خدیجہؑ کو سلام پہنچائیں۔

چنانچہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنابِ خدیجہؑ کو خدا اور جبریلؑ کے سلام پہنچائے تو حضرت خدیجہؑ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی سلام ہے اور اسی کی طرف سے سلامتی ہے۔ اور سلام کا سفر اسی کی طرف ہے اور میری طرف سے جبریلؑ پر بھی سلام ہوں۔

خدا سمیع و بصیر ہے

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ① "بے شک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے"۔

اصولِ کافی میں ابی بصیر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا، آپؑ فرمایا کرتے تھے: ہمارا رب اللہ تعالیٰ اَزل سے ہے۔ علم اس کی ذات ہے جب کوئی معلوم نہ تھا اور سمع (سننا) اس کی ذات ہے جب کوئی مسموع نہ تھا اور بصر (دیکھنا) اُس کی ذات ہے جب کوئی مبصر نہ تھا۔ قدرت اس کی ذات ہے جب کوئی مقدور نہ تھا۔ جب اس نے اشیاء کو پیدا کیا اور معلوم واقع میں آ گیا تو اس وقت اس کا علم معلوم پر واقع ہوا، اور سمع، مسموع پر اور بصر، مبصر پر اور قدرت مقدور پر واقع ہوئی۔

میں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ ازل سے متحرک ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بلند و بالا ہے، کیونکہ حرکت فعل کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔

میں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ اَزل سے "متکلم" ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کلام "صفت محدثہ" ہے ازلی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت سے ہے جب کوئی متکلم موجود

نہ تھا۔

کتاب التوحید میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں یہ جملے بھی موجود ہیں: کسی زندیق نے امامؑ سے خدا کی ذات و صفات کے متعلق بحث کرتے ہوئے کہا: اللہ سمیع و بصیر ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ سمیع (سننے والا) ہے، لیکن وہ سننے کے لیے حاسۂ گوش کا محتاج نہیں ہے اور اللہ بصیر (دیکھنے والا) ہے لیکن وہ دیکھنے کے لیے حاسۂ چشم کا محتاج نہیں ہے۔ وہ سنتا ہے تو اپنی ذات سے اور دیکھتا ہے تو اپنی ذات سے۔ اور یاد رکھو میرے ان الفاظ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اور ہے اور اس کا نفس اور ہے۔ میں نے تو یہ الفاظ صرف ادائے مطالب کے لیے ادا کیے ہیں، کیونکہ مجھ سے سوال کیا گیا ہے۔ بہرنوع وہ سمیع و بصیر عالم و خبیر ہے۔ اس میں ذات اور معنیٰ کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضرت امام علی علیہ السلام سے یہ الفاظ منقول ہیں: وہ اس وقت رب تھا جب کوئی ''مربوب'' نہ تھا۔ وہ اس وقت معبود تھا جب کوئی عابد نہ تھا اور وہ اس وقت عالم تھا جب کوئی معلوم نہ تھا اور وہ اس وقت سمیع تھا جب کوئی مسموع نہ تھا۔ وہ سمیع ہے لیکن کسی آلہ کے ساتھ نہیں اور وہ بصیر ہے لیکن کسی حاسہ کے ساتھ نہیں ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام کی ایک طویل حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ ہمارا رب سمیع ہے، لیکن ہماری طرح سے نہیں ہے کیونکہ ہم جس عضو سے سنتے ہیں اس سے دیکھ نہیں سکتے اور جس سے دیکھتے ہیں اس سے سن نہیں سکتے۔ اگرچہ سمیع و بصیر جیسے الفاظ کا اطلاق ہم پر بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے لیکن ان کا مفہوم جدا جدا ہے۔

ابوہاشم جعفری بیان کرتے ہیں کہ امام محمد تقی علیہ السلام سے کسی نے کہا: ہمارے رب کو ''سمیع'' کیوں کہا گیا؟

امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا: خدا کے سمیع ہونے کا مقصد یہ ہے کہ جو چیز بھی کانوں سے سنی جاسکتی ہے خدا اُن تمام آوازوں کا عالم ہے۔ اس کے سمیع ہونے کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ اس کے سر میں ہماری طرح سے کان لگے ہوئے ہیں۔ اور جب ہم اس کو ''بصیر'' کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حاسۂ چشم سے جو بھی رنگ اور اشیاء دکھائی دیتی ہیں خدا ان سب کو جانتا ہے لیکن وہ حاسۂ چشم کا محتاج نہیں ہے۔

محمد بن مسلم راوی ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ عراق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ دیکھتا کسی اور چیز سے ہے اور سنتا کسی اور چیز سے ہے۔ جس سے سنتا ہے اس سے دیکھتا نہیں اور جس سے دیکھتا ہے اس سے سنتا نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان لوگوں نے جھوٹ کہا' الحاد کیا اور خدا کی تشبیہ کا عقیدہ رکھا جب کہ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں پاک و پاکیزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ "سمیع و بصیر" ہے۔ وہ جس سے دیکھتا ہے اسی سے سنتا ہے اور جس سے سنتا ہے اسی سے دیکھتا ہے۔ میں (راوی) نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ حاسۂ چشم سے ہی بصیر ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بلند و بالا ہے' حواس کا محتاج تو وہ ہوتا ہے جس میں مخلوق کی صفت ہو جب کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے۔

حماد بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: مولاؑ! یہ بتائیں کیا خدا ازل سے عالم تھا؟ آپؑ نے فرمایا: جب "معلوم" ہی نہ ہو تو عالم کیسا؟ میں نے کہا: کیا وہ ازل سے سمیع ہے؟ آپؑ نے کہا: جب "مسموع" ہی نہ ہو تو سمیع کیسا؟ میں نے کہا: تو کیا وہ ازل سے "بصیر" ہے؟ آپؑ نے کہا: جب "مبصر" ہی نہ ہو تو پھر بصیر کیسا؟ پھر آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ازل سے علیم' سمیع اور بصیر تھا' لیکن وہ بالقوہ تھا بالفعل نہ تھا۔

عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے اُس میں آپؑ نے یہ کلمات بھی فرمائے۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ "سمیع" ہے اور اس کی مخلوقات کی آواز اس سے مخفی نہیں ہے۔ وہ عرش سے فرش تک تمام مخلوق کی صدا کو سنتا ہے۔ صدا خواہ ذرّہ کی ہو یا اس سے بڑی کسی چیز کی ہو۔ صدا خشکی میں بلند ہو یا تری میں' اور وہ تمام زبانوں کو جانتا پہچانتا ہے جب ہم اسے "سمیع" کہتے ہیں تو وہ حاسۂ سماعت کا محتاج نہیں ہوتا۔

ہم کہتے ہیں کہ خدا بصیر ہے۔ وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے' لیکن ظاہری آلات کا محتاج نہیں ہے۔ اگر کسی سیاہ چٹان پر سیاہ رات میں کوئی سیاہ ذرّہ پڑا ہوا ہے تو وہ اُس سے پوشیدہ نہیں ہے اور اگر تاریک رات میں کوئی چیونٹی چل رہی ہے تو اس کا چلنا بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔ وہ ان کے نقصانات بھی دیکھتا ہے' ان کے فوائد بھی دیکھ رہا ہے اور ان کا عمل تولید بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے اور ان کے انڈے اور بچے بھی اس کی نظر میں ہیں۔ جب ہم اسے "بصیر" کہتے ہیں تو اُس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دیکھنے کی صفت میں مخلوق سے مشابہ ہے۔

حسین بن خالد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ کہتے تھے: "اللہ تعالیٰ ازل سے علیم' قادر' جبار' قدیم' سمیع اور بصیر ہے"۔

میں نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علم کی وجہ سے عالم ہے۔ قدرت کی وجہ سے قادر ہے اور حیات کی وجہ سے "حی" ہے اور سماعت کی وجہ سے سمیع اور بصارت کی وجہ سے بصیر ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص یہ کہے اور اس کا عقیدہ رکھے تو اس نے خدا کے ساتھ بہت سے معبود بنا دیئے ہیں اور اس کا ہماری ولایت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ازل سے ذاتی طور پر علیم، قادر، حی، قدیم، سمیع اور بصیر ہے۔ اللہ تعالیٰ مشرکین کی گفتگو سے بلند و بالا ہے اور تشبیہ دینے والوں کی تشبیہات سے بہت عظیم ہے۔

نہج البلاغہ میں ہے کہ اللہ اُس وقت بھی بصیر تھا جب کہ اس کی مخلوق میں قابلِ بصارت کوئی چیز بھی نہیں تھی۔

نہج البلاغہ ہی میں یہ کلمات مرقوم ہیں: اس کے علاوہ ہر سننے والا باریک آوازوں کے سننے سے قاصر ہے اور زیادہ آواز اس کے کانوں کے پردے پھاڑ کر اسے بہرہ بنا سکتی ہے اور دُور کی آواز سننے سے کان قاصر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر دیکھنے والا مخفی رنگوں اور لطیف اجسام کے اِدراک سے قاصر ہے۔ خدا سمیع ہے، لیکن حاسہ کے ساتھ نہیں اور بصیر ہے آلہ کے اختلاف سے نہیں۔ وہ بصیر ہے لیکن اس کا وصف حاسہ کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝۲ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝۳ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝۴ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝۵ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝۶ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا

دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝٧ عَسٰى رَبُّكُمْ
اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ
حَصِيْرًا ۝٨ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ
الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝٩ۙ
وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٠ؑ
وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ
عَجُوْلًا ۝١١ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ
وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا
عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝١٢ وَكُلَّ
اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا
يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝١٣ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ
حَسِيْبًا ۝١٤ۭ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ
فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا
مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝١٥ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً
اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا
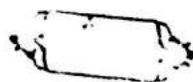
تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع

''اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ذریعۂ ہدایت بنایا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بنانا۔ یہ ان کی اولاد ہیں جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا۔ بے شک وہ شکرگزار بندہ تھا۔

اور ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو اپنے فیصلے سے آگاہ کردیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔ اس کے بعد جب پہلے وعدہ کا وقت آ گیا تو ہم نے تم پر اپنے ان بندوں کو مسلّط کیا تھا جو نہایت زورآور تھے۔ وہ تمہارے ملک میں گھس کر ہر طرف پھیل گئے۔ یہ ہمارا پورا ہونے والا وعدہ تھا۔ اس کے بعد ہم نے تمہیں ان پر غلبہ کا موقع دے دیا اور اور آل و اولاد سے تمہاری مدد کی اور تمہیں بڑی جمعیت والا بنا دیا۔

اب اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے لیے کرو گے اور اگر بُرائی کرو گے تو بھی اپنے لیے ہی کرو گے۔ پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آیا تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کر دیا' تا کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (بیت المقدس) میں اس طرح گھس جائیں جس طرح پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر بھی قابو پائیں اسے تاراج و ویران کر کے رکھ دیں۔ ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے' لیکن اگر تم نے سابقہ روش کا اعادہ کیا تو ہم بھی سابقہ سزا کا اعادہ کریں گے اور ہم نے کافروں کے لیے دوزخ کو قید خانہ بنایا ہے۔ بے شک یہ قرآن اس راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ان ایمان والوں کو خوش خبری دیتا ہے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ یقیناً وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے لیے ہم نے دردناک عذاب آمادہ کر رکھا ہے۔ اور انسان اپنے لیے شر کی دعا بھی اسی طرح سے مانگتا ہے جس طرح بھلائی مانگنی چاہیے۔ انسان جلد باز واقع ہوا ہے۔ اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے۔ پھر ہم رات کی نشانی کو مٹا دیتے ہیں اور دن کی نشانی کو روشن کر دیتے ہیں' تا کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو اور ماہ و سال کا حساب معلوم کر سکو اور ہم نے ہر چیز کی تفصیل بیان کر دی ہے۔

ہر انسان کا شگون ہم نے اس کے گلے میں آویزاں کر دیا ہے اور قیامت کے دن ہم ایک دستاویز اُس کے لیے نکالیں گے جسے وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا۔ آج اپنی کتاب اعمال کو خود ہی پڑھ لے' آج حساب لگانے کے لیے تو خود ہی کافی ہے۔

جو کوئی ہدایت پر چلتا ہے تو وہ اپنے فائدہ کے لیے چلتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے وہ بھی اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور جب تک ہم اتمامِ حجت کے لیے رسول نہ بھیج دیں اُس وقت تک ہم عذاب نہیں دیا کرتے۔ اور ہم نے جب بھی کسی بستی کو تباہ کرنا چاہا تو ہم اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں وہ اس

میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں۔ تب عذاب کا فیصلہ اس بستی کا مقدر بن جاتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔

ہم نے نوحؑ کے بعد کتنی نسلوں کو تباہ کیا ہے۔ تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہے اور وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ جو کوئی جلدی حاصل ہونے والے فائدوں کا خواہش مند ہو ہم بھی اسے جلدی سے یہاں وہ فوائد دے دیتے ہیں پھر اُس کے لیے دوزخ مقرر کر دیتے ہیں جسے وہ قابلِ مذمت اور رحمت سے محروم ہو کر تاپے گا۔

اور جو کوئی آخرت کو طلب کرے اور صاحبِ ایمان ہو کر اس کے لیے پوری کوشش کرے تو اس کی کوشش یقیناً ثمر آور ہوگی۔

ہم اِن کو بھی اور اُن کو بھی' دونوں فریقوں کو سامانِ زیست دیئے جا رہے ہیں۔ یہ تیرے رب کی عطا ہے اور تیرے رب کی عطا کسی پر بند نہیں ہے۔ دیکھو ہم نے کس طرح سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ پھر آخرت کے درجات اور زیادہ ہوں گے اور وہاں کی فضیلت اور بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر ہوگی۔ اپنے پروردگار کے ساتھ کوئی دوسرا معبود قرار نہ دینا ورنہ ملامت زدہ اور بے یارومددگار بن کر بیٹھے رہو گے"۔

نوحؑ عبدِ شاکر تھے

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ③

"یہ ان کی اولاد ہیں جن کو ہم نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ بے شک وہ شکرگزار بندہ تھا"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ابوالجاورد سے منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ روئے زمین پر رہنے والے تمام لوگ حضرت نوحؑ ہی کی اولاد نہیں ہیں' بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جو اہلِ ایمان کشتی پر سوار ہوئے تھے ان کی اولادیں بھی زمین پر موجود ہیں۔ پھر آپؑ نے ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ...... کی آیت پڑھی کہ نوحؑ کے ساتھ جنہیں ہم نے سوار کرایا تھا ان کی اولاد ہیں۔ البتہ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴿۷۷﴾ (الصافات:۷۷) (اور ہم نے اُس کی ذریت کو

ہی باقی رہنے والے قرار دیا) کے تحت اللہ تعالیٰ نے حق، نبوت، کتاب و ایمان کو نسلِ نوحؑ میں باقی رکھا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو "عبدِ شکور" اسی لیے قرار دیا کہ آپؑ صبح و شام یہ کلمات دس بار دہرایا کرتے تھے:

اللهم انی اشهدك انه ما اصبح وامسٰی من نعمة وعافية فی دین او دنیا فمنك وحدك لا شريك لك ، لك الحمد ولك الشكر بها علّی حتی ترضی

اصولِ کافی اور من لا یحضرہ الفقیہ اور علل الشرائع میں بھی یہ روایت چند الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مروی ہے۔

اصولِ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ایک شب حضرت بی بی عائشہ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ رات کے وقت اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے متعلق فرمایا ہے: لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح:۲) "اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی کمزوریاں دُور کردی ہیں) پھر آپؐ اپنے آپ کو اتنی تھکان میں کیوں ڈالتے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: عائشہ! کیا میں اللہ تعالیٰ کا "عبدِ شکور" نہ بنوں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: پیغمبرِ اسلام اپنے قدموں کی چار انگلیوں کے بل کھڑے ہوکر عبادت کرتے تھے۔ آخرکار اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا پڑا: طٰهٰ ۚ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۙ (طٰہٰ:۱) "اے طیب و طاہر! ہم نے آپؐ پر اس لیے قرآن نہیں بھیجا کہ آپؐ مشقت اُٹھائیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص صبح و شام حضرت نوحؑ کے کلمات کو دس بار دہرائے تو اس نے اس دن اور اس رات کی نعماتِ الٰہیہ کا شکر ادا کردیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ۙ (النجم:۳۷) کی آیتِ مجیدہ کے ضمن میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ دستور تھا کہ آپؑ روزانہ صبح و شام کے وقت یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

اصبحت وربی محمود لا اشرك به شيئا ولا ادعوا مع الله الا اخر ولا اتخذ من دونه وليا ، اسيت اشهد ان ما امست بی من نعمة فی دين او دنيا فانها من الله وحده لاشريك له له الحمد بها والشكر كثيرا ـ

چنانچہ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ ادا بہت پسند آئی اور ان کے متعلق فرمایا: شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ "ابراہیم

میری نعمات کے شکر گزار تھے"۔ (النحل:۱۲۱)

بنی اسرائیل کی دومرتبہ ترقی اور دومرتبہ بربادی

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④

"اور ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو اپنے اس فیصلہ سے آگاہ کر دیا تھا کہ تم دومرتبہ زمین میں فساد کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے"۔

بنی اسرائیل کی تاریخ بھی عجائبات سے بھری ہوئی ہے اور اس قوم پر کئی دفعہ عروج و زوال آیا۔ آیاتِ بالا میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کی دومرتبہ کی ترقی وعروج اور پھر ان کے المناک انجام سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا (اگر تم نے دوبارہ سرکشی کی پرانی روش اختیار کی تو ہم بھی تم پر عذاب کی روش کو دہرائیں گے)۔

ممکن ہے ان الفاظ سے موجودہ اسرائیل کی قوت وشوکت اور اس کی تخریب کاریوں کے متعلق اشارہ ہو اور قرآن کے الہامی الفاظ میں انہیں یہ بتایا گیا ہو کہ وہ اپنی عارضی کامیابی پر ہرگز نہ اِترائیں۔ ہمارے بندے ان کی تمام تر ترقی کو تباہ و برباد کریں گے۔

تاریخِ عالم میں جہاں بنی اسرائیل کی بربادیوں کی خونچکاں داستانیں موجود ہیں وہاں تاریخ ان کی عہد شکنی اور سرکشی و بغاوت کے واقعات سے بھی لبریز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں بنی اسرائیل کو ان کی دومرتبہ کی ترقی اور تباہی کی یاد دلائی ہے۔ بنی اسرائیل کی مکمل بربادی بخت نصر (بنوکد نصر) کے ہاتھوں ہوئی تھی اور وہ بابل کا مشہور حکمران تھا اور یہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے چھ صدیاں قبل پیش آیا تھا۔

بخت نصر اپنے عہد کا طاقت ور حکمران تھا اور بنی اسرائیل اس کی زیرِ حفاظت زندگی بسر کرتے تھے' لیکن اُنھوں نے اس کی نافرمانی کی اور اس کے خلاف سرکشی کی جس کی وجہ سے اسے سخت غصہ آیا اور اس نے ان پر لشکر کشی کی اور ان کے شہر یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ دنوں بعد اس کا لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔ اس نے پورے شہر کو تباہ و برباد کر دیا اور ہیکل کو گرا دیا اور تورات کے تمام نسخے نذرِ آتش کر دیئے۔ اُس نے یہودیوں کا قتلِ عام کیا اور بقیۃ السیف یہودیوں کو قید کر کے اپنے ساتھ بابل لے گیا' جہاں وہ طویل عرصہ تک غلامانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ پھر بخت نصر مر گیا اور حکومت اس کے وارثوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ بخت نصر کی موت کے ایک طویل عرصہ بعد ایرانی شہنشاہ کورشِ اعظم نے بابل پر حملہ کیا اور بخت نصر کے

وارثوں کو شکست دی۔ اس جنگ میں یہودیوں نے کورش اعظم کی خفیہ مدد کی تھی اور بعض روایات کے مطابق اس کی بیوی یہودی تھی۔ چنانچہ اس نے انہیں غلامی سے نجات دی اور انہیں یروشلم واپس جانے اور ہیکل کو ازسرنو تعمیر کرنے کی اجازت دی اور ”عزرا کاہن“ کو تورات ازسرنو لکھنے کی اجازت دی۔ یہ واقعہ میلادِ مسیح سے قریباً چار سو پچاس برس قبل پیش آیا۔

یہودی بابل سے واپس یروشلم آئے اور پھر ایک عرصہ بعد اُنھوں نے خوب ترقی کی اور اپنی فطرت کے مطابق زمین میں تخریب کاری کی، آخرکار رومن امپائرز ”اسپیانوس“ نے اپنے وزیر طرطوز کو ایک گراں لشکر کے ساتھ یروشلم بھیجا، جس نے یروشلم کو تباہ و برباد کر دیا اور ہیکل سلیمانی کو منہدم کر دیا اور انہیں تتر بتر کر دیا اور زمانہ ظہورِ اسلام تک ان کی کوئی باقاعدہ سلطنت نہیں تھی۔ ظہورِ اسلام کے بعد یہودیوں نے اپنی عادت کے مطابق اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں جس کی وجہ سے انہیں مدینہ سے نکال دیا گیا اور خیبر یہودیوں کا مضبوط قلعہ تھا اسے بھی تباہ کر کے جزیرۃ العرب میں یہودیوں کی قوت کو پاش پاش کر دیا گیا۔

پھر آج سے نصف صدی قبل امریکہ اور برطانیہ کے گٹھ جوڑ سے یہودیوں کو جمع کر کے اسرائیل نامی مملکت قائم کی گئی اور یہودیوں کی یہ سلطنت عالمِ اسلام کے جگر میں ایک خنجر کی حیثیت رکھتی ہے۔ خدا نے چاہا تو یہ بھی پہلی یہودی حکومتوں کی طرح سے تباہی سے ہمکنار ہوگی۔ (اضافة من المترجم نقلاً عن تفسیر المیزان)

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری اُمت بھی بنی اسرائیل کے نقشِ قدم پر چلے گی۔ اگر وہ کسی سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوئے تو میری اُمت بھی ان کی پیروی میں سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوگی۔

مسلمانوں اور بنی اسرائیل کی تاریخ میں بھی کافی مماثلت پائی جاتی ہے اسی لیے ہادیانِ دین نے درج بالا آیات کے ضمن میں قاعدہ ”جری و تطبیق“ کے تحت اسے بنی اُمیہ اور دشمنانِ آلِ محمدؐ کی حکومتوں کے سقوط کی پیشین گوئی کے طور پر بیان کیا اور فرمایا کہ بنی اُمیہ کی پہلی سرکشی حضرت علی اور امام حسن علیہما السلام کے قتل کی صورت میں نمودار ہوئی اور ان کی دوسری سرکشی امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی شہادت کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

اللہ تعالیٰ قیامِ قائمؑ سے قبل ایک قوم کو ان پر مسلط کرے گا جو آلِ محمدؐ کے خونِ ناحق کا ان سے بدلہ لے گی اور ان پر دوسرا عذاب قائمِ آلِ محمدؐ کے ظہور کی شکل میں نازل ہوگا۔

چنانچہ روضہ کافی، تفسیر عیاشی، تفسیر علی بن ابراہیم اور عیونُ الاخبار میں اس مفہوم کی متعدد روایات منقول ہیں۔ لیکن ان تمام روایات کی حیثیت ”جری و تطبیق“ کی ہے اسے اصل تفسیر نہیں کہا جا سکتا۔ (من المترجم عفی عنہ)

قرآن سیدھا راستہ دکھاتا ہے

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ ......

''بے شک یہ قرآن اس راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے''۔

اصولِ کافی میں علا بن سیابہ سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ ......کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: قرآن امام کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

الکافی کی ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیتِ مجیدہ میں موجود لفظ یھدی ''یدعو'' کے معانی میں ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن سیدھے راستے کی دعوت دیتا ہے۔

نہج البلاغہ میں امیرالمومنین علی علیہ السلام سے یہ کلمات مروی ہیں: ''لوگو! جو خدا سے خیر خواہی طلب کرے اُسے خدا کی طرف سے توفیق نصیب ہوگی اور جو اللہ تعالیٰ کے فرمان کو اپنے لیے رہنما بنائے اسے سیدھے راستے کی ہدایت نصیب ہوگی''۔

کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اہلِ بیتؑ سے تعلق رکھنے والا امام معصوم ہی ہوگا اور عصمت ایسی چیز نہیں ہے جس کا حواس سے ادراک کیا جائے اور ہماری نسل کا امام ہمیشہ منصوص ہوگا۔

حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ فرزندِ رسولؐ! معصوم کا کیا مفہوم ہے؟

آپؑ نے فرمایا: معصوم خدا کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑنے والے کو کہا جاتا ہے اور قرآن اللہ تعالیٰ کی رسی ہے اور قرآن امام کی طرف رہنمائی کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ ...... (بے شک یہ قرآن اس راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے)

تفسیر عیاشی میں ابواسحاق سے منقول ہے کہ قرآن راہِ ولایت کی رہنمائی کرتا ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ وَّاَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۰﴾ (بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے) کی آیتِ مجیدہ کا اشارہ بنی اُمیہ کی طرف ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اس آیت کے ضمن میں جہاں لاکھوں کروڑوں انسان شامل ہیں، ان میں بنی اُمیہ کے ظالم و خونخوار

حکام وسلاطین بھی شامل ہیں۔

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ⑪

(اور انسان اپنے لیے شر کی دعا بھی ایسے ہی کرتا ہے جس طرح سے بھلائی مانگنی چاہیے۔ انسان جلد باز واقع ہوا ہے)

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے لیے اچھائی کی دعا کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کے لیے برائی کی دعا کرتا ہے یعنی انہیں بددعا دیتا ہے اور وہ اس لیے ایسا کرتا ہے کہ انسان فطرتاً جلد باز واقع ہوا ہے۔

مصباح الشریعہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: تمہیں چاہیے کہ اپنی نجات اور ہلاکت کے راستے کو پہلے اچھی طرح سے پہچانو' تا کہ خدا سے ایسی چیز کا سوال نہ کرو جس میں تمہاری نجات کے بجائے ہلاکت مضمر ہو اور تم یہ تصور کرو کہ اس میں تمہاری نجات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ⑪

تفسیر عیاشی میں حضرت سلمان فارسیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو سب سے پہلے ان کی آنکھوں میں روح داخل ہوئی پھر آہستہ آہستہ ان کے باقی وجود میں روح سرایت کرتی گئی۔ ابھی ان کے پاؤں میں روح داخل نہیں ہوئی تھی کہ انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن روح نہ ہونے کی وجہ سے گر پڑے اور کھڑے نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی اسی نفسیاتی حس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہی روایت منقول ہے۔

روز و شب خدا کی نشانیاں ہیں

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ ۖ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ⑫

"اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے پھر ہم رات کی نشانی کو مٹا دیتے ہیں اور دن کی نشانی کو روشن کر دیتے ہیں تا کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو اور ماہ و سال کا حساب معلوم کر سکو اور ہم

نے ہر چیز کی تفصیل بیان کر دی ہے"۔

تفسیر عیاشی میں ابی بصیر سے منقول ہے کہ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ سے وہ سیاہی مراد ہے جو جوفِ قمر میں دکھائی دیتی ہے۔

نصر بن قابوس راوی ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: چاند پر تمہیں جو سیاہی نظر آتی ہے وہ "محمد رسول اللہ" کی عبارت ہے۔

ابوالطفیل بیان کرتے ہیں کہ مَیں مسجدِ کوفہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام کا خطبہ سن رہا تھا کہ "ابن الکواء" نے آخری صف سے آواز دے کر کہا: امیر المومنینؑ! یہ بتائیں چاند میں یہ سیاہی کیسی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: یہ سیاہی فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ کی آیت کا اظہار ہے۔

ابوالطفیل سے دوسری روایت اس طرح مروی ہے کہ مسجدِ کوفہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا:

مجھ سے کتاب اللہ تعالیٰ کے متعلق پوچھو۔ میں قرآن کی ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ رات میں نازل ہوئی یا دن میں۔ میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ میں۔ اس وقت ابن الکواء نے کہا کہ امیر المومنینؑ! یہ بتائیں کہ چاند میں سیاہی کیسی ہے؟

امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: ایک دل کا اندھا سیاہی کے متعلق ہی سوال کر سکتا ہے۔ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً یہ آیت لیل کا محو ہونا ہے۔

کتاب الخصال میں عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مرض الموت میں فرمایا کہ میرے بھائی کو بلاؤ۔ حضرت علیؑ کو بلایا گیا جب آپؑ آئے تو رسولِ خدا کے ساتھ بیٹھ گئے اور نبی اکرمؐ اور حضرت علیؑ نے اپنے رخ دیوار کی طرف کر لیے اور اُوپر چادر ڈال دی۔ اردگرد لوگ جمع تھے۔ کچھ دیر تک رسولِ خدا ان سے سرگوشیاں کرتے رہے۔ پھر حضرت علی علیہ السلام باہر آئے تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے نبیؐ نے آپؑ سے کوئی راز کی باتیں کہی ہیں؟

حضرت علی علیہ السلام نے کہا: جی ہاں، انہوں نے میرے علم کا ایک ہزار باب کھولا ہے اور ہر باب میں ایک ہزار باب تھا۔

سائل نے کہا: تو کیا آپؑ نے وہ سب باتیں یاد کر لی ہیں؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں نہ صرف یاد کی ہیں بلکہ سمجھی بھی ہیں۔

اس نے کہا: یہ بتائیں کہ چاند میں سیاہی کیسی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً۔

اس شخص نے کہا: یا علیؑ! بے شک آپؑ نے وہ علوم یاد بھی کیے ہیں اور سمجھے بھی ہیں۔

کتاب علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ عبداللہ بن یزید بن سلام نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ سورج اور چاند ضیا پاشی اور روشنی میں برابر کیوں نہیں ہیں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور اس کی کوئی نافرمانی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو حکم دیا کہ وہ ضوئے قمر کو مٹا دے۔ جبریلؑ نے ضوئے قمر کو مٹایا۔ اس کے مٹنے کی علامت چاند کے سیاہ دھبوں کی شکل میں دکھائی دیتی ہے۔ اگر چاند کے نور کو کم نہ کیا جاتا تو پھر رات دن کا پتہ ہی نہ چلتا اور روزے دار کو علم نہ ہوتا کہ اس نے کتنے روزے رکھے ہیں اور لوگوں کو ماہ و سال کا اندازہ نہ ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ⑫

یہ سن کر اس نے کہا: محمدؐ! آپؐ نے سچ فرمایا۔

احتجاج طبرسی کی ایک طویل روایت میں یہ الفاظ بھی مرقوم ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب چاند بنایا تو اس پر "لا اِلٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ علی امیرالمؤمنین کے جملے لکھے اور چاند میں تمہیں جو سیاہی دکھائی دیتی ہے وہ یہی عبارت ہے۔

اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ "ابن الکواء" نے امیرالمومنین علی علیہ السلام سے پوچھا کہ چاند میں "محو" کیسے ہوتا ہے؟

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے دوبارہ اللہ اکبر کہہ کر فرمایا کہ ایک اندھا اندھیارے کے متعلق پوچھ رہا ہے کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا: وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً......

نہج البلاغہ میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اس نے فلک کے سورج کو دن کی روشن نشانی اور چاند کو رات کی دھندلی نشانی قرار دیا ہے اور انہیں ان کی منزلوں پر چلایا ہے اور ان کی گزرگاہوں میں ان کی رفتار مقرر کر دی ہے

تا کہ ان کے ذریعہ سے شب و روز کی تمیز ہو سکے اور انہی کے اعتبار سے برسوں کی گنتی اور (دوسرے) حساب جانے جاسکیں۔

ہر شخص کا شگون اس کے گلے میں آویزاں کر دیا گیا ہے

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝۱۳

''ہم نے ہر انسان کا شگون اُس کے گلے میں آویزاں کر دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کے لیے ایک دستاویز نکالیں گے جسے وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ابی الجارود کی زبانی منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: انسان کا خیر و شر اُس کے ساتھ رہتا ہے، وہاں جہاں بھی چلا جائے اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ پھر قیامت کے دن اسے اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا جس میں اس کے تمام اعمال لکھے ہوئے ہوں گے۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں سدیر صیرفی سے منقول ہے، اس نے کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی ایک طویل گفتگو کے دوران یہ کلمات بھی ارشاد فرمائے:

''میں نے آج صبح کتاب الجفر میں نگاہ ڈالی۔ وہ کتاب علم المنایا والبلایا پر مشتمل ہے اور اُس میں گذشتہ اور مستقبل کا علم ہے۔ اس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی خصوصیات مذکور ہیں۔ میں نے اپنے غائب ہونے والے فرزند کی ولادت اور اس کی طویل عمر پر توجہ کی۔ ان کے زمانہ میں مومن کم ہو جائیں گے۔ لوگوں کے دلوں میں ان کی طویل غیبت کی وجہ سے شکوک پیدا ہوں گے اور اکثریت اپنے دین سے منحرف ہو جائے گی اور اسلام کا جوا اپنی گردن سے اُتار پھینکے گی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ (ہم نے ہر شخص کا شگون اس کی گردن میں آویزاں کر دیا ہے) یعنی ولایت کو ہم نے آویزاں کر دیا ہے۔ یہ سب کچھ پڑھ کر مجھ پر رقت طاری ہوئی اور مجھ پر غم ٹوٹ پڑے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ سے مقصود یہ ہے کہ ہر انسان کی تقدیر اس کے گلے میں آویزاں کر دی گئی ہے۔

نامۂ اعمال میں تمام عمل موجود ہوں گے

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝۱۴

''آج اپنی کتاب اعمال کو خود ہی پڑھ لے' آج حساب لگانے کے لیے تو خود ہی کافی ہے''۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: قیامت کے دن انسان کو اپنے کیے ہوئے تمام اعمال یاد آ جائیں گے اور اسے یوں لگے گا جیسا کہ اس نے یہ اعمال ابھی سرانجام دیئے ہوں اور جب لوگ اپنے نامۂ اعمال میں اپنے تمام نیک و بد اعمال کو دیکھیں گے تو کہیں گے: یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا (الکہف: ۴۹) ''ہائے ہماری بدنصیبی یہ کیسی کتاب ہے جس میں تمام چھوٹے اور بڑے عمل لکھے ہوئے ہیں''۔

ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۖ......

''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔

مجمع البیان میں اس آیتِ مجیدہ کے ضمن میں مرقوم ہے کہ اس آیت سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کفار کے نابالغ بچے اپنے آباء کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔

بربادی کا آغاز کیسے ہوتا ہے؟

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾

''ہم نے جب بھی کسی بستی کو تباہ کرنا چاہا ہے تو ہم وہاں کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں' وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگ جاتے ہیں۔ تب عذاب کا فیصلہ اس بستی کا مقدر بن جاتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں''۔

دنیا کا دستور ہے کہ ہمیشہ چھوٹے لوگ بڑے لوگوں کی پیروی کرتے ہیں اور لوگ اپنے حکام و سلاطین اور مرفہ الحال طبقات کے اعمال کی نقل کرتے ہیں اور جب کسی شہر و قریہ کے حکام و سلاطین بدکردار بن جائیں تو ان کی بداعمالیوں سے ان کی رعایا بھی متاثر ہوتی ہے اور ان کی دیکھا دیکھی ان میں بداعمالیاں سرایت کر جاتی ہیں اور جب تمام معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو وہ معاشرہ زندہ رہنے کے قابل نہیں رہتا' کیونکہ فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے لیکن قوموں سے اغماض نہیں

کرتی۔ (من المترجم عفی عنہ)

یہی مفہوم تفسیر عیاشی کی دو روایات اور مجمع البیان اور عیون الاخبار میں الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مرقوم ہے۔

لفظ ''قرن'' کا اطلاق کتنے عرصہ پر ہوتا ہے؟

مجمع البیان میں ہے کہ ''قرن'' کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس کا اطلاق ایک صدی پر ہوتا ہے اور ابن سیرین کی بیان کردہ حدیث مرفوع کے تحت اس کا اطلاق چالیس سالوں پر ہوتا ہے۔

طالبِ دنیا کو دنیا اور طالبِ آخرت کو آخرت ملتی ہے

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾

''اور جو جلدی ہونے والی کا خواہش مند ہو تو ہم بھی اس کے لیے جلدی کر دیتے ہیں۔ پھر اس کے لیے دوزخ مقرر کر دیتے ہیں جسے وہ قابلِ مذمت اور رحمت سے محروم ہو کر تاپتا رہے گا اور جو کوئی آخرت کو طلب کرے اور صاحبِ ایمان ہو کر اس کے لیے پوری کوشش کرے تو اس کی روشنی یقیناً ثمر آور ہوگی۔ ہم ان کو بھی اور ان کو بھی، دونوں فریقوں کو سامانِ زیست دیئے جا رہے ہیں اور تیرے رب کی عطا کسی پر بند نہیں ہے''۔

مجمع البیان میں ابن عباس راوی ہیں کہ اس آیتِ مجیدہ کے ضمن میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو کوئی اللہ تعالیٰ کا فرض صرف دنیا کے حصول کے لیے بجا لائے اور وہ اس کے ذریعہ سے خدا کی رضا اور روز آخرت کی کامیابی کا خواہش مند نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے عمل کا بدلہ اسی دنیا میں ہی دے دیتا ہے۔ اُس کے لیے آخرت میں کوئی ثواب نہیں ہوتا۔ اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے فریضۂ الٰہی کو دنیائے دنی کے طلب کا ذریعہ بنایا ہوتا ہے۔ اسی لیے اسے اس کا اجر دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے اور آخرت میں اس کے لیے عذاب ہی عذاب ہے۔

شیخ مفید روضۃ الواعظین میں لکھتے ہیں کہ حضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: آخرت کے طلبگار کو

دیاتِ دنیا کی زینت چھوڑ دینی چاہیے۔

من لا یحضرہ الفقیہ کی ایک طویل حدیث میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ احرام باندھتے وقت یہ کلمات کہو: خدایا! میں تیری رضا اور دارِ آخرت کے حصول کے لیے اپنے بالوں، اپنی جلد، اپنے گوشت، اپنی ہڈیوں اور اپنی جان اور اپنے اعصاب کو عورتوں اور خوشبو سے حرام کر رہا ہوں۔

الکافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآل وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

قیامت کے دن ایک شخص کو خدا کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ خدا اس سے فرمائے گا کہ تم اپنی حجت پیش کرو۔ وہ عرض کرے گا: پروردگار! تو نے مجھے پیدا کیا اور تو نے مجھے ہدایت دی، تو نے مجھے وسیع رزق دیا تھا اور میں تیرا وسیع رزق پا کر تیرے بندوں پر وسعت کرتا رہا اور میں نے اپنی زندگی میں لوگوں کے لیے اس لیے آسانیاں پیدا کیں تا کہ اس روز کی رحمت اور آسانی کا حق دار بن سکوں۔

اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے نے سچ کہا ہے اسے جنت میں داخل کرو۔

عبادت کرنے والوں کی اقسام

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: عبادت کرنے والوں کی تین اقسام ہیں:

① کچھ لوگ دوزخ کے خوف سے عبادت کرتے ہیں یہ غلاموں کی عبادت ہے۔

② کچھ لوگ ثواب و جنت کے لالچ میں عبادت کرتے ہیں، یہ مزدوروں کی عبادت ہے۔

③ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کی وجہ سے اس کی عبادت کرتے ہیں اور یہ آزاد بندوں کی عبادت ہے اور یہ افضل ترین عبادت ہے۔

امالی صدوق میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''جو شخص خدا کے ثواب کے حصول کی غرض سے خوشی سے روزہ رکھے تو اس کے لیے مغفرت واجب ہو جاتی ہے''۔

سورۂ دہر کی آیت مجیدہ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ① (ہم تمہیں رضائے خداوندی

کے لیے کھانا کھلاتے ہیں، ہم تم سے جزاء کے طلبگار ہیں اور نہ ہی تمہارے شکریہ ادا کرنے کے خواہش مند ہیں) کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیتِ مجیدہ اس وقت نازل ہوئی جب آلِ محمدؐ نے تین دن تک مسلسل مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلایا تھا۔ اس آیت سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی سخاوت کی تعریف کی ہے اور اس آیت میں آلِ محمدؐ کے اخلاصِ عمل کو سراہا ہے۔ اُنھوں نے یہ جملے اپنی زبان سے ادا نہیں کیے تھے۔ بس دل میں ہی یہ تصور کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دل میں چھپی ہوئی بات کو قرآنِ کریم کی آیت بنا کر نازل کر دیا۔

اس واقعہ کی مکمل تفصیل سورۂ دہر کے ضمن میں پیش کی جائے گی۔

جنت میں بہت سے درجات ہوں گے

وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾

''پھر آخرت کے درجات اور زیادہ ہوں گے اور وہاں کی فضیلت اور بھی بڑھ چڑھ کر ہوگی''۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جنت کے اعلیٰ اور ادنیٰ درجات کے درمیان زمین و آسمان جتنا فاصل ہوگا۔

تفسیر عیاشی میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: یہ نہ کہو کہ جنت ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ (الرحمٰن: ۶۲) (اور باغات کے علاوہ دو باغ اور ہوں گے) اور یہ مت کہو کہ جنت میں بس سب کے لیے ایک ہی درجہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (الزخرف: ۳۲) (ہم نے بعض کو بعض پر درجات کی بلندی عطا کی ہے)

اعمال کی وجہ سے لوگوں کے درجات مختلف ہوں گے۔

میں (راوی) نے کہا: اگر دو مومن جنت میں چلے جائیں اور ان کے درجات مختلف ہوں۔ ایک جنت کے اعلیٰ درجہ میں ہو اور دوسرا جنت کے ادنیٰ درجہ میں ہو، اگر وہ آپس میں ملاقات کرنا چاہیں تو کیا کریں گے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اعلیٰ درجہ والا مومن ادنیٰ درجہ والے مومن کے پاس اتر کر آئے گا اور اس سے ملاقات کرے گا۔ ادنیٰ درجہ والا مومن اعلیٰ درجہ تک نہیں جا سکے گا۔

انس راوی ہیں کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کُل بندوں کے درجات بلند ہوں گے اور انہیں

ان کی عقل کے معیار کے مطابق خدا کی قربت حاصل ہو سکے گی۔
کتاب جعفر بن محمد درویستی میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کچھ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور جب تک خدا چاہے گا وہ دوزخ میں رہیں گے۔ پھر اللہ ان پر رحم فرمائے گا۔ انہیں دوزخ سے نکال لے گا اور انہیں نہر حیات میں غسل دیا جائے گا۔ پھر انہیں جنت کے پست ترین درجہ میں اقامت وسکونت عطا کرے گا۔ باقی اہلِ جنت انہیں "جہنمی" کے نام سے پکاریں گے اور انہیں ادنیٰ ترین جنت میں اتنی سہولتیں میسر ہوں گی کہ اگر ان میں سے کوئی بھی فرد تمام اہلِ دنیا کو مہمانی دینا چاہے تو وہ سب کو کھانا کھلا سکے گا اور سب کو پانی فراہم کر سکے گا۔ سب کو بستر اور لحاف دے سکے گا۔ اس کے باوجود اس کی ملکیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

درجات کا تعلق عقل سے ہے

اصولِ کافی میں محمد بن سلیمان سے منقول ہے' اس نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے ایک شخص کی عبادت اور اس کی دین داری کی تعریف کی۔
امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کی عقل کیسی ہے؟ میں نے کہا: مجھے کچھ علم نہیں ہے۔
پھر آپؑ نے فرمایا: ثواب عقل کے معیار کے مطابق ملتا ہے۔ بنی اسرائیل کا ایک فرد سمندر کے قریب ایک سرسبز جزیرہ میں رہتا تھا جہاں پانی کے چشمے تھے اور ہر طرف ہری بھری گھاس تھی۔ وہ شخص اس جزیرہ میں رہ کر روز و شب خدا کی عبادت کیا کرتا تھا۔
ایک فرشتے کا وہاں سے گزر ہوا اور اس نے اس عابد کی بے تحاشا عبادت دیکھی۔ فرشتے نے خدا سے عرض کی: خدایا! مجھے اپنے اس بندے کا ثواب دکھا۔ خدا نے اسے اس کا ثواب دکھایا تو فرشتے کو اس کا ثواب انتہائی کم محسوس ہوا۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم خود اس کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ فرشتہ انسانی شکل میں اس کے پاس آیا۔ عابد نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں خدا کا ایک بندہ ہوں۔ میں نے تمہاری عبادت کی شہرت سنی تو میں یہاں چلا آیا۔ میں چاہتا ہوں کہ تیرے ساتھ رہ کر خدا کی عبادت کروں ۔ چنانچہ فرشتہ ایک روز و شب تک اس کے ساتھ عبادت کرتا رہا۔ صبح ہوئی تو فرشتے نے کہا: یار! یہ جگہ واقعی صاف ستھری ہے۔ یہ جگہ صرف عبادت کے لیے ہی موزوں ہے۔
عابد نے کہا: ہماری اس جگہ میں ایک عیب ہے۔ فرشتے نے کہا: اس میں کیا عیب ہے؟

عابد نے کہا: یہاں ہمارے خدا کا کوئی جانور نہیں ہے۔ اگر ہمارے خدا کا گدھا ہوتا تو ہم اسے یہاں کی گھاس چراتے اور یوں گھاس کم از کم ضائع تو نہ ہوتی۔ فرشتے نے کہا تو کیا تمہارے خدا کے ہاں گدھا نہیں ہے؟

عابد نے کہا: اگر اس کے ہاں گدھا ہوتا تو یہ گھاس یہاں ضائع نہ ہوتی۔ اُس وقت خدا نے فرشتے کی طرف وحی کی اور فرمایا: اب تو تم نے اس کی حالت کو دیکھ لیا ہے۔ میں نے اس کی عقل کے معیار کے مطابق ہی ثواب دیا ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ؕ ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ ع وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ

إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ ۖ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ﴿٣٣﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ﴿٣٤﴾ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٣٥﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿٣٦﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿٣٨﴾ ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَدْحُورًا ﴿٣٩﴾ أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا ۚ إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾ ع

''اور آپ کے رب نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں ''اُف'' تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو' بلکہ ان کے ساتھ احترام کے ساتھ بات کرو۔ ان کے سامنے عاجزی کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکا دو اور کہو کہ پروردگار، ان پر رحم فرما' جس طرح انہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔

تمہارا رب تمہارے دلوں کے حالات سے بخوبی آگاہ ہے۔ اگر تم صالح ہو تو وہ رجوع کرنے والوں کے لیے بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔ اور رشتہ دار کو ان کا حق دو اور مسکین اور ضرورت مند مسافر کو اس کا حق دو اور فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والے یقیناً شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

اور اگر تمہیں (رشتہ داروں' مساکین اور ضرورت مند مسافروں سے) کترانا ہو اس بنا پر کہ ابھی تم اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کو جس کے تم امیدوار ہو تلاش کر رہے ہو تو انہیں نرم لہجے میں جواب دے دو۔ اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے باندھ کر رکھو (کنجوسی نہ کرو) اور نہ اسے بالکل ہی چھوڑ دو (فضول خرچی نہ کرو) کہ تم ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔

یقیناً تیرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں کے حالات سے باخبر ہے اور دیکھ رہا ہے۔ اور اپنی اولاد کو فاقہ کے خوف سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی رزق دیتے ہیں۔ یقیناً ان کا قتل بڑا گناہ ہے۔

زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ بہت ہی بُرا فعل ہے اور انتہائی بُرا راستہ ہے۔ اور جس نفس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اُسے ناحق قتل نہ کرو اور جو مظلومانہ قتل کر دیا گیا ہو' اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق دیا ہے' اسے چاہیے کہ وہ قصاص میں قتل کرتے ہوئے حد

سے تجاوز نہ کرے۔ یقیناً اس کی مدد کی جائے گی۔

احسن طریقے کے علاوہ یتیم کے مال کے قریب نہ پھٹکو یہاں تک کہ یتیم اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کی پابندی کرو۔ بے شک عہد کے متعلق تم سے جواب طلب کیا جائے گا۔ اور جب ناپو تو پورا ناپو اور جب تولو تو صحیح ترازو سے تولو۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور بلحاظ انجام بھی یہی بہتر ہے۔ اور جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو۔ یقیناً قیامت کے دن کان، آنکھ اور دل سے باز پرس کی جائے گی۔ اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔ تم نہ تو زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔

یہ سب باتیں وہ ہیں جن کی بُرائی تمہارے رب کے ہاں سخت ناپسند ہے۔ یہ حکمت کی وہ باتیں ہیں جو تیرے رب نے تجھ پر وحی کی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنانا ورنہ دوزخ میں ملامت زدہ اور ہر بھلائی سے محروم بنا کر دوزخ میں ڈال دیئے جاؤ گے۔

اور کیا تمہارے پروردگار نے تم لوگوں کے لیے لڑکوں کو پسند کیا ہے اور اپنے لیے ملائکہ کو بیٹیاں بنالیا؟ تم لوگ تو اپنی زبانوں سے بہت بڑی بات کہہ رہے ہو۔

کلیاتِ دین

اس سورہ مبارکہ کا آغاز رحمۃ للعالمین سید المرسلینؐ کے واقعہ اسراء (معراج) سے کیا گیا ہے۔ اور پھر بعد میں قرآن حکیم کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ قرآن سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے اور آیات بالا میں اللہ تعالیٰ نے تیرہ اَحکام بیان کیے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان اَحکام کا تعلق شب معراج کو ملنے والے اَحکام سے ہے اور یہ کلیات وہ سیدھا راستہ ہیں جن کی قرآن رہنمائی کرتا ہے، وہ کلیات حسب ذیل ہیں:

① اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو ② والدین کے ساتھ نیکی کرو اور بھلائی کے ساتھ پیش آؤ ③ رشتہ داروں، مساکین اور ضرورت مند مسافروں کا حق دو ④ اِسراف اور تبذیر سے پرہیز کرو ⑤ فقر و فاقہ کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ⑥ زنا کے قریب مت پھٹکو ⑦ کسی کو ناحق قتل نہ کرو ⑧ یتیم کا مال مت کھاؤ ⑨ عہد کی پابندی کرو ⑩ ناپ

تول صحیح کرو ⑪ جس چیز کا علم نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو ⑫ زمین پر اکڑ اکڑ کر مت چلو ⑬ کسی کو خدا کا شریک مت بناؤ۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی توحید اتنی عزیز ہے کہ اس نے کلیاتِ دین کا آغاز بھی توحید سے کیا اور اختتام بھی توحید سے کیا۔ مذکورہ اَحکام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ حکمت کے وہ شہ پارے ہیں جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر وحی کیے گئے ہیں۔

مذکورہ آیات میں نماز، روزے اور جہاد و حج کے اَحکام اس لیے نہیں ہیں کہ یہ سورہ مکی ہے اور اس وقت تک یہ اَحکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ (اضافۃ من المترجم)

کتابُ التوحید میں مرقوم ہے کہ جنگِ صفین کے دوران میں ایک شیخ نے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے پوچھا کہ وہ قضا و قدر کیا ہے جو ہمیں یہاں تک کھینچ لائی ہے اور جو ہمیں وادیوں میں لائی ہے اور جس نے ہمیں ٹیلوں پر چڑھایا ہے؟

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: اس سے اللہ تعالیٰ کا حکم اور فرمان مُراد ہے۔ پھر آپؑ نے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ...... کی آیت پڑھی۔

حقوقِ والدین

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا "اور والدین سے بھلائی کرو"۔

اصولِ کافی میں ابی ولاد الحناط سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا کی آیت میں جس اِحسان کا ذکر کیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: مقصد یہ ہے کہ والدین کے ساتھ اچھی معاشرت رکھو اور انہیں اس بات پر مجبور نہ کرو کہ وہ اپنی ضروریات کے لیے تجھ سے سوال کریں۔ ان کی تمام ضروریات کا خود خیال رکھو۔ اگرچہ وہ مستغنی بھی کیوں نہ ہوں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:۹۲) "تم اس وقت تک نیکی کا مقام حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیزیں خرچ نہ کرو"۔

پھر آپؑ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا (النحل:۲۳) "اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں "اُف" تک نہ کہو اور نہ

ی انہیں جھڑکو۔

بڑھاپے میں عام طور پر قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں اور انسان کی طبیعت میں چڑچڑاپن آ جاتا ہے۔ لہٰذا اگر اس حالت میں پہنچ کر وہ تمہیں تنگ کریں تو بھی انہیں ''اُف'' تک نہ کہو اور جواب میں انہیں مت جھڑکو۔ خواہ وہ تمہیں مار پیٹ ہی کیوں نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ ''اور ان کے ساتھ احترام سے گفتگو کرو''۔ اگر وہ تمہیں جھڑکیں یا مار پیٹ کریں تو ان سے کہو کہ خدا تمہاری مغفرت فرمائے۔ یہی ''قولِ کریم'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ''ان کے سامنے عاجزی سے اپنے کندھے جھکائے رکھو''۔

مقصد یہ ہے کہ والدین کو شفقت و رحمت کی نگاہ سے دیکھنے سے تمہیں طولِ خاطر نہیں ہونا چاہیے اور ان کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو اور ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بلند نہ کرو اور ان کے آگے مت چلو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: والدین کی کم ترین نافرمانی یہ ہے کہ ان سے ''اُف'' کہا جائے۔ اگر لفظ ''اُف'' سے نافرمانی کے لیے کوئی اور حرف ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی منع کر دیتا۔ والدین کو گھور گھور کر دیکھنا بھی حقوقِ والدین کے خلاف ہے۔

ابی المامون الحارثی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: ایک مومن کا دوسرے مومن پر کیا حق ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ایک مومن کا دوسرے مومن پر حق یہ ہے کہ وہ اپنے دل میں اس سے محبت رکھے اور جب کوئی کسی کو ''اُف'' کہتا ہے تو ان کے درمیان دوستی ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ باپ کا بیٹے پر کیا حق ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: بیٹے کو چاہیے کہ وہ باپ کا نام لے کر اسے مخاطب نہ کرے۔ باپ کے آگے نہ چلے اور اس سے پہلے نہ بیٹھے اور ایسی گفتگو نہ کرے جس کی وجہ سے لوگ اس کے والد کو گالیاں دیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں آیتِ مجیدہ کی تفسیر یوں مرقوم ہے: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ اگر لفظ ''اُف'' سے کمتر بھی کوئی لفظ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی منع کرتا۔ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا ''یعنی والدین سے جھگڑا مت کرو''۔ وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ ''یعنی والدین سے مودبانہ لہجہ میں گفتگو کرو''۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ''یعنی اُن کے ساتھ عاجزی کا رویہ

اپناؤ اور اُن پر کسی طرح کا تکبر مت کرو"۔

روضۃ الواعظین میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ جس طرح سے جسمانی والدین کے ساتھ بھلائی فرض ہے اس سے کہیں زیادہ بھلائی اور اطاعت رسولِ خدا اور علی مرتضٰی علیہما السلام کی فرض ہے کیونکہ وہ بھی روحانی باپ ہیں۔

عیونُ الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا وہ رسالہ مرقوم ہے جو آپؑ نے محمد بن سنان کے سوالات کے جوابات میں تحریر کیا تھا اور اس رسالہ میں آپؑ نے اَحکام شرعیہ کے علل و اسباب بیان فرمائے تھے۔ اس رسالہ میں یہ کلمات بھی مرقوم ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے والدین کی نافرمانی کو حرام قرار دیا ہے' کیونکہ والدین کی نافرمانی سے اطاعتِ الٰہی کی توقیر باقی نہیں رہتی اور اِحسان کی ناشکری پیدا ہوتی ہے اور اس سے قطع رحم لازم آتا ہے اور اگر تمام اولاد والدین کی نافرمانی کرنے لگ جائے تو والدین اولاد کی تربیت سے ہی دلبرداشتہ ہو جائیں گے"۔

کتاب الخصال میں امیر المومنین علی علیہ السلام کی وہ وصیتیں مرقوم ہیں جو آپؑ نے اپنے اَصحاب کو فرمائی تھیں۔ ان میں یہ کلمات بھی ہیں:

جب کوئی مومن اپنے بھائی کو "اُف" کہتا ہے تو اُن کی باہمی محبت منقطع ہو جاتی ہے۔ اگر ایک شخص دوسرے کو "کافر" کہے تو ان دو میں سے ایک ضرور کافر قرار پائے گا۔ اور جب کوئی کسی پر تہمت تراشتا ہے تو اس کے دل میں اسلام ایسے ہی گھل جاتا ہے جیسا کہ پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔

موسیٰ بن بکر الواسطی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا: مولاؑ! یہ بتائیں اگر کوئی شخص اپنے کسی بیٹے یا بیٹی کو یہ کہے کہ "میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں" کیا اس طرح کے الفاظ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر اس کے والدین زندہ ہیں تو میری نظر میں اس طرح کے الفاظ والدین کی نافرمانی پر مشتمل ہیں۔ البتہ اگر کہنے والے کے والدین مر چکے ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: تین قسم کے افراد ایسے ہیں جو ان سے عناد رکھے گا وہ ذلیل ہوگا:

① جو بیٹا اپنے باپ سے عناد رکھے گا وہ ذلیل ہوگا۔

② رعایا کا فرد اپنے سلطان سے عناد رکھے تو وہ ذلیل ہوگا۔

④ مقروض اپنے قرض خواہ سے عناد رکھے تو وہ ذلیل ہوگا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس طرح سے اولاد کے لیے والدین کی نافرمانی حرام ہے اسی طرح اگر اولاد نیک ہو تو والدین کے لیے بھی ان کی نافرمانی جائز نہیں ہے''۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: تین باتیں ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کسی طرح کی رخصت کی گنجائش نہیں رکھی۔

① والدین سے نیکی واجب ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بُرے ہوں۔

② عہد کی پابندی واجب ہے خواہ عہد نیک شخص سے ہو یا بُرے سے ہو۔

③ امانت کی ادائیگی واجب ہے۔ امانت خواہ نیک شخص کی ہو یا بُرے شخص کی ہو۔

من لایحضرہ الفقیہ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا ''رسالۃ الحقوق'' مرقوم ہے اس میں آپؑ نے یہ تحریر فرمایا:

''تیری ماں کا تجھ پر یہ حق ہے کہ تو یہ جان لے کہ اس نے تیرا بوجھ اٹھایا ہے جہاں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا اور اس نے تجھے اپنے دل کا ثمر بنا کر رکھا تھا جب کہ کوئی کسی کو ثمرۂ دل نہیں بناتا اور اس نے اپنے تمام اعضاء و جوارح سے تیری خدمت کی تھی وہ خود بھوکی رہ کر تجھے کھلایا کرتی تھی اور خود پیاسی رہ کر تجھے سیراب کیا کرتی تھی۔ خود بے لباس ہو کر تجھے لباس پہنائی تھی۔ خود دھوپ میں بیٹھ کر تجھے سایہ فراہم کیا کرتی تھی اور تجھے سلانے کے لیے خود بیدار رہتی تھی۔ اس نے تجھے ہر طرح سردی گرمی سے بچایا۔ لہٰذا جب تک خدا کی خصوصی عنایت و امداد شامل نہ ہو اس وقت تک تم اس کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتے۔

اور تیرے باپ کا تجھ پر یہ حق ہے کہ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ تیری بنیاد ہے اگر وہ نہ ہوتا تو تو بھی نہ ہوتا لہٰذا تمہیں اپنے اندر جو بھی قابلِ محبت چیز دکھائی دے تو اس نعمت کی بنیاد تیرا والد ہے لہٰذا خدا کی حمد کر اور والد کی قدر دانی کر۔

مجمع البیان میں ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ''والدین کا نافرمان خواہ جتنے نیک عمل بھی کیوں نہ کرے وہ جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا''۔

ابواسید انصاری بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے عرض کیا:

یارسولؐ اللہ! میرے والدین وفات پاچکے ہیں کہ کیا اب بھی میں ان سے بھلائی کرسکتا ہوں اور اگر کرنا چاہوں تو

کیسے کروں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں، تم والدین سے بھلائی کر سکتے ہو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے حق میں دعا و استغفار کرو اور اُن کے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ اُن کے دوستوں کا احترام کرو اور ان کے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو۔

اصولِ کافی میں معمر بن خلاّد کا بیان مرقوم ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا: مولاؑ! اگر میرے ماں باپ حق کی معرفت (عقیدہ امامت و ولایت) نہ رکھتے ہوں تو کیا میں پھر بھی ان کے لیے دعا کروں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان کے لیے دعا کرو اور ان کی طرف سے صدقہ کرو اور اگر وہ حق کی معرفت نہ رکھتے ہوں اور زندہ ہوں تو ان کی خاطر مدارات کرو کیونکہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا نے مجھے رحمت دے کر مبعوث کیا ہے مجھے نافرمانی کے ساتھ روانہ نہیں کیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک شخص رسولِ مقبولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں کس سے بھلائی کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اپنی ماں سے بھلائی کرو۔ اس نے دوبارہ عرض کیا کہ اس کے بعد کس سے بھلائی کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اپنی ماں سے بھلائی کرو۔ اس نے تیسری بار عرض کیا کہ اس کے بعد کس سے بھلائی کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اپنی ماں سے بھلائی کرو۔ اس نے چوتھی بار عرض کیا کہ اس کے بعد کس سے بھلائی کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اپنے باپ سے بھلائی کرو۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ کلمات بھی منقول ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

''پھر اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰؐ کو مکہ میں مبعوث کیا۔ آپؐ مکہ میں دس سال رہے۔ اس عرصہ کے دوران جس نے بھی ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی دی اور مرگیا تو خدا نے اس کے اس اقرار کی وجہ سے اسے جنت میں داخل کیا۔ یہ ایمان، ایمانِ تصدیق ہے۔ اس عرصہ میں جس نے بھی نبی اکرمؐ کی پیروی کی اور مرگیا تو خدا نے اسے عذاب نہیں دیا، البتہ اگر کسی نے رحمٰن کے ساتھ شرک کیا تو اور بات ہے اور اس کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ میں ہی آنحضرتؐ پر سورہ بنی اسرائیل کو نازل فرمایا اور اس میں وَقَضٰی رَبُّكَ ...... بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۝ کی آیات نازل فرمائیں۔ ان آیات میں ادب، وعظ، تعلیم اور ہلکی پھلکی نہی ہے اور ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کا خوف نہیں دلایا اور کسی نہی کی پابندی نہ کرنے پر کوئی دھمکی نہ دی۔

کیسے کروں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں، تم والدین سے بھلائی کر سکتے ہو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے حق میں دعا کرو اور اُن کے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ اُن کے دوستوں کا احترام کرو اور ان کے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو۔

اصولِ کافی میں معمر بن خلاد کا بیان مرقوم ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا: مولا! اگر میرے ماں باپ حق کی معرفت (عقیدہ امامت و ولایت) نہ رکھتے ہوں تو کیا میں پھر بھی ان کے لیے دعا کروں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان کے لیے دعا کرو اور ان کی طرف سے صدقہ کرو اور اگر وہ حق کی معرفت نہ رکھتے ہوں اور زندہ ہوں تو ان کی خاطر مدارات کرو کیونکہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا نے مجھے رحمت بنا کر مبعوث کیا ہے مجھے نافرمانی کے ساتھ روانہ نہیں کیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک شخص رسولِ مقبولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں کس سے بھلائی کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اپنی ماں سے بھلائی کرو۔ اس نے دوبارہ عرض کیا کہ اس کے بعد کس سے بھلائی کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اپنی ماں سے بھلائی کرو۔ اس نے تیسری بار عرض کیا کہ اس کے بعد کس سے بھلائی کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اپنی ماں سے بھلائی کرو۔ اس نے چوتھی بار عرض کیا کہ اس کے بعد کس سے بھلائی کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اپنے باپ سے بھلائی کرو۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ کلمات بھی منقول ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

''پھر اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیؐ کو مکہ میں مبعوث کیا۔ آپ مکہ میں دس سال رہے۔ اس عرصہ کے دوران جس نے ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی دی اور مرگیا تو خدا نے اس کے اس اقرار کی وجہ سے اسے جنت میں داخل کیا۔ یہ ایمانِ تصدیق ہے۔ اس عرصہ میں جس نے بھی نبی اکرمؐ کی پیروی کی اور مرگیا تو خدا نے اسے عذاب نہیں دیا البتہ جس نے رحمٰن کے ساتھ شرک کیا تو اور بات ہے اور اس کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ میں ہی آنحضرتؐ پر سورہ بنی اسرائیل کو نازل فرمایا اور اس میں وَقَضٰى رَبُّكَ ...... بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ۝ کی آیات نازل فرمائیں۔ ان آیات میں ادب، وعظ، تعلیم اور ہلکی پھلکی نہی ہے اور ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کا خوف نہیں دلایا اور ان کی پابندی نہ کرنے پر کوئی دھمکی نہ دی۔

اوّابین

تفسیر عیاشی میں عبداللہ بن عطاء سے منقول ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ ایک بار سفر کیا۔ دورانِ سفر میں آپؑ نے فرمایا: ابن عطاء! کیا سورج ڈھل چکا ہے؟

کچھ دیر بعد ہم ایسی زمین سے گزرے جو سرخ رنگت کی تھی، آپؑ نے فرمایا: یہاں نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ یہ چیونٹیوں کی وادیاں ہیں، یہاں نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ پھر ہم آگے چلے تو شور وکلر والی سفید زمین آگئی۔ آپؑ نے فرمایا: یہ کلرزدہ اور شور زدہ زمین ہے اس پر بھی نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ پھر ہم تھوڑا آگے گئے تو سنگریزوں والی زمین آگئی۔

آپؑ سواری سے اُترے اور فرمایا: یہاں ہمیں نماز پڑھنی چاہیے۔ چنانچہ امام علیہ السلام نے اور میں نے وہاں نماز پڑھی۔ پھر آپؑ نے فرمایا: کیا تو عراق گیا ہے اور کیا تو نے مسجدِ کوفہ میں لوگوں کو ان سنگریزوں پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپؑ نے فرمایا: وہ لوگ میرے والد علی علیہ السلام کے شیعہ ہیں۔ یہ نماز ''اوّابین'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا﴿۲۵﴾ ''بے شک وہ اوّابین (رجوع وتوبہ کرنے والوں) کو بہت بخشنے والا ہے''۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اوّابین سے توبہ کرنے والے عبادت گزار مراد ہیں۔

ابوبصیر راوی ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے ابومحمد! تمہیں پرہیزگاری، جدوجہد، ادائیگی امانت، راست گفتاری اور اپنے ہم نشینوں سے اچھی ہم نشینی اور طویل سجدے کرنے چاہئیں اور یہی ''اوّابین'' کی صفات میں سے ہیں۔

ابوبصیر نے کہا: اوّابین سے توبہ کرنے والے لوگ مراد ہیں۔

نمازِ اوّابین

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت خاتونِ جنت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا نمازِ اوّابین پڑھا کرتی تھیں اور یہ نماز چار رکعت پر مشتمل ہے۔ ہر رکعت میں (سورہ حمد کے بعد) پچاس مرتبہ قُل هُوَ اللہ احد پڑھی جاتی ہے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ ''اوّاب'' بمعنی تواب ہے یعنی توبہ کرنے والا۔ ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ اوّابین ایسے لوگ ہیں جو مغرب وعشاء کے درمیان نماز اوّابین پڑھتے ہیں۔

حق زہراء سلام اللہ علیہا

عیونُ الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام کی ایک نشست کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ آپؑ نے اس نشست میں اُمت اور عترت کے فرق بیان کیے تھے۔ آپؑ نے فرمایا: قرآن مجید میں اُمت اور عترت کے درمیان بارہ فرق بیان کیے گئے ہیں اور اُن میں سے پانچواں فرق یہ ہے کہ جب وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ کی آیتِ مجیدہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: فاطمہؑ کو بلایا جائے۔ حضرت سیدہؑ حاضر ہوئیں۔ نبی اکرمؐ نے اُن سے فرمایا کہ خدا نے مجھے فدک کا مالک بنایا ہے۔ اس پر نہ تو اُونٹ دوڑائے گئے ہیں اور نہ ہی گھوڑے دوڑائے گئے ہیں۔ یہ خالص میری جاگیر ہے۔ اس میں باقی مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں ہے اور میں فرمانِ خداوندی کے تحت یہ جاگیر تمہیں دے رہا ہوں۔ یہ جائیداد تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے ہے۔

اصولِ کافی کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ کلمات بھی منقول ہیں: ''پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (قرابت دار کو اس کا حق دو) حضرتِ علیؑ، رسول اکرمؐ کے قرابت دار تھے۔ ان کا حق وصیت تھی جو رسولؐ خدا نے اُن کے لیے فرمائی اور حکم الٰہی کے تحت رسولؐ خدا نے انہیں اسمِ اعظم، میراثِ علم اور علمِ نبوت کے آثار عطا فرمائے۔

حدودِ فدک

علی بن اسباط کہتے ہیں کہ مہدی عباسی لوگوں کی لوٹی ہوئی اور مقبوضہ جائیدادیں اصل وارثوں کو واپس کر رہا تھا۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اُس کے پاس گئے اور آپؑ نے اس سے فرمایا: تم لوگوں کے غصب شدہ حقوق واپس کر رہا ہو ہماری غصب شدہ جائیداد واپس کیوں نہیں کرتے؟

خلیفہ مہدی عباسی نے کہا: آپؑ بیان کریں آپؑ کی کون سی جائیداد آپؑ سے چھینی گئی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب فدک اور اُس کے گردو پیش کو کسی جنگ اور خونریزی کے بغیر فتح کیا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر یہ آیت نازل فرمائی: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (قرابت داروں کو ان کا حق دو)۔ رسولؐ خدا نے جبریل امینؑ سے کہا کہ قرابت دار سے کون مراد ہیں اور اُن کے حق سے کیا مراد ہے؟

جبریل امینؑ نے خدا سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فاطمہؑ کو فدک دے دو۔ رسولؐ خدا نے

حضرت سیدہؑ کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فدک تمہارے سپرد کردوں۔

بی بی نے عرض کیا: اباجان! میں نے خدا اور آپؐ کی طرف سے قبول کیا۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ کی زندگی میں حضرت سیدہؑ کے وکلاء فدک کی جائیداد کی نگہبانی کرتے تھے۔ پھر جب رسولؐ خدا کی وفات ہوئی اور خلیفہ اوّل برسرِ اقتدار آئے تو اُنھوں نے بی بی کے وکلاء کو وہاں سے نکال دیا۔ حضرت سیدہؑ اپنے حق کی بازیابی کے لیے ان کے پاس گئیں اور ان سے فدک کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

خلیفہ نے کہا: آپؑ کسی کالے یا گورے کو بطورِ گواہ پیش کریں۔ حضرت سیدہؑ نے امیرالمومنینؑ اور اُمِ ایمن کو بطور گواہ پیش کیا۔ چنانچہ خلیفہ نے ان کی گواہی قبول کی اور فدک واپسی کی ایک دستاویز لکھ کر حضرت سیدہؑ کے حوالے کی۔ بی بی وہ دستاویز لے کر جارہی تھیں کہ راستے میں انہیں ایک اور ''بزرگ'' ملے۔ اُنھوں نے وہ دستاویز حضرت سیدہؑ کے ہاتھوں سے چھین لی اور اسے پڑھا اور اس کی تحریر مٹا کر اسے جلا ڈالا تھا اور کہا کہ اس جائیداد کے لیے آپؑ کے والد نے اُونٹ گھوڑے نہیں دوڑائے تھے' آپؑ ہماری گردنوں میں پہاڑ ڈال دیں۔

خلیفہ مہدی نے کہا: آپؑ فدک کی حدود بیان کریں۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: اس جائیداد کی ایک حد جبلِ اُحد ہے' دوسری حد عریشِ مصر ہے۔ تیسری حد سیف البحر اور چوتھی دومۃ الجندل ہے۔

مہدی نے حیران ہو کر کہا کہ یہ ساری جائیداد آپؑ کی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں' یہ ساری جائیداد ہماری ہے کیونکہ اس پر مسلمانوں کے اُونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے گئے۔

مہدی عباسی نے کہا: یہ تو بہت زیادہ ہے' میں اس پر غور کروں گا۔

وضاحت: حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے حدودِ فدک بیان نہیں فرمائیں۔ آپؑ نے یہ حدود بیان کر کے دراصل عباسی خلیفہ کو پیغام دیا تھا کہ تم ہمیں ہمارا کون سا حق واپس کرو گے؟ ہاں اگر تم ہمارا حق واپس کرنے میں مخلص ہو تو پھر جس حکومت و اقتدار پر تم قابض ہو وہ سب ہمارا حق ہے اور وہ ہمیں واپس کردو۔ (اضافۃ من المترجم)

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ کی آیتِ مجیدہ رسولؐ خدا کے قرابت داروں بالخصوص حضرت سیدہ زہراءؑ کے متعلق نازل ہوئی۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنابِ

سیدہؑ کو قرابت دار سمجھ کر اور نسلِ سیدہؑ کے مساکین اور آلِ محمدؐ کے مسافروں کے لیے فدک کی جائیداد عنایت کی تھی۔

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک شامی سے فرمایا: کیا تو نے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ کی آیت پڑھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔

آپؑ نے فرمایا: پھر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ذی القربیٰ ہم ہیں جن کے حق کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

مجمع البیان میں ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ کی آیت نازل فرمائی تو رسولؐ خدا نے حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کو فدک عطا کیا۔ عبدالرحمٰن بن صالح کہتے ہیں کہ مامون الرشید نے عبید اللہ بن موسیٰ العبسی کو خط لکھا اور اس میں قضیۂ فدک کی تفصیل طلب کی۔ جواب میں عبید اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث لکھ کر اس کے پاس روانہ کی۔ اس نے یہ حدیث فضیل بن مرزوق کی زبانی عطیہ سے نقل کی تھی۔ مامون نے اولادِ فاطمہؑ کو فدک واپس کر دیا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ (الروم:۳۸) کی آیتِ مجیدہ نازل فرمائی تو حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا: جبریلؑ! میں مسکین کو تو جانتا ہوں لیکن یہ بتاؤ کہ ذی القربیٰ سے کون مراد ہے؟

جبریل امینؑ نے کہا: اس سے آپؐ کے قرابت دار مراد ہیں۔

اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن وحسین اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہم کو بلایا اور اُن سے فرمایا: ''میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مالِ فَے تمہیں عطا کروں لہٰذا میں نے تمہیں فدک عطا کیا ہے''۔

ابان بن تغلب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ کو فدک عطا کیا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: آنحضرتؐ نے انہیں فدک وقف کیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ کی آیت نازل کی تو رسول اکرمؐ نے انہیں اُن کا حق عطا کیا تھا۔

میں (راوی) نے عرض کیا: کیا رسولؐ خدا نے انہیں عطا کیا تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ خدا نے انہیں عطا کیا تھا۔

جمیل بن دراج حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی ناقل ہیں کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا فدک طلب کرنے کی غرض سے حضرت ابوبکر کے پاس گئیں تو انہوں نے کہا: آپؑ گواہی کے لیے کسی گورے یا کالے کو لائیں جو اس کی گواہی دے۔

حضرت سیدہؑ نے گواہی میں اُمِ ایمن کو پیش کیا۔ حضرت ابوبکر نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا گواہی دیتی ہیں؟

اُنھوں نے کہا: میں یہ گواہی دیتی ہوں کہ جبریل امینؑ رسولؐ خدا پر فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ کی آیت لے کر نازل ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ نہیں جانتے تھے کہ "ذی القربیٰ" سے کون لوگ مراد ہیں۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا: جبریلؑ! اپنے رب سے پوچھو کہ "ذی القربیٰ" سے کون لوگ مراد ہیں؟

جبریل امینؑ نے کہا کہ ذی القربیٰ سے حضرت فاطمہؑ مراد ہیں۔ یہ سن کر رسولؐ خدا نے حضرت زہراءؑ کو فدک عطا کیا تھا۔

لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس دستاویز کو مٹا دیا تھا جسے حضرت ابوبکر نے تحریر کیا تھا۔

ابوالطفیل راوی ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے روزِ شوریٰ اپنے حق کا استدلال کرتے ہوئے یہ جملے بھی کہے تھے:

"کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جس کا نور آسمان سے اس آیت کے ذریعہ سے مکمل ہوا ہو: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ

تمام حاضرین نے کہا: یہ آپؑ کے لیے مخصوص ہے۔

(نوٹ: فدک کی مکمل تحقیقی بحث کے لیے علامہ عسکری کی کتاب مکتب امامت وخلافت کا مطالعہ فرمائیں جسے ہمارے مکتبہ نے شائع کیا ہے۔ از ناشر)

فضول خرچی کی ممانعت

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (۲۶) (اور فضول خرچی نہ کرو)

الکافی میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص آیا۔ آپؑ نے اُس سے فرمایا: اے بندۂ خدا! خدا کا خوف کر اور اِسراف اور بخل سے پرہیز کر اور اس کی بجائے درمیانی راستہ اختیار کر۔ یاد رکھ کہ فضول خرچی اِسراف میں شامل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (۲۶) (اور فضول خرچی نہ کیا کر)

تفسیر عیاشی میں عبدالرحمٰن بن الحجاج سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَلَا تُبَذِّرْ

تَبۡذِیۡرًا﴿۲۶﴾ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: اطاعتِ خدا کے علاوہ باقی مقام پر خرچ کرنے والا "مبذر" ہے اور اطاعتِ خداوندی میں خرچ کرنے والا "میانہ رو" ہے۔

ابوبصیر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا حلال میں بھی تبذیر ہے؟ آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔

بشر بن مروان بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؑ نے تازہ کھجوریں منگوائیں۔ حاضرین میں سے کچھ افراد نے اِدھر اُدھر گٹھلیاں پھینکنی شروع کر دیں۔ یہ منظر دیکھ کر آپؑ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور فرمایا کہ ایسا مت کرو۔ یہ تبذیر ہے اور اللہ تعالیٰ کو فساد پسند نہیں ہے۔

مجمع البیان میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے مروی ایک فرمان کا ماحصل یہ ہے کہ "سواری خریدتے وقت بھی انسان کو اعتدال سے کام لینا چاہیے بہت زیادہ مہنگی سواری بھی خرید نہیں کرنی چاہیے"۔

اگر سائل کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو اسے خوش اسلوبی سے ٹال دو

وَ اِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾

"اور اگر تمہیں (رشتہ دار، مساکین اور ضرورت مند مسافروں سے) کتراتا ہوا اس بنا پر کہ ابھی تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جس کے تم امیدوار ہو تلاش کر رہے ہو تو انہیں نرم لہجے میں جواب دے دو"۔

مجمع البیان میں ہے کہ اس آیت مجیدہ کے نزول کے بعد اگر کوئی سائل آنحضرتؐ کے پاس دستِ سوال دراز کرتا اور آپؐ کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو آپؐ اس سے شفقت بھرے لہجے میں یہ کہا کرتے تھے: "اللہ ہمیں اور تمہیں اپنے فضل سے شادکام فرمائے"۔

کتاب المناقب میں کتاب الشیرازی کے حوالہ سے منقول ہے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے رسولؐ خدا سے ایک کنیز کی درخواست کی تا کہ گھر ہستی کے کاموں میں مدد کر سکے تو رسولؐ خدا نے اپنی بیٹی کی حالت دیکھ کر گریہ فرمایا اور ان سے کہا: بیٹی! میں تمہاری فرمائش ضرور پوری کرتا، لیکن مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اس وقت مسجد میں چار سو اصحابِ صفہ ایسے موجود ہیں جن کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے اور پہننے کے لیے جن کے پاس معقول لباس نہیں ہے اس کے باوجود میں تمہیں خالی ہاتھ لوٹانا پسند نہیں کرتا۔

یہ کہہ کر آپؐ نے انہیں ''صلاۃِ تسبیح'' (تسبیح زہراءؑ) کی تعلیم دی۔

حضرت فاطمہ زہراءؑ اپنے گھر تشریف لائیں اور حضرت علی علیہ السلام سے عرض کیا کہ میرے والد نے کنیز کی بجائے مجھے ایک تسبیح تعلیم فرمائی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: کوئی بات نہیں۔ آپؑ رسولؐ خدا سے دنیا لینے گئی تھیں اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے ہمیں آخرت کا ثواب عطا کیا ہے۔

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پر یہ آیت نازل فرمائی: وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾

بخل اور فضول خرچی دونوں سے پرہیز کرو

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

''اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے باندھ کر رکھو یعنی کنجوسی نہ کرو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو یعنی فضول خرچی نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ملامت زدہ اور عاجز ہو کر بیٹھ جاؤ''۔

الکافی میں عجلان سے منقول ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپؑ کے پاس کھجوروں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری رکھی ہوئی تھی۔ ایک سائل آیا۔ آپؑ نے مٹھی بھر کر کھجوریں اُسے دیں۔ دوسرا آیا آپؑ نے اسے بھی کھجوریں دیں۔ تیسرا آیا آپؑ نے اسے بھی مٹھی بھر کر کھجوریں عطا کیں۔ چوتھا سائل آیا۔ آپؑ نے فرمایا: اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رازق ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپؐ کسی سائل کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا کرتے تھے۔ ایک عورت نے اپنے بیٹے کو بھیجا کہ تم جا کر رسولؐ خدا سے سوال کرو اور اگر وہ کہیں کہ ہمارے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں ہے تو پھر ان سے کہنا کہ آپؐ ہمیں اپنی قمیص ہی اُتار کر دے دیں۔

چنانچہ وہ سائل لڑکا آیا اور اس نے آنحضرتؐ سے سوال کیا' اتفاق سے آنحضرتؐ کے پاس دینے کے لیے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ آپؐ نے جب کچھ دینے سے معذرت کی تو لڑکے نے کہا: آپؐ ہمیں اپنی یہ قمیص ہی عطا کر دیں۔

آنحضرتؐ نے قمیص اُتار کر لڑکے کو دے دی۔ لڑکا وہ قمیص لے کر چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی اور فرمایا: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا

مَّحْسُوۡرًا ﴿۲۹﴾ (اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے باندھ کر رکھو یعنی کنجوسی نہ کرو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو یعنی فضول خرچی نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ملامت زدہ اور عاجز ہو کر بیٹھ جاؤ)

اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی علامات بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ يُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ يَقۡتُرُوۡا وَكَانَ بَيۡنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ (الفرقان: ٦٧) ''اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اِسراف کرتے ہیں اور نہ ہی کنجوسی کرتے ہیں وہ درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں''۔

اور اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل میں اسی روش کو اپنانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ﴿۲۹﴾ (اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے باندھ کر رکھو یعنی کنجوسی نہ کرو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو یعنی فضول خرچی نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ملامت زدہ اور عاجز ہو کر بیٹھ جاؤ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مٹھی میں کچھ رقم لے کر اسے بند کیا اور فرمایا کہ اس طرح سے بھی مٹھی بند نہ کرو۔ پھر آپؑ نے اسے پورا کھولا تو ساری رقم زمین پر گر گئی اور فرمایا کہ اس طرح سے بھی ہاتھ کھلا نہ رکھو۔ پھر آپؑ نے وہ رقم مٹھی میں لی اور انگلیوں کے درمیان چھوٹا سا سوراخ بنا کر کچھ رقم گرائی اور فرمایا کہ اس طرح سے درمیانی طریقہ اختیار کرو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو انفاق فی سبیل اللہ کا طریقہ تعلیم کیا ہے اور فرمایا ہے کہ نہ تو کنجوسی کرو اور نہ ہی ہر چیز لٹوا دو، درمیانی راستہ اختیار کرو ورنہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ گے۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمایا: بیٹا! اِفراط و تفریط کے درمیان حدِ اعتدال ہوتی ہے اور اس حد سے تجاوز کرنا نامناسب ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عرض کیا: بابا جان! وہ کیسے؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے جواب میں یہ آیت پڑھی: وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ ...... ''نہ کنجوسی اختیار کرو اور نہ ہی ہاتھ کو مکمل کھلا چھوڑو''۔ (واضح رہے کہ حدیث طویل ہے۔ ہم نے اسے بقدرِ ضرورت نقل کیا ہے)

ابن سنان کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى عُنُقِكَ کی آیت پڑھی اور اپنے ہاتھ گردن سے باندھ لیے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے۔

حضرت رسولِ خدا سے منقول ہے کہ "مَحْسُوْرًا" سے مراد فاقہ زدہ شخص ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ "مَحْسُوْرًا" بے لباس کو کہا جاتا ہے۔

وضاحت: فاقہ زدہ ہونا یا بے لباس ہونا لفظ مَحْسُوْرًا کی مختلف تعبیریں ہیں' کیونکہ فاقہ زدگی جب انتہا پر پہنچ جائے تو وہ عریانی کو جنم دیتی ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا دونوں تعبیریں اپنے مقام پر صحیح ہیں اور ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ (من المترجم عفی عنہ)

رزق کی فراخی اور تنگی خدا کے ہاتھ میں ہے

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾

"یقیناً تیرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے' وہ اپنے بندوں کے حالات سے باخبر ہے اور دیکھ رہا ہے"۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں:

"پھر اس نے روزیاں مقرر کر رکھی ہیں (کسی کے لیے) زیادہ اور (کسی کے لیے) کم اور اس کی تقسیم میں کہیں تنگی رکھی ہے اور کہیں فراخی اور یہ بالکل عدل کے مطابق تھا۔ اس طرح کہ اس نے جس جس صورت سے چاہا امتحان لیا ہے۔ رزق کی آسانی یا دشواری کے ساتھ اور اُس نے اِس طرح سے مال دار کے شکر اور مفلس کے صبر کی آزمائش کی ہے"۔

افلاس کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾

"اور اپنی اولاد کو فاقہ کے خوف سے قتل نہ کرو' ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی رزق دیتے ہیں۔ یقیناً ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے"۔

① اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیت میں یہ بیان کیا کہ رزّاقِ مطلق وہی ہے اور رزق کی کمی بیشی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور بندوں کے رزق روزی کا کفیل وہی ہے۔ اس کے فوراً بعد اپنے بندوں کو آگاہ کیا کہ جب رزق کے کفیل تم نہیں ہو تو اپنی اولاد کو افلاس و فاقہ کے ڈر سے قتل نہ کرو' کیونکہ ان کے رازق بھی ہم ہیں اور تمہارے رازق بھی ہم ہیں۔

② نظمِ آیات کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے آغاز میں فرمایا کہ والدین سے نیکی کرو اور اس

آیت میں فرمایا کہ اپنی اولاد سے بھلائی کرو۔ والدین سے بھلائی قوسِ صعودی اور اولاد سے بھلائی قوسِ نزولی کا درجہ رکھتی ہے۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ نیک افراد کو قرآن میں لفظ ''ابرار'' سے اس لیے یاد کیا گیا ہے کہ وہ اپنے والدین سے بھی ''بر'' یعنی نیکی کرتے ہیں اور اپنی اولاد سے بھی نیکی کرتے ہیں۔ والدین سے نیکی ان کے احسانات کے عوض واجب ہے اور اولاد سے نیکی ان کی کمزوری اور ان کی احتیاج کی وجہ سے ہے۔

③ اگر اولاد اپنے والدین سے نیکی نہ کرے تو جہان ویران ہو جائے گا۔ کیونکہ جب کوئی والد یہ دیکھے گا کہ اس کی اولاد اس سے کوئی سروکار نہیں رکھے گی تو وہ ان کی تربیت کی طرف مائل ہی نہ ہوگا اور اس سے نسل تباہ ہو جائے گی اور دنیا کی آبادی کی وجہ والدین سے نیکی اور اولاد سے پیار ہے۔

④ اگر اولاد کے قتل کا موجب افلاس کا خوف ہو تو یہ خدا کے متعلق بدگمانی میں شامل ہے اور بیٹیوں کے قتل کا سبب خود ساختہ غیرت وحمیت ہو تو یہ تخریبِ عالم ہے۔

بہر نوع اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صرف لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے ہی منع نہیں کیا بلکہ اس نے مطلق طور پر اولاد کے قتل سے منع کیا ہے۔ آیتِ مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے جاہل افراد صرف بیٹیوں کو ہی خود ساختہ غیرت کے نام پر زندہ درگور نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ اپنے بیٹوں کو بھی غربت وافلاس کے خوف سے قتل کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تعلیم دی کہ وہ رزق روزی کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کریں کیونکہ رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ صرف تمہیں ہی رزق نہیں دیتا وہ تمہارے بچوں کو بھی رزق دے گا۔ (اضافۃ من المترجم ملخصاً عن الرازی)

زنا کے قریب مت پھٹکو

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝۳۲

''اور زنا کے قریب مت پھٹکو۔ یقیناً وہ بہت ہی بُرا فعل، خدا کی ناراضگی کا سبب اور انتہائی بُرا راستہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مجیدہ میں یہ نہیں فرمایا کہ ''تم زنا نہ کرو'' بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ''تم زنا کے قریب نہ جاؤ''۔ مقصد آیت یہ ہے کہ ایسے تمام مقدمات جو زنا کا پیش خیمہ ثابت ہوں ان تمام مقدمات سے پرہیز کرو، تاکہ زنا تک پہنچنے کی نوبت ہی نہ آئے اور موجودہ دور میں عورتوں اور مردوں کا باہمی اختلاط اور بے پردگی، نامناسب ڈرامے اور جنسی طور پر ہیجان انگیز

فلمیں یہ سب زنا کے محرکات میں شامل ہیں اور صرف زنا سے ہی پرہیز ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے تمام محرکات سے پرہیز بھی ضروری ہے۔ (اضافۃ من المترجم)

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زنا کے تین نقصانات بیان کیے ہیں اور فرمایا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰٓ إِنَّهُۥ كَانَ فَاحِشَةً (اور تم زنا کے قریب مت جاؤ' بے شک وہ بُرا فعل یعنی معصیتِ خداوندی ہے) پھر فرمایا: وَمَقْتًا ''وہ خدا کی ناراضگی کا سبب ہے''، یعنی خدا کو اس فعلِ بد سے سخت نفرت ہے۔ پھر فرمایا: وَسَآءَ سَبِيلًا ''وہ انتہائی بُرا راستہ ہے''۔ زانی کو سخت عذاب دیا جائے گا اور زنا بدترین گناہانِ کبیرہ میں شامل ہے۔

عیونُ الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے محمد بن سنان کے سوالات کے جوابات میں ایک رسالہ تالیف کیا تھا' جس میں آپؑ نے اَحکام شرعیہ کے علل واسباب پر بحث کی تھی۔ چنانچہ اس بحث کے دوران آپؑ نے یہ کلمات بھی تحریر فرمائے تھے:

''اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام کیا کیونکہ یہ لوگوں کے قتل اور انساب کے ضیاع اور اولاد کی عدمِ تربیت کا سبب ہے اور اس سے میراث فاسد ہوجاتی ہے' اس کے علاوہ بھی اِس میں بہت سی خرابیاں ہیں''۔

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

''زنا کے چھ نقصانات ہیں۔ ان میں سے تین کا تعلق دنیا سے اور تین کا تعلق آخرت سے ہے۔ زنا کے تین دنیاوی نقصانات یہ ہیں: ① اس سے چہرے کی رونق ختم ہوجاتی ہے۔ ② عمر کم ہوجاتی ہے۔ ③ رزق میں کمی واقع ہوتی ہے۔

زنا کے تین اُخروی نقصانات یہ ہیں: ① زانی سے حساب سختی کے ساتھ لیا جائے گا۔ ② خدا ناراض ہوتا ہے۔ ③ زانی کے لیے دوزخ میں ہمیشہ کا عذاب ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حذیفہ یمانی کی روایت میں بھی مذکورہ چھ نقصانات بیان ہوئے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جس معاشرہ میں زنا پھیل جائے وہاں زلزلے بکثرت آتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جس گھر میں ان چار میں سے ایک خرابی داخل ہوجائے وہ گھر تباہ ہوجاتا ہے اور آباد نہیں رہتا اور وہ چار خرابیاں یہ ہیں: ① خیانت ② چوری ③ شراب نوشی ④ زنا۔

حلبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا: مومن کی فطرت میں جھوٹ، بخل اور فجور شامل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کبھی یہ خرابیاں اس میں آ بھی جائیں تو وہ ان پر باقی نہیں رہتا۔

کسی نے کہا: مولاً! یہ بتائیں کیا مومن سے زنا بھی صادر ہوسکتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں، اس سے زنا صادر ہوسکتا ہے، لیکن وہ اس سے فوراً توبہ کرلیتا ہے اور اس کے نطفہ سے بچہ پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: تین مواقع پر زمین خدا کے حضور سخت فریاد کرتی ہے: ① جب اس پر کسی کو ناجائز قتل کیا جائے ② جب کوئی زانی زنا سے فارغ ہو کر غسلِ جنابت کرے ③ جب کوئی طلوع آفتاب سے قبل سو رہا ہو۔

کسی کو ناحق قتل نہ کرو

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

"اور جس نفس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اسے ناحق قتل نہ کرو اور جو مظلومانہ قتل ہو جائے تو ہم نے اس کے ولی کو قصاص کے مطالبہ کا حق دیا ہے اسے چاہیے کہ وہ قصاص میں قتل کرتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرے یقیناً اس کی مدد کی جائے گی"۔

من لایحضرہ الفقیہ اور عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو اُمت اسلامیہ کو ناحق قتل سے منع کیا تھا، لیکن اُنھوں نے رسولؐ خدا کے نواسے حضرت امام حسینؑ کو ناحق قتل کر دیا۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب چند افراد مل کر ایک شخص کو قتل کریں تو حاکم کو چاہیے کہ مقتول کے ورثا سے یہ کہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو قصاص میں قتل کریں، ان کے لیے ایک سے زیادہ افراد کو قتل کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ (جو مظلومانہ قتل ہو جائے تو ہم نے اس کے ولی کو قصاص کے مطالبہ کا حق دیا ہے اسے چاہیے کہ وہ قصاص میں قتل کرتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرے)

اسحاق بن عمار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "مقتول کے وارث کو قتل میں اِسراف نہیں کرنا چاہیے"۔ اس "اِسراف" سے کیا مراد ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے کہ قاتل کے علاوہ کسی دوسرے کو قتل کرے یا قاتل کو قتل کرنے کے بعد اس کے چہرے کو مسخ کرے۔

میں (راوی) نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ (مقتول کے ولی کی مدد کی جائے گی) اس مدد سے کیا مراد ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس سے بڑھ کر اور مدد کیا ہو سکتی ہے کہ قاتل کو حکومت کے ذریعہ سے پکڑ کر مقتول کے وارث کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ اسے قصاص میں قتل کر دے اور اس سے ان کے دین و دنیا میں کوئی ضرر وارد نہ ہو۔

روضہ کافی کی ایک اور تفسیر عیاشی میں منقول دو روایات کا ماحصل یہ ہے کہ "اگرچہ مقتول کے وارث کو قصاص کا حق دیا گیا ہے اور یہ ایک اسلامی حکم ہے مگر حضرت امام حسین علیہ السلام کے خون ناحق کے وارث حضرت قائم علیہ السلام کو خصوصی طور پر یہ حق دیا گیا ہے"۔

ابو العباس بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر دو شخص مل کر ایک شخص کو قتل کریں تو اس کے لیے حکمِ شرعی کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا کہ مقتول کے وارث سے کہا جائے گا کہ وہ ان دو قاتلوں میں سے جس ایک کو قتل کرنا چاہے قصاص میں قتل کر دے۔ دوسرے قاتل سے مقتول کی نصف دیت (خون بہا) وصول کر لے مقتول کی اولاد کو دی جائے گی اور اگر کوئی مرد کسی عورت کو قتل کرے تو عورت کے وارث اس کا خون بہا لینا چاہیں تو انہیں اس کا اختیار ہے اور اگر وہ قاتل مرد کے قتل پر اصرار کریں تو انہیں مرد کی نصف دیت دینی ہوگی۔ اس کے بعد وہ اس کے قاتل کو قصاص میں قتل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی اختیار کے متعلق فرمایا ہے: فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ (ہم نے اس کے وارث کو قصاص کے مطالبہ کا حق دیا ہے، اسے بھی قتل میں اِسراف نہیں کرنا چاہیے، یقیناً اس کی مدد کی جائے گی)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جس طرح سے ہر مظلوم مقتول کے وارث کو قصاص کے مطالبہ کا حق دیا گیا ہے اسی طرح سے ہمیں بھی امام حسین علیہ السلام کے مظلومانہ قتل کے قصاص کا حق دیا گیا ہے، کیونکہ ہم خونِ حسینؑ کے وارث ہیں۔

یتیم کا مال نہ کھاؤ

وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ......

''اور احسن طریقہ کے علاوہ یتیم کے مال کے قریب نہ پھٹکو''۔

اللہ تعالیٰ کو یتیم کا مال کھانا سخت ناپسند ہے اور اللہ تعالیٰ نے یتیم کا ناحق مال کھانے والوں کو دوزخ کی دھمکی دی ہے اور فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡيَتٰمٰى ظُلۡمًا اِنَّمَا يَاۡكُلُوۡنَ فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا‌ ؕ وَسَيَصۡلَوۡنَ سَعِيۡرًا ﴿۱۰﴾ (النساء:۱۰) ''جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جلتی ہوئی آگ تاپیں گے''۔

اللہ تعالیٰ نے یتیم کے مال کی حفاظت کے لیے فرمایا ہے کہ تم یتیم کے مال کے قریب نہ پھٹکو سوائے احسن طریقہ کے جب تک وہ جوان نہ ہو جائے۔ مقصد یہ ہے کہ کافلِ یتیم، یتیم کے مال سے تجارت کر سکتا ہے تاکہ یتیم کی دولت میں اضافہ ہو سکے اور جب یتیم جوان ہو جائے تو اس کا مال اس کے سپرد کر دینا چاہیے۔ (اضافۃ من المترجم ملخصاً عن المیزان)

من لا یحضرہ الفقیہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب یتیم کو احتلام ہونے لگے تو وہ اس وقت بالغ شمار ہوگا اور اس کی یتیمی ختم ہو جائے گی۔

آپؑ نے فرمایا: جب لڑکا تیرہواں سال گزار کر چودھویں سال میں داخل ہو جائے تو اس پر وہ تمام اَحکام واجب ہو جائیں گے جو دوسرے محتلم افراد پر واجب ہوتے ہیں، خواہ اس کو احتلام ہو یا نہ ہو اور اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اسے جوان ہوتے ہی اختیار حاصل ہو جاتے ہیں، البتہ وہ کمزور یا پاگل ہو تو علیحدہ بات ہے۔

عہد کی پابندی کرو

وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ‌ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـئُوۡلًا ﴿۳۴﴾

''اور عہد کی پابندی کرو بے شک عہد کے متعلق پوچھا جائے گا''۔

الخصال میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''عہد کی پابندی ضروری ہے، خواہ عہد نیک سے ہو یا بد سے ہو۔ عہد شکنی کی کسی کو اجازت نہیں ہے''۔
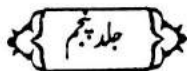
مجمع البیان میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا ہے کہ جب تک تو نے سنا نہ ہو اس وقت تک سننے کی گواہی نہ دے اور جب تک تو نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہ ہو اس وقت تک دیکھنے کی گواہی نہ دے اور جب تک تجھے کسی بات کا علم نہ ہو اس وقت تک اس کے علم کا دعویٰ نہ کر۔ چنانچہ ابن عباس اور قتادہ سے یہی مفہوم منقول ہے۔

اس آیت کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کسی کے پسِ پشت اس کی غیبت نہ کر۔ یہ مفہوم حسن سے مروی ہے اور محمد حنفیہ سے اس کا یہ مفہوم منقول ہے کہ جھوٹی گواہی نہ دو۔ (اضافۃ من المترجم مخلصًا عن المیزان)

من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ میرے کچھ ہمسائے ہیں جن کے پاس گانے بجانے والی کنیزیں موجود ہیں اور میں کبھی کبھی بیت الخلا میں زیادہ دیر تک اُن کے گانے سننے کے لیے بیٹھ جاتا ہوں تو کیا میرے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تو نے خدا کا یہ فرمان نہیں سنا: اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۶﴾ (قیامت کے دن کان، آنکھ اور دل سے باز پُرس کی جائے گی)

اس شخص نے جیسے ہی یہ آیتِ مجیدہ سنی تو چونک پڑا اور کہنے لگا: مولاؑ! مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے میں نے زندگی میں پہلی بار یہ آیت سنی ہو اور آج تک میں نے کسی عرب و عجم کی زبانی جیسے یہ آیت سنی ہی نہ ہو۔ میں آج سے پھر کبھی ان کے گانے بجانے نہیں سنوں گا اور سابقہ گناہوں کی مغفرت کے لیے میں خدا کے حضور استغفار کرتا ہوں۔

کتاب علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: تمہیں یہ اختیار نہیں ہے کہ جو چاہے بولتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَا تَقۡفُ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ (جس چیز کا علم نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ اس بندے پر رحم کرے جو بولے تو فائدہ پہنچائے، اگر خاموش رہے تو سلامتی کا ذریعہ بنے۔ تمہیں ہر بات سننے کا بھی اختیار نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۶﴾ (قیامت کے دن کان، آنکھ اور دل سے باز پُرس کی جائے گی)''۔

اصولِ کافی کی ایک اور حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کے مقدر میں ایمان کا یہ حصہ مقرر کیا ہے کہ وہ حرام کردہ اشیاء کی طرف نگاہ نہ کرے اور کان کا ایمان یہ ہے کہ وہ حرام کردہ اشیاء کو نہ سنے۔

حسن بن ہارون کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کان نے جو کچھ سنا ہے اس کے

ناپ تول صحیح طریقہ سے کرو

وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾

''جب ناپو تو پورا ناپو اور جب تولو تو صحیح ترازو سے تولو۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور انجام کے لحاظ سے یہی بہتر ہے''۔

لفظ ''قسطاس'' کے متعلق کچھ اہلِ لغت یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ رومی زبان کا لفظ ہے' جسے بعد میں عربی زبان میں بدل دیا گیا ہے۔ بعض علمائے لغت کہتے ہیں کہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے۔ بعض اہلِ لغت کا قول ہے کہ یہ لفظ اصل میں ''قسط'' اور ''طاس'' سے مرکب ہے۔ قسط انصاف کو کہا جاتا ہے اور ''طاس'' میزان کے پلڑے کو کہا جاتا ہے' یعنی وہ میزان جس میں کمی بیشی نہ ہو۔

صحیح ناپ تول ہی کسی قوم کی تجارت میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جہاں ناپ تول صحیح ہوگا وہاں تجارت فروغ پائے گی اور جہاں ناپ تول میں ڈنڈی مارنے کا رواج آ جائے تو وہاں کی تجارت کساد بازاری میں بدل جائے گی اور تجارت نہ ہونے سے معاشرے کی غربت و افلاس میں اضافہ ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صحیح ناپ تول اچھا طریقہ ہے اور انجام کے لحاظ سے بہتر ہے۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن المیزان)

جس چیز کا علم نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـــُٔوْلًا ﴿۳۶﴾

''اور جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو۔ یقیناً قیامت کے دن کان' آنکھ اور دل سے بازپُرس کی جائے گی''۔

یہ آیتِ مجیدہ انسان کو اس چیز کی اتباع سے منع کرتی ہے' جس کا علم نہ ہو' اور یہ عقیدہ و عمل دونوں پر مشتمل ہے اور اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اس چیز کا عقیدہ نہ رکھو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ اور وہ بات زبان سے نہ کہو جس کا تجھے علم نہ ہو اور وہ کام نہ کرو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔

انسانی فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ علم کی اتباع کی جائے اور جہالت کی اتباع سے پرہیز کیا جائے۔ آیتِ مجیدہ بتلاتی ہے کہ قیامت کے دن کان' آنکھ اور دل سے سوال کیا جائے گا۔

متعلق اس سے پوچھا جائے گا اور آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا اور دل نے جو عقیدہ قائم کیا ہے اس سے اس کے عقیدہ کے متعلق پوچھا جائے گا۔ تفسیر عیاشی میں بھی اسی مفہوم کی دو روایات مرقوم ہیں۔

مصباح الشریعہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''جو لوگ اپنے فرائض، واجبات اور سنن ادا کر کے سو جائیں وہ بہت اچھے لوگ ہیں کیونکہ آج کل لوگوں نے سیدھا راستہ چھوڑ دیا ہے اور اُلٹے راہوں پر چلنے لگے ہیں، اسی لیے ان سے معاشرت میں بھی خطرات ہیں اسی لیے نیند ایمان بچانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ ''یقیناً قیامت کے دن کان، آنکھ اور دل سے بازپرس کی جائے گی''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''قیامت کے دن خدا کی بارگاہ میں بندہ اس وقت تک قدم نہیں ہٹائے گا جب تک اس سے چار باتوں کا سوال نہ کیا جائے: ① پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنی عمر کہاں ضائع کی؟ ② اپنے جسم کو کن کن باتوں میں مبتلا کیا؟ ③ تو نے دولت کس ذریعہ سے کمائی اور کہاں خرچ کی؟ ④ ہماری اہلِ بیتؑ کی محبت کے متعلق پوچھا جائے گا؟''

اکڑ اکڑ کر مت چلو

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾

''اور زمین پر اکڑ کر مت چلو تم نہ تو زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی پہاڑوں کی بلندی پر پہنچ سکتے ہو''۔

اصولِ کافی کی ایک حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاؤں کے لیے ایمان کا یہ حصہ مقرر کیا ہے کہ وہ خدا کی نافرمانی کے لیے نہ چلیں اور ہمیشہ وہاں چلیں جہاں جانے پر خدا راضی ہوتا ہو اور انسان کو اکڑ اکڑ کر اور اِترا کر نہیں چلنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾

من لایحضرہ الفقیہ میں بھی یہ روایت الفاظ کے اختلاف کے ساتھ منقول ہے۔

مشرکینِ مکہ کی غلط فہمی کا ازالہ

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

''کیا تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے لڑکوں کو پسند کیا ہے اور اپنے لیے ملائکہ کو بیٹیاں بنا لیا

ہے۔تم لوگ اپنی زبانوں سے بہت بڑی بات کہہ رہے ہو"۔

مشرکینِ مکہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے عقیدہ پر شرم دلائی اور فرمایا کہ حیا کرو تم تو بیٹے پا کر خوش ہوتے ہو اور جب کبھی تمہاری گھر میں بیٹی پیدا ہو تو مارے شرم کے منہ چھپاتے ہو اور بیٹی کی پیدائش کا سن کر تمہارے چہروں پر سیاہی کے بادل چھا جاتے ہیں۔کم از کم خدا کے لیے وہی کچھ تو پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔یہ کیسی بے انصافی ہے کہ تمہارے ہاں تو بیٹے ہوں اور خدا کے ہاں ملائکہ کی شکل میں بیٹیاں ہوں؟

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ۙ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ

كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴿۴۸﴾
وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا
جَدِيدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ﴿۵۰﴾ لا أَوْ خَلْقًا مِمَّا
يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ج فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا ط قُلِ الَّذِي
فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ج فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ
هُوَ ط قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ
فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۵۲﴾ ع وَقُلْ
لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ط إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ط
إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُبِينًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ط إِنْ
يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ أَوْ إِنْ يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ ط وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ
وَكِيلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ط وَلَقَدْ
فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ﴿۵۵﴾ قُلِ
ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ
وَلَا تَحْوِيلًا ﴿۵۶﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ
الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ط

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ
مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ أَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ط كَانَ
ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَآ أَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ إِلَّآ
أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ط وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا
بِهَا ط وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ إِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ
أَحَاطَ بِالنَّاسِ ط وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ أَرَيْنٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ
وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ط وَنُخَوِّفُهُمْ لا فَمَا يَزِيْدُهُمْ إِلَّا
طُغْيَانًا كَبِيْرًا ع ﴿۶۰﴾ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا
إِلَّآ إِبْلِيْسَ ط قَالَ ءَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ج ﴿۶۱﴾ قَالَ
أَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ز لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ
تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَاسْتَفْزِزْ
مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ
وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ط وَمَا يَعِدُهُمُ
الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ إِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ

وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿٦٧﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿٦٨﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْۤ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿٧٠﴾

''اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں لیکن وہ حق سے اور زیادہ بھاگے جا رہے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے اگر ان کے قول کے مطابق دوسرے خدا بھی ہوتے تو وہ صاحب عرش تک پہنچنے کی کوئی راہ ضرور نکال لیتے۔ وہ پاک ہے اور جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس سے وہ کہیں بلند و بالا ہے۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں رہتے ہیں وہ سب کے سب اس کی پاکیزگی بیان کر رہے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان نہ کر رہی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں

سمجھتے۔ بے شک وہ بڑا بُردبار اور زیادہ بخشنے والا ہے۔

اور جب آپؐ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم تمہارے اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے درمیان ایک حجاب قائم کر دیتے ہیں۔ ہم ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں کہ کچھ نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کرتے ہیں اور جب تم قرآن میں اپنے ربّ واحد کا ذکر کرتے ہو تو وہ اُلٹے پاؤں نفرت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں جب وہ کان لگا کر تمہاری بات سنتے ہیں تو کیا سنتے ہیں اور جب بیٹھ کر سرگوشیاں کرتے ہیں تو کیا کرتے ہیں۔ جب ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم تو ایک سحرزدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔

دیکھو یہ لوگ آپؐ کے متعلق کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ لوگ گمراہ ہو چکے ہیں۔ انہیں راستہ نہیں مل سکتا۔ اور اُنھوں نے کہا ہے کہ جب ہم مرنے کے بعد ہڈیاں اور خاک بن جائیں گے تو کیا ہم از سرِ نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے۔

آپ کہہ دیں کہ تم پتھر یا لوہا بن جاؤ یا تمہارے خیال میں اس سے جو بھی بڑی مخلوق ہو سکتی ہے بن جاؤ (پھر بھی تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے) عنقریب یہ کہیں گے ہمیں دوبارہ کون واپس پلٹائے گا؟ آپ کہہ دیں تمہیں وہی دوبارہ پلٹائے گا جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ پھر وہ سر ہلا ہلا کر کہیں گے کہ اچھا یہ کب ہوگا؟ آپ کہہ دیں کہ ممکن ہے کہ وہ وقت قریب ہی ہو۔ جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار کے جواب میں نکل آؤ گے اور تم خیال کرو گے کہ تم دنیا میں بہت کم وقت کے لیے رہے ہو۔

آپؐ میرے بندوں سے کہہ دیں کہ وہ زبان سے وہ چیز نکالیں جو بہتر ہو۔ بے شک شیطان بندوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے اور شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے۔ تمہارا پروردگار تمہارے حالات کو خوب جانتا ہے اور اب یہ اس کی مرضی ہے چاہے تو تم پر رحم

کرے اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے اور ہم نے آپؐ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔
تیرا پروردگار آسمانوں اور زمین میں رہنے والوں کو بخوبی جانتا ہے اور ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا کی۔
آپ کہہ دیں کہ تم ان معبودوں کو پکار کر دیکھ لو جنہیں تم خدا کے علاوہ اپنا (کارساز) سمجھتے ہو وہ تمہارے معبود نہ تو تم سے تکلیف ہٹا سکتے ہیں اور نہ ہی تبدیلی لانے کے مالک ہیں۔
یہ جن کو خدا سمجھ کر پکارتے ہیں وہ تو خود رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کے لیے وسیلہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ کون زیادہ قربت رکھنے والا ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ تیرے رب کا عذاب اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔
اور کوئی (نافرمان) بستی ایسی نہیں ہے جسے قیامت سے پہلے ہم ہلاک نہ کریں یا سخت عذاب نہ دیں۔ یہ بات کتاب میں لکھ دی گئی ہے۔ ہمیں نشانیاں بھیجنے سے صرف یہ بات مانع ہے کہ پہلے لوگوں نے بھی نشانیوں کو جھٹلایا تھا۔ ہم نے قومِ ثمودؑ کو اُونٹنی دی جو ہماری قدرت کو ظاہر کرنے والی تھی۔ اُن لوگوں نے اس پر ظلم کیا۔ ہم نشانیاں تو صرف ڈرانے کے لیے بھیجتے ہیں۔
اور جب ہم نے آپؐ سے کہا تھا کہ آپ کا رب لوگوں کو گھیر چکا ہے اور ہم نے جو کچھ آپ کو دکھایا ہے اس کو اور وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے، ہم نے اس کو بھی لوگوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے۔ ہم ان لوگوں کو ڈراتے رہتے ہیں، لیکن ان کی سرکشی بڑھتی ہی جارہی ہے اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا۔ اُس نے کہا کیا میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟
پھر اس نے کہا کہ دیکھ کیا اس لائق تھا کہ تو نے اسے مجھ پر فضیلت دی۔ اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک کی مہلت دے دی تو میں چند افراد کے علاوہ اس کی پوری نسل کی بیخ

کنی کردوں گا۔ خدا نے کہا کہ اچھا چلا جا۔ ان میں سے جو بھی تیری پیروی کریں گے تو دوزخ تمہارے لیے بھرپور جزا بنے گی۔ تو جس جس کو اپنی آواز سے پھسلا سکتا ہے پھسلا لے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا اور مال و اولاد میں ان سے شراکت کر اور ان سے خوب وعدے کر، جب کہ شیطان کے وعدے دھوکے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہیں۔

یقیناً میرے (حقیقی) بندوں پر تجھے کوئی اقتدار حاصل نہ ہوگا اور تیرا رب ہی بعنوان نگہبان کافی ہے۔ تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لیے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے، تاکہ تم اس کے فضل و کرم کو تلاش کرسکو اور وہ تمہارے حال پر بڑا مہربان ہے۔

اور جب سمندر میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس خدائے واحد کے علاوہ وہ تمام معبود گم ہو جاتے ہیں جنہیں تم پکارا کرتے ہو، مگر جب وہ تمہیں سمندر سے نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو تم اس سے منہ موڑ جاتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو چکے ہو کہ وہ تمہیں خشکی پر ہی زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھروں کی بارش کردے اس کے بعد تمہیں پھر کوئی کارساز نہ ملے۔ یا وہ تمہیں دوبارہ سمندر میں لے جائے اور تم پر طوفانی ہوا بھیج کر تمہیں تمہارے کفر کی وجہ سے غرق کردے۔ پھر تمہیں کوئی ایسا نہ ملے جو ہم سے تمہارے انجام کی پوچھ گچھ کرسکے۔

اور ہم نے بنی آدم کو عزت عطا کی ہے اور انہیں خشکی اور تری میں سواریوں پر بٹھایا ہے، ان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا ہے اور انہیں اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت عطا کی ہے"۔

اہلِ کفر کی روش

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝۴۱

"اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، لیکن وہ حق سے اور زیادہ بھاگے جا رہے ہیں"۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے مختلف پیرایوں اور مثالوں سے لوگوں کو سمجھایا کہ وہ نصیحت حاصل کریں، لیکن منکرین حق کی سرکشی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ اسی طرح سے رسولؐ خدا نے بھی مختلف مواقع پر مختلف الفاظ سے حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کو سمجھایا، تاکہ لوگ ولایتِ علیؑ کو مان کر دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرسکیں، لیکن لوگوں کے دل اتنے سیاہ تھے کہ آپؐ کی تبلیغات سے ان کی سرکشی اور طغیانی میں اضافہ ہی ہوا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب لوگوں نے قرآن کی رنگارنگ نصیحتیں سن کر بھی منہ موڑا اور بت پرستی کے عقیدہ پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عقیدۂ شرک کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ اگر ان کے قول کے مطابق دوسرے خدا بھی ہوتے تو وہ صاحبِ عرش تک پہنچنے کی کوئی راہ ضرور نکالتے''۔

یعنی اگر یہ بت بھی معبود ہوتے جیسا کہ تم گمان کررہے ہو تو یہ بھی عرش تک ضرور چڑھتے، لیکن ان کا عرش تک نہ پہنچنا اس بات کا ثبوت ہے کہ تمہارا عقیدہ لغو اور بے بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی احدیت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ ''وہ پاک ہے اور جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس سے وہ کہیں بلند و بالا ہے''۔

کائنات کی ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

''ساتوں آسمان اور زمین اُسی کے تسبیح خواں ہیں اور جو ان میں رہتے ہیں وہ بھی خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان نہ کررہی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بے شک وہ بڑا بُردبار اور زیادہ بخشنے والا ہے''۔

الکافی کی ایک اور عیاشی کی تین روایات میں صادقین علیہما السلام سے منقول ہے کہ کائنات کی ہر چیز خدا کی تسبیح میں مصروف ہے اور حد یہ ہے کہ جب کوئی دیوار گرتی ہے تو اس کے گرنے کی آواز بھی تسبیح الٰہی ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ جانوروں کے چہرے پر چابک نہیں مارنا چاہیے

کیونکہ یہ منہ سے رب تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خشکی اور تری میں جب بھی کوئی پرندہ یا جانور شکار ہوتا ہے تو وہ اس وقت تسبیح سے غافل ہوتا ہے۔

ایک شخص حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ مولاؑ! اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں فرمایا ہے کہ کائنات کی ہر چیز خدا کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے، لیکن تمہیں ان کی تسبیح کا علم نہیں ہے۔ تو کیا خشک درخت بھی خدا کی تسبیح کرتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: کیا تم نے گھر میں خشک لکڑی کی ٹک ٹک کی صدا کبھی نہیں سنی؟ یہی آواز اس کی تسبیح ہے، اللہ ہر حال میں پاک و پاکیزہ ہے۔

رسولِ خداؐ اور کفار کے درمیان غیر مرئی حجاب ہوتا تھا

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾

''اور جب آپؐ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپؐ کے اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے درمیان ایک غیر مرئی حجاب قائم کر دیتے ہیں''۔

مجمع البیان میں اسماء بنت ابی بکر سے منقول ہے کہ جب سورہ لہب نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی اُم جمیل بنت حرب ہاتھوں میں جلتی ہوئی چھڑی لیے مسجد الحرام میں آئی، جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور وہ زبان سے آنحضرتؐ کے خلاف مغلظات بک رہی تھی۔

حضرت ابوبکر نے کہا: یارسولؐ اللہ! مجھے اندیشہ ہے کہ یہ عورت آپؐ کو کہیں اذیت نہ پہنچائے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: نہیں، وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔ چنانچہ آپؐ نے قرآنِ حکیم کی کچھ آیات پڑھیں اور یہ آیت بھی پڑھی: وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ ...... وہ حضرت ابوبکر کے پاس کھڑی رہی، اسے نبی کریمؐ کہیں دکھائی نہ دیئے۔

قرآن کی تلاوت اہلِ فسق کی طرز میں نہیں کرنی چاہیے

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''قرآن کو عرب کے لحن اور عرب کی آواز میں پڑھو: اہلِ فسق اور اہلِ کبائر کی طرزوں میں قرآن کو مت پڑھو۔ میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو موسیقی' نوحوں اور رہبانیت کے لہجوں میں پڑھیں گے۔ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ ایسے لوگوں کے دل اُلٹے ہوں گے اور جنہیں ان کی طرزیں پسند ہوں گی ان کے دل بھی اُلٹے ہوں گے''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: قرآن غم کے ساتھ نازل ہوا ہے اسے غمگین آواز میں پڑھو۔

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا: مولاؑ! جب میں قرآن کی تلاوت کرتا ہوں اور بلند آواز سے قرآن پڑھتا ہوں تو شیطان میرے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ تو ریاکار ہے اور بلند آواز سے تو اس لیے قرآن پڑھ رہا ہے کہ تیرا خاندان اور لوگ تیری تعریف کریں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اے ابومحمد! درمیانی آواز میں قرآن پڑھو۔ اپنے گھر والوں کو قرآن سناؤ اور خوبصورت آواز سے قرآن پڑھو' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو خوبصورت آواز پسند ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب میرا کوئی عجمی اُمتی اپنے عجمی لہجے میں قرآن پڑھتا ہے تو ملائکہ اسے عربی لہجے میں آسمان پر لے جاتے ہیں۔

محمد بن سلیمان نے اپنے کچھ اصحاب سے یہ روایت نقل کی کہ اُس نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا: مولاؑ! میں آپؑ پر قربان جاؤں' ہم آپؑ سے قرآن کی کچھ ایسی آیات سنتے ہیں جو کہ ہمارے ہاں نہیں سنی جاتیں اور ہم اس طرح سے انہیں ادا نہیں کر سکتے جس طرح سے وہ ہمیں آپ سے پہنچتی ہیں تو کیا ہم گناہ گار ہو رہے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں' اس طرح سے پڑھو جس طرح سے تم نے پڑھا ہے' عنقریب وہ آجائے گا جو تمہیں تعلیم دے گا۔

وضاحت: اس روایت کا مقصد یہ ہے کہ بعض آیات کی قراءت میں کچھ نہ کچھ اختلاف پایا جاتا ہے تو اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم اس طرح سے قرآن پڑھو جیسا کہ باقی مسلمان پڑھتے ہیں۔ عنقریب معلم قرآن آئے گا تو وہ تمہیں تعلیم دے گا یعنی وہ مختلف قرأتوں کی تمہیں تعلیم دے گا۔ (من المترجم)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: جب تمہیں کسی بات کا ڈر ہو تو قرآن مجید میں سے کہیں سے بھی ایک سو آیات پڑھ کر یہ کہو: اَللّٰھُمَّ اکۡشِفۡ عَنِ الۡبَلَآءِ (خدایا! مجھ سے مصیبت دُور فرما)

حفص بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ایک شخص سے کہا: کیا تو دنیا میں زندہ رہنا چاہتا ہے؟ اس نے اِثبات میں جواب دیا۔ آپؑ نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: مجھے سورہ **قل ھو اللہ احد** سے پیار ہے اور میں دنیا میں اس لیے زندہ رہنا چاہتا ہوں' تا کہ اس سورہ کو پڑھتا رہوں۔

امام علیہ السلام نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا: حفص! ہمارا جو بھی محبّ اور شیعہ اس حالت میں مرے کہ وہ اچھے طریقہ سے قرآن نہ پڑھ سکتا ہو تو اسے اس کی قبر میں قرآن کی تعلیم دی جائے گی' تا کہ اس کے ذریعہ سے اس کے درجات میں اضافہ کیا جاسکے' کیونکہ جنت کے درجات اتنے ہی ہیں جتنا کہ قرآن کی آیات ہیں۔ ہمارے محبّ سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور درجات حاصل کرتا جا' چنانچہ وہ قرآن پڑھتا جائے گا اور درجات حاصل کرتا جائے گا۔

حفص کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے زیادہ کسی کو خوفِ خدا کرتے نہیں دیکھا اور اُن سے زیادہ میں نے کسی کو رحمتِ خداوندی کا امیدوار نہیں پایا۔ آپؑ غمگین لہجے میں قرآن پڑھتے تھے اور جب آپؑ قرآن پڑھتے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے آپؑ کسی انسان سے مخاطب ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: قیامت کے دن تین دیوان ہوں گے' ایک دیوان میں ان نعمتوں کا ذکر ہوگا جو بندے کو خدا نے عطا کی ہوں گی۔ دوسرے دیوان میں بندے کی نیکیاں ہوں گی اور تیسرے دیوان میں بندے کی برائیاں ہوں گی۔ پھر نعمات کے دیوان اور نیکیوں کے دیوان کا ایک دوسرے سے تقابل کیا جائے گا تو اس وقت تمام نیکیاں ڈوب جائیں گی اور برائیوں کا دیوان باقی رہ جائے گا۔ اس وقت بندۂ مومن کو حساب کے لیے بلایا جائے گا تو اس عالم میں قرآنِ مجید حسین صورت میں اس کے آگے چلے گا اور کہے گا: خدایا! میں قرآن ہوں اور یہ تیرا مومن بندہ ہے۔ وہ میری تلاوت سے اپنے نفس کو تھکان میں مبتلا کرتا تھا اور رات کے وقت مجھے ترتیل سے پڑھا کرتا تھا اور جب نمازِ شب میں میری تلاوت کرتا تھا تو اُس کے آنسو بہا کرتے تھے۔ جس طرح سے اس نے مجھے راضی کیا تھا آج تو بھی اسے راضی فرما۔

اس وقت غالب و جبار خدا فرمائے گا کہ میرا بندہ! اپنا ہاتھ دراز کر۔ مومن اپنا دایاں ہاتھ دراز کرے گا تو خدا اسے اپنی رضائے کثیر سے بھر دے گا اور اُس کے بائیں ہاتھ کو اپنی رحمت سے بھر دے گا۔ پھر اس سے کہا جائے گا یہ جنت تیرے لیے مُباح ہے۔ قرآن پڑھتا جا اور درجات حاصل کرتا جا۔ چنانچہ مومن ایک آیت پڑھے گا اور ایک زینہ پر چڑھ جائے گا۔

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ سات قسم کی حالتوں میں قرآن نہیں پڑھنا چاہیے: ① رکوع میں ② سجدہ میں ③ بیت الخلا میں ④ حمام میں ⑤ حالتِ جنابت میں ⑥ حالتِ نفاس میں ⑦ حالتِ حیض میں۔

کافروں کا طریقہ

وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

''اور جب آپؐ قرآن میں اپنے ربِّ واحد کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اُلٹے پاؤں نفرت سے منہ موڑ لیتے ہیں''۔

روضہ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں ہوتے اور قریش آپؐ کے دروازے پر جمع ہوتے تو آپؐ بلند آواز سے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی تلاوت کرتے تھے۔ قریش یہ آیتِ مجیدہ سن کر بھاگ جاتے تھے اور آنحضرتؐ کے بعد اس اُمت نے بھی اس آیت کو چھپا کر اللہ تعالیٰ کے اسماء کو چھپایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کے متعلق وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ کی آیت نازل فرمائی۔

مجمع البیان میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ مجھ پر نازل کر کے مجھ پر عظیم احسان کیا ہے۔ اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی آیت ہے جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اور اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی آیت مجیدہ اس بات کا استحقاق رکھتی ہے کہ میں اُسے بلند آواز سے پڑھوں اور اسی کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ ......

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ شب پڑھتے اور اس میں بلند آواز سے قرأت کرتے تو لوگ آپؐ کی حسین آواز کو سننے کے لیے جمع ہوجاتے' لیکن جیسے ہی آپ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی آیتِ مجیدہ کی تلاوت کرتے تو مشرکین وہاں سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس روش کو یوں بیان کیا۔ وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ ...... اسی مفہوم کی دو اور روایات تفسیرِ مذکور میں موجود ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب رسولؐ خدا نماز پڑھتے تھے تو آپؐ نماز میں بسملہ شریف کی بلند آواز سے تلاوت فرماتے تھے۔ منافقین جیسے ہی بسملہ سنتے تو وہ پیچھے ہٹ جاتے تھے اور جب آپؐ بسملہ سے فارغ

ہوتے تو وہ اپنی صف میں واپس آ جاتے تھے اور وہ نماز کے بعد ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ محمدؐ بار بار اپنے رب کے نام کو دُہراتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس سے بڑی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس روش کی مذمت میں یہ آیت نازل فرمائی: وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ ......

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ابوحمزہ ثمالی کو مخاطب کر کے فرمایا: اے ثمالی! جب کوئی نماز پڑھانے والا نماز میں اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان اس جماعت سے دُور ہو جاتا ہے اور اگر کوئی نماز پڑھانے والا اللہ کا نام نہ لے تو ابلیس اُس کے کندھے پر سوار ہو جاتا ہے اور وہ لوگوں کا امام بن جاتا ہے۔

ثمالی نے عرض کیا: مولاؑ! ''اللہ تعالیٰ کے ذکر'' سے آپؑ کی کیا مراد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بسملہ شریف کا بلند آواز سے پڑھنا مراد ہے۔

دوبارہ اٹھائے جانے پر مشرکین کا اعتراض اور اُس کا جواب

وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾

''اور اُنھوں نے کہا ہے کہ جب ہم مرنے کے بعد ہڈیاں اور خاک بن جائیں گے تو کیا ہم ازسرنو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے''۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ابی بن خلف (مکہ کا مشہور مشرک) ایک بوسیدہ ہڈی لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: محمدؐ! یہ ایک قبر کی ہڈی ہے۔ پھر اُس نے اس پر زور دیا تو وہ ہڈی ریزہ ریزہ ہوگئی۔ اس نے ہڈی کے چورے کو پھونک مار کر اُڑا دیا اور کہنے لگا: بھلا اب بتاؤ جس ہڈی کا چورا تک اُڑ گیا ہو کیا وہ بھی زندہ کی جائے گی۔ اور یہ کیسی بات ہے کہ تم ہم سے یہ کہتے ہو کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا جسم ہڈیاں اور خاک بن جاتا ہے تو کیا ہڈیاں اور خاک کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟

اللہ تعالیٰ نے اس کے سوال کو بھی قرآن کی آیت بنا کر پیش کیا اور اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: جی ہاں، ان ہڈیوں کو وہی دوبارہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلے پیدا کیا تھا۔

سارے انبیاء کی شان یکساں نہیں ہے

......وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

''اور ہم نے بعض انبیاءؑ کو بعض پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا کی''۔

کتاب علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے افضل و اکرم اور کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔ حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ افضل ہیں یا جبریل امینؑ؟ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انبیائے مرسلین کو ملائکہ مقربین پر فضیلت دی ہے اور مجھے تمام انبیاء و مرسلین پر فضیلت دی ہے اور میرے بعد اللہ تعالیٰ نے تجھے اور تیری نسل کے آئمہؑ کو فضیلت دی ہے۔ ملائکہ تو ہمارے اور ہمارے محبوں کے خادم ہیں۔

واضح رہے کہ حدیث کافی طویل ہے۔ ہم نے بقدرِ ضرورت اس کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: قریش کے ایک فرد نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ تو آخری اور خاتم الانبیاءؑ ہیں۔ اس کے باوجود آپؐ انبیائے سابقین سے افضل ہیں تو آخر اس کا کیا سبب ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے سب سے پہلے اپنے رب کا اقرار کیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں اپنی ربوبیت کا اقرار لیا تھا تو سب سے پہلے میں نے ہی بَلٰی کہا تھا۔ اسی لیے میں تمام انبیاء سے سبقت لے گیا۔

اصولِ کافی میں ابن ابی یعفور سے منقول ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے سنا آپؑ فرمایا کرتے تھے: انبیاء و مرسلین کے سردار پانچ ہیں اور وہ ''اُولی العزم'' رسول ہیں' اور ہدایت کی چکی انہی پر گردش کرتی ہے اور وہ یہ ہیں:

① حضرت نوح علیہ السلام ② حضرت ابراہیم علیہ السلام ③ حضرت موسیٰ علیہ السلام ④ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ⑤ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

الخرائج والجرائح میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اُولی العزم انبیاء کو علم کی وجہ سے باقی انبیاء پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسولِ خدا کو وہ علم عطا کیا جسے باقی انبیاء نہیں جانتے تھے اور ہمیں علمِ رسولؐ کا وارث بنایا۔ ہم نے اپنے شیعوں سے رسولؐ خدا کا علم بیان کیا ہے۔ اس علم کو جس نے قبول کیا وہ اس میں

افضل ہے اور ہم جہاں بھی ہوں گے ہمارے شیعہ ہمارے ساتھ ہوں گے۔

عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ اُولی العزم رسول پانچ ہیں اور وہ یہ ہیں: حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ اور یہ تمام انبیاء ورسل سے افضل ہیں۔

معبودانِ باطل کسی کی کوئی تکلیف دُور نہیں کرسکتے

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿٥٦﴾

"آپ کہہ دیں کہ تم ان معبودوں کو پکار کر دیکھو جنہیں تم خدا کے علاوہ اپنا کارساز سمجھتے ہو، تمہارے وہ معبود نہ تو تم سے تکلیف ہٹا سکتے ہیں اور نہ ہی تبدیلی لانے کے مالک ہیں"۔

اصولِ کافی میں منقول ہے کہ جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کسی بیماری اور تکلیف میں مبتلا ہوتے تو آپ بارگاہِ خداوندی میں یوں دعا کرتے تھے:

"پروردگار! تو نے کچھ لوگوں کو طعنہ دیا ہے کہ تم اپنے ان معبودوں کو بلا کر دیکھ لو جنہیں تم خدا کے علاوہ اپنے کارساز سمجھتے ہو، وہ تم سے نہ تو تکلیف ہٹا سکتے ہیں اور نہ ہی تبدیلی لانے کے مالک ہیں۔ اے وہ ذات کہ میری تکلیف ہٹانے پر جس کے علاوہ اور کسی کو قدرت حاصل نہیں ہے، محمدؐ وآلِ محمدؐ پر درود بھیج اور میری تکلیف دُور فرما اور اس تکلیف کو اُس کی طرف بھیج جو تیرے ساتھ کسی اور معبود کو پکارتا ہو، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

خوف ورجا

...... وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ

"وہ رب کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں"۔

اصولِ کافی میں حارث بن مغیرہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ مولاؑ! لقمان حکیم کی وصیت میں کیا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: اس میں بڑی عجیب باتیں تھیں اور سب سے عجیب بات یہ تھی کہ اُنھوں نے اپنے فرزند کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا: "اے فرزند! خدا سے اتنا ڈر کہ اگر تو جن وانس کی نیکی بھی اس کے سامنے لے کر چلا جائے تو بھی وہ

تجھے عذاب میں مبتلا کردے اور خدا سے اُمید اتنی رکھ کہ اگر تو جن وانس کے بھی گناہ لے کر اس کے حضور پیش ہو تو بھی وہ تجھ پر رحم کرے"۔

پھر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: میرے والد ماجد علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: "ہر مومن کے دل میں دو نور ہوتے ہیں: ایک نورِ خوف ہوتا ہے اور ایک نورِ اُمید ہوتا ہے اور اگر انہیں ترازو میں تولا جائے تو دونوں کا وزن برابر ہوتا ہے"۔

ہیثم بن واقد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا' آپؑ نے فرمایا: "جو خدا سے ڈرتا ہے اللہ ہر چیز کے دل میں اس کا خوف ڈال دیتا ہے اور جو خدا سے نہ ڈرے اللہ ہر چیز کا خوف اس کے دل میں ڈال دیتا ہے"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "جسے خدا کی معرفت ہوتی ہے وہ خدا سے ڈرتا ہے اور جو خدا سے ڈرتا ہو وہ دنیا میں اپنے آپ کو ملوث نہیں کرتا"۔

ابن ابی نجران ایک شخص سے ناقل ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: "کچھ لوگ گناہ میں مصروف رہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں ان کی پوری زندگی اسی طرح سے گزر جاتی ہے' یہاں تک کہ انہیں موت اپنی آغوش میں لے لیتی ہے؟"

آپؑ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کی جھوٹی آرزوؤں نے دھوکے میں ڈالا ہوا ہے۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ رحمتِ پروردگار کے اُمیدوار نہیں ہیں کیونکہ جسے کسی چیز کی اُمید ہو تو وہ اسے تلاش کرتا ہے اور جسے کسی چیز کا خوف ہو تو وہ اس سے دُور بھاگتا ہے۔

علی بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: آپؑ کے کچھ موالی (دوستدار) گناہ کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم رحمتِ خدا کے اُمیدوار ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ لوگ ہمارے موالی (دوستدار) نہیں ہیں۔ ان لوگوں کو ان کی آرزوؤں نے دھوکہ دیا ہے جسے کسی چیز کی اُمید ہوتی ہے تو وہ اس کی جستجو کرتا ہے اور اس کے لیے عمل کرتا ہے اور جسے کسی چیز کا خوف ہوتا ہے وہ اس سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: شرف اور شہرت کی محبت خوفِ خدا رکھنے والے شخص کے دل میں کبھی نہیں ہوتی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: پیغمبر اسلامؐ کے جو خطبات لوگوں کو یاد ہیں ان میں حضرت کا ایک خطبہ

یہ بھی ہے، آپؑ نے فرمایا:

''لوگو! تمہارے لیے کچھ معالم مقرر ہیں تم اپنے معالم تک پہنچو اور تمہارے لیے ایک حدِ آخر مقرر کی جاچکی ہے اُس حدِ آخر تک پہنچو۔ آگاہ رہو! مومن دو قسم کے خوف میں مبتلا رہ کر عمل کرتا رہتا ہے، اسے اپنے گزرے ہوئے لمحات کا خوف ہوتا ہے کہ نجانے خدا اس کے ساتھ ان کی وجہ سے کیا سلوک کرے اور اسے اپنی زندگی کے باقی دنوں کا خوف ہوتا ہے کہ خدا جانے اس میں خدا! اس کے متعلق کیا فیصلہ کرے لہٰذا بندہ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے اپنی ذات سے ہی بھلائی حاصل کرے اور اپنی دنیا میں رہ کر آخرت کو آباد کرے اور بڑھاپے سے قبل جوانی میں ہی نیک اعمال کا سرمایہ جمع کرے اور موت سے قبل زندگی کو غنیمت جانتے ہوئے نیکیاں جمع کرے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے موت کے بعد کسی کی رضا کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ موت کے بعد یا تو ٹھکانا جنت میں ہوگا یا دوزخ میں ہوگا''۔

ابوسارہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا: اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ خوف کرنے والا اور رحمت کا امیدوار نہ بن جائے اور کوئی شخص اس وقت تک ''امیدوار'' نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنی امید حاصل کرنے اور خوف سے بچنے کے لیے عمل نہ کرے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مومن کی زندگی دو طرح کے خوف میں گزرتی ہے۔ اسے گزرے ہوئے گناہ کا خوف ہوتا ہے کہ نجانے اس کے متعلق خدا اس سے کیا سلوک کرے اور اسے اپنی باقی عمر کے متعلق یہ خوف رہتا ہے کہ نجانے اس میں اس کے لیے کتنی ہلاکتیں لکھی گئی ہیں، اسی لیے جب وہ صبح کرتا ہے تو خوف زدہ ہو کر ہی کرتا ہے اور خوف ہی اس کی اصلاح کا واحد ذریعہ ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''حضرت لقمان حکیم نے اپنے فرزند کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''اے فرزند! اگر مومن کے دل کو اس کے جسم سے نکال کر چیرا جائے تو اس میں دو نور دکھائی دیں گے۔ ایک نور خوف کا ہوگا اور ایک نور اُمید کا ہوگا اور اگر ان دونوں اَنوار کا وزن کیا جائے تو دونوں کے وزن میں ایک رتی کا بھی فرق نہیں ہوگا''۔

قیامت سے قبل ہر آبادی نے ہلاک ہونا ہے یا اس پر عذاب آنا ہے

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ

ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۵۸

''اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے جسے قیامت سے قبل ہم ہلاک نہ کردیں یا اسے سخت عذاب نہ دیں۔ یہ بات کتاب میں لکھ دی گئی ہے''۔

من لا یحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ امام سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا: اس سے موت کے ذریعہ سے فنا مراد ہے۔

تفسیر عیاشی میں محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: ''اُمت محمد بھی دوسری اُمتوں کی طرح سے ایک اُمت ہے جو مرگیا وہ ہلاک ہوگیا''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے ضمن میں مروی ہے کہ ہر اُمت نے قیامت سے قبل قتل اور موت وغیرہ سے ہلاک ہونا ہے۔

زیادہ نشانیاں نہ بھیجنے کی وجہ

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ

''ہمیں نشانیاں بھیجنے سے صرف یہ بات مانع ہے کہ پہلے لوگوں نے بھی ان کی تکذیب کی تھی''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کے لیے زیادہ سے زیادہ نشانیاں دکھانے کی خدا سے درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمیں نشانیاں بھیجنے سے یہ بات مانع ہے کہ پہلے لوگوں نے بھی نشانیوں کی تکذیب کی تھی جس کے نتیجے میں ان پر عذاب آیا تھا۔ اسی لیے ہم آپ کی قوم سے نشانیوں کو موخر کر رہے ہیں تاکہ یہ لوگ ہلاکت کا نشانہ نہ بنیں۔

شجرۂ ملعونہ

......وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝۶۰

''ہم نے آپ کو جو کچھ خواب میں دکھایا ہے اس کو اور وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے اس کو بھی لوگوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے ہم ان لوگوں کو ڈراتے رہتے ہیں لیکن ان کی

سرکشی بڑھتی ہی جارہی ہے''۔

کتاب احتجاج طبرسی میں ہے کہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے مروان بن الحکم سے کہا تھا کہ میں نہ تو تجھ پر سب کرتا ہوں اور نہ ہی تیرے باپ پر سب کرتا ہوں البتہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر، تیرے باپ پر اور تیرے خاندان پر اور تیری نسل اور تیری باپ کی قیامت تک پیدا ہونے والی نسل پر لعنت کی ہے اور یہ لعنت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے کرائی ہے۔

اے مروان! تو بھی اس لعنت سے انکار نہیں کرسکتا اور نہ ہی وہ لوگ انکار کرسکتے ہیں جو رسولؐ خدا کے سامنے اُس وقت موجود تھے جب اُنھوں نے تجھ پر اور تیرے باپ پر لعنت کی تھی۔

مروان! خدا نے تجھے جتنا بھی ڈرایا ہے تو بالکل نہیں ڈرا، بلکہ تیری سرکشی میں اضافہ ہوا ہے، اللہ بھی سچا ہے اور اس کا رسول بھی سچا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝ اور جس شجرہ پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے وہ شجرہ ملعونہ تُو اور تیری اولاد ہے۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہما السلام سے منقول ہے کہ وہ لوگ جو کتاب کے ظاہر و باطن پر عمل کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی مثال شجرۂ طیبہ سے دی ہے، جس کی جڑ گہری اور جس کی شاخ آسمان میں ہے اور جو ہر موسم میں اپنے پروردگار کے حکم سے پھل دیتا رہتا ہے اور ان کے دشمن شجرۂ ملعونہ ہیں جو یہ کوشش کر رہے ہیں کہ پھونکوں سے اللہ تعالیٰ کے نور کو خاموش کردیں، جب کہ اللہ چاہتا ہے کہ اس کا نور مکمل ہو۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: وہ شجرہ جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے اس سے بنی اُمیہ مراد ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ شجرۂ ملعونہ سے بنی اُمیہ مراد ہیں۔

زرارہ، حمران اور محمد بن مسلم راوی ہیں کہ ہم نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا:

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند لوگوں کو دیکھا تھا جو منبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور لوگوں کو گمراہ کرنے میں مصروف تھے اور شجرۂ ملعونہ سے بنی اُمیہ مراد ہیں''۔

ایک اور روایت میں امام پنجم سے منقول ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ کچھ لوگ آگ

ے بنے ہوئے ہیں اور آگ کے منبروں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگوں کو اُلٹے پاؤں پھیر رہے ہیں۔ ہم کسی کا نام نہیں لیتے۔

سلام بھی ناقل ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ہم کسی کا نام نہیں لیتے' لیکن بات یہ ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ لوگوں کو اپنے منبر پر دیکھا تھا جو آپؐ کے بعد لوگوں کو اُلٹے پاؤں پھیر رہے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک مرتبہ رسولؐ خدا انتہائی غمگین اور رنجیدہ خاطر ہو کر گھر سے باہر آئے۔ آپؐ سے پوچھا گیا کہ آپ غمگین کیوں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: میں نے آج رات بنی اُمیہ کے لڑکوں کو اپنے منبر پر چڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ کیا یہ میری زندگی میں میرے منبر پر چڑھیں گے؟ خدا نے فرمایا: نہیں یہ تیرے بعد تیرے منبر پر چڑھیں گے۔

ابی طفیل بیان کرتے ہیں کہ میں مسجدِ کوفہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام کا خطبہ سن رہا تھا۔ مسجد کے آخر میں ''ابن کوا'' نے آواز دے کر کہا: اے امیر المومنینؑ! یہ بتائیں کہ وہ درخت کون سا ہے جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس سے قریش کے دو فاجر اور بنی اُمیہ کے حکام مراد ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ بنی اُمیہ کے افراد آپؐ کے منبر پر چڑھ رہے تھے۔ آپ گھبرا کر اُٹھے۔ آپؐ نے خواب میں بنی اُمیہ کے بارہ افراد کو دیکھا۔ اس کے بعد جبریل امینؑ یہ آیت لے کر نازل ہوئے: وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ کی آیت نازل فرمائی۔ اس کے بعد جبریل امینؑ نے کہا: یا رسولؐ اللہ! بنی اُمیہ کے جتنے افراد حکومت حاصل کریں گے آپؐ کے اہلِ بیتؑ کے دگنے افراد لوگوں پر حکومت کریں گے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ رسولِ خدا کے خواب کے متعلق چند روایات ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپؐ کے منبر پر بندر چڑھ رہے تھے اور اُتر رہے تھے۔ آپ کو اس سے شدید صدمہ ہوا۔ چنانچہ سہل بن سعید نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ اس خواب کے بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے بھی یہی روایت مروی ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی یہی روایت منقول ہے۔

کتاب الخصال میں مذکور ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

''معاویہ مجھ سے مصالحت کے لیے ایسی شرائط پیش کر رہا ہے جن پر نہ تو خدا راضی ہے اور نہ ہی رسولؐ راضی ہے اور

نہ ہی اہلِ ایمان راضی ہیں۔ آج معاویہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں عمار بن یاسرؓ کو اس کے حوالے کروں۔ آج عمارؓ جیسا انسان کہاں ہے۔ جب ہم نبی کے ساتھ چار ہوتے تھے تو عمارؓ پانچواں ہوتا تھا اور اگر ہم پانچ ہوتے تو عمارؓ چھٹا ہوتا تھا۔ ہاں اگر عثمان قتل ہوئے ہیں تو ان کے قتل کی ذمہ داری ان کے ان رشتہ داروں پر عائد ہوتی ہے جو اس درخت کی بنیاد ہیں جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔

شیطان کی اموال و اولاد میں شرکت

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۶۴

"اے شیطان! تو جس جس کو بھی اپنی آواز سے پھسلا سکتا ہے پھسلا لے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا اور مال و اولاد میں ان سے شراکت کر اور ان سے خوب وعدے کر۔ جب کہ شیطان کے وعدے دھوکے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہیں"۔

نہج البلاغہ کے خطبہ قاصعہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام نے شیطان کی مذمت کی ہے اور اس خطبہ کے دو اقتباسات حسب ذیل ہیں:

"اے خدا کے بندو! اللہ تعالیٰ کے دشمن ابلیس سے ڈرو کہ کہیں وہ تمہیں اپنا روگ نہ لگا دے اور اپنی پکار سے تمہیں بہکا نہ دے اور اپنے سوار و پیادے لے کر تم پر چڑھ نہ دوڑے۔ اس نے شروع ہی میں تمہاری اصل (آدمؑ) پر فخر کیا اور تمہارے حسب (قدر و منزلت) پر حرف رکھا۔ تمہارے نسب (اصل وطینت) پر طعن کیا اور اپنے سواروں کو لے کر تم پر یورش کی اور اپنے پیادوں کو لے کر تمہارے راستے کا قصد کیا ہے۔ وہ ہر جگہ سے تمہیں شکار کرتے ہیں اور تمہاری ایک ایک پور پر چوٹیں لگاتے ہیں، نہ کسی حیلہ و تدبیر سے تم اپنا بچاؤ اور نہ پورا تہیہ کر کے اس کی روک تھام کر سکتے ہو۔ درآنحالیکہ تم رُسوائی کے بھنور، تنگی و ضیق کے دائرہ، موت کے میدان اور مصیبت و بلا کی جولان گاہ میں ہو۔

تمہیں لازم ہے کہ اپنے دلوں میں چھپی ہوئی عصبیت کی آگ اور جاہلیت کے کینوں کو فرو کرو، کیونکہ مسلمان میں یہ غرور خود پسندی شیطان کی وسوسہ اندازی، نخوت پسندی، فتنہ انگیزی اور فسوں کاری کا ہی نتیجہ ہوتی ہے۔ عاجزی و فروتنی کو سر کا تاج بنا لو اور تکبر و خود بینی کو پیروں تلے روند ڈالو اور تکبر و رعونت کا طوق گردن سے اُتارنے کا عزم بالجزم کر لو اور اپنے

ے بنے ہوئے ہیں اور آگ کے منبروں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگوں کو اُلٹے پاؤں پھیر رہے ہیں۔ ہم کسی کا نام نہیں لیتے۔
سلام بھی ناقل ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ہم کسی کا نام نہیں لیتے' لیکن بات یہ ہے کہ حضرت
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ لوگوں کو اپنے منبر پر دیکھا تھا جو آپؐ کے بعد لوگوں کو اُلٹے پاؤں پھیر رہے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک مرتبہ رسولؐ خدا انتہائی غمگین اور رنجیدہ خاطر ہو کر گھر سے باہر
آئے۔ آپؐ سے پوچھا گیا کہ آپؐ غمگین کیوں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: میں نے آج رات بنی اُمیہ کے لڑکوں کو اپنے منبر پر
چڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ کیا یہ میری زندگی میں میرے منبر پر چڑھیں گے؟ خدا نے فرمایا:
نہیں یہ تیرے بعد تیرے منبر پر چڑھیں گے۔

ابی طفیل بیان کرتے ہیں کہ میں مسجدِ کوفہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام کا خطبہ سن رہا تھا۔ مسجد کے آخر میں ''ابن کوا''
نے آواز دے کر کہا: اے امیر المومنینؑ! یہ بتائیں کہ وہ درخت کون سا ہے جس پر قرآنؐ میں لعنت کی گئی ہے؟
آپؑ نے فرمایا: اس سے قریش کے دو فاجر اور بنی اُمیہ کے حکام مراد ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ بنی اُمیہ
کے افراد آپؐ کے منبر پر چڑھ رہے تھے۔ آپؐ گھبرا کر اُٹھے۔ آپؐ نے خواب میں بنی اُمیہ کے بارہ افراد کو دیکھا۔ اس کے
بعد جبریل امینؑ یہ آیت لے کر نازل ہوئے: وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ کی آیت نازل فرمائی۔ اس
کے بعد جبریل امینؑ نے کہا: یا رسولؐ اللہ! بنی اُمیہ کے جتنے افراد حکومت حاصل کریں گے آپؐ کے اہلِ بیتؑ کے دگنے افراد
لوگوں پر حکومت کریں گے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ رسولِ خدا کے خواب کے متعلق چند روایات ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے
خواب میں دیکھا تھا کہ آپؐ کے منبر پر بندر چڑھ رہے تھے اور اُتر رہے تھے۔ آپؐ کو اس سے شدید صدمہ ہوا۔ چنانچہ سہل بن
سعید نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ اس خواب کے بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا
تھا۔ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے بھی یہی روایت مروی ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی یہی روایت منقول ہے۔

کتاب الخصال میں مذکور ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا:
''معاویہ مجھ سے مصالحت کے لیے ایسی شرائط پیش کر رہا ہے جن پر نہ تو خدا راضی ہے اور نہ ہی رسولؐ راضی ہے اور

نہ ہی اہلِ ایمان راضی ہیں۔ آج معاویہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں عمار بن یاسرؓ کو اس کے حوالے کروں۔ آج عمارؓ جیسا انسان کہاں ہے۔ جب ہم نبی کے ساتھ چار ہوتے تھے تو عمارؓ پانچواں ہوتا تھا اور اگر ہم پانچ ہوتے تو عمارؓ چھٹا ہوتا تھا۔ ہاں اگر عثمان قتل ہوئے ہیں تو ان کے قتل کی ذمہ داری ان کے ان رشتہ داروں پر عائد ہوتی ہے جو اس درخت کی بنیاد ہیں جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔

شیطان کی اموال واولاد میں شرکت

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿۶۴﴾

"اے شیطان! تو جس جس کو بھی اپنی آواز سے پھسلا سکتا ہے پھسلا لے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا اور مال و اولاد میں ان سے شراکت کر اور ان سے خوب وعدے کر۔ جب کہ شیطان کے وعدے دھوکے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہیں"۔

نہج البلاغہ کے خطبہ قاصعہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام نے شیطان کی مذمت کی ہے اور اس خطبہ کے دو اقتباسات حسبِ ذیل ہیں:

"اے خدا کے بندو! اللہ تعالیٰ کے دشمن ابلیس سے ڈرو کہ کہیں وہ تمہیں اپنا روگ نہ لگا دے اور اپنی پکار سے تمہیں بہکا نہ دے اور اپنے سوار و پیادے لے کر تم پر چڑھ نہ دوڑے۔ اس نے شروع ہی میں تمہاری اصل (آدمؑ) پر فخر کیا اور تمہارے حسب (قدر ومنزلت) پر حرف رکھا۔ تمہارے نسب (اصل وطینت) پر طعن کیا اور اپنے سواروں کو لے کر تم پر یورش کی اور اپنے پیادوں کو لے کر تمہارے راستے کا قصد کیا ہے۔ وہ ہر جگہ سے تمہیں شکار کرتے ہیں اور تمہاری ایک ایک پور پر چوٹیں لگاتے ہیں، نہ کسی حیلہ وتدبیر سے تم اپنا بچاؤ اور نہ پورا تہیہ کر کے اس کی روک تھام کر سکتے ہو۔ درآنحالیکہ تم رُسوائی کے بھنور، تنگی وضیق کے دائرہ، موت کے میدان اور مصیبت و بلا کی جولان گاہ میں ہو۔

تمہیں لازم ہے کہ اپنے دلوں میں چھپی ہوئی عصبیت کی آگ اور جاہلیت کے کینوں کو فرو کرو، کیونکہ مسلمان میں یہ غرور خود پسندی شیطان کی وسوسہ اندازی، نخوت پسندی، فتنہ انگیزی اور فسوں کاری کا ہی نتیجہ ہوتی ہے۔ عاجزی و فروتنی کو سر کا تاج بنا لو اور تکبر وخود بینی کو پیروں تلے روند ڈالو اور تکبر ورعونت کا طوق گردن سے اُتارنے کا عزم بالجزم کر لو اور اپنے

اور اپنے دشمن شیطان اور اس کی سپاہ کے درمیان تواضع کا مورچہ قائم کرو کیونکہ ہر جماعت میں اس کے لشکر، یار و مددگار اور سوار و پیادے موجود ہیں۔

اصولِ کافی میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ہر بدگفتار بے حیا کے لیے جنت کو حرام کیا ہے جسے یہ پروا نہ ہو کہ وہ لوگوں سے کیا کہہ رہا ہے اور لوگ جواب میں اس سے کیا کہہ رہے ہیں۔ اگر تو اس کی تحقیق کرے تو اسے یا تو نطفہ حرام پائے گا یا اس میں ابلیس کی شراکت کو دیکھے گا۔

آپؐ سے کہا گیا: یارسولؐ اللہ! کیا انسانوں میں بھی ابلیس کی ساجھے داری ہے؟

آپؐ نے فرمایا: کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا: وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (تو ان کے مال و اولاد میں شریک ہوجا)۔

الکافی میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب کسی شخص کی شادی ہو اور دلہن گھر میں لائی جائے تو شوہر کو چاہیے کہ وہ یہ دعا پڑھے:

بکلمات اللّٰہ استحللت فرجها وفی امانة الله اخذتها اللهم ان قضیت لی فی رحمها شیئا فاجعله بارا تقیا واجعله مسلما سویا ولا تجعل فیه شرکا للشیطان -

خبردار شیطان کو شریک نہ ہونے دو کیونکہ شیطان مال و اولاد میں شرکت کرتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ بندہ میں شیطان کی شراکت ہے یا نہیں ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر ہم سے محبت کرتا ہے تو وہ اپنے والد کا نطفہ ہے اور اگر ہم سے عداوت کرتا ہے تو وہ ابلیس کا نطفہ ہے۔

من لایحضرہ الفقیہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ چار قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ ان میں شیطان کی شراکت ہے:

① جسے یہ پرواہ نہ ہو کہ وہ لوگوں سے کیا کہتا ہے اور لوگ اس سے کیا کہتے ہیں۔

② جسے لوگوں کے سامنے بُرائی کرتے ہوئے کوئی عیب محسوس نہ ہوتا ہو۔

③ جو بلاوجہ اپنے مومن بھائی کی غیبت کرے۔

④ جسے حرام سے محبت ہو اور ہر وقت زنا کی خواہش اس پر سوار ہو۔

تفسیر عیاشی میں محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مال و اولاد میں ابلیس کی شراکت کے متعلق سوال کیا تو اُس کے جواب میں آپؑ نے فرمایا: جب کوئی شخص مالِ حرام حاصل کرتا ہے تو اُس میں شیطان شریک ہوتا ہے اور جب کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرتا ہے تو اس میں بھی شیطان شریک ہوتا ہے۔ اگر اس حالت میں نطفہ ٹھہر جائے تو پیدا ہونے والے بچے میں ابلیس کی شراکت ہوتی ہے۔

زرارہ کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف کا باپ یوسف حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کا دوست تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنی بیوی سے مقاربت کرنا چاہی تو اس کی بیوی نے کہا کہ کیوں تنگ کرتا ہو۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو تم نے مجھ سے مقاربت کی ہے۔ بیوی کی یہ بات سن کر وہ امام علیہ السلام کے پاس آیا اور اُس نے حضرتؑ کو واقعہ کی اطلاع دی۔

آپؑ نے فرمایا: اب تم بیوی سے مقاربت نہ کرو۔ چنانچہ وہ عورت حاملہ ہوئی اور بچہ جنا جس کا نام حجاج بن یوسف رکھا گیا۔ حجاج ابلیس کے نطفہ کا ثمر تھا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جب کوئی مرد و عورت زنا کرتے ہیں تو اس عمل میں ابلیس بھی شامل ہو جاتا ہے اور عورت کے رحم میں بیک وقت دو نطفے گرتے ہیں اور اس سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس میں شیطان شریک ہوتا ہے۔

صادقینؑ میں سے ایک بزرگوار سے مروی ہے کہ مالِ حرام میں ابلیس حصہ دار ہوتا ہے اور نطفہ حرام میں بھی ابلیس ساجھے دار ہوتا ہے۔

یونس بن ابی الربیع شامی کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ بسر کی تو آپؑ نے شراکتِ شیطان کی گفتگو کی۔ میں نے عرض کیا: اس سے بچنے کی بھی تو کوئی سبیل بتائیں؟

آپؑ نے فرمایا: جب تم اپنی بیوی سے حقوقِ زوجیت ادا کرنے کا ارادہ کرو تو اس سے پہلے یہ دعا پڑھو:

بسم الله الرحمٰن الرحيم – الذى لا اله الا هو بديع السموات والارض اللهم ان قضيت منى فى هذه الليلة خليفة فلا تجعل للشيطان فيه نصيبا ولا شركا ولا حظا واجعله عبدا صالحا خالصا مخلصا مصغيا وذريته جل ثناؤك ـ

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ مالِ حرام میں شیطان شریک ہوتا ہے اور اگر اسی حرام دولت سے کوئی شخص کنیز خرید کرے یا حق مہر میں حرام کی دولت ادا کرے اور اس عورت سے بچہ پیدا ہو تو اس میں شیطان کی شراکت ہوتی ہے اور

آپؑ نے فرمایا:

''اللہ'' اس ہستی کو کہا جاتا ہے جب تمام سہارے اور امیدیں ٹوٹ جائیں اور اس عالمِ مایوسی میں انسان جس کی طرف رجوع کرے اور جب بندہ ''بسم اللہ'' کہتا ہے تو وہ اس وقت یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں اپنے تمام معاملات میں اس اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کر رہا ہوں جس کے علاوہ کوئی عبادت کا استحقاق نہیں رکھتا اور جب اسے پکارا جاتا ہے تو وہ مدد کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپؑ مجھے خدا کے متعلق رہنمائی فرمائیں کیونکہ جھگڑا کرنے والوں نے مجھے حیران کر دیا ہے' تو آپؑ نے اس سے فرمایا تھا کہ کیا تو نے کبھی سمندر کا بھی سفر کیا ہے؟ اُس شخص نے کہا: جی ہاں' میں نے سمندری سفر کیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: کیا سمندری سفر کے دوران کبھی تجھ سے ایسا اتفاق بھی ہوا کہ تیری کشتی ٹوٹ گئی ہو اور وہاں کوئی بچانے والا نہ ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں' ایسا بھی ہوا تھا۔

آپؑ نے فرمایا: اس وقت جب تمام سہارے ٹوٹ چکے تھے اور کہیں سے مدد ملنے کی کوئی آس نہ تھی تو کیا اس وقت تمہارے دل میں کسی ایسی ہستی کا بھی تصور تھا جس کے متعلق تمہیں یقین ہو کہ اس عالمِ نا اُمیدی میں اگر بچا سکتا ہے تو صرف وہی بچا سکتا ہے؟ اس شخص نے کہا: جی ہاں' ایسا ہی تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: وہی خدا تھا جس سے تمہاری اُمیدیں وابستہ تھیں۔ جب کوئی نجات دینے والا نہ ہو تو وہی نجات دیتا ہے اور جہاں کوئی فریادرس نہ ہو وہی فریادرسی کرتا ہے۔

اِکرامِ انسان

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝۷۰

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت عطا کی ہے اور انہیں خشکی اور تری میں سواریوں پر سوار کیا ہے اور ان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا ہے اور انہیں اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت عطا کی ہے''۔

شیخ الطائفہ امالی میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے انسان کو باقی مخلوقات پر عزت دی ہے اور خشکی اور تری کے سفر کے لیے ان کو سواریاں فراہم کی ہیں

جب کوئی مرد کسی عورت سے زنا کرتا ہے تو اس میں ابلیس کی شراکت ہوتی ہے۔ بعض اوقات بچہ خالص ابلیسی نطفہ سے پیدا ہوتا ہے اور بعض اوقات زانی مرد کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی سے جماع کرنے سے قبل بسملہ نہ پڑھے تو بھی ابلیس اس عمل میں شریک ہو جاتا ہے۔

خدا کے مخلص بندے شیطان سے محفوظ ہیں

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا ﴿۶۵﴾

''یقیناً میرے (حقیقی) بندوں پر تجھے کوئی اختیار نہ ہوگا اور تیرا رب ہی بطورِ نگہبان کافی ہے''۔

جب شیطان پر خدا نے لعنت کی اور اسے مقامِ قدس سے نکل جانے کا حکم دیا تو اس نے خدا سے عمر دراز طلب کی جو اسے دے دی گئی۔ پھر اس نے کہا: مجھے تیری عزت کی قسم! میں اب اولادِ آدمؑ کو گمراہ کروں گا اور انہیں صراطِ مستقیم سے بہکاؤں گا۔ البتہ تیرے مخلص بندوں پر میرا زور نہیں چلے گا۔

جواب میں خدا نے فرمایا: تو اپنی آواز سے جسے بھی گمراہ کر سکتا ہے بے شک گمراہ کر لے اور اپنے سوار و پیادوں سے ان پر حملہ کر دے اور اُن کے مال و اولاد میں شریک ہو جا، مگر اس کے باوجود میرے حقیقی بندوں پر تجھے کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا۔

اصولِ کافی کی ایک روایت میں مرقوم ہے کہ ابلیس مومن کا بدترین دشمن ہے اور وہ اسے گمراہ کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتا ہے اور گناہوں کو مزین کر کے اسے گناہ کرنے کی دعوت دیتا ہے، لیکن مومن پہاڑ کی طرح سے اطاعتِ الٰہی پر مضبوط ہوتا ہے۔

جب سہارے ٹوٹ جائیں تو خدا یاد آتا ہے

وَ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ ......

''اور جب سمندر میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس خدائے واحد کے علاوہ وہ معبود گم ہو جاتے ہیں، جنہیں تم پکارا کرتے ہو، مگر جب وہ تمہیں سمندر سے نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو تم اس سے منہ موڑ لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے''۔

کتاب التوحید میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی زبانی ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی تفسیر کے ضمن میں مرقوم ہے کہ

اور انہیں پاکیزہ پھل کھانے کو دیئے ہیں اور بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت دی ہے۔ باقی مخلوق خواہ وہ جانور ہوں یا پرندے ہوں جب بھی کھانا کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں تو انہیں گردن جھکا کر کھانا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہاتھ دیئے ہیں تاکہ اس کی گردن کھانے اور پانی کے لیے نہ جھکے (ہاں جھکے تو صرف خدا کے سامنے جھکے)"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کافر کی روح کو عزت عطا نہیں کرتا اس کی بجائے اللہ مومنین کی اَرواح کو عزت عطا کرتا ہے۔ نفس اور خون کی عزت روح اور پاکیزہ رزق سے وابستہ ہے اور پاکیزہ رزق علم ہے"۔

اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام سے وسع کرسیه السموات والارض کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

"آسمانوں اور زمین اور ان میں موجود تمام مخلوقات کرسی کے شکم میں واقع ہیں اور اس کرسی کو حکمِ خداوندی سے چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک فرشتہ کی شکل وصورت انسانوں جیسی ہے اور وہ صورت خدا کو بڑی عزیز ہے"۔

محاسن برقی میں ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کھانے سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

الحمد للّٰہ الذی کفانا واکرمنا وحملنا فی البر والبحر ورزقنا من الطیبات وفضّلنا علی کثیر ممن خلق تفضیلا ، الحمدللّٰہ الذی کفانا المؤنۃ واسبغ علینا –

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بھی یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

کتاب الخصال میں ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے اَصحاب کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

جب تم آئینہ دیکھو تو اس وقت خدا کی حمد کرتے ہوئے کہو: "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں جس نے مجھے پیدا کیا اور میری اچھی تخلیق کی اور اس نے میری تصویر کشی کی تو عمدہ تصویر بنائی اور مجھے ان نقائص سے محفوظ رکھا جو دوسروں میں رکھے اور مجھے اسلام قبول کرنے کی عزت عطا کی"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: مومن کعبہ سے بھی زیادہ محترم ہے۔

عیونُ الاخبار میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے' آپؐ نے فرمایا:

"آسمانوں کے ملائکہ مومن کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسا کہ انسان اپنی اولاد کو پہچانتا ہے اور وہ خدا کی نظر میں ملکِ مقرب سے بھی زیادہ صاحبِ عزت ہے"۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: ''خدا کی نظر میں مومن کی اتنی عزت ہے کہ اس نے اس کی موت کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا اور جب مومن کسی ظلم اور حق سے انحراف کا قصد کرتا ہے تو اللہ اسے اپنے ہاں بلا لیتا ہے''۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے باقی مخلوق کو منحنی صورت میں پیدا کیا جب کہ انسان کو سیدھا بنایا''۔

کتاب علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ انسان افضل ہیں یا فرشتے؟

آپؑ نے فرمایا: حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں عقل رکھی ہے، خواہشات نہیں رکھیں اور جانوروں میں خواہش رکھی ہے عقل نہیں رکھی اور انسان میں خواہشات بھی ہیں اور عقل بھی ہے۔ اگر انسان خواہشات سے کنارہ کشی کرتے ہوئے عقل کی پیروی کرے تو وہ فرشتوں سے افضل ہے اور اگر وہ عقل کے تقاضوں کو چھوڑ کر خواہشات کی پیروی کرنے لگ جائے تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: ملائکہ ہمارے اور ہمارے محبوں کے خادم ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا:

یا علیؑ! عرش اور اُس کے گرد و پیش کو اٹھانے والے فرشتے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور جو ہماری ولایت پر ایمان لائے ہیں ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

یا علیؑ! اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ نہ تو آدمؑ کو پیدا کرتا اور نہ ہی حوا کو خلق کرتا اور نہ جنت پیدا کرتا اور نہ ہی دوزخ بناتا اور نہ آسمان پیدا کرتا اور نہ ہی زمین پیدا کرتا۔ اور ہم ملائکہ سے افضل کیوں کر نہ ہوں جب کہ ہم نے ان سے پہلے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی ہے اور ہم نے ان سے پہلے خدا کی تسبیح، تہلیل اور تقدیس کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو ہمیں اس کی صُلب میں رکھا اور فرشتوں کو ہماری تعظیم و توقیر کے اظہار کے لیے سجدہ کا حکم دیا۔ ملائکہ کے سجدے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبودیت، آدمؑ کا احترام اور ہماری اطاعت تھا، کیونکہ ہم آدمؑ کی صُلب میں تھے۔ ہم بھلا ملائکہ سے افضل کیسے نہ ہوں گے جب کہ تمام ملائکہ نے تو آدمؑ کو سجدہ کیا تھا۔

حدیث معراج میں آنحضرتؐ سے یہ کلمات منقول ہیں: ''جب میں چوتھے آسمان پر پہنچا تو جبریلؑ نے اذان کہی اور میکائیلؑ نے اقامت کہی۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ محمدؐ! آگے بڑھو۔ میں نے کہا: جبریلؑ! کیا میں تمہارے ہوتے ہوئے آگے بڑھوں؟

جبریلؑ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کو ملائکہ مقربین پر فضیلت عطا کی ہے اور آپ کو خصوصی فضیلت عطا کی ہے۔ چنانچہ میں آگے بڑھا اور میں نے چوتھے آسمان والوں کو نماز پڑھائی۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوقات میں سے مومن سب سے زیادہ عزیز ہے۔ ملائکہ اہلِ ایمان کے خادم ہیں اور خدا کی ہمسائیگی اہلِ ایمان کے لیے ہے۔ جنت اہلِ ایمان کے لیے ہے اور ''حورعین'' اہلِ ایمان کے لیے ہیں۔

احتجاج طبرسی میں مذکور ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ علیؑ افضل ہیں یا ملائکہ مقربین؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ملائکہ کو خدا نے جو شرف عطا کیا ہے وہ میری اور علیؑ کی محبت اور ہماری ولایت قبول کرنے کی وجہ سے عطا کیا ہے۔ یاد رکھو! علیؑ کا جو بھی محب ہوگا اُس کا دل ہر دھوکے، فریب اور گناہوں کی نجاست سے پاک ہوگا اور جو ایسا ہو وہ ملائکہ سے افضل ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا پیغام لانے والا فرشتہ افضل ہے یا جس رسول کی طرف پیغام لے کر آتا ہے وہ افضل ہے؟

آپؑ نے فرمایا: رسول افضل ہوتا ہے۔

شیخ صدوق ''اعتقاداتِ امامیہ'' میں رقمطراز ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں جبریلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ اور تمام ملائکہ مقربین سے افضل ہوں، میں تمام مخلوق سے بہتر ہوں اور میں اولادِ آدمؑ کا سردار ہوں۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا

غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ
كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ ۗ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ
وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ وَاِنْ كَادُوْا
لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ
خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا
وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ع اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى
غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾
وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ
مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ
مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ
جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ
مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ
اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ
وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ
فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ ع

"اس دن کو یاد کرو جب ہم تمام انسانی گروہوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے تو جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ اپنا نامۂ اعمال پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جو اس دنیا میں اندھا بن کے رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا اور راہِ نجات سے بہت دُور بھٹکا ہوا ہوگا۔

اے رسولؐ! اِن لوگوں نے پوری کوشش کی ہے کہ تمھیں فتنہ میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمھاری طرف بھیجی ہے تا کہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کچھ گھڑو۔ اگر تم ایسا کرتے تو یہ لوگ تمھیں ضرور اپنا دوست بنا لیتے۔ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بعید نہ تھا کہ آپ ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے۔

اگر تم ایسا کرتے تو ہم آپ کو دنیا میں دوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت میں دوہرے عذاب میں مبتلا کرتے۔ پھر تم ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پاتے۔ یہ لوگ اس بات پر بھی تلے ہوئے ہیں کہ تمھارے قدم اس سرزمین سے اُکھاڑ دیں اور تمھیں یہاں سے باہر نکال دیں اور اگر ایسا ہوا تو یہ لوگ بھی تمھارے بعد یہاں زیادہ عرصہ تک نہ ٹھہر سکیں گے۔

ہم نے تم سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں ان سب کے متعلق ہمارا یہی طریق کار رہا ہے اور ہماری روش میں تم کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔ سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز پڑھو اور فجر کے قرآن کا بھی التزام کرو' کیونکہ فجر کے قرآن کی گواہی دی جاتی ہے اور رات کے ایک حصہ میں نمازِ تہجد پڑھو' یہ تمھارے لیے نفل ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ تمھارا رب تمھیں مقامِ محمود پر فائز کر دے۔

تم کہو اے میرے پروردگار! تو جہاں بھی مجھے لے جانا چاہے تو سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے نکالنا چاہیے تو سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے میرے لیے مدد کرنے والا

اقتدار مقرر فرما۔

اور آپ کہہ دیں کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا' باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔ اور ہم قرآن میں وہی چیز نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے شفا اور رحمت ہے مگر ظالموں کے لیے خسارے کے علاوہ اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔ اور جب ہم کسی انسان پر اپنی نعمت کو نازل کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور پیٹھ کر لیتا ہے اور جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ آپ کہہ دیں کہ ہر شخص اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ تمھارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں سے سیدھے راستے پر کون چل رہا ہے"۔

قیامت کے دن ہر گروہ کو ان کے امام کے نام سے پکارا جائے گا

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ ......

"اس دن کو یاد کرو جب ہم ہر گروہ کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے"۔

محاسن برقی میں یعقوب بن شعیب سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ کی آیت مجیدہ کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا:

اس اُمت کے ہر دَور کے لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ پکارا جائے گا۔ میں نے کہا کہ حضرت رسولؐ خدا اپنے دور کے افراد کو ساتھ لے کر آئیں گے اور علی مرتضیٰؑ اپنے دور کے افراد اور حسن مجتبیٰؑ اپنے دور کے افراد اور امام حسینؑ اپنے دور کے افراد کو ساتھ لے کر آئیں گے کیا اس کا یہی مقصد ہے ناں؟ آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔

عیونُ الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا:

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ کا مقصد یہ ہے کہ ہر قوم کو ان کے زمانہ کے امام اور کتابِ خدا اور اُن کے نبی کی سنت کے نام سے پکارا جائے گا۔

کتاب الخصال میں اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے ہمیں کوفہ سے مدائن جانے کا حکم دیا۔ ہم اتوار کے دن روانہ ہوئے۔ عمرو بن حریث سات افراد کے ساتھ علیحدہ ہو گیا اور وہ سیر و سیاحت کے لیے حیرہ کے

قریب ''خورنق'' کے مقام پر چلے گئے اور کہا کہ ہم جمعہ تک امیرالمومنینؑ کے پاس آ جائیں گے۔ چنانچہ ہم بدھ کے دن امیرالمومنین علی علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ ادھر عمرو بن حریث اور اس کے دوست ناشتہ کر رہے تھے کہ ایک سوسمار (گوہ) ظاہر ہوئی۔ اُنھوں نے اسے پکڑ لیا۔ عمرو بن حریث نے اپنا ہاتھ بڑھا کر کہا کہ یہ ہمارا امیرالمومنین ہے۔ میں اس کی بیعت کر رہا ہوں۔ اس کی دیکھا دیکھی اس کے ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ پھر وہ بدھ کی رات وہاں سے روانہ ہوئے اور جمعہ کے روز وہ اس وقت پہنچے جب امیرالمومنینؑ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ یہ لوگ دروازہ مسجد کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ امیرالمومنینؑ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ رسول کریمؐ نے مجھ سے ایک ہزار باتیں راز کے طور پر فرمائی تھیں۔ ہر بات کے ہزار دروازے تھے اور ہر دروازے کی ہزار چابیاں تھیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا ہے: يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ (قیامت کے دن ہم لوگوں کو ان کے امام کے نام سے بلائیں گے) اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں تم میں سے آٹھ افراد کو سوسمار (گوہ) کے نام سے بلایا جائے گا۔ اگر میں ان لوگوں کے نام بتانا چاہوں تو بتا سکتا ہوں۔ حضرتؑ کا یہ فرمان سن کر عمرو بن حریث شرمندگی کی وجہ سے یوں گرا جیسا کہ کھجور کا تنا گرتا ہے۔

اصولِ کافی میں عبدالاعلیٰ سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''حکم کا سننا اور اطاعت کرنا بھلائی کا دروازہ ہے۔ اور فرمان سن کر اطاعت کرنے والے کے خلاف کوئی حجت نہیں ہے اور فرمان سن کر نافرمانی کرنے والے کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے جب کہ مسلمانوں کے امام و رہبر کی حجت کامل ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ۔

عبداللہ غالب نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی کہ آپؑ نے فرمایا: جب يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ کی آیت مجیدہ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

یارسولؐ اللہ! کیا آپؐ تمام انسانوں کے امام نہیں ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: میں تمام انسانوں کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔ البتہ میرے بعد خدا کی طرف سے میری اہلِ بیتؑ میں سے لوگوں کے امام ہوں گے، جنھیں جھٹلایا جائے گا اور کفر و گمراہی کے سربراہ اور ان کے پیروکار ان پر ظلم ڈھائیں گے۔ پس جو کوئی ان ائمہؑ سے محبت کرے اور ان کی پیروی کرے اور ان کی تصدیق کرے وہ مجھ سے ہوگا اور میرے ساتھ ہوگا اور مجھ سے ملاقات کرے گا اور جو ان پر ظلم کرے اور ان کی تکذیب کرے تو وہ مجھ سے نہ ہوگا اور نہ ہی میرے ساتھ ہوگا میں اس سے بیزاری اختیار کروں گا۔

عبداللہ بن سنان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ کی آیت پڑھی تو آپؑ نے فرمایا: لوگوں کو ان کے اس امام کے نام سے پکارا جائے گا جو ان کے دور میں ہوگا اور جو اپنے زمانے کا قائم ہوگا۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''امام سے بے وفائی کرنے والا قیامت کے دن اپنے ہونٹوں کو لٹکائے ہوئے آئے گا' یہاں تک کہ دوزخ میں ڈالا جائے گا''۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دور کے لوگوں کے ساتھ آئیں گے۔ علی مرتضیٰؑ اپنے دور کے لوگوں کے ساتھ آئیں گے۔ حسن مجتبیٰؑ اپنے دور کے لوگوں کے ساتھ آئیں گے۔ امام حسینؑ اپنے دور کے لوگوں کے ساتھ آئیں گے۔ تمام لوگ اپنے اپنے دور کے ائمہ کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے۔

اس آیتِ مجیدہ کے ضمن میں علی بن ابراہیم سے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن منادی ندا دے کر کہے گا کہ ابوبکر اور ان کے پیروکار آ جائیں' عمر اور ان کے پیروکار آ جائیں' عثمان اور ان کے پیروکار آ جائیں' علیؑ اور ان کے پیروکار آ جائیں۔

احتجاج طبرسی میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے مروی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الفاظِ قرآن کو محفوظ رکھنے کے انتظامات کیے ہیں' تاکہ منافقین انھیں ختم نہ کریں اور انھیں چھپا نہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ اگر سَلٰمٌ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کہتا تو لوگ اس آیت کو ہی چھپا دیتے۔ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَلٰمٌ عَلٰی اٰلِ یٰسِیْنَ جب کہ ''یاسین'' رسولؐ خدا کا لقب ہے جیسا کہ فرمایا: یٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے ائمہ ہدیٰ کے نام نہیں بتائے۔ اگر نام بتاتا تو لوگ ان آیات کو ہی چھپا دیتے اور ان کا انکار کر جاتے اس کی بجائے خدا نے فرمایا: یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ۔

شیخ صدوق امالی میں رقمطراز ہیں کہ بشر بن غالب نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ کی آیتِ مجیدہ کا مفہوم دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

ایک پیشوا وہ ہے جس نے ہدایت کی دعوت دی اور لوگوں نے اس کی دعوت قبول کی اور ایک پیشوا وہ ہے جس نے گمراہی کی دعوت دی اور لوگوں نے اس کی دعوت قبول کی۔ پہلا گروہ جنت میں جائے گا اور دوسرا گروہ دوزخ میں جائے گا۔

اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے واضح فرمایا: فَرِيقٌ فِي الجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ۔ ''ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ بھڑکتی ہوئی آگ میں ہوگا''۔

صحیفہ سجادیہ میں حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کی ایک دعا کا ایک حصہ یہ ہے:

''خدایا! تو نے ہر دور میں اپنے دین کی تائید ایسے امام سے کرائی ہے جسے تو نے اپنے بندوں کے لیے پرچم بنایا اور اپنے شہروں میں اسے مینار بنایا اور تو نے اس کی رسّی کو اپنی رسّی سے ملایا اور تو نے اپنی رضا کا اسے ذریعہ بنایا اور اس کی اطاعت کو فرض کیا اور اس کی نافرمانی سے خبردار کیا اور اس کے حکم کو بجالانے کا تو نے فرمان کیا ہے اور اس کی ممانعت پر رُک جانے کا حکم دیا ہے۔ کسی آگے بڑھنے والے کو اس سے آگے بڑھنے اور کسی پیچھے رہنے والے کو اس سے پیچھے رہنے والے کی اجازت نہیں ہے۔

مصباح الشریعہ میں اس آیت مجیدہ کے ضمن میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: ''امام کسوٹی کا درجہ رکھتا ہے جو اس کی اقتداء کرے گا اس کے عمل قبول ہوں گے اور اسے پاکیزگی نصیب ہوگی''۔

الخرائج والجرائح میں ابوہاشم کی زبانی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا ایک معجزہ بیان کیا گیا۔ اس کے بعد ابوہاشم جعفری کہتے ہیں کہ جب میں نے اپنے مولا کی یہ کرامت دیکھی تو میں عظمت آلِ محمدؐ کا تصور کر کے رونے لگا اور دل میں کہنے لگا کہ نجانے خدا نے آلِ محمدؐ کو کیا کچھ عطا کیا ہے۔

اس وقت امام علیہ السلام نے میری طرف نگاہ کر کے فرمایا: ابوہاشم! تمہارے ذہن میں آلِ محمدؐ کی عظمت کا جو تصور ہے معاملہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد کر کہ اس نے تجھے ان کی رسّی کو تھامنے کی توفیق عطا کی۔ جب قیامت کے دن ہر گروہ کو اس کے امام کے نام سے پکارا جائے گا تو تجھے آلِ محمدؐ کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا' تو بھلائی پر ہے۔

رجال کشی میں حمزہ بن طیار سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور ترتیب وار مجھ سے ائمہؑ کے نام بیان کیے۔ نام بیان کرتے ہوئے جب آپ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے نام پر آئے تو آپ رُک گئے۔

میں (راوی) نے کہا: مولاؑ! خدا مجھے آپؑ پر فدا کرے، اگر آپؑ ایک انار کے دو حصے کریں اور کہیں کہ اس کا یہ حصہ حلال اور دوسرا حرام ہے تو میں گواہی دوں گا کہ جسے آپؑ نے حلال کیا ہے وہ حلال ہے اور جسے آپؑ نے حرام کیا ہے وہ حرام ہے۔

جب امام علیہ السلام نے یہ جملہ سنا تو فرمایا: میں بھی ان ائمہؑ کی طرح سے امام ہوں۔ میرے حقوق و فرائض بھی وہی ہیں جو ان کے حقوق و فرائض تھے۔ اگر یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ کے تحت تو اپنے امام کے ساتھ محشور ہونا چاہتا ہے تو پھر وہی کہو جو تمھارا امام کہے۔

تفسیر عیاشی میں ہے کہ ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ران پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ میرے امام ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: تمھیں مبارک ہو۔ سورج کے پیروکار اُس کے ساتھ اور چاند کے پیروکار اُس کے ساتھ اور آگ کے پجاری آگ کے ساتھ اور پتھروں کے پجاری پتھروں کے ساتھ پکارے جائیں گے اور ہمارے ماننے والے ہمارے نام سے پکارے جائیں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! تم اللہ تعالیٰ کے دین پر ہو۔ پھر آپؑ نے یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ کی آیت پڑھی اور فرمایا: رسولؐ اللہ ہمارے امام ہیں، علی مرتضیٰؑ ہمارے امام ہیں۔ اُن کے علاوہ قیامت کے دن کچھ ایسے امام بھی آئیں گے جو اپنے پیروکاروں پر لعنت کریں گے اور ان کے پیروکار ان پر لعنت کریں گے۔ جب کہ ہم ذریتِ محمدؐ ہیں اور ہماری ماں فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا ہیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: قیامت کے دن خدا بندوں سے کہے گا کہ کیا یہ تمھارے رب کا عدل نہیں کہ تم ان لوگوں سے وابستہ ہو جاؤ جن سے تم محبت کیا کرتے تھے؟

سب لوگ کہیں گے: جی ہاں، یہ عین عدل ہے۔

اس وقت خدا کہے گا: تم ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ اور ہر شخص اس سے وابستہ ہو جائے جس سے وہ محبت کیا کرتا تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم یہ چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تم ہمارے ساتھ رہو اور ایک دوسرے پر لعنت نہ کرو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اطاعت کی روش اپناؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ۔

مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''لوگو! جب قیامت کے دن ہر قوم کو ان کے نام سے پکارا جائے جن سے وہ محبت کرتے تھے اور ہمارا رخ رسولؐ خدا کی طرف ہو اور تمھارا رُخ ہماری طرف ہو تو کیا اس نعمت پر تم خدا کی بزرگی بیان نہیں کرو گے؟ اور جب ہمارا رُخ رسولؐ اکرم

اور تمہارا رُخ ہماری طرف ہو تو بتاؤ تمھیں کہاں لے جایا جائے گا"۔

پھر آپؑ نے تین بار فرمایا: ربِ کعبہ کی قسم! جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔

اصولِ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"قیامت کے روز مومن کے اعضاء و جوارح اس کے خلاف گواہی دیں گے، جس کے لیے عذاب کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ مومن کو نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَ لَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ۝ "جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ اپنا نامۂ عمل پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا"۔

اِس جہان کا اندھا اُس جہان میں بھی اندھا ہو گا

وَ مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝

"جو اس دنیا میں اندھا بن کے رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور راہِ نجات سے بہت زیادہ دُور بھٹکا ہوا ہو گا"۔

عیونُ الاخبار میں مرقوم ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے مختلف ادیان و ملل کے علماء سے مباحثہ کیا تھا اور آپؑ نے عمران صابی سے بھی طویل گفتگو کی تھی۔ اس گفتگو کے دوران آپؑ نے یہ کلمات بھی فرمائے:

"خبردار اندھے اور گمراہ جاہل لوگوں کی یہ بات تسلیم نہ کرنا جو یہ کہتے ہیں کہ آخرت میں خدا حساب، ثواب و عقاب کے لیے موجود ہو گا لیکن اس دنیا میں اطاعت و اُمید کے لیے موجود نہیں ہے۔ اگر خدا (نعوذ باللہ) کسی نقص کی وجہ سے دنیا میں موجود نہیں ہے تو وہ آخرت میں بھی موجود نہیں ہو گا۔

بات یہ ہے کہ یہ لوگ راہِ حق سے منحرف ہو کر سرگرداں ہو چکے ہیں اور حق کے اِدراک سے اندھے بن چکے ہیں، لیکن انھیں خود بھی معلوم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَ مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝

مقصد یہ ہے کہ جو موجودہ حقائق سے اندھا ہو تو وہ قیامت کے دن بھی اندھا ہی رہے گا اور وہ راہِ حق سے بہت زیادہ بھٹکا ہوا ہو گا۔

کتاب الخصال میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''بدترین اندھا وہ ہے جو ہماری فضیلت سے اندھا ہو اور ہمارے کسی قصور کے بغیر ہم سے عداوت رکھتا ہو' البتہ ہمارا قصور صرف یہی ہے کہ ہم نے اُسے حق کی دعوت دی ہے اور ہمارے اغیار نے اسے فتنہ اور دنیا کی دعوت دی ہے اور اُس نے فتنہ اور دنیا کو قبول کیا اور ہم سے بیزاری اختیار کی اور ہم سے عداوت رکھی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جو آسمان و زمین کی تخلیق کو دیکھے' اور افلاک اور شمس وقمر کی گردش کو دیکھے اور خدا کی عجیب وغریب نشانیوں کو دیکھ کر بھی خدا کی معرفت حاصل نہ کرے تو وہ اندھا ہے اور ایسا شخص آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا اور راہِ حق سے بھٹکا ہوا ہوگا۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: جس شخص پر حج فرض ہو اور وہ ٹال مٹول سے کام لیتا رہے' یہاں تک کہ مرجائے تو ایسا شخص دنیا میں بھی اندھا ہے اور آخرت میں بھی اندھا ہے اور راہِ حق سے بھٹکا ہوا ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک شخص میرے والد ماجد علیہ السلام کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ ابن عباس یہ گمان کرتا ہے کہ قرآنِ کریم کی ہر آیت کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ وہ کب اُتری' کہاں اُتری اور کس کے متعلق اُتری؟

امام علی زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: اگر یہ بات ہے تو تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۷۲﴾ کی آیت کس کے متعلق نازل ہوئی؟ تم اس سے پوچھو کہ وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ (ھود:۳۴) کی آیتِ مجیدہ کس کے متعلق نازل ہوئی؟ تم اس سے پوچھو کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا (آلِ عمران:۲۰۰) کی آیتِ مجیدہ کس کے متعلق نازل ہوئی؟

وہ شخص ابن عباس کے پاس گیا اور اس نے اس کے سامنے تینوں آیات پیش کر کے کہا کہ ان آیات کا مصداق کون ہے؟

ابن عباس نے جواب دینے کے بجائے یہ کہا: میں چاہتا ہوں کہ جس نے تجھے بھیجا ہے اس سے روبرو گفتگو کروں اور اس سے پوچھوں کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو کب بنایا؟ کس چیز سے بنایا؟ اور عرش کی کمیت وکیفیت کیا ہے؟

وہ شخص امام علی زین العابدینؑ کے پاس آیا اور اس سے امام علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا ابن عباس نے تیرے سوالات کے جوابات دیئے تھے؟ اس نے کہا: نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر سنو میں تمھیں ان آیات کا مصداق بتاتا ہوں' لیکن نہ تو میں جھوٹے دعوے کرنے والا ہوں اور نہ ہی غلط نسبت دینے والا ہوں۔ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی ......کی آیت مجیدہ خود اس کے اور اس کے والد کے متعلق نازل ہوئی تھی اور وَلَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْٓ......کی آیت اس کے والد کے متعلق نازل ہوئی اور یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا کی آیت اس کے والد اور ہمارے متعلق نازل ہوئی مگر اُنھوں نے ہم سے ارتباط قائم نہیں کیا' البتہ آئندہ دور میں اس کی نسل میں سے ہم سے ارتباط قائم کرنے والے پیدا ہوں گے اور ہماری نسل میں سے بھی وہ پیدا ہوگا جس سے ارتباط رکھا جائے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: بدترین اندھا پن وہ ہے جو ہدایت کے بعد ہو اور دل کا اندھا پن سب سے بدتر اندھا پن ہے۔

کتاب ثوابُ الاعمال میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: "مرجئہ" فرقہ کے افراد قیامت کے دن اندھے بنا کر اُٹھائے جائیں گے۔ میں ان سے کہوں گا کہ ان کا اُمتِ محمدؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انھوں نے تغیر وتبدل سے کام لیا تو خدا نے بھی ان سے تغیر وتبدل کا سلوک کیا۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن پڑھ کر عمل نہ کیا تو قیامت کے دن اسے اندھا بنا کر محشور کیا جائے گا۔ اُس وقت وہ کہے گا کہ خدایا! تو نے مجھے اندھا بنا کر کیوں محشور کیا جب کہ میں تو آنکھوں والا تھا؟ خدا کہے گا کہ تیرے پاس ہماری آیات آئی تھیں تو نے انھیں فراموش کر دیا تھا اور آج تجھے فراموش کیا جا رہا ہے۔ پھر اس کے متعلق دوزخ کا حکم دیا جائے گا۔

اگر خدا کی مدد شاملِ حال نہ ہو تو انسان کسی بھی وقت ٹھوکر کھا سکتا ہے

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝

"اگر ہم آپؐ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بعید نہ تھا کہ آپؐ بھی ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے"۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ اور اس کے گرد ونواح کے تمام بت توڑ دیئے تھے۔ قریش کا ایک بت "صفا" پر نصب تھا۔ اُنھوں نے آپؐ سے کہا کہ آپؐ ہمارے لیے "صفا" پر موجود بت کو رہنے دیں۔ جب انھوں نے آپؐ کی کافی منت سماجت کی تو آپؐ کے دل میں بھی

ایک گوشہ نرمی سی پیدا ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو سنبھال لیا اور آپؐ نے فرمایا کہ ہم کسی بت کو باقی نہیں رہنے دیں گے۔ چنانچہ آپؐ نے اس بت کو بھی تڑوا دیا۔

اوقاتِ نماز

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا ﴿۰۱﴾

''سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز پڑھو اور فجر کے قرآن کا بھی التزام کرو؛ کیونکہ فجر کے قرآن کی گواہی دی جاتی ہے''۔

تہذیب الاحکام میں زرارہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا: خدا نے کون سی نمازیں فرض کی ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے روز و شب میں پانچ نمازیں واجب کی ہیں۔

میں (راوی) نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے ان نمازوں کے نام لیے ہیں اور اپنی کتاب میں ان کی وضاحت کی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ ''دلوک'' سے زوالِ آفتاب مراد ہے۔ چنانچہ ''دلوک آفتاب'' سے ''غسق اللیل'' کے درمیان چار نمازوں کا وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چار نمازوں کا نام لیا۔ ان کی وضاحت کی۔ ''غسق اللیل'' سے آدھی رات مراد ہے۔ پھر آپؐ نے وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا ﴿۷۸﴾ کی آیت پڑھی اور فرمایا: یہ فجر کی نماز ہے اور یہ پانچویں نماز ہے۔

من لایحضرہ الفقیہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: نمازِ عشاء کے وقت کی ابتداء سرخی زائل ہونے سے ہوتی ہے اور اس کا آخری وقت نصف شب ہے۔

الکافی میں مرقوم ہے کہ یزید بن خلیفہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ عمر بن حنظلہ نے ہمیں آپؑ کی زبانی نماز کے اوقات بتائے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ ہمارے اُوپر جھوٹ باندھنے والا نہیں ہے۔

میں (راوی) نے عرض کیا کہ اس نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر ظہر کی نماز سب سے پہلے فرض کی تھی اور اس کے متعلق خدا نے کہا ہے کہ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ''جب سورج ڈھل جائے تو ظہر کی نماز پڑھو اور جب تک ہر چیز کا سایہ اس کے برابر نہ ہوجائے اس وقت تک ظہر کا وقت باقی رہتا ہے اور وہ ظہر کا آخری وقت ہے اور جب چیزوں کا سایہ ان کے برابر ہوجائے تو عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور وہ اس وقت تک باقی رہتا ہے جب چیزوں کا سایہ اُن سے دوگنا نہ ہوجائے اور وہ شام کا وقت ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس نے سچ کہا ہے۔

اسحاق بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپؑ مجھے فجر کا افضل وقت بتائیں؟

آپؑ نے فرمایا: طلوعِ فجر سے نمازِ صبح کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور خدا نے اسی کے متعلق کہا ہے: وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ ''نمازِ فجر کا وقت ایک ایسا وقت ہے جس میں رات اور دن کے فرشتوں کی گواہی شامل ہوتی ہے''۔ جب کوئی انسان نمازِ فجر ادا کرتا ہے تو رات کے فرشتے بھی اس کی نماز کو لکھتے ہیں اور دن کے فرشتے بھی اس کی نماز کو لکھتے ہیں۔

الکافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے نمازِ پنجگانہ کی دس رکعتیں فرض کی تھیں۔ جب امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی ولادت ہوئی تو آنحضرتؐ نے خدا کے شکر کے لیے سات رکعات کا اضافہ کیا۔ البتہ آپؐ نے نمازِ فجر میں کوئی اضافہ نہ کیا' کیونکہ اس وقت دن اور رات کے فرشتے موجود ہوتے ہیں۔

من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ نمازِ مغرب کی تین رکعات کیوں ہیں اور اس کے بعد چار نوافل کیوں ہیں جو کہ سفر و حضر میں قصر نہیں ہوتے؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر نماز کی دو رکعات نازل کی تھیں اور آنحضرتؐ نے ان نمازوں میں دو رکعات کا اضافہ کیا' اسی لیے اضافی رکعات سفر میں قصر ہوجاتی ہیں سوائے مغرب و عشاء کے۔ جب آنحضرتؐ نے مغرب کی نماز پڑھی تو آپ کو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت کی اطلاع ملی تو آپؐ نے خدا کا شکر بجالانے کی غرض سے اس میں ایک رکعت کا اضافہ کیا اور جب امام حسن علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپؐ نے دو رکعات نفل کا اضافہ کیا اور جب امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپؐ نے خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے دو رکعات نفل کا اضافہ کیا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قانون بنایا ہے:

للذکر مثل حظ الانثیین ''مرد کے دو حصے اور عورت کا ایک حصہ ہوتا ہے''۔ اسی لیے یہ نماز سفر و حضر میں برقرار رہتی ہے اس میں قصر نہیں ہوتی۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار نمازوں کو اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ کے اندر جمع کر دیا ہے۔ ''دلوک الشمس'' سے سورج کا زوال اور ''غسق اللیل'' سے نصف شب کا وقت مراد ہے۔

جب آدھی رات ہوتی ہے تو اس وقت منادی ندا دے کر یہ کہتا ہے کہ جس نے اس وقت تک نمازِ عشاء ادا نہیں کی اور سو گیا ہے تو خدا کرے کہ اس کی آنکھوں کو نیند نصیب نہ ہو۔ ''قرآن الفجر'' سے نمازِ فجر مراد ہے اور ''مشھودا'' کا یہ مقصد ہے کہ اس وقت رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار نمازوں کو بیان کیا ہے جن کی ابتداء سورج کے زوال سے ہوتی ہے اور آدھی رات پر ان کا اختتام ہوتا ہے۔ ان میں سے دو نمازیں دن میں ہیں' ان میں سے پہلی نماز کا وقت زوالِ آفتاب سے ہوتا ہے اور اختتام غروبِ آفتاب پر ہوتا ہے البتہ ظہر پہلے ہے اور عصر بعد میں ہے اور دو نمازیں غروبِ آفتاب سے شروع ہوتی ہیں اور نصفِ شب تک ان کا وقت رہتا ہے' لیکن نمازِ مغرب پہلے ہے اور نمازِ عشاء بعد میں ہے۔

زرارہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ کی وضاحت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''دلوک'' سے سورج کا زوال مراد ہے اور ''غسق اللیل'' سے نصفِ شب کا وقت مراد ہے۔ اس آیت میں چار نمازوں کا ذکر ہے۔ رسولؐ خدا نے اپنے عمل سے ان کا وقت متعین کیا ہے۔ ''وقران الفجر'' سے فجر کی نماز مراد ہے۔

علل الشرائع میں سعید بن مسیب سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا کہ موجودہ حالت میں نمازیں مسلمانوں پر کب فرض ہوئی تھیں؟

آپؑ نے فرمایا کہ یہ مدینہ میں اس وقت فرض ہوئی تھیں جب دعوتِ اسلام کو پذیرائی مل چکی تھی اور اسلام مضبوط ہو چکا تھا اور اللہ تعالیٰ نے جہاد بھی اس کے ساتھ فرض کیا تھا۔ آنحضرتؐ نے ان نمازوں میں سات رکعات کا اضافہ کیا۔ آپؐ نے ظہر میں دو' عصر میں دو' مغرب میں ایک اور عشاء میں دو رکعات کا اضافہ کیا۔ آپؐ نے فجر کو اسی حالت پر رہنے دیا

ابوبصیر نے صادقین علیہما السلام میں سے کسی ایک بزرگوار سے پوچھا کہ روح کیا ہے؟
انھوں نے فرمایا: روح وہی ہے جو جانداروں اور انسانوں میں ہوتی ہے۔ (روح حیات)
میں (راوی) نے کہا: اس کی ماہیت کیا ہے؟
اُنھوں نے فرمایا: وہ ملکوتِ قدرت میں سے ہے۔

کتاب التوحید میں محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي (الحجر:۲۹) (اور میں اس میں اپنی روح پھونک دوں) کے متعلق پوچھا کہ روح کو پھونکنے سے کیا مراد ہے؟
آپؑ نے فرمایا: روح ریح (ہوا) کی طرح سے متحرک ہے اور لفظ روح' لفظ "ریح" سے مشتق ہے' کیونکہ روح' ریح کا ہم جنس ہے' اسی لیے اسے روح کہا گیا ہے۔ خدا نے اس کی اضافت اپنی طرف اس لیے دی کہ خدا نے اسے باقی ارواح سے چن لیا تھا۔ جس طرح سے خدا نے ایک گھر کو باقی گھروں سے چنا تو اس کی نسبت اپنی طرف کی اور وہ بیت اللہ کہلایا۔ اور ایک رسول کا انتخاب کیا تو اسے اپنے "خلیل" کا لقب دیا۔ الغرض یہ تمام اشیاء مخلوق و مصنوع اور حادث اور مربوب اور مدبر کردہ ہیں۔

الکافی میں بھی یہ روایت مرقوم ہے۔

قربُ الاسناد میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب آدم علیہ السلام میں روح کو داخل کیا گیا تو وہ ناخوش ہو کر اس کے وجود میں داخل ہوئی تھی۔ خدا نے اسے حکم دے دیا کہ وہ ناخوش ہو کر وجود میں جائے اور ناخوش ہو کر وجود سے باہر آئے۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: جب انسان کے بدن سے روح نکل جائے تو وہ اپنے اہلِ خاندان کے درمیان مُردار کی طرح سے پڑا ہوتا ہے۔

احتجاج طبرسی کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں مذکور ہے کہ ایک دہریّہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بحث کرتے ہوئے کہا: اچھا یہ بتائیں جب چراغ بجھ جاتا ہے تو اس کی روشنی کہاں جاتی ہے؟
آپؑ نے فرمایا: وہ چلی جاتی ہے' پھر واپس لوٹ کر نہیں آتی۔
اُس نے کہا تو پھر آپؑ یہ بات بھی تسلیم کر لیں کہ جب روح جسم سے نکل جاتی ہے تو وہ بھی کبھی واپس لوٹ کر نہیں آتی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے قیاس کرنے میں غلطی کی ہے' کیونکہ آگ اجسام میں پوشیدہ ہوتی ہے اور اجسام بذاتِ خود قائم ہوتے ہیں' جیسا کہ پتھر اور لوہا بذاتِ خود قائم ہیں اور جب ایک کو دوسرے پر مارا جائے تو ان کے ٹکرانے سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ ان کے اندر پہلے سے موجود ہوتی ہے' جب کہ روشنی چلی جاتی ہے۔ روح جسمِ رقیق ہے۔ اسے بدن کا کثیف قالب پہنایا گیا ہے۔ یہ چراغ کی طرح سے نہیں ہے جیسا کہ تو نے بیان کیا ہے۔ رحمِ مادر میں مادہ منویہ سے ایک جنین پیدا ہوتا ہے جسے رگ و ریشہ' اعصاب' دانت' بال اور ہڈیوں سے مزین کیا جاتا ہے۔ اسی کو خدا موت کے بعد زندگی دے گا اور اس کی فنا کے بعد اسے لوٹائے گا۔

سائل نے کہا: تو روح کہاں جائے گی؟

آپؑ نے فرمایا: جس جگہ بدن کو موت آتی ہے' اسی زمین میں روح قیام پذیر ہو جاتی ہے اور دوبارہ مبعوث ہونے تک وہیں رہتی ہے۔

سائل نے کہا: جس کو صلیب پر لٹکا جائے اس کی روح کہاں جاتی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس کی روح فرشتے کی مٹھی میں ہوتی ہے' یہاں تک کہ وہ اسے زمین میں بطورِ امانت رکھتا ہے۔

سائل نے کہا: اچھا یہ بتائیں کہ روح خون کے علاوہ کوئی اور چیز ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں' روح کی حقیقت وہی ہے جو میں نے تجھ سے بیان کی ہے اور اُس کا مادہ خون ہی ہے۔ جسم کی رطوبت' رنگت کی صفائی' آواز کی خوبصورتی اور زیادہ ہنسنے کا تعلق خون سے ہی ہے اور جب خون منجمد ہو جائے تو روح بدن سے نکل جاتی ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ جس طرح سے مشک میں ہوا بھرنے سے مشک کا وزن نہیں بڑھتا اور ہوا کے نکلنے سے اس کے وزن میں کمی نہیں آتی اسی طرح سے روح کا بھی وزن نہیں ہوتا۔

وضاحت: مترجم یہ سمجھتا ہے کہ روایت کے آخری جملے امام علیہ السلام نے نہیں کہے ہوں گے' کیونکہ ہوا کا باقاعدہ وزن ہے۔ جب ہم گاڑیوں کے ٹائر میں ہوا بھرواتے ہیں تو ہوا کا وزن میٹر پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ کتنے پونڈ ہے اسی طرح سے گیس کا بھی وزن ہے۔ البتہ پرانے زمانے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ہوا بے وزن ہوتی ہے' جب کہ آج کل ہمارے مشاہدہ میں ہوا کا وزن آچکا ہے۔ اسی لیے امام علیہ السلام سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ اُنھوں نے اس طرح کی غیر سائنسی بات کی ہوگی۔ (اضافۃ من المترجم عفی عنہ)

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ کی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام سے چند سوال پوچھے گئے جن میں سے ایک سوال کا تعلق روح سے بھی تھا۔ آپؑ نے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے فرمایا: بیٹا! تم جواب دو۔

امام حسن علیہ السلام نے سوال کرنے والے سے فرمایا: یہ جو تو نے پوچھا ہے کہ جب انسان سوتا ہے تو اس کی روح کہیں چلی جاتی ہے؟ تو سن لے اس کی روح، ریح میں معلق ہوتی ہے اور ریح، ہوا میں معلق ہوتی ہے۔ جب آدمی بیدار ہوتا ہے تو خدا روح کو واپس جانے کا حکم دیتا ہے۔ روح سونے والے کے بدن میں داخل ہو جاتی ہے اور وہ بیدار ہو جاتا ہے اور اگر خدا روح کو واپس جانے کا حکم نہ دے تو انسان مر جاتا ہے اور وہ روح قیامت کے دن اس میں داخل کی جائے گی۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے ممکن ہے کہ جس روح کے متعلق لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا ہو اس سے جبریلؑ مراد ہیں جیسا کہ حسن نے کہا ہے۔ یا اس سے وہ فرشتہ مراد ہو جس کے ستر ہزار منہ ہیں اور ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں اور وہ ہر زبان سے خدا کی تسبیح کرتا ہے۔ یہ مفہوم حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے۔

سات سمندر بھی سیاہی بن جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ (لقمان: ۲۷)

"اگر زمین کے سارے درخت قلم بن جائیں اور سات سمندر سیاہی بن جائیں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم ہونے میں نہیں آئیں گے"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ یہودیوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ روح کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ (آپ کہہ دیں کہ روح میرے رب کا ایک امر ہے تمہیں انتہائی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے)

یہودیوں نے کہا: تھوڑے علم کی بات صرف ہمارے لیے ہے؟

رسولؐ خدا نے فرمایا: نہیں اس میں تمام انسان شامل ہیں۔

یہودیوں نے کہا: یہ بڑی عجیب بات ہے آپؐ ہمارے متعلق تھوڑے علم کی بات کیسے کہہ سکتے ہیں، جب کہ خدا نے ہمیں تورات دی ہے۔ تورات تو خیر کثیر ہے۔ پھر ہمارا کم تھوڑا کیسے بن گیا؟ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَلَوْ

اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ ...... ''اگر زمین کے سارے درخت قلم بن جائیں اور سات سمندر سیاہی بن جائیں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم ہونے میں نہیں آئیں گے''۔ تم لوگ جس علم کو کثیر علم سمجھ رہے ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں انتہائی قلیل ہے۔

پوری کائنات قرآن کی مثال لانے سے عاجز ہے

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾

''آپؐ کہہ دیں کہ اگر تمام انسان اور جن سب مل کر قرآن جیسی کتاب لانا چاہیں تو وہ اس جیسی کتاب نہ لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے پشت پناہ کیوں نہ ہوں''۔

عیونُ الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو عربی زبان میں نازل کیا اور قرآن کے کلمات انہی حروفِ تہجی سے مرکب ہیں جن سے باقی کلامِ عرب مرکب ہے، مگر اس کے باوجود قیامت تک کوئی بھی شخص نہ تو انفرادی طور پر اور نہ ہی اجتماعی طور پر اس کی مثال پیش کرسکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اعلان کیا ہے: قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ ......

الخرائج والجرائح میں مرقوم ہے کہ مشہور منکرِ خدا ابن ابی العوجاء اور اس کے دیگر تین منکرین خدا دوست ایک جگہ جمع ہوئے اور اُنھوں نے آپس میں طے کیا کہ ہمیں قرآن کا جواب خود قرآن کے لب ولہجہ میں پیش کرنا چاہیے۔ چنانچہ ہر ایک شخص کے ذمہ قرآن کی چوتھائی کا جواب عائد کیا گیا اور طے یہ پایا کہ پورے ایک سال بعد ایامِ حج میں مقامِ ابراہیمؑ کے پاس جمع ہوں گے اور ہر شخص اپنی محنت سے دوسروں کو آگاہ کرے گا۔

چنانچہ سال گزر گیا۔ اس سال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بھی حج کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔ چاروں منکرین خدا مقامِ ابراہیم پر جمع ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: جب میں نے قرآنِ مجید کی یہ آیت پڑھی تو میں نے ہتھیار ڈال دیئے اور مجھے یقین ہوگیا کہ قرآن کی مثال لانا انسانی اختیار سے باہر ہے اور وہ آیت یہ ہے: يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ (ھود: ۴۴) ''اے زمین اپنے پانی کو نگل لے اور اے آسمان تو تھم جا اور پانی تہ نشین ہوگیا اور کشتی جودی پر رُک گئی''۔

دوسرے منکرِ خدا نے کہا کہ جب میں نے فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا (یوسف: ۸۰) کی آیت پڑھی تو میں

نے جان لیا کہ قرآن کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔

اتنے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اُن کے پاس سے گزرے تو آپؑ نے ان کے سامنے قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ کی آیت پڑھی۔ امام علیہ السلام کی زبانی یہ آیت سن کر وہ سخت شرمندہ ہوئے۔

مشرکین کے طُرفہ مطالبات اور آنحضرتؐ کا بے نظیر مناظرہ

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾

"اور اُنھوں نے کہا کہ ہم تجھ پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری نہ کر دو"۔

احتجاج طبرسی میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی زبانی منقول ہے کہ میں نے اپنے والد علیہ السلام سے عرض کیا کہ رسولؐ خدا نے بھی کبھی مشرکین و یہود سے مباحثہ کیا تھا؟

میرے والد ماجد علیہ السلام نے فرمایا: جانِ پدر! کئی بار کیا تھا اور سورہ بنی اسرائیل، سورۂ فرقان اور سورۂ زخرف میں ان مباحثوں کی طرف اشارے موجود ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رسولؐ خدا حرم کعبہ میں چند اُصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور مشرکینِ مکہ کا ایک گروہ بھی حرم میں موجود تھا جن میں ولید بن مغیرہ، ابوالبختری بن ہشام، ابوجہل، عاص بن وائل سہمی اور عبداللہ بن اُمیہ مخزومی جیسے رؤسائے قریش نمایاں تھے۔

مشرکین نے ایک دوسرے سے کہا کہ محمدؐ کی نبوت روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس سے بحث مباحثہ کریں، تاکہ اسے دلیل و برہان کے تحت شکست دی جائے اور اس کے پیروکاروں کے سامنے اسے لاجواب کیا جائے۔ اگر وہ کھلے دل سے اپنی شکست تسلیم کر لے تو بہتر ورنہ اس کا تلوار سے خاتمہ کر دینا چاہیے۔

ابوجہل نے کہا: اس سے مباحثہ کون کرے گا؟

عبداللہ بن اُمیہ مخزومی نے کہا کہ میں ان سے بحث کروں گا۔ کیا تم مجھے اچھا بحث کرنے والا نہیں سمجھتے؟

ابوجہل نے کہا: بالکل درست ہے۔ ہم تجھے اپنا بہترین مناظر سمجھتے ہیں۔ پھر یہ سارے جمع ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عبداللہ بن اُمیہ مخزومی نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

محمدؐ! تم نے بہت بڑا دعویٰ کیا ہے اور تم نے اعلان کر رکھا ہے کہ تم ربُ العالمین کے رسول ہو تو کیا عالمین کے رب کو رسول بنانے کے لیے تمہارے علاوہ اور کوئی شخصیت نہیں ملی؟ تم کسی طرح سے بھی رسول نہیں ہو سکتے، کیونکہ تم بھی ہماری طرح سے کھانا کھاتے ہو اور ہماری طرح سے بازاروں میں پھرتے ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایران و روم کے سلاطین جب کسی کو نمائندہ بنا کر بھیجتے ہیں تو وہ اس کے لیے کسی مالدار شخص کا انتخاب کرتے ہیں تو کیا ربُ العالمین کو تم جیسے مفلس کے علاوہ اور کوئی فرد ہی نہیں ملا جسے وہ رسول بناتا؟

اگر بالفرض خدا نے تجھے رسول بنایا ہی تھا تو تیرے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا جو تمہاری تائید کرتا اور ہمیں بھی تمہاری تصدیق کا حکم دیتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس سارے بکھیڑے کی بجائے کسی فرشتے کو ہی رسول بنا کر بھیجتا تو یہ زیادہ مناسب ہوتا۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: تمہاری بات مکمل ہو چکی ہے یا تمہیں کچھ اور بھی کہنا ہے؟

اس نے کہا: مجھے ابھی کچھ اور بھی کہنا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی بنانا ہی تھا تو اس نے یہ قرآن مکہ کے سردار ولید بن مغیرہ یا طائف کے سردار عروہ بن مسعود ثقفی کے پاس کیوں نہ بھیجا؟ علاوہ ازیں ہم پہاڑی علاقے میں رہتے ہیں جہاں گزر بسر نہایت مشکل ہے۔ آپؐ یہاں چشمے برآمد کریں اور پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دیں، تاکہ ہم زراعت کر سکیں اور یہاں تمہارے پاس خرما اور انگور کے باغ ہوں جن سے تم خود بھی کھاؤ اور ہمیں بھی کھلاؤ۔ اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا تو ہم پر آسمان کا کوئی کنگرہ گرا دو۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو خدا اور فرشتوں کو ہمارے رُوبرو لے آؤ۔ یا اپنے لیے سونے چاندی کا کوئی مکان تعمیر کراؤ۔ یا پھر ہمارے سامنے تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور خدا کی طرف سے اس مضمون کی تحریر لاؤ کہ میں عزیز و حکیم اور عبداللہ بن امیہ مخزومی اور اس کے ساتھیوں کو حکم دیتا ہوں کہ تم محمد بن عبداللہ پر ایمان لاؤ۔ یہ میرا نمائندہ ہے اور بہتر یہ ہے کہ تم ہمیں بھی اپنے ساتھ آسمان پر لے جاؤ۔ مگر یہ بھی یاد رکھو کہ اگر تم نے ایسا کیا تو بھی ضروری نہیں ہے کہ ہم تم پر ایمان لے آئیں۔ ہم اسے چشم بندی یا جادو سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا اب تمہاری گفتگو مکمل ہو گئی ہے یا ابھی کچھ اور بھی کہنا ہے؟

عبداللہ بن اُمیہ نے کہا تو کیا یہ باتیں تمہارے لیے کافی نہیں ہیں؟ اگر تم ان باتوں کا جواب دے سکتے ہو تو ضرور دو ہم توجہ سے سنیں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ! سنو! تم نے مجھ پر پہلا اعتراض یہ کیا کہ میں بھی تمہاری طرح سے کھاتا پیتا ہوں اور جو شخص دوسرے انسانوں کی طرح سے کھائے پیئے وہ رسول نہیں ہو سکتا۔ بات یہ ہے کہ اللہ

مختارِ کل ہے۔ وہ جو چاہے کرے اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض افراد کو فقیر بنایا اور بعض افراد کو دولت مند بنایا' بعض کو عزت دی' بعض کو ذلت دی۔ کچھ لوگوں کو صحت دی اور کچھ لوگوں کو بیماری دی۔ بعض کو حاکم بنایا' بعض کو رعیت بنایا۔ یہ تمام افراد کھانا کھاتے ہیں۔ فقراء کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کہیں کہ خدایا تو نے ہمیں فقیر کیوں بنایا' دوسروں کو دولت مند کیوں بنایا؟

رعیت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کہے کہ خدایا! تو نے ہمیں رعیت کیوں بنایا اور فلاں کو حکومت کیوں دی؟ اسی طرح سے اپاہج اور کمزور افراد یہ شکوہ نہیں کر سکتے کہ تو نے ہمیں معذور اور کمزور کیوں بنایا اور دوسروں کو صحت اور تندرستی کیوں دی؟

بدصورت افراد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کہیں کہ خدایا تو نے ہمیں بدصورت کیوں بنایا اور دوسروں کو خوبصورت کیوں بنایا؟

اگر یہ لوگ ایسا کریں تو پھر خدا پر اعتراض کرنے والے قرار پائیں گے اور بالفرض اگر وہ اعتراض بھی کریں تو اللہ انہیں یہ جواب دے گا کہ میں بادشاہ ہوں اور صاحب ارادہ ہوں۔ مجھے اختیار ہے جسے چاہوں پست کروں اور جسے چاہوں بلند کروں' جسے چاہوں ذلت دوں اور جسے چاہوں عزت دوں' جسے چاہوں بیماری دوں اور جسے چاہوں تندرستی عطا کروں۔ تمہیں تو ہر حالت میں میرے فیصلہ کو تسلیم کرنا ہے۔ اگر تم میری تقدیر کو تسلیم کرو گے تو مومن کہلاؤ گے اگر انکار کرو گے تو میرے منکر قرار پاؤ گے اور میرے عذاب کے مستحق ٹھہرو گے۔

جس طرح سے خدا نے بعض کو صحت اور بعض کو بیماری کے لیے مخصوص کیا ہے اس طرح سے اس نے مجھے نبوت سے مخصوص کیا ہے اور تمہیں اس منصب سے محروم رکھا ہے۔ تمہیں اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

تم نے ایک اعتراض یہ وارد کیا ہے کہ روم و ایران کے سلاطین جب کسی کو اپنا قاصد بناتے ہیں تو اس کے لیے وہ کسی دولت مند شخص کا انتخاب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے رب العالمین ہو کر تم جیسے مفلس شخص کو اپنا رسول کیوں بنایا ہے؟ تو پھر سنو! اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ وہ اپنے فیصلہ کے لیے کسی کی رائے اور پسند کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ نبی کو اس لیے مبعوث کرتا ہے کہ وہ پوری جانفشانی سے اس کے بندوں تک اس کا پیغام پہنچائے اور اگر وہ کسی امیر کبیر شخص کو اس کام پر مامور کر دے تو وہ تو اپنے محلات اور نوکروں کی فوج سے ہی فارغ نہیں ہوگا۔ وہ دن رات خدا کا پیغام کیسے پہنچائے گا؟ اس صورت میں تو اللہ کا پیغام ہی ضائع ہو جائے گا۔ اور کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ جب سلاطین و ملوک اپنی رعیت سے ملنا چھوڑ دیتے ہیں تو امور سلطنت میں کتنی خرابیاں جنم لیتی ہیں؟

میری نبوت خداوند عالم کی قدرت کا عظیم الشان مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ جیسے مفلس انسان کو نبوت کا عہدہ عطا کیا

ہے اور میری نصرت کا وعدہ کیا ہے اور تم لوگ اقتدار و جبروت رکھنے کے باوجود بھی مجھے قتل نہیں کر سکتے اور نہ ہی مجھے پیغام الٰہی کے پہنچانے سے باز رکھ سکتے ہو۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تمھاری عاجزی کی علامت ہے۔ تم عنقریب دیکھو گے کہ اللہ مجھے تم پر کامیابی دے گا اور مشرکین قتل ہوں گے اور قید ہوں گے اور تمھارے شہروں پر اللہ تعالیٰ مجھے تسلط عطا کرے گا اور تم سے اقتدار چھین کر اہلِ ایمان کے ہاتھ میں اقتدار منتقل کردے گا۔

تمھیں میری نبوت پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ میرے ساتھ ایک فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا جو تمھیں دکھائی دیتا اور تم نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو ہی نبی بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟ تو پھر سنو! تم اپنی آنکھوں سے فرشتوں کو دیکھنے سے عاجز ہو' کیونکہ اس کا تعلق اجسامِ لطیفہ سے ہے۔ اگر بالفرض تمھاری بصارت میں اضافہ کردیا جائے اور تم فرشتوں کو دیکھنے کے قابل ہو جاؤ تو تم یہ کہو گے کہ یہ فرشتہ نہیں بلکہ انسان ہے۔ اب اگر اللہ کسی فرشتے کو بھیجنا بھی چاہے تو بھی وہ انسانی شکل وصورت ہی میں آئے گا' پھر تم اسے بشر ہونے کا طعنہ دو گے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتہ کو بھیجنے کی بجائے مجھے نبوت دے کر بھیجا ہے اور خدا نے مجھے ایسے معجزات دے کر روانہ کیا ہے جن کے لانے سے تم عاجز ہو اور یہی میری صداقت کی دلیل ہے۔ اگر یہی معجزات کسی فرشتے کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے تو معجزہ کا درجہ اختیار نہ کرتے' کیونکہ اگر ایک پرندہ پرواز کرے تو اس میں حیرت کا کوئی پہلو نہیں ہے' کیونکہ تمام پرندے ہی پرواز کرتے ہیں اور اگر پرندے کے بجائے انسان پرواز کرے تو یہ ایک خارقِ عادت فعل ہوگا۔

اور یہ جو تو نے کہا ہے کہ کسی نے تجھ پر جادو کردیا ہے تو یہ بھی ایک لغو بات ہے۔ تم سب جانتے ہو کہ میں تم سب سے عقل وفکر میں ممتاز ہوں اور میری چالیس سالہ زندگی اس بات کی شاہد ہے کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور میری زندگی میں تمھیں کوئی لغزش دکھائی نہ دے گی اور میری چالیس سالہ زندگی میری نبوت کی دلیل ہے۔ اور تمھارا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کرنا ہی تھا تو اس نے مکہ کے سردار ولید بن مغیرہ یا طائف کے سردار عروہ بن مسعود ثقفی پر نازل کرنا دراِنھیں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے تم پر ہی قرآن کیوں اُتارا؟

اصل بات یہ ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط اندازہ لگایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مالِ دنیا کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں مال و دولت کی اہمیت مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو دنیا میں پانی کا ایک گھونٹ پینا بھی نصیب نہ ہوتا۔ اللہ کسی کی دولت سے مرعوب نہیں ہوتا' یہ تو تم ہو جو کسی کی دولت سے مرعوب ہو رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال عدل پر مبنی ہیں۔ اس نے جسے نعمتِ نبوت کے قابل جانا اسے نعمت سے سرفراز کیا اور ویسے یہ ضروری بھی نہیں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے جسے دولت دی ہو اسے خوبصورتی بھی دے اور کسی دولت مند کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ جب دولت مجھے دی تو خوبصورتی کسی دوسرے کو کیوں دی۔ جس طرح سے کوئی دولت مند یہ نہیں کہہ سکتا اسی طرح وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ جب دولت مجھے ملی ہے تو نبوت دوسرے کو کیوں ملی؟

اور تیرا یہ مطالبہ بھی سراسر ناحق ہے کہ ہم تجھے تب نبی مانیں گے جب تم مکہ میں چشمہ جاری کرو گے۔ یہ تیری طرف سے ایک بہانہ ہے کیونکہ چشمہ جاری کرنا نبوت کی دلیل تھوڑی ہے۔ طائف میں تیرے باغات ہیں اور تیری آباد زمین کے قریب ممکن ہے کہ ویران زمین بھی ہو اور تو نے اس کی اصلاح کی ہو اور چشمہ احداث کیا ہو؟

یہ سن کر عبداللہ تعالیٰ نے کہا: جی ہاں' یہ صحیح ہے۔ میں نے ویران زمین میں کئی چشمے جاری کیے ہیں میرے علاوہ طائف کے دوسرے زمین داروں نے بھی کئی چشمے احداث کیے ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا صرف چشمے جاری کرنے سے تم اور طائف کے دوسرے افراد نبی بن گئے ہو؟ یہ تو ایک عادی امر ہے اور کسی بھی عادی امر کو نبوت کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ علاوہ ازیں تو نے ایک بہانہ یہ بھی کیا ہے کہ اگر تو نبی ہوتا تو تیرے پاس خرما اور انگور کے باغات ہوتے تو خود بھی کھاتا اور ہمیں بھی کھلاتا۔ تمھارا یہ عذر بھی دوسرے عذروں کی طرح سے باطل ہے۔ خود تمھارے پاس طائف میں انگور و خرما کے باغات ہیں اور ان میں نہریں بھی بہتی ہیں تو کیا اس کی وجہ سے تو نبی بن گیا ہے؟

اگر تو نبی نہیں بنا تو معلوم ہوا کہ باغات کا مالک ہونا نبوت کی دلیل نہیں ہے اور تیرا یہ کہنا بھی باطل ہے کہ تم ہم پر آسمان کا کنگرہ گرا دو۔ تمھیں علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت کے لیے بھیجا ہے' ہلاکت کے لیے نہیں بھیجا۔ دانا طبیب مریض کے مشورہ سے دوا نہیں دیتا' بلکہ اپنی صوابدید کے تحت اس کا علاج کرتا ہے۔ تم لوگ روحانی طور پر بیمار ہو اور اللہ طبیب ہے وہ تمھارے کہنے پر عمل نہیں کرے گا۔

تمھارا یہ کہنا بھی لاحاصل ہے کہ ہم اس صورت میں ایمان لائیں گے کہ اللہ اور ملائکہ ہمارے رُوبرو آجائیں۔ تمھارا یہ مطالبہ انتہائی غلط اور محال ہے۔ اللہ مخلوق کی طرح سے نہیں کہ وہ آئے جائے' حرکت کرے یا کسی کے رُوبرو پیش ہو۔

پھر آپؐ نے اس سے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تم طائف کی تمام جائیداد کی خود نگرانی کرتے ہو یا تمھارا کوئی نائب بھی ہے؟ اس نے کہا: میرا نائب ہے جو میری جائیداد کی نگرانی کرتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: اگر اللہ کسی کو ہدایتِ خلق کے لیے نائب مقرر کر دے تو تمھیں اعتراض کیوں ہے؟ اسی طرح سے تیرا

یہ اعتراض بھی باطل ہے کہ اگر تو نبی ہوتا تو تیرا گھر سونے کا ہوتا۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ شاہِ مصر کے کئی گھر سونے کے ہیں تو کیا وہ ان گھروں کی وجہ سے نبی بن گیا؟ اگر وہ نبی نہیں بنا تو معلوم ہوا کہ سونے کا گھر نبوت کی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح سے تمہارا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ہم تجھے تب نبی مانیں گے کہ تم ہمارے سامنے آسمان پر چڑھو اور وہاں سے ہمارے نام پر لکھی ہوئی دستاویز لاؤ اور پھر یہ بھی ممکن ہے ہم اسے تسلیم کریں یا اسے چشم بندی اور جادو کا نام دیں۔ جب تم لوگ مجھے نبی ماننے پر ذہنی طور پر آمادہ ہی نہیں ہو تو پھر فضول مطالبہ کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے؟

یوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حکیمانہ جوابات سے مشرکینِ مکہ کو لاجواب کردیا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ مشرکین کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طرفہ قسم کے مطالبات کرنے والا عبداللہ بن ابی اُمیہ تھا اور یہ اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی تھا۔ جب رسولؐ خدا نے مکہ فتح کیا تو یہ بھی آنحضرتؐ کے پاس آیا اور اس نے آپ کو سلام کیا۔ آنحضرتؐ نے اس سے منہ موڑ لیا اور اس کے سلام کا جواب نہ دیا۔ اس موقع پر حضرت اُم سلمہؓ بھی آنحضرتؐ کے ساتھ مکہ میں آئی ہوئی تھیں۔ یہ اپنی بہن کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ رسولؐ خدا نے سب لوگوں کا اسلام قبول کرلیا ہے، لیکن انھوں نے میرا اسلام قبول نہیں کیا۔ آپؐ ان سے سفارش کریں کہ وہ میرا اسلام بھی قبول کرلیں۔

حضرت رسول اکرمؐ جب گھر گئے تو بی بی اُم سلمہؓ نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ کی وجہ سے اور لوگوں کو سعادت مل چکی ہے لیکن آپؐ نے اس سعادت سے ابھی تک میرے بھائی کو محروم کیا ہوا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: تیرے بھائی نے بدترین انداز میں میری تکذیب کی تھی اور قریش کی ترجمانی کرتے ہوئے اسی نے ہی مجھ سے یہ کہا تھا: وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾

حضرت بی بی اُم سلمہؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ خود ہی فرمایا کرتے ہیں کہ اسلام سے سابقہ گناہ مٹ جاتے ہیں، آپؐ اس کا اسلام قبول فرمائیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اس سے درگزر کیا اور اس کا اسلام قبول فرمایا۔

ہدایت قبول نہ کرنے کا عذر لنگ

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

"اور ہدایت آجانے کے بعد لوگوں کو ایمان لانے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوئی مگر وہ یہ کہنے لگے کہ

کیا خدا نے کسی انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟''

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ انسانوں کی آبادی سے قبل اس زمین پر قومِ جنات رہا کرتی تھی۔ خدا نے ان کی ہدایت کے لیے ایک فرشتے کو رسول بنا کر ان کے پاس بھیجا تھا اور یہی بات مشرکینِ مکہ نے بھی سن رکھی تھی۔ اسی لیے اُنھوں نے کہا کہ اگر خدا نے کسی کو ہدایت کے لیے بھیجنا ہی تھا تو اس نے کسی انسان کو رسول کیوں بنایا' اس کی بجائے کسی فرشتے کو رسول بنا کر کیوں نہ بھیجا؟

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر زمین پر فرشتے رہ رہے ہوتے تو ہم ان کے پاس کسی فرشتے کو ہی رسول بنا کر بھیجتے۔ چونکہ زمین پر انسان آباد ہیں اور ہمیں بھی ان کی ہدایت مطلوب ہے' اسی لیے ہم نے فرشتے کی بجائے انسان کو ہی رسول بنا کر بھیجا ہے۔

قولہ: وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا

''ہم انھیں قیامت کے دن منہ کے بل اندھے' گونگے اور بہرے محشور کریں گے''۔

علل الشرائع میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ قیامت کے دن فرقہ ''مرجۂ'' کے افراد اندھے بنا کر محشور کیے جائیں گے اور ان کا امام بھی اندھا ہوگا۔ دوسری اُمتوں کے افراد انھیں دیکھ کر کہیں گے کہ اُمتِ محمدؐ اندھی بن کر محشور ہو رہی ہے۔ اس وقت میں ان سے کہوں گا کہ ان لوگوں کا اُمتِ محمدؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ لوگ بدل گئے تھے خدا نے ان سے نعمات کو بدل دیا۔

ابن شہر آشوب کتاب المناقب میں لکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا: اے ابوذرؓ! علیؑ کے منکر کو قیامت کے دن اندھا اور گونگا بنا کر محشور کیا جائے گا اور وہ قیامت کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہوگا اور وہ کہے گا کہ افسوس میری اس تقصیر پر جو میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں کرتا رہا۔ اس کی گردن میں آگ کا ایک طوق ہوگا۔

مجمع البیان میں ہے کہ انس بن مالک نے رسولؐ خدا سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! قیامت کے دن کافر منہ کے بَل کیسے چلے گا؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: جس نے اسے پاؤں پر چلایا ہے وہی اس کو منہ کے بل چلائے گا۔ (رواہ البخاری ومسلم فی الصحیح)

انسان بخیل ہے

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝

''آپ کہہ دیں کہ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم خرچ ہونے کے خوف سے سب روک لیتے، انسان تو تنگ دل ہی ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ اگر کائنات کے تمام خزانے انسانوں کے ہاتھ میں ہوتے تو وہ لوگوں کو کچھ بھی نہ دیتے اور کہتے کہ اگر ہم کچھ دیں گے تو یہ خزانے ختم ہو جائیں گے۔ انسان بخیل واقع ہوا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی نو نشانیاں

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ......

''اور ہم نے موسیٰؑ کو نو واضح نشانیاں عطا کی تھیں''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ وہ نو نشانیاں یہ تھیں: ① طوفان ② ٹڈی دل ③ جوئیں ④ مینڈک ⑤ خون ⑥ پتھر ⑦ عصا ⑧ یدِ بیضاء ⑨ سمندر۔

تفسیر عیاشی میں بھی یہی نو نشانیاں مرقوم ہیں۔

قربُ الاسناد میں مرقوم ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: ایک یہودی نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والی نو نشانیاں کون سی تھیں؟

میں نے اسے جواب دیا کہ وہ یہ تھیں: ① عصا ② یدِ بیضاء ③ ٹڈی دل ④ جوئیں ⑤ مینڈک ⑥ خون ⑦ کوہِ طور کا بلند ہونا ⑧ مَن وسلویٰ کا اُترنا ⑨ سمندر کا شگافتہ ہونا۔ یہ سن کر یہودی نے کہا کہ آپؑ نے درست فرمایا۔

کتابُ الخصال میں ہارون بن حمزہ کا بیان مرقوم ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کون سی نو نشانیاں عطا ہوئی تھیں؟

آپؑ نے فرمایا: وہ نشانیاں یہ تھیں: ① ٹڈی دل ② جوئیں ③ مینڈک ④ خون ⑤ طوفان ⑥ سمندر ⑦ پتھر ⑧ عصا ⑨ ید بیضاء۔

الکافی کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ یہودی حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے اور اُنھوں نے کہا کہ آپ نے یہ کون سی بدعت جاری کی ہے؟ آپؑ نے فرمایا: بیان کرو میں نے کون سی بدعت جاری کی ہے؟

اُنھوں نے کہا کہ آپؑ نے ان لوگوں کو جو "لا اِلٰہ الا اللہ" کی گواہی دیتے تھے لیکن وہ "محمد رسول اللہ" کی گواہی نہیں دیتے تھے آپؑ نے انھیں دھوئیں سے قتل کرایا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: تمھیں ان نو نشانیوں کی قسم جو موسیٰؑ کو عطا ہوئی تھیں مجھے یہ بتاؤ کہ کیا یوشع علیہ السلام نے ان لوگوں سے یہی سلوک نہیں کیا تھا جو "لا اِلٰہ الا اللہ" کی گواہی دیتے تھے لیکن حضرت موسیٰؑ کی نبوت کے منکر تھے؟

اُنھوں نے کہا کہ بے شک آپؑ نے سچ کہا ہے اور حضرت یوشعؑ نے بھی ان سے وہی سلوک کیا تھا جو آپؑ نے ان لوگوں سے کیا ہے۔

مجمع البیان میں وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ کی تفسیر کے ضمن میں مرقوم ہے کہ نو آیات بینات کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس سے حضرت موسیٰؑ کو ملنے والے نو اَحکام مُراد ہیں۔

چنانچہ عبداللہ بن مسلمہ نے صفوان بن عسال سے روایت کی ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ چلو ہم مسلمانوں کے نبی کے پاس جائیں اور ان سے پوچھیں کہ وہ نو احکام کون سے تھے جو خدا نے موسیٰؑ کو دیئے تھے؟

جب انھوں نے آنحضرتؐ سے یہ سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا وہ نو احکام یہ تھے: ① خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو ② چوری نہ کرو ③ زنا نہ کرو ④ کسی کو ناحق قتل نہ کرو ⑤ کسی بے گناہ کو حاکم کے پاس قتل کرانے کے لیے نہ لے جاؤ ⑥ جادو نہ کرو ⑦ سود نہ کھاؤ ⑧ عفیف عورتوں پر الزام تراشی نہ کرو ⑨ میدانِ جنگ میں پشت نہ دکھاؤ۔

اے گروہِ یہود! تمھارے لیے ایک خصوصی حکم یہ بھی ہے کہ ہفتہ کے دن کی حُرمت پامال نہ کرو۔ یہودی نے آپؐ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ واقعی نبی ہیں۔

اسمائے حسنیٰ

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ

"آپؐ کہہ دیں کہ تم "اللہ" کہہ کر پکارو یا "رحمٰن" کہہ کر پکارو اس کے لیے اچھے نام ہیں"۔

الکافی میں ابن سنان سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا مخلوق کی پیدائش سے

قبل اللہ اپنے آپ کو پہچانتا تھا؟ آپؑ نے کہا: جی ہاں۔ میں نے کہا: تو کیا وہ اپنے آپ کو دیکھتا تھا اور اپنی باتیں سنتا تھا؟ آپؑ نے فرمایا: اسے اس کی احتیاج ہی نہیں تھی' کیونکہ اس نے اپنے لیے اپنی ذات سے کچھ مانگنا نہیں تھا اس کی قدرت نافذ تھی اسے اپنا نام رکھنے کی احتیاج نہ تھی۔ البتہ اس کی مخلوق نے اس سے دعا مانگنی تھی اس لیے اس نے اپنے لیے کچھ ناموں کا انتخاب کیا' تاکہ مخلوق اسے ان ناموں سے پکارے کیونکہ اگر اس کو اس کے نام سے نہ پکارا جائے تو اس کی پہچان نہ ہو سکے گی۔ اس نے اپنی ذات کے لیے سب سے پہلے "العلی العظیم" کا اسم چُنا کیونکہ وہ تمام اشیاء سے اعلیٰ ہے اور اس کا معنی اللہ ہے اور "العلی العظیم" اس کا پہلا نام ہے۔

اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: آگ میں جلنے' پانی میں ڈوبنے' چوری سے محفوظ رہنے اور جانوروں کے گم ہونے کے تمام تر تعویذ قرآن میں موجود ہیں' اگر کسی کو اس کی ضرورت ہو تو وہ مجھ سے پوچھ لے۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا: مولاؑ! مجھے چوری سے محفوظ رہنے کی عزیمت تعلیم فرمائیں' کیونکہ میرے ہاں تو اکثر و بیشتر رات کے وقت چوریاں ہوتی رہتی ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: جب سونے کا ارادہ کرو تو قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ ...... وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾ کی تلاوت کرو' ان شاء اللہ تمھارے ہاں چوری کی واردات نہ ہوگی۔

من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ ...... وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾ کی دو آیات میری اُمت کے لیے چوری سے امان ہیں۔

جہر و اخفات

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾

"اور اپنی نماز نہ تو بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ ہی پست آواز سے پڑھو۔ ان دونوں کے درمیان اوسط درجہ کا راستہ تلاش کرو"۔

الکافی میں سماعہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ کی آیت مجیدہ کے متعلق سوال کیا۔ آپؑ نے فرمایا: "اِخفات" وہ ہے جسے تم خود نہ سن سکو اور "جہر" یہ ہے کہ تم اپنی آواز بہت زیادہ بلند کرو۔

ابن سنان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ

اس طرح سے قرأت کرے کہ اس کے تمام مقتدی اس کی قرأت کو سن سکیں، اگر چہ ان کی تعداد زیادہ بھی کیوں نہ ہو؟

آپؑ نے فرمایا: امام کو درمیانی طریقہ سے قرأت کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ۝

تفسیر علی بن ابراہیم میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ ...... کی آیت کے ضمن میں فرمایا کہ "جہر" سے بلند آواز سے پڑھنا اور "تخافت" سے اتنا مدہم پڑھنا مراد ہے جو خود انسان کو سنائی نہ دے ان دونوں کے درمیان نماز پڑھنی چاہیے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی مفہوم منقول ہے۔

الاستبصار میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص جہری نماز کو اِخفات سے اور اِخفاتی نماز کو جان بوجھ کر جہر سے پڑھے تو اس کی نماز باطل ہے اور اسے دوبارہ نماز پڑھنی چاہیے اور اگر کوئی بھول کر یا لاعلمی کی وجہ سے ایسا کرے تو اس کی نماز صحیح ہے، اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔

تفسیر عیاشی میں زرارہ، حمران اور محمد بن مسلم سے مروی ہے کہ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ ...... کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے کہ جب رسولؐ خدا مکہ میں تھے اور آپؐ بلند آواز سے نماز پڑھتے تھے تو مشرکین کو آپؐ کی جگہ کا پتہ چل جاتا تھا اور وہ آپؐ کو اذیت دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیتِ مجیدہ کے ضمن میں فرمایا: "جہر" بلند آواز کو کہا جاتا ہے اور "تخافت" وہ آواز ہے جو خود تمھارے کانوں تک نہ پہنچے، اسی لیے ان دونوں کے درمیان راستہ اختیار کرنا چاہیے یعنی نماز اس طرح سے پڑھو کہ اس کی آواز تمھارے کانوں تک نہ پہنچے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمایا: اے فرزند! دو برائیوں کے درمیان والی نیکی دو برائیوں کو مٹا دیتی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عرض کیا: اباجان! وہ کیسے؟ آپؑ نے فرمایا: اس کی مثال اللہ کا یہ فرمان ہے: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ۝ (یعنی بلند آواز سے پڑھنا بھی بہتر نہیں اور دھیمی آواز سے پڑھنا بھی بہتر نہیں ہے، درمیانی راستہ اچھا ہے)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ ...... کی آیتِ مجیدہ کو فاصدع بما تؤمر (جو تمھیں حکم دیا جارہا ہے اسے کھل کر بیان کرو) کی آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔

ایک دوسری روایت میں بھی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یہی مفہوم منقول ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ محمد بن عمران نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ نمازِ جمعہ، نمازِ مغرب وعشاء اور نمازِ فجر میں نماز بلند آواز سے کیوں پڑھی جاتی ہے اور ظہر وعصر کی نمازوں کو آہستہ کیوں پڑھا جاتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر جو پہلی نماز فرض کی تھی وہ روزِ جمعہ کی نمازِ ظہر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اقتداء میں ملائکہ کھڑے کیے اور اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ بلند آواز سے نماز پڑھیں، تاکہ ملائکہ کے سامنے اس کی فضیلت کا اظہار ہو سکے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر عصر کی نماز فرض کی۔ اس نماز کے وقت آپؐ کی اقتداء میں فرشتے نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اس نماز کو آہستہ آواز سے پڑھیں، کیونکہ آپؐ کے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر نماز مغرب فرض کی اور ملائکہ کو آپؐ کی اقتداء میں کھڑا ہونے کا حکم دیا اور نبی کو بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دیا اور عشاء کی نماز میں بھی ایسا ہی ہوا۔ جب فجر کا وقت ہوا تو آپؐ واپس آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر فجر کی نماز فرض کی اور آپ کو یہ نماز بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دیا، تاکہ ملائکہ کی طرح سے لوگوں کو بھی اس کی فضیلت کا علم ہو سکے۔ اسی لیے ان نمازوں کو بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے۔

حمیری قربُ الاسناد میں علی بن جعفر سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کیا جہری نماز کو جہر سے پڑھنا ضروری ہے؟ آپؑ نے فرمایا: یہ نمازی پر منحصر ہے چاہے تو جہر کرے چاہے تو نہ کرے۔

تفسیر عیاشی میں ابوحمزہ ثمالی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ...... کی آیتِ مجیدہ کے متعلق سوال کیا۔ آپؑ نے فرمایا: اس کی تفسیر یہ ہے کہ علیؑ کی ولایت کو بلند آواز سے بھی بیان نہ کرو اور میں نے علیؑ کو جو عزت عطا کی ہے اسے بلند آواز سے بیان نہ کرو اور اِخفات بھی نہ کرو، یعنی خود اس سے وہ فضائل مت چھپاؤ۔ میں نے اسے جو عزت عطا کی ہے اسے اس سے باخبر رکھو۔

جابر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ...... کی تفسیر دریافت کی تو آپؑ نے فرمایا: علیؑ کی ولادت کو بلند آواز سے مت بیان کرو۔ پس وہ نماز میں ہے اور میں نے علیؑ کو جو اعزاز واکرام دیا ہے اسے بلند آواز سے بیان نہ کرو اور اِخفات نہ کرو یعنی خود علیؑ سے یہ باتیں مت چھپاؤ۔ میں نے اسے جو عزت دی ہے اسے اس سے باخبر رکھو اور جہاں تک وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ﴿۱۱۰﴾ کا تعلق ہے تو خدا یہ کہہ رہا ہے کہ تم مجھ سے ولایتِ علیؑ کو بلند آواز سے بیان کرنے کا سوال کرتے رہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غدیر خم میں اس کے اظہار کی اجازت دی تھی اور اس دن

آنحضرتؐ نے کہا تھا:

مَنْ كُنتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ

"جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے خدایا جو اس سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ"۔ ①

قرض و مرض سے نجات کی دُعا

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿١١١﴾

"اور آپ کہہ دیں کہ تمام حمد اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا اور نہ کوئی بادشاہی میں اُس کا شریک ہے اور وہ عاجز نہیں کہ کوئی اس کا پشتیبان ہو اور اُس کی کمال درجے کی بڑائی بیان کرو"۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک شخص حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آ کر عرض کیا: یارسولؐ اللہ! مجھ پر قرض اور سینے کا وسوسہ غالب ہے اس کے لیے میں کیا کروں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: تم یہ دعا پڑھو: توکلت علی الحی الذی لا یموت وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿١١١﴾

وہ شخص اٹھ کر چلا گیا۔ چند ایام کے بعد نبی اکرمؐ نے اس سے پوچھا: کیا تم نے میری بتائی ہوئی آیت کا ورد کیا تھا؟ اس شخص نے کہا: میں نے اس کو اپنا معمول بنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے صدقہ میں میرا قرض ادا کر دیا اور مجھے سینہ کے وسواس سے نجات عطا کی۔

الکافی میں اسی مفہوم کی ایک اور روایت بھی مذکور ہے۔

---

① بصائر الدرجات میں ابوحمزہ ثمالی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ ...... کی آیت کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: علیؑ کے فضائل کو علیؑ سے مت چھپاؤ۔ میں نے اسے جو عزت دی ہے اسے اس سے باخبر رکھو اور وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ۝ سے یہ مراد ہے کہ تم مجھ سے سوال کرتے رہو کہ میں تمہیں علیؑ کی ولایت کا کھل کر اظہار کرنے کا حکم دوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غدیرِ خم میں اس کی اجازت دی تھی۔ (عن حاش بعض النسخ)

روضہ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک انصاری شخص کئی روز تک دکھائی نہ دیا۔ آخر کار ایک دن وہ آپؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے اس سے فرمایا: تمھیں ہم سے کس چیز نے دُور کر دیا ہے؟ اس نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! غربت اور لمبی بیماری نے مجھے آپؐ سے دُور کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا میں تمھیں ایسا کلام تعلیم نہ کروں جس کی وجہ سے تیری غربت دُور ہو جائے۔ انصاری نے عرض کیا: کیوں نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم روزانہ صبح وشام کے وقت یہ دعا پڑھا کرو: لا حول ولا قوة الا باللہ توکلت علی الحی الذی لا یموت وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾

انصاری صحابی کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! ابھی اس دعا کو میں نے تین دن ہی پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری غربت اور بیماری دُور کر دی۔

تفسیر عیاشی میں عبداللہ بن سنان سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے اپنے حالات کی تنگی کی شکایت کی تو آپؑ نے فرمایا: کیا میں تجھے ایسی دعا تعلیم نہ کروں جس کی وجہ سے خدا تمھارا قرض ادا کرے اور تمھارے حالات بہتر ہو جائیں؟

میں نے عرض کیا: مولاؑ! مجھے تو ایسی دعا کی اشد ضرورت ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: روزانہ نمازِ فجر کے بعد یہ دعا پڑھا کرو: توکلت علی الحی الذی لا یموت وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾ اللھم انی اعوذبك من البؤس والفقر ومن غلبة الدین والسقم واسئلك ان تعیننی علی اداء حقك والی الناس۔

تہذیب الاحکام میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب کوئی شخص وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾ کی آیت پڑھے تو اُسے تین بار "اللہ اکبر" کہنا چاہیے؟

ایک شخص نے کہا: مولاؑ! اگر کوئی شخص "اللہ اکبر" نہ کہے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

کتاب التوحید میں حضرت علی علیہ السلام سے ایک خطبہ منقول ہے جس میں آپؑ نے یہ کلمات بھی فرمائے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو کسی کا فرزند نہیں ہے کہ وہ عزت میں کسی کا شریک ہوتا اور وہ کسی کا باپ نہیں ہے کہ وہ ہلاک ہوجائے اور کوئی اس کا وارث بنے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: تمام تعریفیں اُس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو کسی کا باپ نہیں کہ کوئی اس کی میراث پائے اور وہ کسی کا بیٹا نہیں کہ وہ عزت میں مشترک ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کسی کا باپ نہیں ہے کیونکہ بیٹا اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور وہ کسی کا بیٹا نہیں ہے کہ وہ کسی کے مشابہ قرار پائے۔

حماد بن عمرو نصیبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے توحید کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: وہ واحد، صمد، ازلی و صمدی ہے اس کا کوئی سایہ نہیں کہ اسے تھامے جب کہ وہ تمام اشیاء کو ان کے سایوں سمیت تھامے ہوئے ہے۔ وہ کسی کا باپ نہیں کہ کوئی اس کا وارث بنے اور وہ کسی کا بیٹا نہیں ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو سکے، اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے وہ ایک ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: جان لو کہ اللہ واحد، احد، صمد ہے۔ وہ کسی کا باپ نہیں کہ کوئی اس کا وارث ہو اور وہ کسی کا بیٹا نہیں ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں: اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ وہ محدود ہو کر رہ جائے گا وہ آل و اولاد رکھنے سے بالاتر اور عورتوں کو چھونے سے پاک ہے۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور ایک زندیق کی گفتگو منقول ہے جس کے کچھ حصہ کا ماحصل یہ ہے:

امام علیہ السلام نے اس زندیق سے جو دو خداؤں کا قائل تھا یہ فرمایا: جب تم دو خداؤں کی بات کرتے ہو تو ان دو خداؤں کے متعلق یا تو یہ عقیدہ رکھو گے کہ دونوں قدیم ہیں اور دونوں برابر کی قوت رکھتے ہیں یا پھر یہ کہو گے کہ دونوں کمزور ہیں یا پھر یہ کہو گے کہ ان میں سے ایک طاقتور ہے اور دوسرا کمزور ہے۔ اور یہ تینوں صورتیں باطل ہیں۔ اگر دونوں برابر کے طاقتور ہوتے تو ان میں سے ایک دوسرے کو ہٹا دیتا اور خود نظام پر قابض ہو جاتا۔ اگر دونوں ضعیف اور کمزور ہوتے تو نظام کائنات چلا نہ سکتے۔ اگر ایک طاقت والا ہوتا اور دوسرا کمزور ہوتا تو وہ دوسرا پہلے کا غلام بن جاتا اور خدا ایک ہی رہتا۔

جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ نظامِ کائنات میں ایک ہی تدبیر کارفرما ہے۔ شمس و قمر، لیل و نہار کا سلسلہ ایک ہی نظام سے مربوط ہے۔ تدبیر کی وحدت اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات کا مُدبر صرف ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

کتاب اہلیلجہ میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے اور مصباح الزائر میں امام حسین علیہ السلام سے بھی یہی مفہوم منقول ہے۔

دردِ طحال (تلی) کی عزیمت

کتاب طبّ الائمہ میں مذکور ہے کہ خراسان کا ایک باشندہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: مولاؑ! میں نے حج کیا ہے اور اب آپؑ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں، مجھے ہمیشہ سے تلی میں درد رہتا ہے، آپؑ کوئی دعا تعلیم فرمائیں تا کہ یہ درد دُور ہو جائے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا نے تمھاری التجا سن لی ہے، جب تمھیں درد محسوس ہو تو اس آیتِ مجیدہ کو زعفران و آبِ زم زم سے لکھ کر پی لو، اللہ تعالیٰ تمھارا درد دُور کر دے گا۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ خدا کمزور نہیں ہے کہ اسے کسی مددگار اور پشت پناہ کی ضرورت محسوس ہو؟

کتاب الخصال میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا کہ میں نے تجھے اور تیری اُمت کو تکبیر (اللہ اکبر) عطا کی ہے۔

اصولِ کافی میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے "اللہ اکبر" کہا۔ آپؑ نے فرمایا: اللہ بڑا ہے، لیکن یہ بتاؤ کہ وہ کس چیز سے بڑا ہے؟ اس نے کہا کہ اللہ ہر چیز سے بڑا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: تو نے اسے محدود کر دیا ہے۔ اس شخص نے کہا: پھر اللہ اکبر کا کیا مفہوم ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اس سے کہیں بڑا ہے کہ اس کی توصیف کی جا سکے۔

الکافی کی دوسری روایت میں بھی اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ میں مذکور ہے کہ سلیمان بن مہران نے حرم کعبہ کے باب بنی شیبہ کے پاس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ اس مقام پر اللہ اکبر پڑھنے کا حکم کیوں دیا گیا؟

آپ نے فرمایا: زمانۂ جاہلیت میں یہاں بت رکھے ہوئے تھے اسی لیے آنحضرتؐ نے فرمایا: جب تم یہاں پہنچو تو اللہ اکبر کہو تا کہ مشرکین کو یہ پیغام دیا جا سکے کہ خدا تمھارے خود ساختہ بتوں سے کہیں بلند و برتر ہے۔

ابی مخنف اپنی کتاب ''مقتل الحسین'' میں لکھتے ہیں کہ جب امام علی زین العابدین علیہ السلام نے دربار یزید میں خطبہ دیا تو دربار کا رنگ بدلنے لگا۔ یزید نے مؤذن سے کہا کہ اُٹھ کر اذان دے۔ مؤذن نے ''اللہ اکبر'' کہا تو امام سجادؑ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہر چیز سے بڑا ہے۔

مجمع البیان میں مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خاندان کو سورۂ بنی اسرائیل کی آخری دو آیات کی تعلیم دیا کرتے تھے جیسا کہ ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر سے منقول ہے۔

ooo

سُورَۃ الکھف
سورۃ الکھف مکیۃ آیاتھا ۱۱۰ ورکوعاتھا ۱۲
"سورہ کہف مکہ میں نازل ہوئی اس کی آیات ۱۱۰ اور بارہ رکوع ہیں"

ثوابِ تلاوت

کتاب ثوابُ الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو شخص ہر شبِ جمعہ سورہ کہف پڑھے تو وہ شہید ہو کر مرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو بزمِ شہداء میں مبعوث کرے گا اور وہ قیامت کے دن شہداء کے ساتھ کھڑا ہوگا۔

الکافی میں ابوحمزہ سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص ہر شبِ جمعہ سورہ کہف پڑھے تو وہ آئندہ جمعہ تک اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ یہ ثواب اس کو ملے گا جو جمعہ کے دن نمازِ ظہر وعصر کے بعد اس کی تلاوت کرے گا۔

مجمع البیان میں ابی بن کعب سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سورہ کہف پڑھے گا تو وہ پورے آٹھ دن تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ اگر ان آٹھ دنوں میں دجّال بھی ظاہر ہو جائے تو بھی اللہ اسے دجّال کے فتنہ سے محفوظ رکھے گا۔

سمرہ بن جندب کا بیان ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سورہ کہف کی دس آیات پڑھے تو اسے دجال کا فتنہ نقصان نہ دے گا اور جو شخص پوری سورہ پڑھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمھیں ایسا سورہ نہ بتاؤں جس کے نزول کے وقت ستر ہزار فرشتوں نے اس کی مشایعت کی ہو اور اس کی عظمت نے زمین و آسمان کے خلا کو بھر دیا ہو؟

صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں؟

آپؐ نے فرمایا: وہ سورہ، سورہ کہف ہے۔ جو شخص اس سورہ کو جمعہ کے دن پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ آئندہ جمعہ تک اس کے گناہ معاف کرے گا، بلکہ تین دن کا اس میں مزید اضافہ بھی کرے گا اور اسے اتنا نور دیا جائے گا جو آسمان تک پہنچتا ہوگا اور وہ شخص دجّال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔

ابودرداء بیان کرتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سورہ کہف کی دس آیات زبانی یاد کرے تو وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور قرار پائیں گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھے گا تو پورے سال تک وہ ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ اگر دجّال کا خروج بھی ہو تو بھی وہ اس کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔

سورہ کہف کے مرکزی موضوعات

سورہ کہف کے مرکزی موضوعات حسب ذیل ہیں:

عظمتِ قرآن، اصحابِ کہف کا واقعہ، دنیا کی دلفریبیوں پر نگاہ نہیں رکھنی چاہیے، دوزخ و جنت کی کیفیت، دو اشخاص کی مثال، حیاتِ دنیا کی مثال، قیامت کا منظر اور نامۂ اعمال کی جامعیت، قصۂ آدمؑ و ابلیس، خدا کسی گمراہ کرنے والے کو مددگار نہیں بناتا، لوگوں کی روش، حضرت موسیٰؑ و خضرؑ کا واقعہ، ذوالقرنینؑ کا قصہ اور یاجوج وماجوج کا تذکرہ۔ بلحاظِ اعمال خسارہ اٹھانے والوں کا ذکر، رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر کی سیاہی بھی کم ہے۔ رسولؐ خدا کی بشریت وغیر ذلک۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ
عِوَجًا ﴿١﴾ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ
الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿٢﴾
مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ﴿٣﴾ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ
وَلَدًا ﴿٤﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ
مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿٥﴾ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ
عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿٦﴾ اِنَّا جَعَلْنَا
مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿٧﴾
وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴿٨﴾ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ
اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿٩﴾ اِذْ اَوَى
الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ
لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿١٠﴾ فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ

عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًی ﴿۱۳﴾ وَّ رَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْ لَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَی الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ یُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ وَ تَرَی الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِیْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ وَ تَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ۖۗ وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَیْهِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِیَتَسَآءَلُوْا بَیْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآىِٕلٌ

مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ط قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ط قَالُوْا
رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ط فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى
الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ
وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ
يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾
وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ
السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ج اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا
ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ط رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ط قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى
اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ
كَلْبُهُمْ ج وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ج
وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ط قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا
يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ قف فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ص وَّلَا
تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ
ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ لا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ز وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ
عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ

كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۫ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

سہارا اللہ کے نام کا جو کہ رحمٰن و رحیم ہے

تمام حمد اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کوئی کجی نہیں رکھی۔ وہ ٹھیک ٹھیک سیدھی بات کہنے والی کتاب ہے، تاکہ وہ خدا کی طرف سے آنے والے سخت عذاب سے ڈرائے اور جو مومن نیک عمل کر رہے ہیں انہیں اس بات کی بشارت دے کہ ان کے لیے بہترین اجر ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اور ان لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرائے جنھوں نے یہ عقیدہ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا فرزند بنایا ہے۔ انہیں اس کا کوئی علم نہیں ہے اور نہ ہی ان کے باپ دادا کو اس کا کوئی علم تھا۔ یہ بہت بڑی (خوفناک) بات ہے، جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے وہ محض جھوٹ بول رہے ہیں۔

شاید اے نبیؐ، آپؐ ان کے غم میں اپنی جان کھو دینے والے ہو اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔ بے شک ہم نے روئے زمین کی تمام اشیاء کو اس کے لیے زینت بنایا ہے تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں بہتر عمل کرنے والا کون ہے۔

پھر ہم روئے زمین کی ہر چیز کو فنا کر کے اسے چٹیل میدان بنانے والے ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب نشانی تھے۔ جب وہ چند نوجوان غار میں پناہ گزین ہوئے تو انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنی رحمت عطا فرما اور

ہمارے معاملہ میں کامیابی کا سامان فرما۔ ہم نے غار میں ان کے کانوں پر چند سالوں کے لیے پردے ڈال دیئے۔ پھر ہم نے انہیں دوبارہ اٹھایا تا کہ دیکھیں ان کے دو گروہوں میں سے کون اپنی مدت قیام کا ٹھیک شمار کرتا ہے۔

ہم آپ کو ان کا قصہ بالکل ٹھیک طرح سے سناتے ہیں وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا تھا اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے جب وہ اٹھے اور انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ ہمارا رب بس وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اس کے علاوہ کسی خدا کو نہیں پکاریں گے' اگر ہم ایسا کریں گے تو بالکل بے جا بات کریں گے۔

یہ ہماری قوم ہے جس نے خدا کے علاوہ بہت سے خداؤں کا عقیدہ رکھ لیا ہے۔ آخر یہ لوگ اپنے خداؤں کے لیے کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے۔ اس سے بڑھ کر اور ظالم کون ہو سکتا ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے۔ جب تم نے ان سے اور خدا کے علاوہ تمام معبودوں سے علیحدگی اختیار کر لی ہے تو اب غار میں پناہ لے لو۔ تمہارا رب تم پر اپنی رحمت کو پھیلا دے گا اور تمہارے لیے تمہارے معاملہ میں آسانی کا سامان فراہم کر دے گا۔

اور تم دیکھو گے کہ سورج جب طلوع کرتا ہے تو ان کے غار سے داہنی طرف کترا کر نکل جاتا ہے اور جب غروب ہو جاتا ہے تو بائیں طرف جھک کر نکل جاتا ہے اور وہ وسیع مقام پر آرام کر رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جس کو خدا ہدایت دے تو وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑ دے تو تم اس کے لیے کوئی رہنما اور سرپرست نہ پاؤ گے۔

تم سمجھتے ہو کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں ہم انہیں دائیں بائیں کروٹ تبدیل کراتے رہتے ہیں۔ ان کا کتا غار کے دہانے دونوں ہاتھ پھیلائے بیٹھا ہے۔ اگر تم انہیں

جھانک کر دیکھتے تو اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور تم پر ان کے نظارے سے دہشت بیٹھ جاتی۔ اور اسی کیفیت سے ہم نے انہیں اٹھا بٹھایا تا کہ وہ آپس میں پوچھ گچھ کریں۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم نے کتنی مدت یہاں قیام کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ وہ کہنے لگے کہ تمہارا رب بہتر جانتا ہے کہ تم نے کتنا عرصہ قیام کیا ہے۔ اب تم اپنے میں سے کسی کو چاندی کا سکہ دے کر شہر روانہ کرو وہ یہ دیکھے کہ سب سے پاکیزہ کھانا کہاں ملتا ہے وہاں سے وہ کچھ کھانے کے لیے لائے اور اسے ہوشیاری سے کام لینا چاہیے اور کسی کو تمہارے متعلق کوئی خبر نہ دے۔

اگر وہ لوگ تمہارے بارے میں باخبر ہو گئے تو تمھیں سنگسار کر دیں گے یا پھر زبردستی تمھیں اپنی ملّت میں لے جائیں گے اور تم کبھی نجات نہ پا سکو گے۔ اور اس طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے مطلع کر دیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے آنے میں کسی طرح کا شک وشبہہ نہیں ہے۔ جب وہ آپس میں ان کے متعلق جھگڑا کر رہے تھے اور یہ طے کر رہے تھے کہ ان کے غار پر ایک عمارت بنا دی جائے۔ خدا ان کے بارے میں بہتر جانتا ہے وہ لوگ جو ان کے معاملات پر غالب تھے تو انہوں نے کہا کہ ہم تو یہاں ایک مسجد بنائیں گے۔

عنقریب یہ لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔ (کچھ) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ سب اندازے ہی اندازے ہیں اور کچھ کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ آپ کہہ دیں کہ میرا رب ہی ان کی تعداد کو بہتر جانتا ہے۔ بہت کم لوگ ان کی صحیح تعداد سے واقف ہیں پس تم سرسری بات سے بڑھ کر ان کی تعداد کے متعلق لوگوں سے بحث نہ کرو اور نہ ہی ان کے متعلق کسی سے کچھ پوچھو۔

آپ کسی چیز کے متعلق یہ نہ کہیں کہ کل میں یہ کام کرنے والا ہوں۔ مگر جب تک خدا نہ

چاہے اور جب بھول جائیں تو خدا کو یاد کریں اور کہیں کہ میرا رب عنقریب اس معاملہ میں رُشد سے قریب تر بات کی طرف میری رہنمائی کرے گا۔

اور وہ اپنے غار میں تین سو برس رہے اور اس پر نو کا اضافہ بھی ہو گیا۔ آپ کہہ دیں کہ ان کی مدت قیام کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کا سب غیب ہے۔ وہ کیا خوب دیکھنے اور سننے والا ہے۔ اس کے علاوہ اہلِ آسمان و زمین کا کوئی سرپرست نہیں ہے وہ کسی کو اپنے حکم میں شریک نہیں کرتا"۔

حضرت علیؑ کفار کے لیے عذابِ الٰہی تھے

قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ ......

"تاکہ وہ خدا کی طرف سے آنے والے سخت عذاب سے ڈرائے"۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السلام خدا و رسول کی طرف سے کافروں کے لیے سخت عذاب کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کے متعلق ہی خدا نے فرمایا: لِّيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ ......

خدا کے ہاں کوئی بیٹا نہیں ہے

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآىِٕهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝

"اور اُن لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرائے، جنھوں نے یہ عقیدہ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا فرزند بنایا ہے۔ انہیں اس کا کوئی علم نہیں ہے اور نہ ہی ان کے آباء و اجداد کو اس کا علم تھا۔ یہ بہت بڑی (خوفناک) بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے وہ محض جھوٹ بول رہے ہیں"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ اس آیت کا روئے سخن کفارِ قریش کی طرف ہے، جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ ان کے علاوہ اس آیت کا اشارہ یہود و نصاریٰ کی طرف ہے، کیونکہ یہودیوں کا ایک گروہ حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتا تھا اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا فرزند مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام گروہوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایک بہت

بڑی بات ہے جو اُن کے منہ سے نکل رہی ہے۔ یہ لوگ محض جھوٹ بک رہے ہیں۔

دنیا کی آرائش کی کوئی اہمیت نہیں ہے

روضہ کافی میں حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کا ایک خطبہ مرقوم ہے' جس میں آپؑ نے دنیا سے بے رغبتی کی تعلیم دیتے ہوئے یہ کلمات بھی ارشاد فرمائے:

''لوگو! تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا کی آرائش اور زیب و زینت پسند نہیں ہے اور خدا نے اپنے اولیاء کی نظر میں بھی اس کی کوئی اہمیت نہیں دلائی۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اہلِ دنیا کو آزمائش کی غرض سے پیدا کیا۔

سرِ حسینؑ اور تلاوتِ قرآن

الخرائج والجرائح میں منہال بن عمرو سے منقول ہے اُس نے کہا کہ خدا کی قسم میں اس وقت دمشق میں موجود تھا جب امام حسین علیہ السلام کا سر اقدس وہاں پر لایا گیا۔ اس وقت ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا۔ جب اس نے یہ آیت پڑھی: اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡکَہۡفِ وَ الرَّقِیۡمِ ۙ کَانُوۡا مِنۡ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ۝۹ (کیا تم سمجھتے ہو کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب نشانی تھے) تو اُس وقت اللہ تعالیٰ نے امامِ مظلومؑ کے سر کو بولنے کی قوت عطا کی۔ آپؑ نے فصیح لہجہ میں فرمایا: میری شہادت اور نوکِ نیزہ پر میرے سر کو سوار کرنا ان سے بھی زیادہ عجیب ہے۔

ابن شہر آشوب اور ابو مخنف نے شعبی سے نقل کیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے سرِ اطہر کو کوفہ میں لٹکایا گیا تھا تو اس وقت آپؑ کھنکھارے اور آپؑ کے سر نے سورۂ کہف کی تلاوت کی اور سورۂ کہف کی ابتداء سے لے کر آپؑ نے اِنَّہُمۡ فِتۡیَۃٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّہِمۡ وَ زِدۡنٰہُمۡ ہُدًی ۝۱۳ تک تلاوت کی۔ علاوہ ازیں آپؑ کے سرِ اطہر سے لوگوں نے متعدد بار اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡکَہۡفِ وَ الرَّقِیۡمِ ۙ کَانُوۡا مِنۡ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ۝۹ کی آیتِ مجیدہ کو سنا۔

صاحبِ ایمان ہی ''فتی'' کہلانے کا مستحق ہے

اِنَّہُمۡ فِتۡیَۃٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّہِمۡ وَ زِدۡنٰہُمۡ ہُدًی ۝۱۳

''وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان میں ہدایت کا اضافہ کر دیا''۔

تفسیر عیاشی میں سلیمان بن جعفر نہدی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے

سلیمان! جانتے ہو "فتیٰ" (نوجوان) کسے کہا جاتا ہے؟

میں نے عرض کیا: مولاؑ! ہمارے ہاں تو ہر نوجوان کو فتیٰ ہی کہا جاتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اصحابِ کہف تو سب کے سب پختہ عمر کے افراد تھے' اِس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں "فتية" (نوجوانوں) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: سلیمان! یاد رکھو جو اللہ پر ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرے تو وہ "فتیٰ" ہوتا ہے۔

روضہ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص سے فرمایا: تمہارے ہاں "فتیٰ" کسے کہا جاتا ہے؟ اس نے کہا: ہم ہر نوجوان کو "فتیٰ" کہتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: نہیں، "فتیٰ" مومن کو کہا جاتا ہے۔ اصحابِ کہف عمر رسیدہ لوگ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں "فتية" کہا ہے تو ان کے ایمان کی وجہ سے کہا ہے۔①

من لایحضرہ الفقیہ میں سدیر صیرفی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا: حسن بصری کی بیان کردہ ایک بات ہم تک پہنچی ہے اگر وہ بات حقیقت پر مبنی ہے تو پھر میں "انا للہ وانا الیہ راجعون" ہی پڑھ سکتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بیان کرو' حسن بصری نے کیا کہا ہے؟

میں نے عرض کیا: مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ حسن بصری کہتا تھا کہ اگر دھوپ کی وجہ سے میرا دماغ اُبل کیوں نہ رہا ہو پھر بھی میں کسی صَراف (سُنار) کے گھر کی دیوار کے سائے میں نہ بیٹھوں گا اور اگر پیاس کی وجہ سے میرا جگر کباب کیوں نہ ہو رہا ہو پھر بھی میں کسی صراف کے گھر کا پانی نہیں پیوں گا۔

مولاؑ! اگر یہ بات سچ ہے تو میں تو ہلاک ہو جاؤں گا' کیونکہ میرا تو ذریعۂ معاش ہی یہی ہے اور میری تجارت بھی یہی ہے اور اسی کی رقم سے میرا گوشت پیدا ہوا ہے اور اسی سے ہی میری رگوں میں خون دوڑ رہا ہے اور میں نے اسی رقم سے ہی حج و عمرہ کیا ہے۔

---

① جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کے بت توڑے تو ان میں کھلبلی مچ گئی تھی اور وہ کہنے لگے کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ اس وقت چند لوگوں نے کہا تھا: سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ ؕ (الانبیاء: ۶۰)۔ ہم نے ایک نوجوان کے متعلق سنا ہے' جو انہیں برا بھلا کہتا ہے جسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ اس آیت میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "فتیٰ" کہا گیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کے متعلق تو جبریلؑ امین نے منادی دی تھی: لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَار لَا فَتٰى اِلَّا عَلِي "ذوالفقار سے بہتر کوئی تلوار نہیں ہے اور علیؑ جیسا کوئی نوجوان نہیں ہے"۔ (اضافۃ من المترجم عفی عنہ)

امام علیہ السلام جو کہ پہلے لیٹے ہوئے تھے، یہ سن کر اُٹھ بیٹھے اور آپؑ نے فرمایا: حسن نے جھوٹ کہا۔ پوری جنس لو اور پوری قیمت دو اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو کاروبار چھوڑ کر نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ کیا تمھیں معلوم نہیں ہے اصحاب کہف بھی صراف تھے۔

اس سے امامؑ نے کلام کے صراف مراد لیے تھے نہ کہ درہم کے پہچاننے والے صراف مراد لیے تھے۔

وضاحت: کچھ شارحینِ حدیث نے اس حدیث کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ امام علیہ السلام نے سدیر صیرفی سے دراصل یہ کہا ہے کہ تمھیں حسن بصری کے قول کی طرف متوجہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ تمھیں حق و باطل کے کلام کا صراف ہونا چاہیے، جس طرح سے ایک صراف کھرے کھوٹے سکّے کی پہچان کرتا ہے۔ تمھیں بھی اسی طرح سے کھری کھوٹی بات کی پہچان ہونی چاہیے اور اصحابِ کہف بھی کھری کھوٹی کلام کے صراف تھے۔ (نقلاً عن الهامش)

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اصحابِ کہف گفتگو کے صراف تھے وہ دراہم کے صراف نہیں تھے۔

اصحابِ کہف

کتاب کمال الدین وتمام النعمة میں ابورافع کی زبانی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آپؐ نے حضرت عیسیٰؑ، یحییٰ بن زکریاؑ، عزیرؑ، دانیالؑ اور مکیخا بن دانیال اور اُن کے ادوار کے سلاطین کا تذکرہ کیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اس وقت سابور بن اردشیر نے ۲۷ برس تک حکومت کی اور وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے تاج پہنا تھا اور خدا کی طرف سے اس وقت ''شواء بن مکیخا'' دین کا رہنما تھا۔ اردشیر کے بعد اس کے بھائی شابور نے دو سال تک حکومت کی۔ اسی کے دور میں اصحابِ کہف ورقیم کا واقعہ پیش آیا۔ اس وقت خدا کی طرف سے دستجا بن لشوا بن مکیخا دین کا ہادی تھا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَالرَّقِيۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۞ (کیا تو نے یہ سمجھا ہے کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب ترین نشانی تھے؟) کے ضمن میں مرقوم ہے کہ یہ استفہام انکاری ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہم نے آپ کو ایسی نشانیاں دی ہیں جو ان سے بھی زیادہ تعجب خیز ہیں۔ اصحابِ کہف چند نوجوان تھے جو حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہما السلام کے درمیانی عرصہ میں تھے۔

''رقیم'' سے تانبے کی وہ دو تختیاں تھیں جن پر ان جوانوں کے حالات اور ان کے اسلام قبول کرنے کے واقعات اور

دقیانوس کا اُن سے سلوک لکھا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: سورۂ کہف کا شانِ نزول یہ تھا کہ قریشِ مکہ نے رسولِ خدا کو بزعمِ خویش لاجواب اور عاجز کرنے کے لیے اپنے تین افراد نضر بن حارث بن کلدہ، عقبہ بن ابی معیط اور عاص بن وائل سہمی کو "نجران" بھیجا اور کہا کہ تم وہاں جاکر یہود و نصاریٰ کے علماء سے ملاقات کرو اور ان سے ایسے مشکل مسائل دریافت کرو جن کا جواب محمد مصطفیٰ کے پاس نہ ہو۔ چنانچہ قریش کا تین رکنی وفد نجران گیا اور وہاں یہود و نصاریٰ کے علماء سے ملاقاتیں کیں۔ علمائے اہلِ کتاب نے کہا کہ تم اس مدعی نبوت سے تین مسائل پوچھو۔ اگر وہ تمھیں ان کے وہی جواب دیں جو ہمارے پاس ہیں تو وہ سچا نبی ہے۔ پھر آخر میں ان سے ایک اور مسئلہ دریافت کرو۔ اگر وہ اس مسئلہ کے متعلق کہے کہ مجھے اس کا جواب معلوم ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ اگر وہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرے تو وہ سچا ہے کیونکہ اس مسئلہ کا علم صرف خدا کے پاس ہے۔ خدا کے علاوہ اسے کوئی نہیں جانتا۔

تم جاکر مدعی نبوت سے یہ سوال کرو کہ وہ نوجوان کون تھے جنھوں نے دین کی خاطر اپنا گھر چھوڑا تھا اور غائب ہوگئے تھے اور ان پر نیند طاری ہوگئی تھی۔ وہ کتنا عرصہ سوئے رہے اور پھر وہ بیدار ہوئے۔ ان کی تعداد کیا تھی اور ان کی جنس کے علاوہ دوسرا جانور کون سا تھا جو ان کے ہمراہ تھا اور ان کا قصہ کیا تھا؟

ان سے دوسرا سوال یہ کرو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کس عالم کے پاس علم حاصل کرنے گئے تھے؟ اُنھوں نے ان سے کیا علم حاصل کیا اور استاد کی پیروی کیسے کی تھی؟ تم ان سے تیسرا مسئلہ یہ پوچھو کہ وہ حکمران کون تھا جو مغرب و مشرق تک گیا تھا اور یاجوج و ماجوج کی دیوار تعمیر کی تھی؟

پھر علمائے اہلِ کتاب نے انہیں مذکورہ تینوں مسائل لکھوائے اور کہا اگر وہ تمھیں ہمارے بتائے ہوئے جوابات کے مطابق جواب دے تو وہ سچا ہے اور آخر میں تم ان سے یہ پوچھو کہ قیامت کب آئے گی؟ اگر وہ یہ کہے کہ اسے قیامت کا وقت معلوم ہے تو وہ جھوٹا ہے، کیونکہ قیامت کا علم اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔

پھر قریش کا تین رکنی وفد مکہ آیا اور انہوں نے حضرت ابوطالبؑ سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ آپؑ کا بھتیجا یہ گمان کرتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ ہم اس سے کچھ مسائل پوچھنا چاہتے ہیں، اگر اس نے ہمیں ان کے صحیح جواب دیئے تو ہم جان لیں گے کہ وہ سچا ہے اور اگر وہ ہمیں ان مسائل کے جوابات نہ دے سکا تو ہم جان لیں گے کہ وہ جھوٹا ہے۔

حضرت ابوطالبؑ نے کہا: جو تمہارے جی میں آئے ان سے پوچھو۔ چنانچہ مشرکینِ مکہ نے آپؐ سے مذکورہ تین

مسائل پوچھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں ان کے جواب کل دوں گا۔ آپؐ نے اس وقت "اِن شاء اللہ" نہ کہا۔ آپؐ پر چالیس دن تک وحی کا سلسلہ رُک گیا۔ جس کی وجہ سے آپ کو سخت افسوس ہوا اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کو بھی سخت صدمہ پہنچا اور بعض افراد کو نبوت میں بھی شک ہونے لگا۔ جب کہ قریش کو بڑی خوشی ہوئی اور اُنھوں نے دل کھول کر آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اور اس معاملہ پر حضرت ابوطالبؑ کو سخت افسوس ہوا۔

پھر چالیس دن کے بعد آپؐ پر سورہ کہف نازل ہوئی۔ آپؐ نے جبرئیلؑ سے فرمایا: تم نے اس بار بڑی دیر کر دی اس کی کیا وجہ تھی؟ جبرئیل امینؑ نے کہا: ہم حکمِ خداوندی کے بغیر نازل نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر اصحابِ کہف کا قصہ نازل کیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اصحابِ کہف کے زمانہ میں ایک سرکش بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ اہلِ مملکت کو بت پرستی کی دعوت دیتا تھا اور جو اسے قبول نہ کرتا وہ اسے قتل کرا دیتا تھا۔ جب کہ اصحابِ کہف مومن تھے اور خدا کی عبادت کرنے والے تھے۔

بادشاہ نے شہر کے ہر دروازے پر بت نصب کروا دیئے تھے اور ہر دروازے پر اپنے فوجی مقرر کیے تھے اور انہیں حکم دیا تھا کہ شہر سے اس وقت کسی کو نکلنے نہ دیں جب تک وہ بتوں کو سجدہ نہ کرے۔

اصحابِ کہف شکار کا بہانہ کر کے گھر سے نکل پڑے۔ راستے میں ایک چرواہے سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اُنھوں نے چرواہے کو اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی۔ چرواہے نے ان کی دعوت قبول نہ کی، لیکن اس کا کتا اسے چھوڑ کر ان کے ساتھ چل پڑا۔

یہی وجہ ہے کہ جنت میں صرف تین جانور داخل ہوں گے: ① بلعم بن باعور کا گدھا ② حضرت یوسفؑ کا بھیڑیا ③ اصحابِ کہف کا کتا۔

اصحابِ کہف شکار کا بہانہ کر کے گھر سے نکلے۔ شام ہوئی تو وہ غار میں داخل ہوئے۔ کتا بھی اُن کے ساتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلّط کر دی اور وہ آرام سے سو گئے، یہاں تک کہ اس دَور کا ظالم بادشاہ ہلاک ہو گیا اور اس کے اہلِ مملکت بھی مر گئے اور زمانہ بدل گیا، اس کی جگہ دوسرا زمانہ شروع ہوا۔ دوسری قوم نے پہلی قوم کی جگہ سنبھالی۔ اس وقت وہ بیدار ہوئے اور اُنھوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ تم کتنا عرصہ یہاں رہے ہو؟

اُنھوں نے سورج کی طرف دیکھ کر کہا کہ ہم دن یا دن کا کچھ حصہ یہاں رہے ہیں۔ پھر اُنھوں نے اپنے ایک ساتھی

کو چاندی کا سکہ دے کر کہا کہ تم بازار جاؤ اور کوشش کرو کہ تمھیں کوئی نہ پہچانے اور وہاں سے پاکیزہ سا کھانا لے آؤ اور خیال رکھنا کہ کسی کو ہمارے متعلق پتہ نہ چلنے پائے' کیونکہ اگر ان لوگوں کو ہمارا پتہ چل گیا تو وہ ہمیں قتل کر دیں گے یا ہمیں مجبور کر کے اپنی ملت میں داخل کریں گے اور اگر ایسا ہوا تو ہم کبھی نجات حاصل نہ کر پائیں گے۔ چنانچہ ان کا وہ ساتھی شہر میں گیا اور اس نے شہر کو کچھ عجیب سا پایا اور اسے شہر میں وہ لوگ دکھائی دیئے جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے اور شہر والے اس کی بولی نہ سمجھتے تھے اور وہ اہلِ شہر کی بولی سمجھنے سے قاصر تھا۔

لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اُس نے اپنا تعارف کروایا۔ لوگوں نے اس کا احترام کیا اور اسے اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے اپنے دوستوں کو اور اس شخص کو ساتھ لیا اور غار کے دہانے پر پہنچ گیا۔ اُصحابِ کہف کا فرد اندر چلا گیا۔ لوگ غار کے دہانے پر کھڑے ہو گئے اور ان کی تعداد کے متعلق اندازے لگانے لگے۔ کچھ کہتے تھے کہ اندر تین افراد ہیں اور چوتھا ان کے ساتھ ان کا کتا ہے۔ کچھ کہتے تھے کہ وہ پانچ ہیں اور چھٹا ان کا کتا ہے۔ کچھ نے کہا کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے غار کے دہانے پر حجاب رُعب ڈال دیا۔ باہر کے لوگ اندر نہ جا سکے۔ ان کا جو ساتھی باہر کی دنیا دیکھ کر آیا تھا اس نے انہیں بتایا کہ ہم طویل عرصہ تک یہاں سوتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی نشانی بنا دیا ہے۔ اب تمھیں دقیانوس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ باہر ایک صاحبِ ایمان بادشاہ ہمارے استقبال کے لیے کھڑا ہوا ہے۔ جب انہوں نے یہ سنا تو وہ رو دیئے اور اُنھوں نے خدا سے درخواست کی کہ وہ ان پر دوبارہ نیند مسلّط کر دے۔

باہر کے لوگوں میں سے کسی نے کہا کہ ہمیں یہاں ایک عمارت بنا دینی چاہیے لیکن بادشاہ اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم یہاں ایک مسجد تعمیر کریں گے۔ ہم یہاں آ کر ان لوگوں کی زیارت کریں گے' کیونکہ یہ مومن ہیں۔ ہر سال وہ دو مرتبہ کروٹ بدلتے ہیں۔ چنانچہ چھ ماہ تک وہ دائیں پہلو پر سوتے ہیں اور چھ ماہ کے بعد وہ بائیں پہلو پر سوتے ہیں اور چھ ماہ کے بعد وہ بائیں پہلو پر سوتے ہیں۔ ان کا کتا پاؤں پھیلائے غار کے دہانے پر بیٹھا ہوا ہے۔

حضرت علیؑ اور اُصحابِ کہف

سید ابن طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سعد السعود میں تفسیر ابی اسحاق قزوینی کے حوالہ سے انس بن مالک سے یہ روایت نقل کی ہے۔ کسی قریہ سے ایک چادر رسولِ مقبولؐ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر بھیجی گئی جسے "بہذف" کہا جاتا تھا۔

اس چادر پر حضرت علیؑ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد رضی اللہ عنہم بیٹھ گئے۔ رسول خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا: علیؑ! تم کہو کہ اے ہوا ہمیں اٹھا اور سیر کرا۔

حضرت علیؑ نے ہوا کو حکم دیا تو ہوا نے اس چادر کو اٹھایا اور انہیں اصحابِ کہف کے پاس لے آئی۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے اصحابِ کہف کو سلام کیا' لیکن انہوں نے سلام کا جواب نہ دیا۔ پھر حضرت علیؑ اٹھے۔ آپؑ نے انہیں سلام کیا۔ اصحابِ کہف نے سلام کا جواب دیا۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے کہا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ انہوں نے ہمیں جواب نہیں دیا' جب کہ انہوں نے آپؑ کو جواب دیا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: یہی بات خود ان سے ہی پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ آپؑ نے ان سے کہا کہ تم نے انہیں جواب کیوں نہ دیا اور مجھے جواب کیوں دیا؟ اصحابِ کہف نے کہا: ہم موت کے بعد سلام کا جواب یا نبی کو دیتے ہیں یا نبی کے وصی کو دیتے ہیں۔

پھر حضرت علیؑ نے ہوا' حکم دیا کہ ہمیں اٹھائے چل۔ ہوا نے چادر کو اٹھایا اور چادر نے پرواز شروع کر دی۔ راستے میں آپؑ نے ایک جگہ اُترنے کا حکم دیا تو چادر زمین پر اتر آئی۔ آپؑ نے اور دوسرے صحابہ نے وضو کیا' پھر چادر نے پرواز کی اور مدینہ آ کر اُتری۔ اس وقت رسولِ مقبولؐ نمازِ فجر پڑھ رہے تھے اور اتفاق یہ ہے کہ آپؐ نماز میں سورۂ کہف کی یہ آیت پڑھ رہے تھے: اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝۹ جب نبی اکرمؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور آپؐ نے فرمایا کہ تم مجھے اپنے سفر کی سرگزشت سناؤ گے یا میں تمہیں تمہارے سفر کی سرگزشت سناؤں؟

سب نے کہا: یارسول اللہؐ! آپؐ ہی سنائیں۔ پھر آپؐ نے سفر کی تمام داستان ہمیں سنائی اور ہمیں یوں لگا جیسا کہ آپؐ ہمارے ہم سفر رہے ہیں۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن ہامش الکتاب)

بچے کے رونے کا تعویذ

کتاب طب الائمہ میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب بچہ زیادہ روتا ہو اور جو شخص رات کو ڈرتا ہو اور جب کسی کو درد کی وجہ سے نیند نہ آتی ہو تو اس پر اس آیت کو دم کیا جائے' ان شاء اللہ افاقہ ہوگا۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝۱۱ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝۱۲

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایمان کے متعلق ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آپؑ نے یہ بھی فرمایا کہ ایمان میں کمی بھی ہوتی ہے اور ایمان میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔

راوی نے کہا: مولاؑ! مجھے ایمان کی کمی کا تو پتہ ہے لیکن ایمان میں اضافہ کا کیا ثبوت ہے؟

آپؑ نے جواب میں قرآن کریم کی یہ آیات پڑھیں:

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ (التوبہ: ۱۲۴-۱۲۵)

"اور جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو ان میں سے کچھ یہ کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟ وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ان کے ایمان میں وہ اضافہ کرتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو ان کی ناپاکی میں مزید ناپاکی کا اضافہ کردیتی ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اَصحابِ کہف کے متعلق فرمایا: نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ "ہم آپؐ کو ان کا قصہ ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں۔ وہ کچھ نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کردیا"۔

اگر ایمان ایک ہی حالت پر رہتا اور اس میں کمی بیشی نہ ہوتی تو کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہ ہوتی اور سب کے لیے نعمات برابر ہوتیں اور تمام انسان یکساں ہوتے اور تفضیل باطل ہوجاتی۔ ایمان کی تکمیل کی وجہ سے اہلِ ایمان جنت میں جائیں گے اور ایمان کے اضافہ کی وجہ سے اہلِ ایمان کے درجات میں فرق ہوتا ہے اور ایمان میں کمی کی وجہ سے لوگ دوزخ میں جائیں گے۔

قولہ: لَنْ نَّدْعُوَا۠ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اصحابِ کہف نے کہا: اگر ہم نے کسی کو اللہ کا شریک مان لیا تو ہماری طرف سے یہ خدا پر ظلم ہوگا"۔

خدا کی طرف سے ہدایت وضلالت کا مفہوم

کتابُ التوحید میں عبداللہ بن فضل ہاشمی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَہُوَ الۡمُہۡتَدِ ۚ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرۡشِدًا ﴿۱۷﴾ (جسے خدا ہدایت دے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑ دے تو تم اس کے لیے کوئی رہنما اور سرپرست نہ پاؤ گے) کی آیتِ مجیدہ کا کیا مفہوم ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ظالموں کو اپنے دارِ کرامت سے بھٹکا دے گا اور اہلِ ایمان اور عملِ صالح بجالانے والوں کو اپنی جنت کا راستہ دکھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ویضل اللہ الظالمین ویفعل اللہ ما یشآء (اور اللہ ظلم کرنے والوں کو بھٹکا دے گا اور جو چاہے گا وہ کرے گا)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَہۡدِیۡہِمۡ رَبُّہُمۡ بِاِیۡمَانِہِمۡ ۚ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۹﴾ (یونس:۹) "یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے تو ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں ہدایت دے گا۔ نعمتوں والی جنت میں ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جنت میں صرف تین جانور جائیں گے: ① بلعم کا گدھا ② اصحابِ کہف کا کتا ③ ایک بھیڑیا

بھیڑیا جنت میں اس لیے جائے گا کہ ایک ظالم بادشاہ نے اپنے ایک سپاہی کو بھیجا کہ وہ اہلِ ایمان کو اذیتیں دے۔ سپاہی کا ایک بیٹا تھا۔ چنانچہ جب سپاہی اہلِ ایمان کو اذیتیں دے کر لطف اندوز ہو رہا تھا کہ ایک بھیڑیئے نے اُس کے بیٹے پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا۔ جب سپاہی نے بیٹے کی موت کی خبر سنی تو اسے سخت صدمہ پہنچا۔ اسی صدمہ پہنچانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس بھیڑیئے کو جنتی بنا دیا۔

قولہ: لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَیۡہِمۡ لَوَلَّیۡتَ مِنۡہُمۡ فِرَارًا وَّلَمُلِئۡتَ مِنۡہُمۡ رُعۡبًا ﴿۱۸﴾ (اگر تم انہیں جھانک کر دیکھتے تو اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور تم پر ان کے نظارے سے دہشت بیٹھ جاتی)

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگرچہ آیت کا خطاب حبیبؐ خدا سے ہے، لیکن اس سے آپ مراد نہیں ہیں۔ اس سے اہلِ ایمان مراد ہیں۔

قولہ: فَلۡیَنۡظُرۡ اَیُّہَاۤ اَزۡکٰی طَعَامًا فَلۡیَاۡتِکُمۡ بِرِزۡقٍ مِّنۡہُ ...... (وہ جا کر دیکھے جو طعام زیادہ پاکیزہ ہو وہ اسے تمہارے کھانے کے لیے لے آئے)

وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ چنانچہ ابلیس کے علاوہ باقی سب نے سجدہ کیا۔ وہ جنوں میں سے تھا' چنانچہ اُس نے اپنے رب کے فرمان سے سرتابی کی۔ کیا تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی ذریت کو اپنا سرپرست بناتے ہو' جب کہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظلم کرنے والوں کے لیے بدترین بدل ہے۔

میں نے انہیں آسمانوں اور زمین کی خلقت کا گواہ نہیں بنایا اور نہ خود انہیں ان کی خلقت کا گواہ بنایا ہے اور میں گمراہوں کو اپنا مددگار نہیں بنایا کرتا۔ اور قیامت کے روز خدا کہے گا کہ جن کی شرکت کا تمھیں گمان تھا' آج ان شریکوں کو بلاؤ۔ وہ پکاریں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی منزل قرار دیں گے۔

اور مجرم اس روز آگ دیکھیں گے اور سمجھ لیں گے کہ اب انہیں اس میں گرنا ہے۔ وہ اس سے بچنے کے لیے کوئی پناہ گاہ نہ پائیں گے۔ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا' مگر انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

ہدایت آجانے کے بعد لوگوں کو ایمان لانے اور رب کے حضور استغفار سے کس چیز نے روکا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ وہ اس امر کے انتظار میں ہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی کچھ ہو جو پچھلی قوموں کے ساتھ ہو چکا ہے یا عذاب کو اپنے سامنے سے اُترتا ہوا دیکھ لیں۔

اور ہم رسولوں کو صرف بشارت دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے بنا کر بھیجتے ہیں' مگر کافر باطل کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر حق کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُنھوں نے میری آیات اور ان تنبیہات کو جو انہیں دی گئی تھیں مذاق بنالیا ہے۔

بھلا اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جسے اس کے پروردگار کی آیات سے نصیحت کی جائے اور وہ اس سے منہ موڑ لے اور ان بُرے اعمال کو بھول جائے جسے ان کے ہاتھوں نے آگے بھیج دیا ہے۔ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں جو انہیں قرآن کی

باتیں سمجھنے نہیں دیتے اور ان کے کانوں میں بہرا پن ڈال دیا ہے۔ اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں گے تو بھی وہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے۔

تیرا رب بہت بخشنے والا رحیم ہے، اگر وہ ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں پکڑنا چاہتا تو جلدی سے ان پر عذاب بھیج دیتا، لیکن ان کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ وہ اس سے بچ کر بھاگ نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ ان بستی والوں نے جب ظلم کیے تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کا وقت مقرر کر رکھا تھا۔

پنڈلیوں میں درد کی عزیمت

کتاب طب الائمہ میں سالم بن محمد سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پنڈلیوں کے درد کی شکایت کی اور عرض کیا کہ مجھے ہر وقت پنڈلیوں میں درد رہتا ہے جس کی وجہ سے میں کام کاج کرنے سے قاصر ہو چکا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اس پر عزیمت پڑھو۔ میں نے کہا: میں کون سی عزیمت پڑھوں؟

آپؑ نے فرمایا: تم وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ کی آیات کو سات مرتبہ پڑھ کر دم کرو۔ خدا نے چاہا تو تمھیں شفا نصیب ہوگی۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام علیہ السلام کے فرمان پر عمل کیا۔ میرا درد ختم ہو گیا اور بعد میں بھی مجھے اس درد کی کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی۔

عبداللہ بن صامت سے منقول ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سات باتوں کی وصیت کی تھی: ① آپؐ نے حکم دیا کہ میں مساکین سے محبت رکھوں اور انھیں اپنے قریب بٹھاؤں۔ ② میں سچ بات کہوں اگرچہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔

غریب اصحاب سے منہ نہ موڑیں

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ

''اپنے نفس کو اُن لوگوں کے ساتھ صبر پر آمادہ کرو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ اُس کی مرضی کے طلب گار ہیں۔ ان کی طرف سے اپنی نظروں کو مت پھیرو کہ دنیاوی زندگی کی زینت کو طلب کرنے لگو۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ یہ آیت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ اُن کے پاس ایک چادر تھی وہی ان کا اُوڑھنا بچھونا اور دستر خوان کا کام دیتی تھی۔ وہ اُون کی موٹی جھوٹی چادر تھی۔ ایک دفعہ عرب کے ایک قبیلہ کا سربراہ عینیہ بن حصین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔ اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرتؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے سلمانؓ کی چادر سے گھن محسوس ہوئی۔ اُس نے آپؐ سے کہا: یارسولؐ اللہ! جب ہم آپؐ کے پاس آئیں تو اس وقت اسے آپؐ اپنی محفل سے اٹھا دیا کریں اور جب ہم اُٹھ کر چلے جائیں تو آپؐ جسے اپنے پاس بٹھانا چاہیں بٹھائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ...... کی آیت نازل فرمائی۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غریب اَصحابِ باوفا کی تعریف کی اور عینیہ بن حصین فزاری کے متعلق فرمایا کہ آپ اس کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی میں لگا ہوا ہے اور اس کا کام سراسر زیادتی کرنا ہے۔

مجمع البیان میں ابن مسعود سے مروی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ سلمانؓ و خبابؓ کا بیان ہے کہ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ ...... کی آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ اقرع بن حابس تمیمی، عینیہ بن حصین فزاری جیسے کچھ مولفۃ القلوب افراد آنحضرتؐ کے پاس آئے۔ اس وقت آپؐ کے پاس بلالؓ، صہیبؓ اور خبابؓ جیسے غریب صحابی بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے غریب صحابہ کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی اور کہا، یارسولؐ اللہ! آپؐ اُنہیں ہٹا دیں، تاکہ ہم کچھ دیر کے لیے آپؐ کے ساتھ بیٹھ سکیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ ...... کی آیتِ مجیدہ نازل فرمائی۔

اس آیت کے نزول کے بعد ہمارے لیے آنحضرتؐ کی شفقتوں میں مزید اضافہ ہوا۔ ہم آپؐ کے اتنا قریب بیٹھتے تھے کہ ہمارے زانو آپؐ کے زانو سے لگ جاتے تھے اور جب آپؐ اُٹھنا چاہتے تو ہم ہٹ جاتے تھے اور آپؐ ہمارے درمیان میں سے اُٹھ کر چلے جاتے تھے۔

مجمع البیان کی دوسری روایت میں یہ مرقوم ہے کہ یہ آیتِ مجیدہ سلمانؓ، ابوذرؓ، صہیبؓ و خبابؓ جیسے مفلس صحابہ کے متعلق نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ عینیہ بن حصین اور اقرع بن حابس جیسے کچھ مولفۃ القلوب افراد آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور اُنھوں نے رسولؐ خدا کو مذکورہ افراد کے درمیان بیٹھا ہوا دیکھا تو اُنھوں نے آنحضرتؐ سے کہا: یارسول اللہ! مہربانی کرکے انہیں اپنے سے ہٹائیں۔ ان کے جسموں سے بدبو کے بھبھوکے اُٹھ رہے ہیں۔ انھی لوگوں کی وجہ سے ہم آپؐ کے پاس نہیں آتے۔ اگر یہ لوگ آپؐ کے پاس نہ ہوں گے تو ہم جیسے افراد بھی آپؐ کے پاس آئیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ ...... کی آیت نازل فرمائی۔

رسولؐ خدا نے اپنے مفلس صحابہ کو جو مسجد کے آخری حصہ میں بیٹھے ہوئے تھے اٹھایا اور اپنے گرداگرد انہیں جگہ دے کر فرمایا: خدا کی حمد ہے جس نے مجھے اس وقت تک موت نہ دی، جب تک رضائے الٰہی کے طلب گاروں کے ساتھ بیٹھنے کا حکم نہ دیا میرا جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہے۔

تفسیر عیاشی میں ہے کہ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر علیہما السلام سے منقول ہے کہ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ سے اوقاتِ نماز مراد ہیں۔

ایمان وکفر میں انسان آزاد ہے

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ

''اور آپؐ کہہ دیں کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے''۔

اُصولِ کافی اور تفسیر علی بن ابراہیم کی دو روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ صادقین علیہما السلام نے فرمایا: انسان ایمان وکفر میں آزاد ہے۔ یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے چاہے تو ایمان لائے اور چاہے تو کفر اختیار کرے۔ اسی طرح سے اگر کوئی چاہے تو امیر المومنینؑ کی ولایت کو تسلیم کرے اور اگر کوئی چاہے تو اس کا انکار کردے، مگر یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کرنے والوں کے لیے ایسی آگ آمادہ کر رکھی ہے جس کی لپٹیں انہیں گھیرے میں لیے ہوں گی اور اگر وہ فریاد بھی کریں گے تو انہیں تلچھٹ کی مانند کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا، جو منہ کو بھون ڈالے گا وہ بدترین مشروب ہوگا اور دوزخ بدترین رہائش گاہ ہوگی۔

ظالم حکام سے تعاون ممنوع ہے

تہذیب الاحکام میں ابن ابی یعفور سے منقول ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ

ہمارا ایک مومن بھائی مولا کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی صلاحیتوں میں اضافہ فرمائے۔ اگر ہم میں سے کسی شخص پر غربت و افلاس چھا جائے اور اسے حکومت کی طرف سے مکان بنانے' نہر کھودنے یا کسی دریائی بند باندھنے کے لیے بلایا جائے تو اس کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں تو ان ظالم حکام کے لیے ایک کپڑے کو گرہ لگانے کا بھی روادار نہیں ہوں۔ اگر مزدوری میں مجھے مدینہ کا پورا شہر کیوں نہ دیا جائے پھر بھی میں ان کے قلم کو قط لگانے کا بھی روادار نہیں ہوں۔ ظالموں کے مددگار قیامت کے دن آگ کی لپٹوں میں گرفتار ہوں گے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کردے۔

زیاد بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؑ نے مجھ سے فرمایا: زیاد! کیا تو حاکم کے لیے کام کرتا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ آپؑ نے فرمایا: کیوں اس کا کام کرتے ہو؟ میں نے کہا: مولا! میں ایک مفلس آدمی ہوں اور میرے اہل و عیال بھی ہیں' اس کے علاوہ میرے پاس روزگار کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر مجھے پہاڑ سے دھکا دے کر گرایا جائے اور میرا وجود ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے میں اسے تو برداشت کرسکتا ہوں' لیکن ان حکام کے لیے کام کرنا مجھے پسند نہیں ہے۔ البتہ چند حالات کی وجہ سے مجھے ان کے پاس جانا پڑے تو چلا جاؤں گا۔

میں (راوی) نے کہا: آپؑ کن حالات میں حکام کے پاس جانا پسند کریں گے؟

آپؑ نے فرمایا: کسی مومن کی تکلیف دُور کرنے یا اسے قید سے رہائی دلانے یا اس کا قرض ادا کرانے کے لیے جاؤں گا' ورنہ میں ان کے پاس جانا پسند نہیں کرتا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: زیاد! ان ظالموں کے لیے کام کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو کم ترین عذاب مقرر کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایسے لوگ قیامت کے دن حساب ختم ہونے تک دوزخ کی آگ کی لپٹوں میں گھرے رہیں گے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

ظلم کی تین قسمیں ہیں: ① ایک ظلم وہ ہے جسے خدا معاف نہیں کرے گا۔ ② ایک وہ ظلم ہے جسے خدا معاف کرے گا۔ ③ ایک وہ ظلم ہے جسے خدا نہیں چھوڑے گا۔ پہلا ظلم شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ مشرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ دوسرا ظلم انسان کا اپنی جان پر ظلم ہے اور تیسرا ظلم بندوں کا بندوں پر ہے۔

مجمع البیان میں ہے کہ "المھل" سے گرم تیل کی وہ تلچھٹ مراد ہے جو کسی کے قریب کی جائے تو اس کی کھال گر پڑے۔

اہلِ دوزخ کا مشروب

وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

"اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی تانبے کی طرح سے کھولتے ہوئے پانی سے کی جائے گی' جو ان کے منہ کو بھون ڈالے گا۔ یہ بدترین مشروب ہے اور دوزخ بدترین آرام گاہ ہے"۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ دوزخ کو دوزخ میں اتنا بھوکا رکھے گا کہ انہیں بھوک کے عذاب کی وجہ سے دوزخ کا عذاب بھول جائے گا۔ چنانچہ اہلِ دوزخ' جہنم کے داروغہ "مالک" کے سامنے فریاد کریں گے۔ وہ انہیں دوزخ کے اس درخت کے نیچے لے جائے گا جہاں ابوجہل رہ رہا ہوگا۔ چنانچہ درخت زقوم انہیں کھانے کے لیے دیا جائے گا' جس سے ان کے شکم میں اُبال پیدا ہوگا۔ پھر انہیں پینے کے لیے انتہائی گرم پانی دیا جائے گا۔ جب وہ اسے اپنے منہ کے قریب لے جائیں گے تو ان کے منہ جل جائیں گے۔

ابوامامہ راوی ہیں کہ سرکار رحمۃ للعالمینؐ نے فرمایا: "جب دوزخیوں کے سامنے کھولتا ہوا پانی پیش کیا جائے گا تو ان کے منہ جل اُٹھیں گے اور ان کے سر کی کھال گر پڑے گی اور جب وہ اس پانی کو پئیں گے تو ان کی انتڑیاں کٹ کر مقعد سے باہر آ جائیں گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ (محمد: ۱۵) "انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے کر دے گا"۔

اور اسی کھولتے ہوئے پانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ "اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی تانبے کی طرح سے گرم پانی سے کی جائے گی جو چہروں کو جلا ڈالے گا۔ یہ بدترین مشروب ہے اور دوزخ بدترین رہائش گاہ ہے"۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ جب اہلِ نار کو زقوم کی غذا اور دھواں کھلایا جائے گا تو ان کے شکم میں اُبال پیدا ہوگا۔ اس وقت وہ پانی کا سوال کریں گے تو انہیں پینے کے لیے وہ پانی دیا جائے گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مِنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ (ابراہیم: ۱۶-۱۷) "اس کے بعد ان کے لیے جہنم ہے' وہاں اسے کچھ لہو کا سا پانی پینے کو دیا جائے گا جسے وہ زبردستی حلق سے نیچے اُتارنے کی کوشش کرے گا اور مشکل سے ہی اُتار سکے گا۔ موت ہر طرف سے اس پر چھائی ہوئی ہوگی مگر وہ مرنے نہ پائے گا اور آگے ایک سخت عذاب اس کی جان کو لاگو رہے گا"۔

اہلِ دوزخ کو ایسا پانی پلایا جائے گا کہ جب سے دوزخ بنی ہے وہ پانی اس میں گرم ہو رہا ہے وہ تانبے کی طرح سے گرم ہوگا اور منہ کو بھون ڈالے گا۔

اہلِ جنت کے لیے انعامات

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ دوزخ کی حالت بیان کی اور فرمایا انہیں وہاں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا' جو کہ بدترین مشروب ہوگا اور دوزخ بدترین رہائش گاہ ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے: "یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو ہم اچھا عمل کرنے والوں کے عمل کو ضائع نہیں کرتے۔ ان کے لیے ہمیشہ کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ انہیں وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ باریک ریشم اور اطلس و دیبا کے سبز کپڑے پہنیں گے۔ تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے۔ یہ ان کے لیے بہترین اجر ہوگا اور جنت ان کے لیے اعلیٰ درجہ کی قیام گاہ ہوگی"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جب میں شبِ معراج جنت میں داخل ہوا تو وہاں میں نے درختِ طوبیٰ کو دیکھا جو علیؑ کے گھر میں اُگا ہوا تھا۔ جنت کے ہر محل میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں اور شاخوں پر صندوقیں تھیں جن میں سندس و استبرق کے لباس تھے اور ایک ایک مومن کے لیے ہزاروں صندوقیں تھیں اور ہر صندوق میں ایک سو پوشاکیں تھیں۔ ہر پوشاک کا رنگ دوسری سے جدا تھا۔ یہ اہلِ جنت کا لباس ہے۔

قولہ: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ "ان کے سامنے ان دو انسانوں کی مثال پیش کریں جن میں سے ایک کے لیے ہم نے انگور کے دو باغ قرار دیے تھے اور ان کے گرد کھجور کے درختوں کی باڑ لگائی تھی اور ان کے درمیان زراعت قرار دی تھی"۔

تفسیر علی بنِ ابراہیم میں مرقوم ہے کہ یہ آیت ایک ایسے شخص کے متعلق نازل ہوئی جس کے پاس دو بڑے بڑے

باغات تھے۔ اس کا ایک ہمسایہ غریب تھا۔ دولت مند نے غریب ہمسائے پر فخر کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کا فخر پسند نہ آیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے باغات جلا ڈالے۔

مَاشَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

وَلَوۡلَاۤ اِذۡ دَخَلۡتَ جَنَّتَكَ قُلۡتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ

"تو نے ایسا کیوں نہ کیا کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کیوں نہ کہا"۔

کتاب ثواب الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص دعا کا اختتام مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت ضرور پوری کرے گا"۔

تہذیب الاحکام میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت کا ایک حصہ یہ ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا: "جو آگ اور پانی سے بچنا چاہتا ہو تو وہ مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھے"۔

محاسنِ برقی میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے علی بن اسباط سے فرمایا: تم جب بھی گھر سے باہر نکلو تو اس وقت پڑھو بِسم اللّٰهِ اٰمَنۡتُ بِاللّٰهِ تَوَكَّلۡتُ عَلَى اللّٰهِ مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ جب کوئی شخص یہ کلمات پڑھ کر گھر سے نکلتا ہے تو شیاطین اس گھر کا رُخ کرتے ہیں۔ ملائکہ انہیں طمانچے مار کر کہتے ہیں: اب تم اس گھر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے اور اس پر ایمان کا اظہار کیا ہے اور اس پر توکل کیا ہے اور وہ مَاشَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہہ کر گھر سے نکلا ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: جو گھر سے اکیلا سفر کے لیے نکلے تو یہ کلمات پڑھے: مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، اللهم انس وحشتي واعني على وحدتي وادغيبتي۔ خدا نے چاہا تو وہ دورانِ سفر محفوظ رہے گا۔

کتاب التوحید جابر بن یزید جعفی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا کیا مفہوم ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک خدا کی مدد حاصل نہ ہو اس وقت تک ہم معصیتِ خداوندی سے نہیں بچ سکتے اور جب تک اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال نہ ہو اس وقت تک ہمیں اطاعتِ خداوندی کی قوت نہیں ہے۔

کتاب الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مجھے اس پر تعجب ہے جو دنیا اور زینتِ دنیا کا طلب گار ہو وہ مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا سہارا کیوں نہیں لیتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے فوراً بعد کہا ہے: اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ (تو اگر مجھے مال و اولاد کے لحاظ سے اپنے سے کم تر دیکھ رہا ہے تو عین ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر دولت عطا کردے)۔ اس آیت میں لفظ "عسٰی" امکان کے بجائے وجوب کے معنی میں ہے۔

مجمع البیان میں ہے کہ احیط بثمرہ کے تحت روایات میں مذکور ہے کہ خدا نے اس کے باغ پر آگ بھیج دی تھی اور اس کا پانی تہ نشین ہوگیا تھا۔

دنیا کی حقیقت

روضہ کافی میں امام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام سے زُہد کے متعلق ایک خطبہ منقول ہے۔ اس خطبہ میں آپؑ نے یہ جملے بھی ارشاد فرمائے:

"دنیاوی زندگی کی مثال اس باغ کی سی ہے جس کی چراگاہیں سبز اور ہری ہوں اور دیکھنے والا اس پر فریفتہ ہو جائے اور وہاں کا پانی میٹھا ہو۔ مٹی خوشبودار ہو اور وہ زمین بڑی زرخیز ہو۔ پھر جب گھاس اپنے شباب پر پہنچ جائے تو ایسی ہوا چلے جو اس کے پتوں کو گرا دے اور وہاں کچھ بھی باقی نہ رہے اور وہ ایسے سوکھے گھاس میں بدل جائے جسے ہوائیں اڑاتی پھر رہی ہوں۔

نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں: "میں تمھیں دنیا سے ڈراتا ہوں اس لیے کہ یہ ظاہری طور پر شیریں و خوشگوار اور تروتازہ و شاداب ہے۔ نفسانی خواہشیں اس کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی جلد میسر آنے والی نعمتوں کی وجہ سے لوگوں کو محبوب ہوتی ہے اور اپنی تھوڑی سی آرائشوں سے مشتاق بنا لیتی ہے۔ وہ جھوٹی اُمیدوں سے سجی ہوئی اور دھوکے اور فریب سے بنی سنوری ہوئی ہے۔ نہ اس کی مسرتیں دیرپا ہیں اور نہ اس کی ناگہانی مصیبتوں سے مطمئن رہا جا سکتا ہے۔ وہ دھوکے باز' نقصان رساں' ادلنے بدلنے والی اور ہلاک کردینے والی ہے۔ جب یہ اپنی طرف مائل ہونے والوں کی انتہائی آرزوؤں تک پہنچ جاتی ہے تو بس وہی ہوتا ہے جو اللہ سبحانہ' نے بیان کیا ہے۔ اس دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے وہ پانی ہم نے آسمان سے اُتارا تو زمین کا سبزہ اُس سے گھل مل گیا' پھر سوکھ کر تنکا تنکا

ہو گیا جسے ہوائیں اِدھر سے اُدھر اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

جو شخص اس دنیا کا آرام پاتا ہے تو اس کے بعد اس کے آنسو بھی بہتے ہیں۔ جو شخص دنیا کی مسرتوں کا رخ دیکھتا ہے وہ مصیبتوں میں دھکیل کر اس کو اپنی بے رُخی بھی دکھاتی ہے اور جس شخص پر راحت و آرام کی بارش کے ہلکے چھینٹے پڑتے ہیں اس پر مصیبت و بلا کی دھواں دھار بارشیں بھی ہوتی ہیں۔ یہ دنیا ہی کے مناسب حال ہے کہ صبح کو کسی کا دوست بن کر اس کا دشمن سے بدلہ چکائے اور شام کو یوں ہو جائے کہ گویا کوئی جان پہچان ہی نہ تھی۔ اگر اس کا ایک جنبہ شیریں و خوشگوار ہے تو دوسرا حصہ تلخ اور بلاخیز۔ جو شخص بھی دنیا کی تر و تازگی سے اپنی کوئی تمنا پوری کرتا ہے تو وہ اس پر مصیبتوں کی مشقیں بھی لاد دیتی ہے۔ جسے امن و سلامتی کے پروبال پر شام ہوتی ہے تو اسے صبح خوف کے پروں پر ہوتی ہے۔ وہ دھوکے باز ہے اور اس کی ہر چیز دھوکا۔ وہ خود بھی فنا ہو جانے والی ہے اور اس میں رہنے والا بھی فانی ہے۔ اس کے کسی زاد میں سوائے زادِ تقویٰ کے بھلائی نہیں ہے۔

باقیاتِ صالحات

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

”مال اور اولاد فقط دنیاوی زندگی کی زینت ہیں، اصل میں تو باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجہ کے لحاظ سے بہتر ہیں اور اُنھی سے ہی اچھی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں“۔

کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: ”مال و اولاد دنیاوی زندگی کی زینت ہیں، جب کہ آخر شب کی آٹھ رکعتیں اور وتر آخرت کی زینت ہیں۔ کچھ لوگوں کے لیے خداوند عالم دونوں زینتیں جمع کر دیتا ہے۔

تہذیب الاحکام میں بھی یہ روایت مرقوم ہے۔

مجمع البیان میں انس بن مالک سے منقول ہے کہ ایک بار پیغمبر اسلام نے صحابہ کے مجمع میں فرمایا: اپنے بچاؤ کے لیے ڈھالیں آمادہ کر لو۔

صحابہ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا دشمن نے حملہ کر دیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: دوزخ سے بچانے والی ڈھال آمادہ کرلو۔ تم یہ کہو: سُبحٰنَ اللّٰهِ وَالحَمدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكبَر۔ یہ تسبیحات آگے جانے والی نیکیاں ہیں اور یہ نجات دینے والی ہیں اور یہ پیچھے رہنے والی ہیں اور یہ باقیات صالحات ہیں۔

یہی روایت تفسیر عیاشی میں بھی مذکور ہے۔

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم شب بیداری سے عاجز ہو اور دشمنوں سے جہاد کرنے سے قاصر ہو تو پھر سُبحٰنَ اللّٰهِ وَالحَمدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكبَر سے دلوں میں تنگی محسوس نہ کرو۔ یہ باقیات صالحات ہیں انہیں پڑھا کرو۔

حضرت امام جعفر صادق سے ایک رویت میں منقول ہے کہ نمازِ پنجگانہ باقیات صالحات ہے۔

کتاب ابن عقدہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے حصین بن عبدالرحمٰن سے فرمایا: حصین! ہماری مودّت کو چھوٹا نہ سمجھنا' ہماری مودّت باقیات صالحات میں شامل ہے۔

حصین نے کہا: فرزندِ رسولؐ! میں اسے حقیر نہیں سمجھتا' میں اس پر خدا کی حمد کرتا ہوں۔

کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے ایک دن اپنے صحابہ سے فرمایا: لوگو! تمہارا کیا خیال ہے اگر تم اپنا تمام مال و متاع جمع کر کے ایک دوسرے پر رکھ کر ایک ڈھیر بناؤ تو کیا وہ آسمان تک پہنچ جائے گا؟

صحابہ نے عرض کیا: نہیں یارسول اللہ!

پھر آپؐ نے فرمایا: کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس کی جڑ تو زمین میں ہو اور اُس کی شاخ آسمان پر ہو؟

آپؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نمازِ فریضہ سے فارغ ہو کر تیس مرتبہ سُبحٰنَ اللّٰهِ وَالحَمدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكبَر پڑھے تو ان کلمات کی جڑ زمین میں ہے اور ان کی شاخ آسمان پر ہے اور اس تسبیح کے پڑھنے والا آگ میں جلنے' پانی میں ڈوب مرنے' دیوار کے نیچے آنے' کنوئیں میں گر کر ہلاک ہونے اور بُری موت سے محفوظ رہتا ہے اور یہ تسبیحات باقیات صالحات ہیں۔

اُصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ ایک بار حضرت رسولؐ خدا ایک شخص کے پاس سے گزرے جو اپنے احاطہ میں درخت کاشت کر رہا تھا۔ آپؐ اس کے پاس پہنچ کر رُک گئے اور آپؐ نے اس سے فرمایا: کیا میں تمھیں ایسا درخت نہ بتاؤں جس کی

جڑ گہری ہو اور جو جلد پھل دینے والا ہو اور اس کا ثمر پاکیزہ اور باقی رہنے والا ہو؟

اس نے کہا: یارسولؐ اللہ! ضرور بیان فرمائیں۔

آپؐ نے فرمایا: صبح وشام کے وقت سُبحٰنَ اللّٰہِ وَالحَمدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکبَر پڑھا کرو۔ ہر تسبیح کے عوض تمہارے لیے جنت میں دس میوہ دار درخت کاشت کیے جائیں گے اور یہ تسبیح باقیاتِ صالحات میں سے ہے۔

کتاب ثواب الاعمال میں مرقوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سُبحٰنَ اللّٰہِ وَالحَمدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکبَر کو زیادہ سے زیادہ پڑھا کرو، یہ تمہارے لیے باقیاتِ صالحات ہیں۔

قیامت کے دن سب حاضر ہوں گے

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَّقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّن نَّجْعَلَ لَكُم مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾

”جس دن ہم پہاڑوں کو حرکت میں لائیں گے اور تم زمین کو بالکل برہنہ پاؤ گے اور ہم سب کو جمع کریں گے اور کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔ وہ سب کے سب تیرے رب کے حضور صف بستہ پیش کیے جائیں گے۔ ارشاد ہوگا تم آج اس طرح ہمارے پاس آئے ہو جس طرح ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ تم نے تو یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہارے لیے وعدہ کا وقت مقرر ہی نہیں کیا ہے“۔

شیخ مفید روضۃ الواعظین میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام نے رسولؐ خدا سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! دنیا کا وسط کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: بیت المقدس۔ اُس نے کہا: وہ کیوں؟ آپؐ نے فرمایا: یہیں حشر منعقد ہوگا اور یہیں سے ہی عرش اٹھایا گیا۔ اس میں ہی صراط و میزان ہوگا۔ عبداللہ بن سلام نے کہا: محمدؐ! آپؐ نے سچ کہا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جنگِ اُحد میں جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تو رسولؐ خدا نے فرمایا: اگر بنی عبدالمطلب کی خواتین کا خوف نہ ہوتا تو میں حمزہؓ کی لاش کو بے گور وکفن چھوڑ دیتا اور جنگلی جانور اور پرندے ان کا گوشت کھاتے پھر قیامت کے دن حمزہ درندوں اور پرندوں کے شکم سے برآمد ہوتے۔

حماد بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: یہ بتاؤ کہ لوگ یوم نحشر من کل

اُمّۃ فوجا (جس دن ہم ہر اُمت میں سے ایک گروہ کو مبعوث کریں گے) کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

میں نے عرض کیا: لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا اشارہ قیامت کی طرف ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، اس آیت کا تعلق رَجعت کے دَور سے ہے۔ قیامت کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَّحَشَرۡنٰهُمۡ فَلَمۡ نُغَادِرۡ مِنۡهُمۡ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ ''ہم انہیں جمع کریں گے اور ہم کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے''۔

احتجاج طبرسی کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپؑ یہ بتائیں کیا قیامت کے دن لوگ برہنہ محشور ہوں گے؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں، لوگ کفن میں اٹھائے جائیں گے۔

سائل نے کہا: مگر کفن تو قبروں میں بوسیدہ ہو کر ختم ہو چکے ہوں گے۔ وہاں کفن کہاں سے آئیں گے؟

آپؑ نے فرمایا: جو ذات بوسیدہ ہڈیوں کو از سر نو زندہ کر سکتی ہے وہ ان کے بوسیدہ کفن کو بھی از سر نو انہیں پہنا سکتی ہے۔

سائل نے کہا: کچھ لوگوں کو تو کفن بھی نصیب نہیں ہوتا، ان کا کیا ہوگا؟

آپؑ نے فرمایا: خدا جس طرح سے چاہے گا ان کی پردہ پوشی کرے گا۔

سائل نے کہا: کیا قیامت کے دن لوگ صف بستہ پیش کیے جائیں گے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں، اس دن ایک لاکھ بیس ہزار صفیں ہوں گی۔

کتاب الخصال میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: مولاؑ! مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپؑ نے فرمایا: جب خدا کی پیشی برحق ہے تو یہ مکر و فریب کیسا؟

نامۂ اعمال میں تمام اعمال درج ہوں گے

وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ فَتَرَى الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا فِيۡهِ وَيَقُوۡلُوۡنَ يٰوَيۡلَتَنَا مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

''اور نامۂ اعمال رکھ دیئے جائیں گے تو تم دیکھو گے کہ مجرم اپنی کتاب زندگی کے مندرجات دیکھ کر ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری بد نصیبی یہ کیسی کتاب ہے، اس نے تو ہمارا

چھوٹا بڑا عمل چھوڑا ہی نہیں ہے۔ سب کو جمع کرلیا ہے اور جو کچھ انہوں نے کیا ہوگا وہ اسے موجود پائیں گے' تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا"۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: قیامت کے دن ہر شخص کو اس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اسے پڑھ۔ ہر شخص اپنے نامۂ اعمال کو پڑھے گا تو اسے اپنی زندگی کا ہر قول وفعل یاد آجائے گا اور یوں لگے گا کہ گویا اس نے ابھی یہ کام کیا ہے۔ اس وقت مجرم لوگ کہیں گے کہ ہائے ہماری بدنصیبی اس میں تو ہمارے چھوٹے بڑے تمام اعمال لکھے ہوئے ہیں۔

تفسیر عیاشی میں اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی مذکور ہے اور تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس مضمون کی حدیث مرقوم ہے۔

قصۂ آدمؑ و ابلیس

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ......

"اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ تم آدمؑ کو سجدہ کرو۔ ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا' وہ جنوں میں سے تھا اس نے اپنے رب کے فرمان سے سرتابی کی......"

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے عصمتِ ملائکہ پر بحث کی اور فرمایا کہ فرشتے تمام قسم کے کفر اور قبائح سے معصوم ہیں۔

کسی نے کہا تو کیا ابلیس فرشتہ نہ تھا؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں' وہ فرشتہ نہیں تھا۔ اس کا تعلق قومِ جنات سے تھا۔ پھر آپؑ نے كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ کی آیت تلاوت کی اور پھر فرمایا کہ جنات کی تخلیق زہریلی آگ سے ہوئی ہے۔

اُصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا: ملائکہ یہ سمجھتے تھے کہ ابلیس کا تعلق ان کی صنف سے ہے جب کہ خدا کو معلوم تھا کہ وہ صفِ ملائکہ کا فرد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سجدۂ آدمؑ کا حکم دیا تو اس کی اصلیت کھل کر ملائکہ کے سامنے آ گئی اور اس وقت اس نے کہا: خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝۱۲ (الاعراف:۱۲)

"تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا"۔

تفسیر عیاشی میں جمیل بن دراج سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: کیا ابلیس جنسِ ملائکہ کا فرد تھا؟ اور کیا آسمان کے کسی حصہ پر اس کی حکومت بھی تھی؟

آپؑ نے فرمایا: نہ وہ جنسِ ملائکہ کا فرد تھا اور نہ ہی آسمان کے کسی حصہ پر اُس کی کوئی حکومت تھی۔ وہ جنات میں سے تھا اور ملائکہ کے ساتھ رہتا تھا۔ ملائکہ سمجھتے تھے کہ وہ ان میں سے ہے جب کہ خدا کو اس کی اصلیت کا علم تھا۔ پھر جب سجدۂ آدمؑ کا حکم ہوا تو اس کی اصلیت کھل کر سامنے آ گئی۔

خدا کسی گمراہ کرنے والے کو مددگار نہیں بناتا

......وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿٥١﴾ "اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار نہیں بناتا"۔

تفسیر عیاشی کی دو روایات میں مذکور کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گمراہ کرنے والے شخص کے لیے دُعا کی تھی کہ خدا اسے اسلام کی توفیق دے اور اس کے ذریعہ سے اسلام کو عزت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور فرمایا کہ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار نہیں بناتا۔

امالی شیخ الطائفہ اور کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ آپؑ فی الحال معاویہ کو شام کی حکومت پر باقی رکھیں۔ جب آپؑ کی حکومت مضبوط ہو جائے تو پھر اسے معزول کر دیں۔

آپؑ نے فرمایا کہ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار نہیں بنایا کرتا۔

مقتل ابی مخنف میں مرقوم ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام مکہ سے کوفہ کا سفر کر رہے تھے تو ایک مقام پر آپ عبید اللہ بن حر جعفی کے خیمہ میں تشریف لے گئے اور آپؑ نے اس سے فرمایا کہ تم ہماری مدد کرو۔ اس نے آپؑ کی مدد سے انکار کیا اور کہا کہ میں آپؑ کی مدد سے قاصر ہوں البتہ آپؑ یہ تلوار اور گھوڑا لے جائیں۔

آپؑ نے فرمایا: جب تم ہماری مدد پر ہی آمادہ نہیں ہو تو ہم تمہاری تلوار اور گھوڑا لے کر کیا کریں گے۔ ہمیں تمہاری چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں، پھر آپؑ نے وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿٥١﴾ کی آیت تلاوت فرمائی۔

قولہ: وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا

"اور مجرم اس دن آگ کو دیکھیں گے اور سمجھ لیں گے کہ اب انہیں اس میں گرنا ہے"۔

کتاب التوحید میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اس آیت میں لفظ "ظن" گمان کے معنی میں نہیں، بلکہ یقین کے معنی میں ہے۔

احتجاج طبرسی میں ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: قرآن کی بعض آیات میں کفار کے ظن کا معنی گمان کے بجائے یقین ہے۔ پھر آپؑ نے فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا کی آیت پڑھی۔ اس طرح سے آیت کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ مجرم اس دن آگ کو دیکھیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ انہیں اس میں گرنا ہے۔

کتاب علل الشرائع میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: وضو کے وقت آنکھیں کھولا کرو تاکہ وہ دوزخ کی آگ کو نہ دیکھیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ز لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ز وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ج وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ق عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ق فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾

قَالَ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ صَابِرٗا وَلَآ أَعۡصِي لَكَ أَمۡرٗا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَإِنِ ٱتَّبَعۡتَنِي فَلَا تَسۡـَٔلۡنِي عَن شَيۡءٍ حَتَّىٰٓ أُحۡدِثَ لَكَ مِنۡهُ ذِكۡرٗا ﴿٧٠﴾ فَٱنطَلَقَا حَتَّىٰٓ إِذَا رَكِبَا فِي ٱلسَّفِينَةِ خَرَقَهَاۖ قَالَ أَخَرَقۡتَهَا لِتُغۡرِقَ أَهۡلَهَا لَقَدۡ جِئۡتَ شَيۡـًٔا إِمۡرٗا ﴿٧١﴾ قَالَ أَلَمۡ أَقُلۡ إِنَّكَ لَن تَسۡتَطِيعَ مَعِيَ صَبۡرٗا ﴿٧٢﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرۡهِقۡنِي مِنۡ أَمۡرِي عُسۡرٗا ﴿٧٣﴾ فَٱنطَلَقَا حَتَّىٰٓ إِذَا لَقِيَا غُلَٰمٗا فَقَتَلَهُۥ قَالَ أَقَتَلۡتَ نَفۡسٗا زَكِيَّةَۢ بِغَيۡرِ نَفۡسٖ لَّقَدۡ جِئۡتَ شَيۡـٔٗا نُّكۡرٗا ﴿٧٤﴾

قَالَ أَلَمۡ أَقُل لَّكَ إِنَّكَ لَن تَسۡتَطِيعَ مَعِيَ صَبۡرٗا ﴿٧٥﴾ قَالَ إِن سَأَلۡتُكَ عَن شَيۡءِۭ بَعۡدَهَا فَلَا تُصَٰحِبۡنِيۖ قَدۡ بَلَغۡتَ مِن لَّدُنِّي عُذۡرٗا ﴿٧٦﴾ فَٱنطَلَقَا حَتَّىٰٓ إِذَآ أَتَيَآ أَهۡلَ قَرۡيَةٍ ٱسۡتَطۡعَمَآ أَهۡلَهَا فَأَبَوۡاْ أَن يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارٗا يُرِيدُ أَن يَنقَضَّ فَأَقَامَهُۥۖ قَالَ لَوۡ شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَيۡهِ أَجۡرٗا ﴿٧٧﴾ قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ بَيۡنِي وَبَيۡنِكَۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأۡوِيلِ مَا لَمۡ تَسۡتَطِع عَّلَيۡهِ صَبۡرًا ﴿٧٨﴾ أَمَّا ٱلسَّفِينَةُ فَكَانَتۡ لِمَسَٰكِينَ يَعۡمَلُونَ فِي ٱلۡبَحۡرِ فَأَرَدتُّ أَنۡ

اَعِيْبَهَا وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَاۤ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

"وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب موسیٰؑ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں سفر سے باز نہ آؤں گا' یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں یا پھر عرصہ دراز تک چلتا ہی رہوں گا۔ جب وہ دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی فراموش کر بیٹھے اور اس نے دریا میں سرنگ لگا کر اپنا راستہ بنالیا۔ پھر جب دونوں اس جگہ سے آگے بڑھ گئے تو موسیٰؑ نے خادم سے کہا: اب ہمارا کھانا لاؤ' ہم نے اس سفر میں بہت تھکان اٹھائی ہے۔

جوان نے کہا: کیا آپ نے یہ دیکھا ہے کہ جب ہم چٹان کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے تو اس وقت مجھے مچھلی بھول گئی اور شیطان نے مجھے اس کا ذکر کرنے سے غافل کردیا تھا اور اس نے دریا میں عجیب طریقے سے راستہ بنالیا تھا۔

موسیٰؑ نے کہا: اسی جگہ کی تو ہمیں تلاش تھی' چنانچہ دونوں اپنے نشان قدم دیکھتے ہوئے اُلٹے پاؤں واپس ہوئے۔ موسیٰؑ نے وہاں ہمارے بندوں میں سے ایک ایسے بندہ کو پایا جسے ہم

نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی تھی اور اسے ہم نے اپنی طرف سے ایک خاص علم تعلیم کیا تھا۔ موسیٰؑ نے اس سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں۔ آپ مجھے اس علم میں سے کچھ علم سکھائیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے۔ جس چیز کی آپ کو خبر نہ ہو آپ اس پر کیسے صبر کرسکتے ہیں؟

موسیٰؑ نے کہا: اِن شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس نے کہا: اچھا اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھیں، یہاں تک کہ میں خود تم سے اس کا ذکر نہ کروں۔

پھر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو اس نے کشتی میں سوراخ ڈال دیا۔ موسیٰؑ نے کہا: کیا آپ نے اس میں شگاف اس لیے ڈالا ہے کہ کشتی کے سوار ڈوب جائیں؟ یہ تو آپؑ نے سخت حرکت کر ڈالی ہے۔

اس نے کہا کہ میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکو گے۔ موسیٰؑ نے کہا: خیر مجھ سے جو بھول چوک ہے آپ اس کا مجھ سے مؤاخذہ نہ کریں اور میرے معاملے میں سختی سے کام نہ لیں۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ انہیں ایک لڑکا ملا۔ اس بندۂ خدا نے اسے قتل کردیا۔ موسیٰؑ نے کہا: آپ نے بے گناہ کی جان لے لی، حالانکہ اس نے کسی کا خون نہیں کیا تھا یہ تو آپ نے بہت ہی بُرا کیا۔

اس نے کہا: کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے۔ موسیٰؑ نے کہا: اگر اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو آپ مجھے اپنے سے جدا کردیں۔ آپ میری طرف سے منزل عذر تک پہنچ چکے ہیں۔

پھر دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ ایک قریہ والوں تک پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا۔ ان لوگوں نے انہیں مہمان بنانے سے انکار کردیا۔ پھر اُنھوں نے ایک دیوار دیکھی جو کہ گرنے

کو تھی۔ بندۂ خدا نے اسے پھر کھڑا کر دیا۔ موسیٰؑ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو آپ اس کام کی اُجرت بھی لے سکتے تھے۔ اس نے کہا: بس اب ہمارے درمیان جدائی آ چکی۔ اب میں تمھیں ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر تم صبر نہیں کر سکے تھے۔

وہ کشتی چند مساکین کی ملکیت تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے۔ میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں' کیونکہ ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو غصب کر رہا تھا اور جہاں تک لڑکے کا تعلق ہے تو اس کے والدین ایمان دار تھے۔ ہمیں یہ خوف لاحق ہوا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنی سرکشی اور کفر سے انہیں تنگ کرے گا۔ ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کے بدلے انہیں ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور صلہ رحمی کے لیے بھی بہتر ہو۔

اور جہاں تک دیوار کا معاملہ ہے تو یہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں۔ اس دیوار کے نیچے ان کے لیے ایک خزانہ موجود ہے۔ ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا اس لیے تمہارے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے طاقت کی عمر کو پہنچیں اور اپنے مدفون خزانے کو نکال لیں۔ یہ سب آپ کے پروردگار کی رحمت ہے۔ میں نے اپنی جانب سے کچھ نہیں کیا۔ یہ ہے ان باتوں کی حقیقت جن پر آپ صبر نہیں کر سکے تھے"۔

قصۂ موسیٰؑ و خضرؑ

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو اصحابِ کہف کا واقعہ سنایا تو انہوں نے آپؐ سے کہا کہ آپؐ ہمیں اس عالم کا قصہ سنائیں جس کی پیروی کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا تھا۔ چنانچہ ان کے مطالبہ کے جواب میں وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لے مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا تک کی آیات نازل فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا اور انہیں اَلواح کی شکل میں تورات عطا فرمائی۔ جب حضرت موسیٰؑ تورات لے کر واپس آئے تو آپ منبر پر تشریف لائے اور قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کلام کیا ہے اور مجھ پر تورات نازل

کی ہے۔ اُس وقت اُنھوں نے دل میں سوچا کہ مجھ سے بڑا بھی کوئی عالم ہوسکتا ہے میں تو براہِ راست خدا کا شاگرد اور اُس کا کلیم ہوں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کی طرف وحی کی کہ فوراً زمین پر جاؤ اور موسیٰؑ کو جا کر سنبھالو وہ ہلاک ہونے لگا ہے۔ اور اسے جا کر بتاؤ کہ اپنے علم پر غرور نہ کرے جہاں دو دریا جمع ہوتے ہیں اُس چٹان کے پاس میرا ایک بندہ ہے جو تم سے بھی بڑا عالم ہے۔ اگر تمھیں علم کی ضرورت ہے تو اس کے پاس جاؤ اور اس سے جا کر علم سیکھو۔

حضرت جبریلؑ اُترے اور اُنھوں نے حضرت موسیٰؑ کو خدا کا پیغام سنایا۔ موسیٰؑ کو معلوم ہوگیا کہ ذہن میں غرور لا کر ان سے غلطی ہوئی ہے اور وہ گھبرا گئے۔ پھر اُنھوں نے اپنے وصی یوشعؑ بن نون سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دریاؤں کے سنگم کے پاس ایک چٹان کے پاس جانے کا حکم دیا ہے اور کہا ہے کہ وہاں ایک عالم رہتا ہے تم جا کر اس سے علم حاصل کرو۔

حضرت یوشعؑ تیار ہوئے' اُنھوں نے نمک لگی ہوئی مچھلی ساتھ لی۔ جب سفر کرتے ہوئے وہ دونوں چٹان کے پاس پہنچے تو اُنھوں نے وہاں ایک شخص کو پشت کے بل لیٹے ہوئے دیکھا۔ وہ اسے نہیں جانتے تھے۔ موسیٰؑ نے توشہ دان سے مچھلی نکالی اور اسے وہاں کے پانی سے دھویا اور مچھلی کو چٹان پر رکھا اور مچھلی اٹھانا بھول گئے اور وہ وہاں سے چل پڑے۔ چٹان کا پانی دراصل آبِ حیات تھا' جیسے ہی وہ پانی مچھلی کے وجود سے مس ہوا تو وہ فوراً زندہ ہوگئی اور پانی میں چلی گئی۔ اس منظر کو یوشعؑ نے دیکھا تھا' لیکن وہ یہ بات موسیٰؑ سے کہنا بھول گئے۔

موسیٰ علیہ السلام اور یوشعؑ اتنا چلے کہ دونوں تھک گئے۔ اس وقت حضرت موسیٰؑ نے یوشعؑ سے کہا کہ اب کھانا لے آؤ' ہم تو بہت تھک چکے ہیں۔ اس وقت یوشعؑ کو مچھلی کی بات یاد آئی اور کہنے لگے کہ میں تو مچھلی کو چٹان پر بھول آیا اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ زندہ ہوکر سمندر میں چلی گئی تھی۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا: اسی جگہ کی تو ہمیں تلاش تھی۔ پھر وہ دونوں اُلٹے پاؤں واپس ہوئے اور چٹان کے قریب پہنچ کر اُنھوں نے اس بندۂ خدا کو نماز میں مصروف دیکھا۔ چنانچہ یہ دونوں اس کے پاس رُک گئے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت موسیٰؑ نے انہیں سلام کیا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ایک روایت کے مطابق جب موسیٰؑ نے انہیں سلام کیا تو اُنھوں نے کوئی جواب نہ دیا' کیونکہ وہ ایسی زمین میں رہتے تھے جہاں سلام کا رواج ہی نہیں تھا۔ اس بندۂ خدا نے موسیٰؑ سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟

حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ میں موسیٰ بن عمران ہوں۔ اس بندۂ خدا نے کہا: تم وہی ہو نا جس سے خدا نے براہِ راست کلام کیا ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے کہا: جی ہاں' میں وہی ہوں۔ بندۂ خدا نے کہا: آپؑ یہاں کیوں آئے؟

میں آپؑ سے وہی رہنمائی سیکھنے کی غرض سے آیا ہوں جو خدا نے آپ کو عطا کی ہے۔
حضرت موسیٰ نے کہا: خدا نے آپ کو جو ہدایت و رہنمائی عطا کی ہے میں آپؑ سے وہی رہنمائی سیکھنے کی غرض سے آیا ہوں۔ اس بندۂ خدا نے کہا: آپ کو ایسی بات کا حکم ملا ہے جسے آپ برداشت نہیں کر سکتے اور مجھے ایسی بات کا حکم دیا گیا ہے جسے میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد اس عالم نے حضرت موسیٰؑ کو آلِ محمدؐ پر آنے والے مصائب سے آگاہ کیا۔ ان مصائب کی وجہ سے وہ عالم اور حضرت موسیٰؑ دونوں روئے۔ پھر اس عالم نے انہیں آلِ محمدؐ کی فضیلت سنائی۔ اس وقت حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: کاش میں آلِ محمدؐ کا ہی ایک فرد ہوتا۔

پھر حضرت موسیٰؑ نے ان سے ان کے پاس رہنے کی اجازت طلب کی۔ اس بندۂ خدا نے کہا: آپؑ ان باتوں پر صبر نہیں کر سکیں گے اور جس بات کی حقیقت سے آپ ناواقف ہوں تو بھلا اس پر صبر کیسے کریں گے؟ ہاں اگر تمھیں میرے ساتھ چلنا ہی ہے تو پھر تم مجھ پر کسی بات کا اعتراض نہیں کرو گے۔ میں بعد میں خود ہی اپنے اعمال کی حقیقت تم سے بیان کروں گا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰؑ ایک نمک لگی ہوئی مچھلی ساتھ لے کر چلے اور ان سے یہ کہا گیا کہ دریاؤں کے سنگم پر چٹان کے قریب اس بندۂ خدا کے متعلق تجھے یہ مچھلی بتا دے گی۔ اس جگہ کا پانی جس میں مُردہ چیز کو لگے تو وہ چیز زندہ ہو جاتی ہے وہ آبِ حیات ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھی کو لے کر چل پڑے۔ چلتے چلتے وہ اس چٹان تک جا پہنچے۔ حضرتؑ کا ساتھی اُٹھا اور اس نے وہاں پر موجود چشمہ سے مچھلی کو دھویا، مچھلی اس کے ہاتھ میں تڑپنے لگی اور اس کے ہاتھ کو ہلکا سا زخمی کیا اور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دریا میں چلی گئی۔ پھر حضرت موسیٰؑ اور جوان وہاں سے چل پڑے اور کافی دیر سفر کرنے کے بعد جب انہیں اس بندۂ خدا کا کہیں نام و نشان دکھائی نہ دیا تو حضرت موسیٰؑ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ہم اس سفر میں بہت تھک گئے ہیں۔ اب تم کھانا لاؤ۔ اس وقت حضرتؑ کے ساتھی نے کہا کہ مچھلی تو زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی تھی اور یہ بات مجھے آپؑ سے کہنا بھول گئی تھی اور اس کے ذکر سے شیطان نے مجھے غافل کر دیا تھا۔

حضرت موسیٰؑ نے کہا: اسی جگہ کو تو ہم تلاش کر رہے ہیں، پھر وہ دونوں واپس چل پڑے۔ آخر کار جب وہ دریاؤں کے سنگم کے پاس گئے تو وہاں خدا کے اس مخصوص بندہ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰؑ نے انہیں سلام کیا۔ سلام سن کر انہیں تعجب ہوا، کیونکہ وہ ایسی جگہ رہتے تھے جہاں سلام کا رواج نہیں تھا۔ اس بندۂ عالم نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ اُنھوں نے کہا کہ میں موسیٰؑ ہوں۔ بندۂ عالم نے کہا کیا تم وہی موسیٰ بن عمران ہو جن سے اللہ تعالیٰ نے براہِ راست کلام کیا ہے؟ موسیٰؑ نے کہا: جی ہاں میں وہی موسیٰؑ بن عمران ہوں۔

اس عالم نے کہا: آپؑ کیوں آئے؟ کہا کہ میں تمہاری پیروی کر کے تم سے رہنمائی کا کچھ علم حاصل کرنا چاہتا ہوں جو خدا نے آپؑ کو عطا کیا ہے۔ اس عالم نے کہا: آپ کو ایسا کام دیا گیا جسے برداشت کرنا آپ کے بس میں نہیں ہے اور مجھے بھی ایسا کام سپرد کیا گیا جسے برداشت کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے اور سیدھی سی بات ہے جس امر کی حقیقت کا تمھیں علم نہ ہو اس پر آپ صبر کیسے کر سکیں گے؟ پھر اس عالم نے موسیٰؑ کو رسولؐ خدا، امیر المومنینؑ اور حضرت سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا اور ان کی اولاد کے فضائل و خصائص سنائے۔ اس وقت موسیٰؑ نے کہا کہ کاش میں بھی آلِ محمدؐ میں سے ہوتا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: حضرت یوشعؑ بن نون حضرت موسیٰؑ کے وصی تھے اور قصۂ خضرؑ میں جس جوان کا خدا نے ذکر کیا ہے اس کا اشارہ انھی کی طرف ہے۔

عیون الاخبار میں ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام سے ایک یہودی نے چند مسائل دریافت کیے تھے۔ آپؑ نے ان کے تسلی بخش جواب دیئے اور ایک جواب کے دوران آپؑ نے فرمایا: ''تم یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ زمین پر جاری ہونے والا پہلا چشمہ وہ ہے جو بیت المقدس میں ہے۔ تمہارا یہ عقیدہ غلط ہے۔ روئے زمین پر جاری ہونے والا پہلا چشمہ وہ ہے جہاں یوشعؑ بن نون نے مچھلی کو دھویا تھا اور وہ آبِ حیات ہے اور یہ وہ چشمہ ہے جہاں سے خضر علیہ السلام نے پانی پیا تھا اور اس پانی کی خوبی یہ ہے کہ جو بھی اسے پیتا ہے وہ زندہ رہتا ہے۔

یہ سن کر یہودی نے کہا: بے شک آپؑ نے سچ کہا۔ یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لکھائی تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے لکھی تھی۔

یہی روایت کمال الدین وتمام النعمۃ میں بھی مرقوم ہے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت خضرؑ کو خضرؑ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جہاں بھی بیٹھتے تھے تو وہ زمین سرسبز ہو جاتی تھی۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے بڑے عالم تھے۔

ایک شخص نے جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپؑ حضرات گذشتہ لوگوں میں سے کس سے مشابہت رکھتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: ہم خضرؑ و ذوالقرنینؑ کے مشابہہ ہیں۔ وہ دونوں عالم تھے، لیکن وہ نبی نہیں تھے۔

تفسیر عیاشی کی ایک اور روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت و کلام سے سرفراز کیا تھا اور اُنہیں اَلواح کی شکل میں تورات عطا کی تھی تو اُنھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ کائنات میں علم بس اتنا ہی ہے جتنا کہ اُنہیں عطا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غلط فہمی کو دُور کیا اور انہیں حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ جب اُنھوں نے ان کے کمالات دیکھے تو انہیں تصدیق ہوگئی کہ ان کے علم کے علاوہ بھی دنیا میں علم موجود ہے۔ یہی حال رسولؐ خدا کی اُمت کے قاضی اور مفتیوں کا ہے۔ وہ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ حلال وحرام کا تمام علم وہی ہے جو ان کے پاس ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہیں قرآن وسنت میں کوئی مسئلہ دکھائی نہیں دیتا تو وہ ہماری طرف رجوع کرنے کے بجائے قیاس وگمان سے کام لینے لگتے ہیں۔ اگر وہ حضرت موسیٰؑ کی طرح سے صدقِ نیت رکھنے والے ہوتے تو وہ ہماری طرف رجوع کرتے اور قیاس وگمان سے نجات حاصل کر لیتے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے والد ماجد علیہ السلام سے روایت کی کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے سرداروں کے گروہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے کہا: میرا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق جتنا علم آپؑ کے پاس ہے اتنا کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: میرا بھی یہی خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی فرمائی کہ وہ میرے بندے خضرؑ کے پاس جائیں اور ان سے علم حاصل کریں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام آصف بن برخیا سے بڑے عالم تھے اور حضرت موسیٰؑ، حضرت خضرؑ سے بڑے عالم تھے۔

اُصولِ کافی میں سیف التمار سے منقول ہے کہ ہم حرم پاک میں حجرِ اسماعیل کے مقام پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؑ نے فرمایا: ذرا دیکھو یہاں کوئی حکومتی جاسوس تو ہماری باتیں نہیں سن رہا۔ ہم نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا کہ ہم آپ ہی ہیں، یہاں کوئی جاسوس نہیں ہے۔ پھر آپؑ نے تین بار ربِ کعبہ کی قسم کھا کر فرمایا اگر میں موسیٰؑ اور خضرؑ کے درمیان موجود ہوتا تو میں انہیں بتاتا کہ میں ان سے بڑا عالم ہوں اور میں انہیں وہ کچھ بتاتا جو ان کے پاس موجود نہیں تھا۔ کیونکہ موسیٰؑ کے پاس علمِ شریعت تھا اور خضرؑ کے پاس مستقبل کا علم تھا، جب کہ میرے پاس ماضی و مستقبل کا علم

موجود ہے اور ہم نے یہ علم رسولؐ خدا سے میراث میں پایا ہے۔

حارث بن مغیرہ کا بیان ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت علی علیہ السلام "محدث" تھے۔ میں نے کہا تو کیا وہ نبی تھے؟ آپ نے انکار میں ہاتھ ہلایا اور فرمایا کہ وہ موسیٰؑ کے ساتھی خضرؑ، سلیمانؑ کے ساتھی آصف اور ذی القرنین کی مانند تھے۔

کتاب علل الشرائع کی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت خضرؑ کو خضر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جس ویران مقام پر بیٹھتے تو وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تھی۔ ان کا نام تالیا بن ملکان بن عامر بن ارفخشد بن سام بن نوح تھا۔

مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ ابی بن کعب نے ہم سے بیان کیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے تھے کہ کسی نے پوچھا کہ تمام لوگوں میں سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ اُن پر ناراض ہوا اور ان کی طرف وحی کی کہ دو دریاؤں کے سنگم کے پاس میرا ایک بندہ رہتا ہے وہ تجھ سے بڑا عالم ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا: خدایا! میں اسے کیسے تلاش کروں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنے ساتھ ایک مُردہ مچھلی لے جاؤ اور اسے برتن میں رکھو۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون کو ساتھ لیا اور سفر پر چل نکلے۔ جب وہ مجمع البحرین کے قریب ایک چٹان کے پاس پہنچے تو وہ سو گئے۔ وہاں سے پانی کی چھینٹیں اُڑ کر مچھلی پر پڑیں تو وہ زندہ ہو گئی۔ اس منظر کو یوشعؑ نے دیکھا، لیکن موسیٰؑ سے بیان کرنا بھول گیا۔ پھر موسیٰؑ وہاں سے چلے۔ سارا دن اور ساری رات چلتے رہے، مگر وہ خدا کا بندہ انہیں نظر نہ آیا۔ حضرت موسیٰؑ نے یوشعؑ سے کہا کہ کھانا لاؤ۔ اس سفر نے تو ہمیں بے حال کر دیا ہے۔ اس وقت یوشعؑ نے کہا کہ مچھلی تو دریاؤں کے سنگم کے پاس چٹان کے قریب زندہ ہو گئی تھی اور وہ دریا میں چلی گئی تھی۔ مجھے آپؑ سے یہ کہنا یاد نہ رہا۔

حضرت موسیٰؑ نے کہا: اسی جگہ کے تو ہم متلاشی ہیں۔ پھر دونوں اپنے نشانِ قدم کو دیکھتے ہوئے واپس آئے اور جب چٹان کے قریب پہنچے تو وہاں ایک شخص چادر اُوڑھے سویا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے اُسے سلام کیا۔ اس نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ میں موسیٰؑ ہوں۔ اس نے کہا: کیا تم بنی اسرائیل کے نبی موسیٰؑ ہو؟ حضرتؑ نے فرمایا: جی ہاں، میں وہی ہوں۔ میں آپ کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے آیا ہوں۔

حضرت خضرؑ نے کہا: تم میرا علم برداشت نہ کر سکو گے، کیونکہ تم اس کی حقیقت سے بے خبر ہو۔ اسی طرح سے میں بھی

تمہارا علم برداشت کرنے سے قاصر ہوں۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا: خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔ میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت خضرؑ نے کہا: اچھا اگر میرے ساتھ چلنا ہے تو پھر مجھ سے میرے کسی عمل کے متعلق سوال نہ کرنا تاوقتیکہ میں تمھیں اس کی حقیقت سے آگاہ کروں۔

بہرنوع دونوں وہاں سے چلے' ساحل پر پہنچے۔ وہاں پر ایک کشتی روانگی کے لیے بالکل تیار کھڑی تھی۔ یہ دونوں بھی اس میں بیٹھ گئے۔ جب کشتی گہرے پانیوں میں پہنچی تو حضرت خضرؑ نے اس میں سے ایک تختہ نکال لیا۔ حضرت موسیٰؑ کو ان کا یہ عمل ناگوار گزرا اور اُنھوں نے کہا: تم نے یہ کیا کیا ہے اس سے تو تمام کشتی کے سوار ڈوب سکتے ہیں؟

حضرت خضرؑ نے کہا کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکو گے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا: میں نے بھول کر اعتراض کیا ہے لہٰذا اس کے لیے مجھ سے محاسبہ نہ کرو اور میرے معاملہ میں مشکل کھڑی نہ کرو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس دوران ایک چڑیا آئی اور اس نے سمندر سے اپنی چونچ میں پانی بھرا۔ حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ سمندر میں سے جتنا پانی اس چڑیا نے اپنے منہ میں بھرا ہے میرے اور تمہارے علم کی خدا کے علم کے سامنے یہی حقیقت ہے۔ پھر وہ کشتی سے نکل کر ساحل پر چلنے لگے۔ خضرؑ نے وہاں ایک لڑکے کو دیکھا۔ آپؑ نے اس کا سر قلم کردیا۔ حضرت موسیٰؑ نے فوراً اعتراض کیا اور ان سے کہا: تم نے ایک پاکیزہ جان لے لی' جب کہ اس نے کوئی قصاص بھی نہیں دینا تھا۔ یقیناً تم نے انتہائی بُرا کام کیا ہے۔

حضرت خضرؑ نے کہا کہ میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم اس پر صبر نہیں کرسکو گے۔

حضرت موسیٰؑ نے کہا: اب کی بار آپ جانے دیں' اگر اس کے بعد میں نے آپؑ پر کوئی سوال کیا تو آپؑ کو حق حاصل ہوگا کہ مجھے اپنے سے دُور کردیں۔ چنانچہ دونوں وہاں سے چلے اور ایک گاؤں پہنچے۔ اُنھوں نے گاؤں والوں سے کھانا طلب کیا' لیکن گاؤں کے لوگ اتنے کنجوس تھے کہ کسی نے بھی انہیں کھانا کھلانا گوارا نہ کیا۔

حضرت خضرؑ نے دیکھا کہ اس گاؤں کے ایک گھر کی دیوار گرنے کے قریب تھی۔ آپؑ نے دیوار کو درست کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے فوراً اعتراض کیا اور کہا کہ گاؤں والوں نے تو ہمیں کھانا نہیں دیا' مگر آپؑ نے اسی گاؤں کی گرتی ہوئی دیوار کو درست کیا ہے اور اگر آپؑ چاہیں تو ان سے اُجرت کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔

اس وقت حضرت خضرؑ نے کہا کہ اب ہماری تمہاری جدائی ہے۔ پھر اُنھوں نے حضرت موسیٰؑ کے سامنے اپنے افعال کی وجوہات بیان کیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کاش! موسیٰ صبر کرتے تو اس سے بھی زیادہ عجائبات دیکھ سکتے تھے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: یتیم بچوں کی دیوار میں جو خزانہ پوشیدہ تھا وہ یہ تھا کہ دیوار میں سونے کی ایک تختی تھی جس پر یہ عبارت درج تھی:

بسم اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم – لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

— مجھے تعجب ہے اس پر جو موت کو حق سمجھتا ہے وہ خوش کیسے ہوتا ہے؟

— مجھے اس پر تعجب ہے جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے تو وہ غمگین کیوں ہوتا ہے؟

— مجھے اس پر تعجب ہے جو دوزخ کو یاد کرتا ہے تو ہنستا کیوں ہے؟

— مجھے اس پر تعجب ہے جو دنیا اور دنیا کے حالات کی تبدیلیاں دیکھتا ہے پھر وہ اس پر مطمئن کیسے ہوتا ہے؟

وضاحت: مؤلف نے اس موضوع پر بہت سی روایات نقل کی ہیں چونکہ تمام روایات کا مفہوم ایک ہی ہے اس لیے ہم ان سے صرف نظر کر رہے ہیں۔ (من المترجم عفی عنہ)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝۸۳ۭ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ۝۸۴ۙ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝۸۵ حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۬ۥ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝۸۶ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸۷ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰی ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝۸۸ۭ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝۸۹ حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۙ﴿۹۰﴾
كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾
حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا
يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ
وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى
اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ
فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۙ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِىْ زُبَرَ
الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى
اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِىْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ؕ﴿۹۶﴾ فَمَا اسْطَاعُوْۤا
اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ
ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا ؕ﴿۹۸﴾
وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِىْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِى الصُّوْرِ
فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۙ﴿۹۹﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۙ﴿۱۰۰﴾
الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِىْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِىْ وَكَانُوْا لَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ع﴿۱۰۱﴾

آپ نے فرمایا: وہ اہلِ روم کا غلام تھا۔ خدا نے اسے سلطنت عطا کی۔ وہ سورج کے طلوع اور غروب کرنے کے مقامات تک گیا تھا اور اس نے بند بنائی تھی۔

یہودیوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ ایسا ہی ہے۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ذوالقرنین نبی نہ تھے وہ خدا کے ایک نیک بندے تھے۔ وہ خدا سے محبت کرتے تھے' خدا نے بھی انہیں اپنا محبوب بنا لیا تھا۔ وہ خدا کے لیے خیر خواہی کرتے تھے' خدا نے ان کی خیر خواہی کی۔ اُنھوں نے اپنی قوم کو خدا کے تقویٰ کا حکم دیا۔ لوگوں نے ان کے سر کے ایک حصے پر وار کیا۔ اس کے بعد وہ کافی عرصہ تک لوگوں سے غائب رہے۔ پھر قوم کے پاس واپس آئے۔ لوگوں نے اُن کے سر کے دوسرے حصے پر وار کیا اور تم میں وہ بھی ہے جو اس کی سنت پر عمل کرنے والا ہے۔

اصبغ بن نباتہ روایت کرتے ہیں کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام منبر پر تشریف فرما تھے کہ ''ابن کوا'' نے کھڑے ہو کر کہا: امیرالمومنینؑ! ہمیں ذوالقرنین کے متعلق بتائیں کہ کیا وہ نبی تھے یا فرشتے؟ اور ان کے دو قرنوں کے متعلق بتائیں کہ وہ سونے کے تھے یا چاندی کے؟

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: وہ نہ تو نبی تھے اور نہ ہی فرشتے تھے اور اُن کے قرن (سینگ) سونے چاندی کے نہ تھے وہ خدا کے محبّ اور محبوب بندے تھے۔ اُنھوں نے خدا کے لیے خیر خواہی کی' خدا نے ان کی خیر خواہی کی اور انہیں ذوالقرنین (دوسینگوں والا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی قوم کو خدا کے دین کی دعوت دی تھی۔ لوگوں نے اُن کے سر کے ایک حصے پر وار کیا تھا۔ وہ کچھ عرصہ تک غائب رہے تھے۔ پھر قوم کے پاس آ گئے تھے۔ لوگوں نے اُن کے سر کے دوسرے حصہ پر وار کیا تھا۔ چنانچہ اُن کے سر کے دونوں حصوں پر وار کے نشان تھے اور انھی واروں کی وجہ سے انہیں ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ تمہارے اندر اس کی مثال موجودہ ہے۔ (حضرت کا اشارہ اپنی طرف تھا' کیونکہ جنگِ خندق میں آپ کے سر کے ایک حصہ پر عمرو بن عبدود نے وار کیا تھا اور دوسری طرف ابن ملجم لعین نے مسجدِ کوفہ میں وار کیا تھا)

جابر بن عبداللہ انصاری راوی ہیں کہ میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات سنے' آپؐ نے فرمایا:

ذوالقرنینؑ خدا کے صالح بندے تھے۔ خدا نے انہیں اپنے بندوں پر حجت قرار دیا تھا۔ اُنھوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے دین اور خدا کے تقویٰ کی دعوت دی۔ لوگوں نے اُن کے سر کے ایک طرف وار کیا جس کے بعد وہ ایک عرصہ تک قوم سے

غائب ہوگئے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ وہ مرکھپ گیا ہے اور اگر زندہ بھی ہے تو نجانے کس وادی میں رہ رہا ہے۔ پھر کچھ عرصہ بعد وہ دوبارہ قوم میں نمودار ہوئے۔ لوگوں نے اُن کے دوسرے حصہ پر وار کیا۔ تمہارے اندر اس کی مثال موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنینؑ کو زمین پر اقتدار عطا کیا اور اسے ہر طرح کے وسائل فراہم کیے، یہاں تک کہ وہ طلوع و غروب کی سرزمین تک بھی گیا۔ اللہ تعالیٰ عنقریب اس کی سنت کو میرے فرزند قائمؑ میں جاری کرے گا۔ قائمؑ کی حکومت بھی مشرق ومغرب تک ہوگی۔ جس جس سرزمین یا پہاڑ یا وادی پر ذوالقرنینؑ نے قدم رکھا ہوگا وہاں وہاں قائمؑ بھی قدم رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے زمین کے خزانے اور معدنیات ظاہر کرے گا اور رُعب کے ذریعہ سے ان کی مدد کرے گا اور ان کی وجہ سے ظلم وجور سے بھری ہوئی دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔

تفسیر عیاشی میں ابوالطفیل سے منقول ہے کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام سے سنا کہ ذوالقرنینؑ نبی و رسول نہ تھے وہ خدا کے محب اور محبوب بندے تھے۔ اُنھوں نے خدا کے لیے خیر خواہی کی تو خدا نے بھی اس سے خیر خواہی کی۔ اُنھوں نے اپنی قوم کو خدا کے دین کی دعوت دی، لیکن لوگوں نے ان کے سر کے ایک حصہ پر وار کیا اور انہیں قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندگی دی۔ اُنھوں نے پھر دین کی تبلیغ کی۔ لوگوں نے اُن کے دوسرے حصہ پر حملہ کیا اور انہیں قتل کر ڈالا۔

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ پوری روئے زمین پر چار انسانوں نے حکومت کی تھی جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر تھے۔ چنانچہ سلیمان بن داؤد اور ذوالقرنینؑ مومن بادشاہ تھے اور نمرود اور بخت نصر کافر بادشاہ تھے۔ ذوالقرنینؑ کا نام عبداللہ بن ضحاک بن معد تھا۔

شیخ الطائفہ امالی میں لکھتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: روئے زمین پر سب سے پہلے مصافحہ کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ذوالقرنینؑ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کا استقبال کیا تھا اور ان سے مصافحہ کیا تھا۔

تفسیر عیاشی میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت یعقوب علیہ السلام کسی حاجت کے لیے نمرود بادشاہ کے دربار میں گئے۔ آپ کی شکل وصورت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوبہو ملتی تھی۔ جب نمرود بادشاہ نے انہیں دیکھا تو اس نے کہا آپ خدا کے خلیل ابراہیم ہیں؟ حضرت یعقوب نے کہا، نہیں۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی صدیق اور فاروق ہوتا ہے۔ میری اُمت کا صدیق اور فاروق علی بن ابی طالبؑ ہے۔ علی میری اُمت کے لیے سفینہ نجات ہے اور باب حطہ ہے اور وہ میری اُمت کا یوشع، شمعون اور ذوالقرنین ہے۔

الخرائج والجرائح میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے متعلق روایت بیان کی کہ کسی نے آپ سے ذوالقرنینؑ کے متعلق پوچھا کہ وہ مشرق و مغرب تک کیسے پہنچ گئے تھے؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بادل مسخر کیے تھے اور انہیں وسائل عطا کیے تھے اور ان کے لیے نور مقرر کیا تھا۔ اُن کے لیے دن رات یکساں تھے۔ ایک مرتبہ اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اتنا بلند ہوئے کہ سورج تک جا پہنچے گویا کہ اُنھوں نے سورج کے مشرقی و مغربی کناروں کو پکڑ لیا۔ اُنھوں نے وہ خواب اپنی قوم کو سنایا۔ اسی لیے لوگوں نے ان کا لقب "ذوالقرنین" رکھ دیا۔ پھر آپ نے لوگوں کو خدا کے دین کی دعوت دی جسے لوگوں نے قبول کرلیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہاں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی جائے۔ اس کا طول چار سو ہاتھ اور عرض دو سو ہاتھ ہونا چاہیے اور اس کی بلندی ایک سو ہاتھ ہونی چاہیے۔

لوگوں نے کہا: آپ اس پر شہتیر کیسے ڈالیں گے' کیونکہ کوئی بھی لکڑی اتنی لمبی نہیں ہوتی۔

آپ نے کہا کہ تم پہلے مسجد بناؤ پھر جب وہ مطلوبہ حد تک بن جائے تو اسے مٹی ڈال کر بھر دو۔ پھر سونا چاندی لے کر انہیں پگھلاؤ اور اس سے شہتیر بناؤ۔ چنانچہ جب سونے چاندی کے بنے ہوئے طویل و عریض "گارڈر" بن گئے تو آپ نے فرمایا اب انہیں چڑھا دو۔

پھر آپ نے فرمایا کہ میری رعایا کے غریب افراد سے کہو کہ اس مٹی میں سونے چاندی کے ذرّات موجود ہیں' لہٰذا وہ آئیں اور مٹی اُٹھالیں۔ لوگوں نے خوشی خوشی وہ مٹی اٹھائی۔ لوگوں کو اس سے بڑی دولت ملی اور عوام الناس خوش حال ہو گئے اور مسجد کی چھت بھی مکمل ہوگئی۔ پھر آپؑ نے اپنی فوج کے چار حصے مقرر کیے۔ ہر حصہ میں دس دس ہزار فوجی تھے۔ آپ نے انہیں مختلف شہروں کی فتح کے لیے روانہ کیا اور اُنھوں نے علاقے فتح کیے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ذوالقرنین کو اختیار دیا گیا تھا کہ چاہیں تو سخت قسم کے بادل پر سوار ہوں اور اگر چاہیں تو فرماں بردار قسم کے بادل پر سواری کریں۔ اُنھوں نے فرماں بردار قسم کے بادل کو پسند کیا تھا۔ وہ جس بھی علاقہ میں جاتے تو تبلیغ کے لیے خود لوگوں کے پاس جاتے' تاکہ لوگ ان کے قاصدوں کی تکذیب نہ کریں۔

اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے ذوالقرنینؑ کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا: وہ

اللہ تعالیٰ کے صالح بندے تھے اور ان کا نام عیاش تھا۔ خدا نے ایک قرن میں انہیں مغرب کی طرف مبعوث کیا۔ یہ طوفانِ نوح کے بعد کا واقعہ ہے۔ لوگوں نے اُن کے سر کی دائیں جانب حملہ کیا جس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک سو سال بعد انہیں زندہ کیا اور انہیں مشرق کی جانب مبعوث فرمایا۔

اس بار بھی لوگوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کے سر کے بائیں حصہ پر حملہ کیا' جس سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ پھر ایک سو سال بعد خدا نے انہیں زندہ کیا اور سر کے دونوں اطراف میں جہاں جہاں انہیں زخم لگے تھے وہاں خدا نے دو سینگ پیدا کر دیئے اور انہیں ان کی مملکت اور نبوت کی علامت مقرر فرمایا۔

پھر خدا نے انہیں آسمانِ دنیا کی طرف بلند کیا اور ان کے لیے پوری زمین کے حجاب اُٹھا دیئے اور انہیں تمام پہاڑ' میدان' دریا اور نالے دکھائے گئے۔ انہوں نے مشرق و مغرب تک نگاہ دوڑائی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی تمام چیزیں عطا کیں جن سے حق و باطل کی پہچان ہوسکتی تھی۔ اس کے علاوہ خدا نے ان کے سینگوں میں تاریکی اور رعد و برق رکھی تھی۔ پھر انہیں زمین پر اتارا گیا اور انہیں وحی ہوئی کہ اب تم زمین کے مشرق و مغرب میں جاؤ۔ ہم نے تمہارے لیے زمین کی طنابیں کھینچ دی ہیں اور میں نے اپنے بندوں کو تمہارے لیے جھکا دیا ہے اور میں نے لوگوں کے دلوں میں تمہارا رُعب ڈال دیا ہے۔

ذوالقرنینؑ مغرب کی سمت چلے گئے۔ وہ جس بھی آبادی میں جاتے تو شیر کی طرح سے گرجتے تھے اور جب وہ غضب ناک شیر کی طرح سے گرجتے تو ان کے سینگوں سے تاریکی اور رعد و برق خارج ہوتی تھی اور اگر کوئی ان کی مخالفت کرتا تو ان کے سینگوں سے نکلنے والی بجلیاں اس پر گرتیں اور ہلاک کر دیتی تھیں۔ چنانچہ نقطۂ غروب تک پہنچنے سے قبل ہی تمام مشرق و مغرب کے لوگ ان کے مطیع ہوگئے اور اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ ......

جبریل بن احمد نے اصبغ بن نباتہ سے جو روایت کی ہے اس میں یہ قصہ اس طرح سے مذکور ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ذوالقرنینؑ خدا کے نیک بندے تھے۔ خدا کے ہاں انہیں مقام حاصل تھا۔ وہ دین خداوندی کی خیر خواہی کرنے والے انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خیر خواہی کی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے۔ خدا نے ان سے محبت کی۔ خدا کا ایک فرشتہ اُن کا دوست تھا جو آ کر ان سے باتیں کیا کرتا تھا۔ فرشتہ کا نام ''رقائیل'' تھا۔ ایک مرتبہ ذوالقرنینؑ نے ان

دوست فرشتے سے پوچھا کہ اہلِ آسمان کی عبادت کی کیا کیفیت ہے؟

فرشتے نے کہا کہ آسمان میں ایک قدم کی جگہ بھی خالی نہیں ہے۔ ہر قدم پر فرشتے موجود ہیں جو فرشتہ قیام میں ہے اس نے آج تک رکوع نہیں کیا اور جو رکوع میں ہے اُس نے آج تک سجدہ نہیں کیا اور جو سجدہ میں ہے اس نے آج تک قعود نہیں کیا۔

فرشتے کی زبانی یہ سن کر ذوالقرنینؑ رونے لگے اور اُنھوں نے اپنے دوست فرشتے سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے اتنی عمر مل جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کرسکوں۔

فرشتے نے کہا کہ خدا نے زمین پر ایک چشمہ پیدا کیا ہے جسے "آبِ حیات" کہا جاتا ہے۔ اس کے پانی میں خدا کی طرف سے ایک راز مضمر ہے جو اس کا پانی پیئے تو اسے اس وقت تک موت نہ آئے گی جب تک وہ اپنی موت کے لیے خدا سے خود درخواست نہ کرے گا۔ اگر آپ اس چشمہ کو ڈھونڈھ لیں تو آپ کو بھی ہمیشہ کی زندگی مل جائے گی اور تب تک آپ خود موت طلب نہ کریں گے اس وقت تک آپ پر موت وارد نہ ہوگی۔

ذوالقرنینؑ نے کہا: کیا آپ اس چشمہ کے محلِ وقوع سے واقف ہیں؟

فرشتے نے کہا: نہیں، البتہ میں نے آسمان پر یہ بات سنی ہے کہ زمین پر ظلمت شروع ہوتی ہے اور وہ چشمہ اس بحرِ ظلمات ہے جہاں آج تک کسی انسان اور جن نے قدم نہیں رکھا۔

یہ کہا اور فرشتہ پرواز کر کے چلا گیا۔ ذوالقرنینؑ اس چشمہ کے لیے بڑے مضطرب ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مملکت کے تمام علماء وفقہاء کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم نے کسی کتاب میں "آبِ حیات" کے متعلق پڑھا ہے۔ اس پانی کی خاصیت یہ ہے کہ جو اس کا پانی پی لے تو وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ خدا سے اپنی موت کی خود درخواست نہیں کرے گا۔

تمام علماء وفقہاء نے اس بات سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر ذوالقرنینؑ نے کہا: اچھا یہ بتاؤ کیا تمھیں زمین پر موجود ایسے بحرِ ظلمات کا کوئی علم ہے جہاں آج تک کسی انسان وجن کا قدم نہ پڑا ہو۔

دربار میں موجود تمام علماء وحکماء نے اس سوال کے جواب سے بھی اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ یہ جواب سن کر ذوالقرنینؑ بہت مایوس ہوئے۔ دربار میں ایک نوجوان بیٹھا تھا جس کا تعلق انبیاء کے اوصیاء کی اولاد سے تھا۔ وہ بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ جب اس نے ذوالقرنینؑ کی مایوسی کو دیکھا تو اس نے کہا: بادشاہ! آپ ان لوگوں سے سوال کر رہے ہیں جنھیں اس کے

متعلق کوئی علم نہیں ہے۔ آپ کے سوال کا جواب میرے پاس موجود ہے۔

ذوالقرنینؑ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اپنے تختِ حکومت سے اُترے اور اس جوان کو گلے لگایا اور پھر اسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھا کر کہا کہ آپ اس کے متعلق کیا جانتے ہیں؟

جوان نے کہا کہ میں نے آدم علیہ السلام کی کتاب میں یہ عبارت پڑھی ہے کہ خدا نے بحرِ ظلمات میں ایک چشمہ پیدا کیا ہے جو کہ آبِ حیات ہے اور جو اس کا پانی پیئے گا تو وہ اس وقت تک نہ مرے گا جب تک وہ خود موت کی درخواست نہ کرے گا اور وہ چشمہ ایسی جگہ پر واقع ہے جہاں آج تک کسی انسان و جن کا قدم نہیں پڑا۔

ذوالقرنینؑ نے کہا: وہ تو ٹھیک ہے، لیکن یہ بتاؤ کہ وہ کہاں اور کس سمت میں واقع ہے؟

جوان نے کہا کہ میں نے کتابِ آدم میں یہ پڑھا ہے کہ وہ چشمہ "قرن شمس" یعنی طلوعِ آفتاب کی سرزمین میں واقع ہے۔

ذوالقرنینؑ نے یہ سنا تو اس نے اپنی مملکت میں سے دانش وروں اور اہلِ حکمت افراد کو جمع کیا۔ چنانچہ اس کے پاس ایک ہزار صاحبانِ حکمت، ایک ہزار علماء اور ایک ہزار فقہاء جمع ہوئے۔ ذوالقرنینؑ نے انہیں اپنے ساتھ لیا اور سفر کی تیاری شروع کی۔ چنانچہ بہت سی سواریاں اور ان کا چارہ اور زادِ راہ ساتھ لیا اور سورج طلوع کرنے کی دھرتی کا سفر شروع کیا۔ انہوں نے کئی سمندر عبور کیے، سینکڑوں دریا اور ندی نالے عبور کیے اور پہاڑ، بیابان اور جنگل عبور کیے اور مسلسل بارہ برس سفر کے بعد وہ تاریکی کے کنارے جا پہنچے۔ وہ تاریکی رات یا دھوئیں کی تاریکی نہ تھی، بلکہ ہوا کی تاریکی تھی۔ وہاں پہنچ کر ذوالقرنینؑ اور اس کے تمام ساتھی سواریوں سے اُترے اور کچھ دیر وہاں قیام کیا۔ اس کے بعد ذوالقرنینؑ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں تمہیں ساتھ لے کر اس بحرِ ظلمات میں داخل ہونا چاہتا ہوں کیا تم لوگ بھی میرا ساتھ دو گے؟

اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا: ذوالقرنینؑ! آپ ایسی جگہ قدم نہ رکھیں جہاں آج تک کسی آدم زاد اور پری زاد نے قدم نہیں رکھا۔ آپ اس سفر میں گم بھی ہو سکتے ہیں اگر ایسا ہوا تو مملکت آپ کے وجود سے محروم ہو جائے گی۔

ذوالقرنینؑ نے کہا: دوستو! خواہ کچھ بھی ہو، مجھے اس میں سفر کرنا ہی ہے۔ تم لوگ یہ بتاؤ کہ جانوروں میں سے تیز نظر والا جانور کون سا ہے؟

ان لوگوں نے کہا کہ تمام جانوروں میں سے کنواری گھوڑی کی نظر تیز ہوتی ہے۔ چنانچہ چھ ہزار نوخیز گھوڑیوں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ ذوالقرنینؑ نے چھ ہزار ساتھیوں کا انتخاب کیا اور باقی لشکر سے کہا کہ وہ بحرِ ظلمات کے کنارے بارہ برس تک ڈیرہ ڈالے رہیں اگر اس عرصہ میں وہ آ گئے تو پھر سب مل کر واپس گھروں کو چلیں گے اور اگر بارہ برس تک ہم واپس

نہ آئیں تو تم لوگ اس جگہ کو چھوڑ کر اپنے اپنے شہروں کو واپس چلے جانا۔ چنانچہ ذوالقرنینؑ اپنے ساتھیوں کو لے کر بحرِ ظلمات میں چلنے لگا۔ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام اس کے ساتھ تھے۔ حضرت خضرؑ نے کہا: بادشاہ! اندر تو اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا ہمیں مذکورہ چشمہ کا اندازہ کیسے ہوگا؟

ذوالقرنینؑ نے ایک تسبیح ان کے ہاتھ میں دی اور کہا کہ یہ تسبیح روشنی دے گی جہاں تمہیں وہ چشمہ ملے تو اس تسبیح کو زمین پر ڈالنا یہ دُور دُور تک روشنی دے گی اور ہمارے تمام بھولے بھٹکے افراد اس روشنی کو دیکھ کر وہاں جمع ہو جائیں گے۔

چنانچہ مختلف گروہ مختلف اطراف میں چلنے لگے۔ ایک مقام پر حضرت خضرؑ گئے تو انہیں وہ چشمہ دکھائی دیا۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور یاقوت سے زیادہ شفاف اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ خضرؑ نے اس چشمہ کا پانی پیا۔ پھر آپ کپڑے اُتار کر اس میں داخل ہو گئے اور خوب نہائے۔

اس اثناء میں ذوالقرنینؑ راستہ بھٹک گئے اور مسلسل چالیس دن تاریکی میں چلتے رہے۔ پھر وہ ظلمات کی وادی سے نکل کر روشنی کی وادی میں پہنچے جہاں ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی، لیکن وہ روشنی شمس وقمر کی روشنی نہ تھی۔ پھر وہاں سے وہ ایسی سرزمین پر پہنچے جہاں ریت ہی ریت تھی اور ریت میں کچھ کنکر بھی تھے۔ وہاں انہیں ایک عظیم الشان محل دکھائی دیا۔ ذوالقرنینؑ اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر اس محل کے دروازے پر گئے۔ محل کے دروازے پر ایک بہت بڑا پرندہ بیٹھا ہوا تھا۔

جب پرندے نے ذوالقرنینؑ کے قدموں کی چاپ سنی تو وہ انسانوں کی طرح بولنے لگا اور اس نے کہا کہ تو کون ہے؟ ذوالقرنینؑ نے کہا: میں ذوالقرنین ہوں۔ پرندے نے کہا: کیا باقی زمین تیرے لیے ناکافی تھی کہ تو یہاں میرے دروازے تک آ پہنچا۔ یہ سنا تو ذوالقرنینؑ گھبرا گئے۔ پرندے نے کہا: ذوالقرنین! گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم مجھے میرے چند سوالوں کے جواب دو:

کیا زمین پر پکی اینٹوں اور جص کے مکانات کا استعمال عام ہوا ہے؟

ذوالقرنینؑ نے کہا: جی ہاں۔ یہ سن کر پرندہ ایک تہائی مزید پھول گیا۔ ذوالقرنینؑ گھبرا گئے۔ پھر پرندے نے کہا: گھبراؤ نہیں میرے ایک سوال کا جواب دو اور یہ بتاؤ کیا زمین پر موسیقی کے آلات کی کثرت ہو گئی ہے؟

ذوالقرنینؑ نے کہا: جی ہاں۔ یہ سنا تو وہ پرندہ مزید پھول گیا۔ یہ منظر دیکھ کر ذوالقرنینؑ گھبرا گئے۔ پرندے نے کہا: آپ مت گھبرائیں، آپ یہ بتائیں کیا لوگ جھوٹی گواہیاں دے رہے ہیں؟

ذوالقرنینؑ نے کہا: جی ہاں، یہ سنا تو پرندہ اتنا پھولا کہ محل کی دونوں دیواروں تک اس کا وجود پھیل گیا۔ ذوالقرنینؑ نے

یہ نظارہ دیکھا تو بہت زیادہ گھبرا گئے۔ پرندے نے کہا: آپ مت گھبرائیں، آپ مجھے یہ بتائیں کیا لوگوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کہنا چھوڑ دیا ہے؟

ذوالقرنینؑ نے کہا: نہیں، ایسا نہیں ہوا۔ یہ سنا تو پرندے کے جسم میں ایک تہائی کی واقع ہوئی۔ پھر اس نے کہا: ذوالقرنینؑ! یہ بتاؤ کیا لوگوں نے فریضہ نماز ترک کر دی ہیں؟

ذوالقرنینؑ نے کہا: نہیں، ایسا نہیں ہوا۔ یہ سنا تو پرندے کا جسم ایک تہائی مزید کم ہو گیا۔ پھر اس نے کہا: اچھا یہ بتاؤ کیا لوگوں نے غسلِ جنابت کرنا چھوڑ دیا ہے؟

ذوالقرنینؑ نے کہا: نہیں ایسا نہیں ہے۔ یہ سنا تو اس کا جسم مزید ایک تہائی کم ہو گیا اور وہ اپنی اصلی حالت پر واپس آ گیا۔ پھر پرندے نے کہا: آپ اس محل کی سیڑھی پر چلے آئیں۔ ذوالقرنینؑ نے گھبراتے ہوئے سیڑھیاں طے کیں اور پریشان تھے کہ نجانے آگے کا منظر کیا ہے۔ چنانچہ جب وہ محل کی وسیع و عریض چھت پر پہنچے تو انہوں نے ایک خوبصورت جوان کو دیکھا جس نے سفید لباس پہن رکھا تھا۔ وہ ایک مرد دکھائی دیتا تھا یا مرد کی شبیہہ دکھائی دیتا تھا۔ وہ سر اُٹھائے آسمان کی جانب دیکھ رہا تھا اور اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ جب اس نے ذوالقرنینؑ کے قدموں کی چاپ سنی تو اُس نے کہا کہ تو کون ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ میں ذوالقرنین ہوں۔

جوان نے کہا: کیا یہ ساری وسیع و عریض زمین کم تھی کہ تم یہاں میرے محل تک چلے آئے؟

ذوالقرنینؑ نے کہا: تم نے منہ پر ہاتھ کیوں رکھا ہوا ہے؟

اس نے کہا: ذوالقرنینؑ! میں صاحب صور ہوں، قیامت قریب آ چکی ہے اور میں اپنے رب کے حکم کا انتظار کر رہا ہوں۔ پھر وہ جھکا اور اس نے ذوالقرنینؑ کو ایک پتھر اُٹھا کر دیا اور اس سے کہا: اگر یہ بھوکا ہوا تو تجھے بھی بھوک لگے گی اور اگر یہ سیراب ہوا تو تم بھی سیراب رہو گے۔ اب تم واپس چلے جاؤ۔

اس کے بعد ذوالقرنینؑ نیچے آ گئے اور اپنے ساتھیوں کو محل میں رہنے والے فرشتے کی گفتگو سے آگاہ کیا اور انہیں پتھر کے متعلق آگاہ کیا۔ اتنے میں خضرؑ بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر وہاں آ گئے اور انہوں نے پتھر کو دیکھا۔ اس پتھر کو میزان میں رکھا اور اس کے سامنے اس جیسا پتھر رکھ کر وزن کیا تو فرشتے کا دیا ہوا پتھر وزنی ثابت ہوا۔ پھر انہوں نے پلہ میں اس سے دوگنا پتھر رکھ کر وزن کیا تو فرشتے کا دیا ہوا پتھر زیادہ وزنی نکلا۔ الغرض پلہ میں دس گنا پتھر رکھے گئے تو بھی فرشتے کا پتھر ان سے زیادہ وزنی ثابت ہوا۔

جناب حضرت خضرؑ نے جب اس پتھر کی گراں باری کو دیکھا تو انہوں نے فرشتے کے دیئے ہوئے پتھر کو میزان میں رکھا اور اس پر کچھ مٹی ڈال دی اور مقابلہ میں اس جیسا پتھر رکھا تو فرشتے کا دیا ہوا پتھر ہلکا ثابت ہوا اور دوسرے پتھر کا وزن زیادہ محسوس ہوا۔ ذوالقرنینؑ نے حیران ہو کر خضرؑ سے کہا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ابھی کچھ دیر قبل یہ پتھر زیادہ وزنی تھا اب اتنا ہلکا کیسے ہو گیا؟

خضرؑ نے کہا: بادشاہ! بات یہ ہے کہ فرشتے نے آپ کو جو پتھر دیا ہے یہ دراصل انسان کی ذہنیت کا غماز ہے۔ اور یہ پتھر ایک کنایہ ہے۔ انسانی ذہن کبھی بھرنے میں نہیں آتا' ہاں جب مرجاتا ہے اور اس کے وجود پر قبر کی مٹی ڈالی جاتی ہے تو اس وقت یہ بھر جاتا ہے۔ اس پتھر کے ذریعہ سے فرشتے نے آپ کو یہ پیغام دیا ہے کہ آپ اتنے حریص ثابت ہوئے ہیں کہ پوری زمین کی حکومت پا کر بھی آپ ناخوش ہیں اور اس پانی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں جس کی کسی نے بھی آج تک جستجو نہیں کی تھی۔ جب تک آپ پر قبر کی مٹی نہ ڈالی جائے گی اس وقت تک آپ کا ذہن سیر نہیں ہوگا۔ یہ سنا تو ذوالقرنینؑ بہت روئے اور کہا کہ واقعی فرشتے نے صحیح کہا ہے۔ اب میں واپس جانا چاہتا ہوں۔

چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر بحرِ ظلمات سے باہر آئے اور اپنے دارالحکومت دومۃ الجندل واپس آئے اور اپنی وفات تک وہیں قیام پذیر رہے۔

جبرائیل بن احمد راوی ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ذوالقرنینؑ نے اپنے لیے شیشہ کا ایک صندوق تیار کرایا' پھر آپ اپنے ساتھیوں کو کشتی پر سوار کرا کے سمندر کے گہرے پانی پر آئے اور خود صندوق میں بیٹھ گئے اور صندوق کے ساتھ کئی میل لمبی رسی بندھوائی اور ساتھیوں سے کہا اب تم اس صندوق کو سمندر میں اُتارو۔ میں سمندر کے عجائبات دیکھنا چاہتا ہوں۔ جب میں اندر سے رسی ہلاؤں تو تم میرا صندوق اندر سے نکال لینا۔ چنانچہ ان کے ساتھیوں نے ان کے صندوق کو سمندر میں اُتارا۔ ان کا صندوق سمندر کی گہرائی میں جا رہا تھا کہ کسی نے وہاں ان کے صندوق کو کھٹکھٹایا اور آواز دے کر کہا: ذوالقرنینؑ! سمندر میں کیا کرنے آئے ہو؟

ذوالقرنینؑ نے کہا: میں سمندر کے عجائبات دیکھنا چاہتا ہوں۔

آواز دینے والے نے کہا: تم کیا کیا دیکھو گے۔ طوفانِ نوحؑ کے وقت ایک ہتھوڑا سمندر میں گرا تھا اور ابھی تک وہ گہرائی کی طرف سفر کر رہا ہے' لیکن ابھی تک وہ گہرائی میں نہیں پہنچ سکا۔

یہ سنا تو انہوں نے رسّی کو حرکت دی اور سمندر سے باہر آ گئے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ ذوالقرنینؑ جب فولادی دیوار عبور کر کے بحرِ ظلمات میں داخل ہوئے تو وہاں انہوں نے ایک فرشتہ دیکھا جس کی لمبائی پانچ سو ہاتھ کے برابر تھی۔ اس فرشتے نے ان سے کہا: کیا پیچھے راستے ختم ہوگئے تھے کہ تم نے اس راستے پر چلنا شروع کر دیا؟

ذوالقرنینؑ نے کہا: آپ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پہاڑ پر موکل کیا ہے۔ دنیا کے جتنے بھی پہاڑ ہیں ان کا کسی نہ کسی طرح سے تعلق اس پہاڑ سے ہے اور جب خداوند عالم کسی جگہ زلزلہ بھیجنا چاہتا ہے تو میں یہاں بیٹھ کر اس علاقہ کے پہاڑ کی جڑوں کو حرکت دیتا ہوں اور وہاں زلزلہ بپا ہو جاتا ہے۔

ایک اور روایت میں منقول ہے کہ ذوالقرنینؑ خدا کے نیک بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین پر اقتدار عطا کیا تھا اور ان کے لیے وسائل واسباب فراہم کیے تھے۔ انہیں آبِ حیات کے متعلق معلوم ہوا کہ اس میں اتنی تاثیر ہے کہ جو بھی اس کا پانی پی لے تو جب تک وہ اپنے لیے موت کی خود درخواست نہ کرے اس وقت تک اس پر موت طاری نہیں ہوتی۔

وہ آبِ حیات کی تلاش میں نکلے۔ اس سفر میں خضرؑ بھی ان کے ساتھ تھے جہاں آبِ حیات کا چشمہ تھا۔ اس سرزمین پر تین سو ساٹھ چشمے تھے۔ آبِ حیات کے چشمہ کی پہچان کے لیے اُنھوں نے اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں میں نمک لگی ہوئی ایک ایک مچھلی دی اور کہا کہ تم اس سرزمین پر پھیل جاؤ اور ایک ایک چشمے میں مچھلی کو ڈال کر دیکھو۔

سب لوگوں نے ایک ایک مچھلی اٹھائی اور چشموں کی تلاش میں نکل پڑے۔ خضرؑ نے بھی مچھلی اٹھائی اور اتفاق سے وہ آبِ حیات کے چشمہ پر جا پہنچے۔ اُنھوں نے جیسے ہی مچھلی پر چشمہ کا پانی ڈالا تو مچھلی زندہ ہوگئی اور پانی میں چلی گئی۔ مچھلی ان کے ہاتھ نہ آئی۔ انہوں نے وہاں سے کچھ پانی پیا اور ذوالقرنینؑ کی طرف آئے۔ ذوالقرنینؑ کے تمام ساتھی اپنی اپنی مچھلیاں لے کر واپس آگئے جب کہ خضرؑ خالی ہاتھ تھے۔

ذوالقرنینؑ نے کہا کہ آپ کی مچھلی کہاں گئی؟

خضرؑ نے انہیں سارا واقعہ سنایا۔ ذوالقرنینؑ نے کہا: اب مجھے بھی اپنے ساتھ وہاں لے چلو۔

خضرؑ انہیں ساتھ لے کر اس طرف گئے لیکن تلاش کے باوجود وہ چشمہ انہیں نہ مل سکا۔ ذوالقرنینؑ نے کہا: بس معلوم ہوگیا اس کا پانی صرف آپ کے مقدر میں تھا میرے مقدر میں نہیں تھا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ سورج اُفقِ مغرب میں ''جابلقا'' نامی شہر کے قریب گرم پانی میں غروب کرتا ہے۔

احتجاج طبرسی کی ایک طویل روایت کے ضمن میں مرقوم ہے کہ ایک سوال کرنے والے نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا کہ کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ سورج گرم پانی میں غروب کرتا ہے پھر وہاں سے سمندر کو چیرتا ہوا اپنے طلوع کے مقام پر آجاتا ہے۔ پھر اسے وہاں سے عرش کے نیچے لے جایا جاتا ہے' یہاں تک کہ اسے طلوع ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اور اس سے روزانہ سابقہ روشنی چھین لی جاتی ہے اور اسے نور اور روشنی کی نئی چادر پہنائی جاتی ہے۔

وضاحت: اس طرح کی چند دیگر روایات بھی مؤلف نے نقل کی ہیں جب کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باتیں وہ ہیں جنھیں "بطلیموس" نے بہت عرصہ پہلے کہا تھا اور لوگوں نے اس کی باتوں کو مان لیا تھا۔ لہٰذا یہ بات ناممکن ہے کہ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام نے نظامِ بطلیموس کی تائید کی ہو' کیونکہ آج یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سورج غروب نہیں ہوتا وہ ہر وقت دنیا کے کسی نہ کسی خطہ پر چمک رہا ہوتا ہے۔ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے اس کا جو حصہ سورج کے سامنے آتا ہے وہاں دن ہو جاتا ہے اور جو سورج سے ہٹ جاتا ہے وہاں رات ہو جاتی ہے۔

روایات کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی روایات کا تعلق "اسرائیلیات" سے ہے یا پھر لوگوں کے اذہان میں کائنات کے متعلق جو تصور موجود تھا انہوں نے اسے بنیاد بنا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی طرف منسوب کر دیا۔ جہاں تک قرآن مجید کی اس آیت کا تعلق ہے کہ ذوالقرنینؑ نے سورج کو گرم چشمہ میں غروب کرتے دیکھا تو اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ واقعی سورج گرم چشمہ میں غروب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ذوالقرنینؑ کے متعلق فرمایا کہ اس نے ایسا محسوس کیا کہ سورج گرم چشمے میں غروب کر رہا ہے۔ سمندری سفر کے دوران اس طرح کا مشاہدہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ جب ہر طرف سمندر ہی سمندر ہو تو وہاں یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا سورج سمندر سے طلوع کر رہا ہے اور سمندر میں ہی غروب کر رہا ہے۔ (اضافۃ من المترجم عفی عنہ)

مطلعِ شمس کی آبادی

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۙ﴿۹۰﴾

"یہاں تک کہ وہ طلوعِ آفتاب کی منزل پر پہنچا' وہاں اُس نے دیکھا کہ سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جس کے لیے دھوپ سے بچنے کا ہم نے کوئی سامان نہیں کیا"۔

تفسیر عیاشی اور تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے ان لوگوں کو کپڑا بافی کی صنعت کا علم نہیں تھا اور وہ مکان بنانا بھی نہ جانتے تھے۔

قرنِ شیطان کی روایت کی حقیقت

محدثین میں ایک روایت بڑی عام ہے کہ سورج کے طلوع و غروب کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہیے' کیونکہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان سے طلوع و غروب کرتا ہے۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں محمد بن جعفر الاسدی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں شیخ ابوجعفر محمد بن عثمان العمری قدس اللہ روحہ کی وساطت سے امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف سے سوالات پوچھا کرتا تھا اور آپؑ کی طرف سے مجھے تحریری جواب موصول ہوا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ میں نے سوال لکھا کہ کیا یہ سچ ہے کہ سورج ابلیس کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع و غروب کرتا ہے اس لیے ان اوقات میں نماز ممنوع ہے۔

امام علیہ السلام نے اپنے جواب میں یہ کلمات تحریر فرمائے: ''اگر یہ بات سچ ہوتی کہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے سورج طلوع و غروب کرتا ہے تو پھر ان اوقات میں تو نماز پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہوتی کیونکہ نماز سے تو شیطان کی ناک رگڑتی ہے''۔

مقصد یہ ہے کہ اس روایت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

یاجوج و ماجوج

کتاب علل الشرائع سید عبدالعظیم الحسنی سے منقول ہے' انہوں نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں یہ کلمات بھی مذکور ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے دو بیٹوں ''حام'' و ''یافث'' کے لیے بددعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اُن کی صُلب کے پانی کو متغیر کر دے۔ چنانچہ تمام ترک' صقالب' یاجوج و ماجوج اور اہل چین یافث کی نسل سے ہیں۔

روضہ کافی کی ایک روایت میں منقول ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے خشکی پر ایک ہزار دو سو اجناس پیدا فرمائیں اور اسی طرح سے خدا نے تری میں بھی ایک ہزار دو سو اجناس پیدا کیں۔ بنی آدم کی ستر اجناس

ہیں۔ یاجوج و ماجوج کے علاوہ باقی تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: قومِ یاجوج و ماجوج کا ایک شخص اپنی نسل کے ایک ہزار مرد دیکھ کر مرتا ہے اور ملائکہ کے بعد یہ قوم اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ اکثریت رکھنے والی مخلوق ہے۔

کتاب الخصال میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ دنیا سات اقالیم پر مشتمل ہے: ①، ② یاجوج و ماجوج ③ روم ④ چین ⑤ حبشی ⑥ قومِ موسیٰ ⑦ اقلیمِ بابل۔

مجمع البیان میں حذیفہ کی زبانی روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اسلامؐ سے یاجوج و ماجوج کے متعلق سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا: یاجوج علیحدہ اُمت ہے اور ماجوج علیحدہ اُمت ہے اور ہر اُمت چار سو بڑے بڑے گروہوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک شخص تب مرتا ہے جب وہ اپنی اولاد میں سے ایک ہزار ہتھیار بند افراد دیکھتا ہے۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! ان قوموں کے متعلق کچھ مزید تفصیل سے بیان کریں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کی تین اقسام ہیں:

① ان میں سے کچھ لوگ ''ارز'' کی مانند ہیں۔ میں نے کہا: یارسولؐ اللہ! ''ارز'' سے آپ کی کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ شام میں پایا جانے والا طویل القامت درخت ہے۔

② ان میں ایک گروہ ایسا ہے جن کا طول و عرض یکساں ہے اور یہ اتنے سخت جان ہیں کہ وہ لوہے اور پہاڑ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔

③ ان میں ایک گروہ ایسا ہے کہ وہ اپنا ایک کان بطور فرش نیچے بچھاتے ہیں اور دوسرے کان کو لحاف بنا کر اُوپر لیتے ہیں اور یہ جس بھی جاندار اور جنگلی جانور خواہ وہ خنزیر کیوں نہ ہو کے پاس سے گزرتے ہیں تو اسے کھا جاتے ہیں اور ان میں سے جو مر جائے وہ اس کی لاش کھا جاتے ہیں۔ ان کے گروہ کا پہلا فرد شام اور آخری فرد خراسان میں ہوگا۔ وہ لوگ مشرق کے دریا اور بحیرہ طبریہ کا پانی پی جائیں گے۔

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ذوالقرنینؑ نے لوگوں کو یاجوج و ماجوج سے بچانے کے لیے ایک آہنی دیوار کھڑی کی تھی جس کی وجہ سے باقی لوگ ان کے شر سے بچ گئے تھے چنانچہ تفسیر عیاشی کی ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

مومن کے لیے تقیہ بھی ذوالقرنینؑ کی قائم کردہ فولادی دیوار کی مانند ہے۔ اہلِ ایمان کے دشمن اس دیوار پر نہ چڑھ سکتے ہیں اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکتے ہیں۔

الکافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے صوفیہ کی ایک جماعت سے جو سخت ترش قسم کی زندگی بسر کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اپنی جیسی زندگی بسر کرنے کی دعوت دیتے ہیں، فرمایا: تم لوگ زہد کے جھوٹے دعوے کرتے ہو۔ تمھیں سلیمان بن داؤدؑ اور ذوالقرنینؑ کیوں دکھائی نہیں دیتے؟

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ذوالقرنینؑ خدا کا پیارا بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے وسائل مہیا کیے تھے اور اس نے مشرق و مغرب پر حکومت کی تھی۔ وہ ہمیشہ حق بات کہتے تھے اور حق پر عمل پیرا رہتے تھے۔ ہم نے تو کسی کو نہیں پایا جس نے ان کے طرزِ عمل پر اعتراض کیا ہو۔

تفسیر عیاشی میں ہے کہ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُۥ دَكَّآءَ کی ایک باطنی تاویل یہ بھی ہے کہ امامِ زمانہؑ کے ظہور کے وقت تقیہ ختم کر دیا جائے گا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا وقت آئے گا تو ذوالقرنینؑ کی بنائی ہوئی فولادی دیوار ٹوٹ جائے گی۔ چنانچہ قیامت سے قبل آخری زمانہ میں وہ فولادی دیوار گر جائے گی اور یاجوج و ماجوج باہر آ جائیں گے اور لوگوں کو کھا جائیں گے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حدیث میں مذکور ہے کہ یاجوج و ماجوج ساری رات فولادی دیوار کو کھودنے میں لگے رہتے ہیں اور جب صبح ہونے کو آتی ہے تو کہتے ہیں کہ اب چھوڑو اس کا تھوڑا حصہ رہ گیا ہے وہ کل کھود ڈالیں گے اور وہ اِن شاء اللہ نہیں کہتے۔

پھر جب دوسری رات ہوتی ہے اور وہ فولادی دیوار کے پاس آتے ہیں تو وہ پہلے کی مانند جوں کی توں کھڑی ہوتی ہے۔ الغرض ان کے شب و روز اسی طرح ہی گزر جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ جب وہ رات کے وقت کام ختم کریں گے تو ان میں سے ایک کہے گا کہ اب اسے رہنے دو باقی کام اِن شاء اللہ کل کریں گے۔

جب دوسری رات ہوگی تو دیوار کا معمولی حصہ بچا ہوا پائیں گے اور اسے جلدی سے توڑ ڈالیں گے اور باہر آ جائیں گے۔ وہ آبادیوں کا پانی پی جائیں گے۔ لوگ ان کے شر سے بچنے کے لیے قلعوں میں پناہ لیں گے۔ وہ اپنے تیر آسمان کی جانب برسائیں گے تو ان کے تیر خون آلود ہو کر زمین پر گریں گے۔ چنانچہ وہ کہیں گے ہم نے تو آسمان والوں پر بھی غلبہ

حاصل کیا ہے۔ یہ زمین والے بھلا کس باغ کی مولی ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان کی پشت میں ایک کیڑا پیدا کرے گا اور وہ ان کے کانوں میں داخل ہوگا اور کیڑوں کی وبا انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گی جس سے وہ ہلاک ہوجائیں گے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ اختیار میں محمدؐ کی جان ہے مُردار خور جانور اور پرندے ان کی لاشوں کو کھا کھا کر موٹے ہوجائیں گے''۔

شیخ الطائفہ امالی میں لکھتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یاجوج وماجوج سارا دن بیلچے اُٹھا کر فولادی دیوار کو توڑنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور جب شام ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ اب رہنے دو۔ باقی بچا ہوا حصہ کل کھودیں گے۔ جب دوسرے دن وہاں جاتے ہیں تو وہ دیوار پہلے سے بھی مضبوط حالت میں کھڑی ہوتی ہے۔ الغرض ان کے روز وشب اسی جستجو میں گزر رہے ہیں۔ پھر جب خدا کے وعدہ کا وقت آئے گا تو اس وقت ان میں ایک شخص کہے گا کہ اب اس دیوار کو رہنے دو۔ خدا نے چاہا تو باقی کام کل کریں گے۔ چنانچہ جب دوسرے دن وہ آئیں گے تو دیوار کا تھوڑا سا حصہ بچا ہوا ہوگا وہ اسے بڑی جلدی سے توڑ ڈالیں گے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جب وہ باہر آئیں گے تو حالت یہ ہوگی کہ وہ کوفہ کی وادی (دریائے فرات) پی جائیں گے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: یارسولؐ اللہ! یہ کب ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: جب دنیا کا اختتام قریب ہوگا اور ایامِ دنیا برتن میں کسی تلچھٹ کی مانند باقی رہ رہے ہوں گے۔

کتاب الخصال میں حذفہ بن اسید غفاری سے منقول ہے کہ ہم مدینہ منورہ میں ایک دیوار کے سائے کے نیچے بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور حضرت رسولؐ خدا بالا خانہ پر تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے جھانک کر ہماری طرف دیکھا تو فرمایا: کس موضوع پر گفتگو کر رہے ہو؟ ہم نے کہا: ہم قیامت کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: تم قیامت کو اس وقت نہ دیکھو گے جب تک اس سے قبل دس علامات کو نہ دیکھ لو اور وہ یہ ہیں:
① سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ② دجال کا خروج ③ دابۃ الارض کا نمودار ہونا ④ تین مقامات پر زمین کا دھنسنا، زمین مشرق میں دھنسے گی اور زمین مغرب میں دھنسے گی اور جزیرۃ العرب میں زمین دھنسے گی ⑤ عیسیٰ بن مریمؑ کا خروج ⑥ یاجوج وماجوج کا خروج ⑦ سرزمین یمن میں زمین کی تہہ سے آگ کا نکلنا وہ آگ سب لوگوں کو ہانک کر میدانِ حشر کی طرف لے جائے گی۔

تفسیر عیاشی میں اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ کا تعلق روزِ قیامت سے ہے۔

کافروں کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں

الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾

"وہ کافر جن کی نگاہیں میرے ذکر سے پردے میں تھیں اور وہ سننا بھی نہیں چاہتے تھے"۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ محمد بن حکیم نے کہا کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک عریضہ روانہ کیا اور میں نے دریافت کیا کہ کیا نفس کو معرفت کی استطاعت حاصل ہے؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں۔

میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ کا کیا مطلب ہوگا؟

آپؑ نے فرمایا: اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی ایک اور آیت میں یوں بیان کیا ہے: مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿۲۰﴾ (ہود:۲۰) "وہ نہ تو سن سکتے تھے اور نہ ہی دیکھتے تھے"۔

میں نے کہا: جب خدا نے ہی انہیں سننے کی صلاحیت سے محروم کردیا تھا تو پھر خدا نے ان کا شکوہ کیوں کیا؟

آپؑ نے کہا کہ خدا نے ان سے جو سلوک کیا اس کے اسباب بھی انھی کے پیدا کردہ تھے اس لیے خدا نے ان کا شکوہ کیا ہے۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ مامون الرشید نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ (وہ کہ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردہ میں تھیں اور وہ سن بھی نہیں سکتے تھے) آنکھیں کا ذکر سے کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ ذکر کا آنکھ سے کوئی تعلق نہیں ہے آخر اللہ تعالیٰ نے ایسا کیوں فرمایا؟

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: یہ صحیح ہے کہ آنکھوں کا ذکر سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ولایتِ علیؑ کے منکرین کو اندھوں سے تشبیہ دی ہے۔ وہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کے فضائل کے متعلق نبی اکرمؐ کی

احادیث کو سننا پسند نہیں کرتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کہا: وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ "وہ سن بھی نہیں سکتے تھے"۔

مامون نے کہا: ابوالحسنؑ! آپؑ نے ہماری ایک مشکل حل کر دی، اللہ تعالیٰ آپؑ کی مشکلات حل فرمائے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کی مذمت میں نازل ہوئی جو آسمان و زمین کی نشانیوں کو نہیں دیکھتے تھے۔

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

''کیا کافر یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کا اپنا کارساز بنالیں گے؟ یقیناً ہم نے دوزخ کو کافروں کی ضیافت کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ اور کیا ہم آپ کو ان لوگوں کے بارے میں خبر دیں جو اعمال کے لحاظ سے بدترین خسارہ میں ہیں؟

یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی تمام کدو کاوش دنیاوی زندگی میں بھٹکی رہی اور وہ اپنے تئیں یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اچھے اعمال سرانجام دے رہے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی آیات اور اس کے حضور پیش ہونے سے انکار کیا ہے۔ ان کے سارے اعمال اکارت ہوگئے۔ قیامت کے دن ہم ان کے لیے کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔ ان کی جزا جہنم ہے' کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اُڑایا۔ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کی ضیافت کے لیے فردوس کے باغ ہوں گے۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اس کی تبدیلی کی خواہش نہ کریں گے۔

آپ کہہ دیں کہ اگر میرے رب کے کلمات کے لیے سمندر سیاہی بن جائیں تو وہ ختم ہوجائے' لیکن میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں' بلکہ اگر ہم اتنی سیاہی اور بھی لے آئیں تو بھی سیاہی ختم ہوجائے گی۔

آپ کہہ دیں کہ میں تمہارے جیسا ہی انسان ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس اکیلا موجود ہے۔ پس جو کوئی رب کی ملاقات کا امیدوار ہو تو اسے چاہیے کہ نیک عمل بجالائے اور کسی کو اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ کرے''۔

کافروں کی ضیافت دوزخ سے ہوگی

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَاۗءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝

"کیا کافر یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں گے؟ یقیناً ہم نے جہنم کو کافروں کی ضیافت کے لیے تیار کر رکھا ہے"۔

مقصدِ آیت یہ ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے خدا کو چھوڑ دیا ہے اور خدا کے بندوں کی مورتیاں بنا کر انہیں راضی کرنے میں مصروف ہیں یا انبیاء و اولیاء سے اپنا الحاق قائم کرنے کے دعوے کرتے ہیں تو کیا ان کا گمان یہ ہے کہ میں ان پر غضب ناک نہیں ہوں گا؟ اور اگر وہ یہ سمجھتے ہیں تو پھر یہ ان کی خام خیالی ہے۔ ہم نے ان کی ضیافت کے لیے دوزخ آمادہ کی ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم کی ایک روایت میں اس آیت کی ایک باطنی تاویل یہ بھی مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی ولایت و امامت کے منکر بھی اغیار سے جو اُمیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں ان کی تمام اُمیدیں نقش بر آب ثابت ہوں گی اور ان کے خود ساختہ رہبر انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکیں گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا۔

خسارہ اٹھانے والے کون؟

قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ؕ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ﴿۱۰۴﴾

"اور کیا ہم آپ کو ان لوگوں کے بارے میں خبر دیں جو اعمال کے لحاظ سے بدترین خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کی تمام کدوکاوش دنیاوی زندگی میں بھٹکی رہی اور وہ اپنے تئیں یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اچھے اعمال سرانجام دے رہے ہیں"۔

عوالی اللئالی میں مرقوم ہے کہ جو لوگ فریضۂ حج کو آج اور کل پر ٹالتے رہے ہیں وہ لوگ بلحاظِ اعمال سخت خسارہ میں مبتلا ہیں۔

عیون الاخبار میں مرقوم ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے مخالف اور ان کے سیاسی حریف بھی اس آیت کے ضمن میں شامل ہیں۔

اصولِ کافی میں علی بن سوید سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ وہ کون سی خود پسندی ہے جو عمل کو تباہ کر دیتی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: خود پسندی کے بھی کئی درجے ہیں۔ خود پسندی کی ایک قسم یہ ہے کہ انسان اپنے بُرے عمل کو بھی اچھا تصور کرنے لگ جائے۔ خود پسندی کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ انسان کوئی نیک عمل کر کے خدا پر احسان جتلانے لگ جائے۔

احتجاج طبرسی میں مذکور ہے کہ ابن کوا نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے کہا: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ کی آیت کن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی؟

آپؑ نے فرمایا: یہ یہود و نصاریٰ کے بدعتی گروہوں کے متعلق نازل ہوئی، جو کہ پہلے حق پر تھے بعد ازاں انہوں نے اپنے دین میں بدعات کو شامل کر دیا اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ درست کام کر رہے ہیں۔

مجمع البیان کی روایت میں مذکورہ الفاظ کے ساتھ یہ الفاظ بھی مرقوم ہیں: اہلِ نہروان بھی ان میں شامل ہیں۔

قوله تعالٰی: فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾

(ہم قیامت کے دن ان کے لیے میزان قائم نہ کریں گے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ ایک لحیم و شحیم شخص کو قیامت کے روز لایا جائے گا جس کا وزن خدا کی نظر میں مچھر کے پَر کے برابر بھی نہ ہوگا۔

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ان میں کفر کے رہبر، گمراہی کے داعی بھی ہیں جن کے اعمال کے وزن کے لیے میزان ہی نصب نہ کیا جائے گا اور خدا کی طرف سے ان پر ذرہ برابر بھی توجہ نہ دی جائے گی، کیونکہ اُنھوں نے خدا کے اوامر و نواہی کی پرواہ نہیں کی تھی۔ وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ کی آیت کے مصداق نصاریٰ، ان کے مشائخ، ان کے راہب اور مسلمانوں میں سے اہلِ شبہات اور خواہشات کی پیروی کرنے والے اور خوارج اور تمام اہلِ بدعت ہیں۔

علی بن ابراہیم اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ (ان کی جزا جہنم ہے کیونکہ اُنھوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا) کی آیت مجیدہ اگرچہ یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی، لیکن قاعدۂ جری و تطبیق کے تحت یہ آیت ان لوگوں کے لیے بھی وعید ہے جنھوں نے اوصیائے رسول کا مذاق اڑایا ہوگا۔

قولہ: خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ ''وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے اور اس کی تبدیلی کی خواہش نہ کریں گے''۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

''آپ کہہ دیں کہ اگر میرے رب کے کلمات کے لیے سمندر سیاہی بن جائیں تو وہ ختم ہو جائیں گے لیکن میرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں گے' بلکہ اگر ہم اتنی سیاہی اور بھی لے آئیں تو بھی یہی کچھ ہوگا''۔

الکافی میں ابوبصیر کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس بات کی خبر دی ہے کہ اس کے کلام کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

پھر میں (راوی) نے کہا: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ (یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور عملِ صالح انجام دیئے تو فردوس کے باغات ان کی ضیافت ہوں گے) کی آیت کا اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے۔

آپؑ نے فرمایا: یہ آیت حضرت ابوذر غفاری' مقداد' سلمان فارسی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل ہوئی۔ ان کا ٹھکانہ جنت الفردوس میں ہوگا۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ عبادہ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جنت کے ایک سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان جتنا فاصلہ ہے''۔

رسول اکرمؐ بھی انسان تھے

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

''آپ کہہ دیں کہ میں تمہارے جیسا ہی انسان ہوں' میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس اکیلا معبود ہے پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو تو اسے چاہیے کہ نیک عمل بجالائے اور

کسی کو اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ کرے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیت بالا کے متعلق منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باقی لوگوں کی طرح سے مخلوق تھے اور جو اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو تو وہ ولایتِ آلِ محمدؐ میں غیروں کو شریک نہ کرے۔ ان کی ولایت عملِ صالح ہے۔ جو کوئی اپنے رب کی عبادت میں شریک بناتا ہے تو وہ ہماری ولایت میں بھی اغیار کو شریک بناتا ہے اور وہ ولایت کا انکار کرتا ہے اور ایسا شخص امیرالمومنینؑ کے حق اور ان کی ولایت کا منکر ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسولؐ خدا سے فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ کا مفہوم پوچھا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جو لوگوں کو دکھانے کی غرض سے نماز پڑھے وہ مشرک ہے اور جو لوگوں کو دکھانے کی غرض سے زکوٰۃ دے وہ مشرک ہے اور جو لوگوں کو دکھانے کے لیے روزہ رکھے وہ مشرک ہے اور جو لوگوں کو دکھانے کے لیے حج کرے وہ مشرک ہے۔ جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس کا خدا نے حکم دیا ہو لیکن وہ ایسا لوگوں کو دکھانے کی غرض سے کرے تو وہ مشرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی ریاکار کا عمل قبول نہیں کرتا۔

کتاب ثواب الاعمال میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو شخص قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ...... کی آیتِ مجیدہ پڑھ کر بستر پر سوئے تو اس کے بستر سے نور برآمد ہوگا جو بیت اللہ الحرام تک پھیلا ہوا ہوگا اور جس کا نور بیت اللہ میں ہو تو اس کا نور بیت المقدس تک ضرور ہوتا ہے۔

کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے سامنے بہت سی ایسی آیات پیش کیں جن کا مطلب و مفہوم متشابہ تھا۔ آپؑ نے اس کے سوال کا تفصیلی جواب دیا اور آپؑ نے اپنے جواب میں یہ کلمات بھی فرمائے: بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ (السجدہ:۱۰) (بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر تھے)۔

یہاں لفظ ''لقاء'' سے خدا کے حضور پیش ہونا مراد ہے۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ (البقرہ:۴۶) (وہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں) یہاں بھی ملاقات سے مراد اٹھایا جانا ہے اور اس آیت میں لفظ ''ظن'' گمان کے بجائے یقین کے معنی میں ہے۔

اسی طرح سے مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ (العنکبوت:۵) کی آیتِ مجیدہ کا یہ مفہوم ہے کہ جو بھی قبر سے اٹھنے کا امیدوار ہو تو خدا کا مقرر کردہ وقت آنے ہی والا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں ''لقاء'' بمعنی بعثت ہے۔ یہاں

لفظ "لقاء" رؤیت کے معانی میں نہیں ہے۔ جان لو کہ قرآنِ کریم میں جہاں کہیں بھی لفظ "لقاء" آیا ہے اس سے قبروں سے مبعوث ہونا مراد ہے۔

علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ جب امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام وضو کرتے تو آپؑ کسی کو پانی ڈالنے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور اگر کوئی پانی ڈالنا چاہتا تو آپؑ اسے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں کسی کو اپنی نماز میں شریک کرنا پسند نہیں کرتا۔

اصول کافی میں ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص ثواب کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ لوگوں میں شہرت کی غرض سے بجا لائے اور وہ چاہتا ہو کہ لوگ اس کی تعریف کریں تو اس نے اپنے رب کی عبادت میں شرک کیا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: جو شخص اپنی نیکی کو لوگوں سے چھپائے گا تو اللہ تعالیٰ ایک نہ ایک دن اس کی نیکی کو ظاہر کرے گا اور جو شخص کوئی برائی چھپائے گا تو ایک نہ ایک دن اللہ تعالیٰ اس کی برائی کو ظاہر کرے گا۔

زرارہ بن اعین کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص خدا کی رضا کے حصول کے لیے نیکی کا کوئی کام سرانجام دیتا ہے اور اسے کوئی دوسرا انسان دیکھ لیتا ہے اور وہ خوش ہو جاتا ہے تو اس سے اس کی عبادت میں کوئی فرق پڑے گا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے۔ ہر شخص دلی طور پر چاہتا ہے کہ لوگوں میں اس کی اچھائی ظاہر ہو۔ البتہ ضروری ہے کہ انسان لوگوں کو دکھاوے کی نیت سے نیکی نہ بجا لائے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص رات کے کسی حصہ میں اٹھنے کا خواہش مند ہو تو سوتے وقت قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ...... کی آیت پڑھ کر اپنے اُوپر دَم کرے، اِن شاء اللہ وقت مقررہ پر بیدار ہوگا۔

الکافی میں حسن بن علی الوشاء سے منقول ہے کہ میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے سامنے لوٹا رکھا ہوا تھا اور آپؑ نماز کے لیے وضو کرنا چاہتے تھے۔ میں آپؑ کے قریب گیا اور میں نے لوٹا اٹھایا تاکہ میں آپؑ کو وضو کراؤں۔

آپؑ نے مجھ سے فرمایا: حسن! رُک جاؤ۔

میں نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! آپؑ مجھے ثواب سے کیوں محروم رکھنا چاہتے ہیں؟

جائے گا۔
آپؑ نے فرمایا: تمھیں تو ثواب مل جائے گا اور مجھ پر بوجھ پڑ جائے گا۔
میں (راوی) نے عرض کیا: وہ کیسے؟
آپؑ نے فرمایا: کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا۝ جب بھی میں نماز کے لیے وضو کرتا ہوں تو میں اس عبادت میں کسی کو شریک کرنا پسند نہیں کرتا"۔

من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سونے سے قبل قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ......کی آیتِ مجیدہ پڑھ کر سوئے تو اس کے لیے مسجد الحرام سے نور چمکے گا اور اس نور کے ساتھ فرشتے ہوں گے جو اس کے لیے استغفار کریں گے۔

مجمع البیان میں سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ مجاہد نے کہا کہ ایک شخص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں خدا کی راہ میں صدقہ دیتا ہوں اور صلہ رحمی کرتا ہوں۔ میں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے کرتا ہوں لیکن جب کوئی شخص میری نیکی کا تذکرہ کرتا ہے تو مجھے اس سے خوشی محسوس ہوتی ہے اور عجیب طرح کی خود پسندی مجھ میں آ جاتی ہے؟

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

صاحب مجمع البیان نے صحیح مسلم کے حوالے سے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شرکاء میں سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں۔ جو کوئی شخص نیکی کا کوئی کام کرے اور اس کام میں وہ میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرے تو میں اس عمل سے بیزار ہو جاتا ہوں اور وہ سارا عمل اس کے شریک کے سپرد کر دیتا ہوں۔

عبادہ بن صامت اور شداد بن اوس بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ یہ فرماتے تھے: "جس نے ریاکاری کے لیے نماز پڑھی تو اس نے شرک کیا اور جس نے ریاکاری کے لیے روزہ رکھا تو اس نے شرک کیا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا۝

روایت میں مذکور ہے کہ ایک دن حضرت امام علی رضا علیہ السلام مامون کے پاس گئے۔ وہ اس وقت وضو کر رہا تھا اور ایک غلام وضو کے لیے پانی ڈال رہا تھا۔ آپؑ نے یہ منظر دیکھا تو آپؑ نے فرمایا: اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ مامون نے غلام سے لوٹا لے لیا اور خود وضو کیا۔

ابی بن کعب کہتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سوتے وقت قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ...... کی پوری آیت پڑھ کر سوئے تو اس کے بستر سے نور برآمد ہوگا جس کی روشنی کعبہ تک ہوگی اور اس نور کی شعاع میں فرشتے ہوں گے جو اس کے لیے رحمت طلب کریں گے جب تک وہ بستر پر لیٹا رہے گا تو وہ نور برآمد ہوتا رہے گا۔ اور اگر کوئی شخص مکہ میں سوتے وقت یہ آیت پڑھے تو اس کے نور کی شعاع بیت المعمور تک کا سفر کرے گی اور اس شعاع کے درمیان فرشتے ہوں گے جو اس کے بیدار ہونے تک اس کے لیے رحمت طلب کرتے رہیں گے۔

حضرت علی علیہ السلام سے بھی یہ روایت انھی الفاظ سے منقول ہے۔

تفسیر عیاشی میں علا بن فضیل سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ کی آیت مجیدہ کا مفہوم دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: "جو شخص لوگوں کی تعریف حاصل کرنے کی غرض سے نماز پڑھے یا روزہ رکھے یا کسی غلام کو آزاد کرے یا حج کرے تو اس نے اپنے عمل میں شرک کیا۔ ایسا شخص مشرک ہے لیکن مغفور ہے۔

وضاحت: فیض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ (النساء:۴۸) میں جس شرک کے معاف نہ کرنے کا اعلان کیا ہے اس سے شرک جلی مراد ہے، شرک خفی مراد نہیں ہے۔ (نقلاً عن حاشی الکتاب)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں بہترین شریک ہوں جو شخص کوئی نیک عمل کرے اور اس کا مقصد میرے ساتھ کسی اور کی خوشنودی حاصل کرنا بھی ہو تو میں وہ عمل اس شریک کے سپرد کر دیتا ہوں۔

حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے اگر کوئی شخص کوئی نیک کام اللہ تعالیٰ کی رحمت اور روزِ آخرت کی کامیابی کے لیے کرے پھر اس عمل میں لوگوں میں سے کسی ایک کی رضامندی کو داخل کرے تو وہ مشرک قرار پائے گا۔

سماعہ بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ کی آیت کا مفہوم دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

"عملِ صالح ائمہؑ کی معرفت ہے اور رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنے کا ایک تقاضا یہ ہے کہ علیؑ کے ساتھ اغیار کو خلافت میں شریک نہ کرے"۔

ooo

سُورَۃ مریم
سورۃ مریم مکیۃ ایاتھا ۹۸ ورکوعاتھا ۶
''سورہ مریم مکہ میں نازل ہوئی' اس کی آیات اٹھانوے اور اس کے رکوع چھ ہیں''

فضائل سورۂ مریم

کتاب ثواب الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"جو شخص سورۂ مریم کو کثرت سے پڑھے تو مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کی جان و مال اور اولاد میں کفایت فرمائے گا اور آخرت میں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں محشور کیا جائے گا اور اسے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی حکومت کے برابر ثواب دیا جائے گا"۔

مجمع البیان میں ابی بن کعب سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص سورۂ مریم پڑھے تو حضرت زکریا، یحییٰ، مریم، موسیٰ، عیسیٰ، ہارون، ابراہیم، اسحاق، یعقوب اور اسماعیل علیہم السلام کے ماننے والوں اور ان کے انکار کرنے والوں کی مقدار سے اسے دس گنا زیادہ نیکیاں عطا کی جائیں گی اور جن لوگوں نے خدا کے لیے فرزند کا عقیدہ رکھا اور جن لوگوں نے خدا کو فرزند سے پاک مانا' ان سب کی تعداد کے برابر اسے نیکیاں عطا کی جائیں گی"۔

سورہ مریم کے مرکزی موضوعات

اس سورہ مبارکہ میں حضرت زکریاؑ کی دُعا اور حضرت یحییٰؑ کی پیدائش اور حضرت مریمؑ کے واقعات اور حضرت عیسیٰؑ کی معجزانہ ولادت اور حضرت عیسیٰؑ کی بچپن کی تقریر' خدا اولاد سے پاک ہے' حضرت ابراہیمؑ کی تبلیغ' حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کا تذکرہ' حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ادریسؑ کی عظمتوں کا بیان' بعد میں آنے والی نااہل نسل کا ذکر' جنت کی نعمات اور وارثانِ جنت' شیاطین منکرین حق پر نازل ہوتے ہیں۔ خدا کے لیے والد ہونے کا عقیدہ بہت بڑا جرم ہے اور اہلِ ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کرتا ہے جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿٢﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ﴿٥﴾ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْــًٔا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ

الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝١٢ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۝١٣ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝١٤ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝١٥

سہارا اللہ کے نام کا جو کہ رحمٰن و رحیم ہے

"ک، ہ، ی، ع، ص۔ تیرے پروردگار کی اس رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریاؑ پر کی تھی۔ جب اس نے چپکے چپکے اپنے رب کو پکارا۔ کہا، اے پروردگار! میری ہڈیاں تک کمزور ہو چکی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اُٹھا ہے اور میں کبھی تجھ سے دعا مانگ کر نامراد اور بد بخت نہیں رہا۔ مجھے اپنے پیچھے اپنے چچازاد بھائیوں کا خوف ہے جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اپنی طرف سے مجھے ایک وارث عطا فرما جو میری میراث حاصل کرے اور آلِ یعقوبؑ کی میراث کا حصہ بھی پائے۔ پروردگار! اسے پسندیدہ انسان بنانا۔

(جواب ملا) اے زکریاؑ! ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحیٰ ہوگا۔ ہم نے اس سے قبل اس نام والا شخص پیدا نہیں کیا۔ زکریاؑ نے کہا: پروردگار! بھلا میرے ہاں بیٹا کیسے پیدا ہوگا جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی آخری منزل پر پہنچ چکا ہوں۔ جواب آیا: ایسا ہی ہوگا' تیرا پروردگار کہہ رہا ہے کہ یہ میرے لیے بڑا آسان سا کام ہے۔ اس سے پہلے میں نے تجھے پیدا کیا جب کہ تو تو کوئی چیز تک نہ تھا۔

زکریاؑ نے کہا: پروردگار! میرے لیے کوئی علامت مقرر فرما۔ خدا نے کہا: تیرے لیے علامت یہ ہے کہ تو تین روز مسلسل لوگوں سے گفتگو نہ کر سکے گا۔ چنانچہ وہ محراب سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آیا اور اس نے انھیں اشارہ سے ہدایت کی کہ صبح و شام تسبیح کرو۔

اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھام لے اور ہم نے اسے بچپن سے ہی قوتِ فیصلہ عطا کر دی تھی اور ہم نے اپنی طرف سے اسے نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی اور وہ پرہیزگار تھا اور اپنے والدین سے بھلائی کرنے والا تھا۔ وہ نافرمان وسرکش نہ تھا۔ اس پر سلام ہو جس روز وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا''۔

حروفِ مقطعات اور واقعۂ کربلا

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت حجت قائم عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی ایک طویل گفتگو مرقوم ہے کہ سعد بن عبداللہ قمی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے آقا ومولا سے کٓھٰیٰعٓصٓ کی تاویل دریافت کی تو آپؑ نے فرمایا: ان حروف کا تعلق غیب کی خبروں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کو کچھ آنے والے حالات کی خبر دی تھی اور انھیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سے آگاہ کیا تو زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی وہ انھیں پنج تن پاکؑ کے ناموں کی تعلیم دے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کو نازل کیا اور اُنھوں نے پنج تن پاکؑ کے نام انھیں تعلیم کیے۔ جب حضرت زکریا، حضرت محمد مصطفیٰ، علی مرتضیٰ، حضرت فاطمہ زہراء اور امام حسن مجتبیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین کا نام لیتے تو ان کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی اور ان کی پریشانیاں دُور ہو جاتی تھیں، لیکن جب وہ امام حسینؑ کا نام لیتے تو ان کے دل میں غم پیدا ہو جاتا تھا اور شدتِ غم سے اُن کے آنسو ٹپکتے تھے اور ان کی چیخیں برآمد ہوتی تھیں۔

ایک دن اُنھوں نے رب العالمین سے عرض کیا: پروردگار! نجانے اسمِ حسینؑ میں کیا راز ہے کہ جب بھی ان کا نام لیتا ہوں تو مجھ پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور میری چیخیں بلند ہونے لگ جاتی ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے انھیں واقعۂ کربلا سے تفصیل سے آگاہ کیا اور فرمایا: کٓھٰیٰعٓصٓ ''ک'' کا اشارہ کربلا کی طرف ہے۔ ''ھا'' کا اشارہ ہلاکتِ عترت کی طرف ہے۔ ''یا'' کا اشارہ یزید لعین کی طرف ہے۔ ''ع'' کا اشارہ حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ کی عطش یعنی پیاس کی طرف ہے۔ ''ص'' کا اشارہ صبرِ حسینؑ کی طرف ہے۔

جب حضرت زکریاؑ نے حضرت امام حسینؑ کی مظلومیت کی داستان سنی تو آپ پورے تین دن تک اپنی مسجد میں بیٹھ گئے اور آپؑ نے لوگوں سے ملاقات نہ کی۔ آپؑ مسلسل تین دن تک روتے رہے اور رو رو کر کہتے تھے کہ خدایا! کیا تو اپنے

رسول کو یہ صدمہ پہنچائے گا؟ اور کیا اتنی بڑی مصیبت محمدؐ کے گھرانے پر نازل ہوگی؟ اور کیا علیؑ و بتولؑ کو اس مصیبت کا لباس پہنائے گا؟ خدایا! کیا اتنی بڑی مصیبت کے بعد اس خاندان کو کبھی خوشی بھی نصیب ہوگی؟

پھر انھوں نے کہا: پروردگار! مجھے ایک بیٹا عطا کر جو بڑھاپے میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہو اور اسے میرا وارث اور وصی بنا اور میرے گھر میں اسے وہی مقام عطا کر جو محمدؐ کے گھرانے میں حسینؑ کا ہو اور میرے دل میں اس کی بے پناہ محبت پیدا فرما اور مجھے بھی اس کی مظلومانہ شہادت کا ویسے ہی صدمہ پہنچا جیسا کہ تو اپنے حبیب محمدؐ کو پہنچائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں یحییٰؑ عطا کیا اور پھر یحییٰؑ کے ذریعہ سے انھیں صدمہ پہنچایا۔ حضرت یحییٰؑ ماں کے شکم میں چھ ماہ تک رہے تھے اور امام حسین علیہ السلام بھی چھ ماہ تک شکمِ مادر میں رہے تھے۔

یہ روایت مناقب ابن شہر آشوب میں بھی مرقوم ہے۔

کتاب معانی الاخبار میں سفیان بن سعد ثوری سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

کٓھٰیٰعٓصٓ کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ اَنَا الْكَافِي الْهَادِي الْوَلِيُّ الْعَالِمُ الصَّادِقُ الْوَعْدُ ''میں کفایت دینے والا، ہدایت کرنے والا، سرپرست، عالم اور صادق الوعد ہوں''۔

محمد بن عمارہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت امام صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور اُس نے آپؑ سے کٓھٰیٰعٓصٓ کی تاویل دریافت کی۔ آپؑ نے فرمایا: اس کی ایک باطنی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حرف ''کاف'' سے کہہ رہا ہے کہ میں شیعانِ آلِ محمدؐ کے لیے کافی ہوں اور حرف ''ھا'' سے یہ کہتا ہے کہ میں ان کا ہادی ہوں۔ حرف ''یا'' سے کہہ رہا ہے کہ میں ان کا وصی یعنی سرپرست ہوں اور حرف 'عین' سے یہ کہہ رہا ہے کہ میں اہلِ اطاعت کا عالم ہوں اور حرف ''صاد'' سے یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے ان سے جنت کے جن منازل کا وعدہ کیا ہے میں صادق الوعد ہوں۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اپنی دعا میں کہتے تھے: اَسْئَلُكَ يَا كٓهٰيٰعٓصٓ ''اے کٓھٰیٰعٓصٓ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں''۔

وضاحت: اگر یہ روایت درست ہے تو پھر یہ اسمائے الٰہی میں سے ایک اسم ہے۔ (من المترجم)

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ حروفِ مقطعات اللہ تعالیٰ کے اسماء کے مخفف ہیں اور لفظ کٓھٰیٰعٓصٓ کی پوری عبادت یہ ہے:

اَللّٰهُ هُوَ الْكَافِي الْهَادِي الصَّادِقُ ذُوالْاَيَادِي الْعِظَامِ۔

''اللہ تعالیٰ ہی کافی، ہادی، صادق اور عظیم نعمات عطا کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ ویسا ہی ہے جیسا کہ اس نے اپنی توصیف خود کی ہے''۔

دعائے زکریاؑ

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝

''جب اس نے چپکے چپکے سے اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں تک کمزور ہوچکی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اُٹھا ہے اور میں کبھی تجھ سے دعا مانگ کر بدبخت اور نامراد نہیں رہا''۔

مجمع البیان میں ہے کہ حدیث میں مروی ہے کہ بہترین دعا وہ ہے جو چپکے چپکے کی جائے اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہوجائے۔

کتاب علل الشرائع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ابتداء میں لوگوں کے بال سفید نہیں ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی داڑھی میں کچھ سفید بال دیکھے تو انھوں نے خداوندعالم سے کہا: خدایا! یہ کیا ہے؟ خداوندعالم نے فرمایا: یہ وقار ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا: خدایا! میرے وقار میں اضافہ فرما۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک صبح ابراہیم علیہ السلام اُٹھے تو اُنھوں نے اپنی داڑھی میں سفیدی دیکھی تو اُنھوں نے کہا کہ خدا کی حمد ہے کہ میں عمر کے اس حصہ تک پہنچ گیا ہوں اور میں نے ایک لمحہ کے لیے بھی خدا کی نافرمانی نہیں کی۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے تھے: لوگ بوڑھے ہوجاتے تھے، لیکن اُن کے بالوں میں سفیدی نہیں آتی تھی اور اگر کسی محفل میں باپ بیٹا بیٹھے ہوتے تو لوگوں کو پہچان نہ ہوتی تھی کہ ان میں باپ کون ہے اور بیٹا کون ہے اور لوگوں کو پوچھنا پڑتا تھا کہ باپ کون ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے دعا مانگی کہ خدایا میرے لیے ایک نشانی مقرر کر، تاکہ معلوم ہو کہ میں بڑا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کا سر سفید ہو گیا اور داڑھی بھی سفید ہو گئی۔

کتاب الخصال میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: سر کے اگلے حصہ کی سفیدی برکت ہے اور کانوں کے دونوں طرف کی سفیدی شجاعت کی علامت ہے اور سر کے پچھلے کی سفیدی نحوست ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: سفید بال نہ چنا کرو یہ مسلم کا نور ہے۔ جس کے سر کے بال اسلام میں سفید ہوں تو وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور کا ذریعہ بنیں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: تین قسم کے افراد ایسے ہیں کہ قیامت کے دن خدا ان سے کلام نہ کرے گا اور ان کی طرف نگاہِ رحمت سے نہیں دیکھے گا اور انھیں گناہوں سے پاک نہ کرے گا اور انھیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا: ① اپنے جسم سے سفید بال چننے والا ② مشت زنی کرنے والا ③ لواطت کرنے والا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ وَلَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا۝ کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگار! آج تک تو نے کبھی میری دعا رد نہیں کی ہے۔ میں نے جب سے تجھ سے کوئی دعا مانگی تو تو نے اسے شرفِ قبولیت بخشا ہے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت مریمؑ کی بڑی بہن حضرت زکریاؑ کی بیوی تھیں اور حضرت مریمؑ بھی حضرت زکریاؑ کے گھر میں پلتی تھیں۔ حضرت زکریاؑ نے کئی بار دیکھا کہ حضرت مریمؑ کے حجرۂ عبادت میں بے موسے پھل موجود ہوتے تھے۔ سردیوں کے پھل گرمیوں میں اور گرمیوں کے پھل سردیوں میں اُن کے ہاں دکھائی دیتے تھے۔ حضرت زکریاؑ نے بی بی سے فرمایا کہ مریمؑ! یہ پھل کہاں سے آئے ہیں؟ اُنھوں نے کہا کہ یہ خدا کی طرف سے آئے ہیں۔

اس وقت حضرت زکریاؑ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: خدایا! اگر موسم سے ہٹ کر تو مریمؑ کو پھل دے سکتا ہے تو پھر مجھ پر بھی کرم فرما۔ اس وقت اولاد کے لیے میرا موسم بھی نہیں ہے' کیونکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے اس کے باوجود اگر تو عطا کرنا چاہے تو مجھے بیٹا عطا کر۔ (اس کے بعد کا واقعہ قرآن مجید کی آیات میں موجود ہے)۔

قولہ: وَاِنِّىۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِىَ مِنۡ وَّرَآءِىۡ ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ''موالی'' سے چچا اور چچازاد افراد مراد ہیں''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں اولاد نہ تھی' اس لیے اُنھوں نے کہا تھا کہ مجھے اپنے چچازاد رشتہ داروں کا خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے۔

بنی اسرائیل ''اَحبار'' کے لیے ہدیے لایا کرتے تھے اور حضرت زکریا علیہ السلام ''اَحبار'' کے سردار تھے۔ حضرت زکریاؑ کی بیوی حضرت مریمؑ کی بہن تھیں اور وہ عمران بن ماثان کی بیٹی تھیں۔ اس وقت یعقوب بن ماثان اور دیگر بنی ماثان بنی اسرائیل کے سردار تھے اور وہ حضرت سلیمان بن داوٗدؑ کی نسل میں سے تھے۔

الکافی میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک قبر کے پاس سے ہوا۔ آپؑ نے نورِ نبوت سے محسوس کیا کہ صاحبِ قبر کو عذاب ہو رہا ہے۔ پھر ایک سال بعد آپؑ اسی قبر کے پاس سے گزرے تو آپؑ نے محسوس کیا کہ صاحبِ قبر پر عذاب نہیں ہو رہا۔ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: پروردگار! ایک سال قبل ایک قبر پر عذاب ہو رہا تھا' لیکن ایک سال بعد اس پر کوئی عذاب نہیں ہے' آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اس صاحبِ قبر کا بیٹا بڑا ہو گیا ہے اور وہ نیک انسان ہے۔ اس نے راستہ درست کیا اور ایک یتیم کو پناہ دی اسی لیے میں نے اس کے والد کے عذاب کو ختم کر دیا۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: نیک بیٹا خدا کی طرف سے انسان کے لیے تحفہ ہے' جو اس کے مرنے کے بعد خدا کی عبادت کرتا رہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ حدیث سنانے کے بعد قرآنِ مجید کی یہ آیت پڑھی: فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝

احتجاج طبرسی کی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جب اہلِ حکومت نے سیدہؑ کی میراث پر قبضہ کیا تو حضرت سیدہؑ اپنی میراث کا مطالبہ کرنے کے لیے مسجد میں گئیں اور جب اُنھوں نے اپنی میراث کا مطالبہ کیا تو فریق ثانی نے کہا کہ انبیاء کی میراث سرے سے ہوتی ہی نہیں ہے؟

اس کے جواب میں حضرت سیدہؑ نے ''وارث سلیمان داوٗد'' (سلیمان داوٗد کا وارث بنا) اور فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ...... کی آیت پڑھی کہ حضرت زکریاؑ نے خدا سے اپنا وارث مانگا۔

پھر حضرت سیدہؑ نے فرمایا: اگر نبی کی میراث سرے سے ہوتی ہی نہیں تو پھر حضرت زکریاؑ نے وارث کیوں مانگا؟ اور اللہ تعالیٰ نے انھیں یحییٰ علیہ السلام کی صورت میں وارث کیوں عطا کیا اور پھر اس کا قرآن میں ذکر کیوں کیا؟

امام حسینؑ اور حضرت یحییٰؑ کی مشابہت

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت امام حسین اور حضرت یحییٰ علیہم السلام میں بہت سی باتوں کی مشابہت پائی جاتی ہے:

① حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے دنیا میں کسی کا نام "یحییٰ" نہیں تھا اور امام حسین علیہ السلام سے پہلے کسی کا نام "حسین" نہیں تھا۔

② حضرت یحییٰ علیہ السلام شکمِ مادر میں چھ ماہ تک رہے اور امام حسین علیہ السلام بھی شکمِ مادر میں چھ ماہ تک رہے۔

③ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت پر آسمان چالیس دن تک روتا رہا اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر بھی آسمان چالیس دن تک روتا رہا۔ کسی نے پوچھا کہ مولا! آسمان کیسے رویا؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: صبح کے وقت سرخی نمودار ہوتی تھی اور غروب کے وقت بھی سرخی نمودار ہوتی تھی۔

④ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قاتل ولد الزنا تھا اور امام حسین علیہ السلام کا قاتل بھی ولد الزنا تھا۔

⑤ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر حاکمِ وقت کے سامنے پیش کیا گیا اور امام حسین علیہ السلام کا سرِ مبارک بھی حاکمِ وقت کے سامنے پیش کیا گیا۔

⑥ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوا، اور اس کی پاداش میں ہزاروں افراد کو قتل کرایا اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی وجہ سے خدا قاتلوں پر ناراض ہوا اور ہزاروں قاتلوں کو قتل کرایا۔

وضاحت: ②، ⑤ اور ⑥ نمبر کے مشابہات مترجم کی طرف سے ہیں اسے امام علیہ السلام کا بیان نہ سمجھا جائے۔

شیخ مفید کتاب ارشاد میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد علیہ السلام نے جب مدینہ چھوڑا اور کوفہ کی طرف سفر اختیار کیا تو آپؑ ہر منزل پر جہاں بھی قیام کرتے تو آپ ہر جگہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام اور ان کی مظلومانہ شہادت کا ذکر کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ خدا کی نظر میں دنیا کی رسوائی اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ یحییٰ بن زکریاؑ کا سر بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت کے سامنے بطورِ ہدیہ پیش کیا گیا۔

روضہ کافی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

"میری مخلوق میں سے یحییٰؑ تیری مثال ہے۔ میں نے اُسے اس کی ماں کو اس وقت بخشا جب وہ قوتِ حمل سے تہی

دامن ہوچکی تھی۔ میں نے یہ اس لیے کیا تاکہ مادرِ یحییٰ کے سامنے میرا اقتدار واضح ہوجائے اور تیرے متعلق میری قدرت ظاہر ہوسکے"۔

اصولِ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"حضرت زکریا علیہ السلام کی وراثت یحییٰ علیہ السلام کو حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو بچپنے میں ہی علم وحکمت عطا کی تھی اور انھیں فرمایا تھا کہ تم علمِ کتاب کو مضبوطی سے تھامو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سات برس کی عمر میں نبوت ورسالت کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام اور باقی تمام لوگوں پر حجت تھے"۔

علی بن اسباط بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو بڑے غور سے دیکھا کیونکہ ان پر بچپنے میں ہی امامت کی ذمہ داری عائد ہوئی تھی۔ میں نے غور سے آپ کے چہرے بشرے اور قد وقامت کو دیکھا تاکہ اپنے مصری ساتھیوں کے سامنے آپ کا حلیہ بیان کرسکوں۔

امام علیہ السلام نے جب مجھے اتنی توجہ سے دیکھتے ہوئے محسوس کیا تو آپؑ نے فرمایا: علی بن اسباط! تعجب کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو بھی صغرسنی میں علم وحکمت عطا کیا تھا۔ خدا کی اپنی مشیت ہے چاہے تو وہ کسی کو صغرسنی میں علم عطا کرے اور چاہے تو وہ چالیس سال کی عمر میں عطا فرمائے۔

مجمع البیان میں معمر سے منقول ہے کہ بچوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اپنا ہم سن سمجھ کر اپنے ساتھ کھیلنے کی دعوت دی تو انھوں نے کہا کہ ہم کھیلنے کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا کہ ہم نے اسے بچپن میں سے ہی قوتِ فیصلہ عطا کردی تھی۔

یہی روایت حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ شام سے یہودیوں کا ایک وفد بحث کی غرض سے حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے عالم نے انبیائے سابقین اور رسولِ خدا کی فضیلت کے موضوع پر حضرت علی علیہ السلام سے مباحثہ کیا، چنانچہ اس نے اپنے مباحثہ میں کہا: آپ یحییٰ بن زکریاؑ کو دیکھ لیں، انھیں بچپن میں علم وحکمت اور قوتِ فیصلہ سے نوازا گیا تھا۔ وہ معصوم ہوکر بھی خوفِ خدا میں روتے رہتے تھے اور وہ مسلسل روزے رکھتے تھے۔ کیا آپ کے نبی کو بھی یہ درجہ حاصل تھا؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تم نے بالکل سچ کہا ہے۔ جنابِ یحییٰ علیہ السلام واقعی ایسے ہی تھے لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ان سے جداگانہ تھی۔ حضرت یحییٰ نے جب اس معاشرے میں آنکھ کھولی تو اس وقت

بت پرستی نہیں تھی جب کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرک و بت پرستی کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔ خدا نے آپ کو علم و حکمت سے نوازا تھا' اسی لیے اُنھوں نے کسی بت کو کبھی سجدہ نہیں کیا تھا۔ اور آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ آپ امین' صادق اور حلیم تھے۔ آپؐ اکثر روزے سے ہوتے تھے اور آپؐ کا روزہ بعض اوقات دن رات پر مشتمل ہوتا تھا۔ لوگوں نے آپؐ سے کہا کہ آپؐ صوم وصال نہ رکھیں۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ میں تم جیسا نہیں ہوں' میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ آنحضرتؐ معصوم تھے مگر اس کے باوجود آپؐ خوفِ خدا میں اتنا روتے تھے کہ آپؐ کا مصلّٰی آنسوؤں سے تر ہوجاتا تھا۔

ابن شہرِ آشوب مناقب میں لکھتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ نے قریش کی غداری کی وجہ سے ان سے کیے ہوئے معاہدہ کو منسوخ کرنے کا اعلان کیا تو ابوسفیان معاہدہ کی تجدید کے لیے مدینہ آیا مگر آنحضرتؐ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ آنحضرتؐ سے مایوس ہوکر ابوسفیان حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے دروازے پر آیا۔ اس وقت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی عمر چودہ ماہ تھی اور آپؑ اپنی والدہ کے سامنے گھٹنوں کے بل چل رہے تھے۔ ابوسفیان نے آپؑ کو اٹھایا اور حضرت سیدہؑ سے مخاطب ہوکر کہا:

اے بنتِ محمدؐ! آپؑ اپنے فرزند سے کہیں کہ وہ اپنے نانا سے سفارش کرے کہ وہ معاہدہ کو منسوخ نہ کریں۔ آپؑ کے فرزند نے اگر سفارش کر دی تو وہ عرب وعجم کا سردار مانا جائے گا۔ اس وقت امام حسنؑ نے اس کے ناک پر مکا مارا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی داڑھی پکڑی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو بولنے کی طاقت عطا کی۔ آپؑ نے فصیح لہجہ میں کہا: اے ابوسفیان! پہلے "لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ" کہو اس کے بعد میں تمھاری سفارش کروں گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے جب اپنے فرزند کے یہ کلمات سنے تو آپؑ نے فرمایا کہ تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے ذریتِ مصطفیٰ میں یحییٰ بن زکریاؑ کی مثیل پیدا فرمائی۔ جس طرح سے خدا نے یحییٰ علیہ السلام کو صغرسنی میں قوتِ فیصلہ عطا کی تھی اسی طرح سے اس نے میرے فرزند کو بھی قوتِ فیصلہ عطا کی ہے۔

حضرت یحییٰؑ مستجاب الدعوات تھے

وَّحَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ‌ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ۙ‏ ﴿۱۳﴾

"ہم نے اسے اپنی طرف سے نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی تھی اور وہ پرہیزگار تھا"۔

محاسن برقی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت یحیٰؑ علیہ السلام جب بھی خدا سے دعا مانگتے اور ''یارب یااللہ'' کہتے تو آسمان سے خدا کی طرف سے انھیں یہ ندا آتی تھی: لَبَّیْكَ یَا یَحیٰ حَاجَتَكَ ''یحیٰ! لبیک اپنی حاجت طلب کرو''۔

اصولِ کافی میں ابوحمزہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا کا کیا مفہوم ہے؟

آپؑ نے فرمایا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ یحیٰؑ پر اللہ تعالیٰ بہت شفیق تھا۔

میں (راوی) نے عرض کیا: یہ فرمائیں کہ خدا ان پر کتنا شفیق تھا؟

آپؑ نے فرمایا: جب یحیٰؑ علیہ السلام ''یارب'' کہتے تو خدا جواب میں انھیں ''لبیک'' کہتا تھا۔

عیون الاخبار میں یاسر خادم سے منقول ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر شخص کے لیے تین مواقع بڑے مشکل ہوتے ہیں:

① پیدائش کا دن مشکل ہوتا ہے جب انسان شکمِ مادر سے نکل کر دنیا کو دیکھتا ہے۔

② موت کا دن مشکل ہوتا ہے جب انسان دنیا چھوڑ کر آخرت اور اہلِ آخرت کو دیکھتا ہے۔

③ جب انسان قبر سے اُٹھ کر قیامت کے دن حاضری دے گا اور وہ ایسے اَحکام کا مشاہدہ کرے گا جو اس نے دنیا میں نہیں دیکھے ہوں گے تو وہ دن ہر شخص کے لیے مشکل ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یحیٰؑ علیہ السلام کو ان تینوں مواقع کا امن واطمینان عطا کیا تھا جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ ''اس کے لیے سلام وسلامتی ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا''۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ

لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ
وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ
وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾
فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى
جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا
مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ
سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّيْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا
جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ
اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْۤ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ
اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا
فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ
اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي
الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ
نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ
وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ

جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

''اور آپ کتاب میں مریمؑ کا ذکر کریں، جب وہ اپنے خاندان والوں سے الگ ہو کر مشرقی طرف گوشہ نشین ہو گئی تھی۔ اور اُس نے اپنے اور اُن کے درمیان پردہ لٹکا دیا تھا۔ ہم نے اسی جگہ اپنی رُوح اس کی طرف روانہ کی وہ ان کے سامنے مکمل انسان کی شکل میں نمودار ہوا۔ مریمؑ نے کہا: اگر تو خدا خوفی رکھنے والا ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔

اس نے کہا: میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا نمائندہ ہوں، تا کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ مریمؑ نے کہا: میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا مجھے تو آج تک کسی مرد نے چھوا تک

نہیں ہے اور میں کوئی بدکار بھی نہیں ہوں۔

فرشتے نے کہا: ایسا ہی ہوگا' تیرا رب یہ کہتا ہے کہ یہ کام میرے لیے آسان ہے اور ہم تیرے فرزند کو لوگوں کے لیے نشانی بنائیں گے اور اپنی طرف سے رحمت بنائیں گے اور یہ کام ہو کر رہے گا۔ چنانچہ مریمؑ اس بچے سے حاملہ ہوئیں اور وہ اس حمل کو لے کر دور کے مقام پر چلی گئی۔

پھر دردِ زِہ نے اسے کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا۔ اس نے کہا: کاش میں اس سے قبل مرگئی ہوتی اور میرا نام و نشان کسی کو یاد نہ ہوتا۔ فرشتے نے پائنتی سے اسے آواز دی اور کہا غم نہ کر تیرے رب نے تیرے نیچے چشمہ جاری کر دیا ہے اور کھجور کے درخت کے تنے کو اپنی جانب ہلا تیرے اُوپر تر و تازہ کھجوریں ٹپکیں گی۔ تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر' اگر تجھے کوئی آدمی دکھائی دے تو کہہ دے کہ میں نے رحمٰن کے لیے روزہ کی منت مانی ہے' لہٰذا آج میں کسی انسان سے بھی نہیں بولوں گی۔

پھر وہ بچے کو لے کر اپنی قوم میں آئی۔ لوگوں نے کہا: اے مریمؑ! تو نے تو انتہائی بُرا کام کیا ہے۔ اے ہارونؑ کی بہن! تیرا باپ نہ تو بُرا انسان تھا اور نہ ہی تیری ماں فاحشہ تھی۔

مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم بھلا گھوارے میں پڑے ہوئے بچے سے کس طرح گفتگو کریں؟

بچے نے کہا کہ میں اللہ کا عبد ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔ اور میں جہاں بھی رہوں اُس نے مجھے بابرکت بنایا ہے اور مجھے پوری زندگی کے لیے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ خدا نے مجھے میری والدہ کا فرماں بردار بنایا ہے۔ مجھے جبار اور شقی نہیں بنایا' سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

یہ ہے عیسیٰ بن مریمؑ کے متعلق وہ صحیح بات جس میں وہ شک کر رہے ہیں۔ اللہ کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے' وہ پاک و پاکیزہ ہے۔ جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

(عیسیٰؑ نے کہا) اور اللہ میرا اور تمھارا رب ہے تم اسی کی عبادت کرو' یہی سیدھا راستہ ہے۔

پھر بہت سے گروہوں نے ان میں سے اختلاف کیا۔ پھر کافروں کے لیے وہ دن نہایت افسوس ناک ہوگا جب وہ ایک عظیم دن دیکھیں گے۔

جب وہ ہمارے حضور پیش ہوں گے تو ان کے کان خوب سن رہے ہوں گے اور اُن کی آنکھیں ٹھیک دیکھ رہی ہوں گی' لیکن آج ظالم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں اور اُنھیں اس دن سے ڈراؤ جب فیصلہ کر دیا جائے گا اور پچھتاوے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا' جب کہ ابھی یہ لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور ایمان نہیں لا رہے۔ آخر کار زمین اور اس پر موجود ساری چیزوں کے وارث ہم ہوں گے اور سب ہماری طرف پلٹائے جائیں گے''۔

حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ ایک نصرانی نے حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام سے بہت سے مسائل پوچھے تو آپؑ نے اس کے تمام مسائل کا جواب دیا' پھر آپؑ نے اس سے فرمایا: مجھے یہ بتاؤ کہ مادرِ مریمؑ کا نام کیا تھا اور یہ بتاؤ کہ شکمِ مریمؑ میں روح کب پھونکی گئی؟ اور وہ کون سا دن تھا اور یہ بتاؤ کہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کب ہوئی تھی؟

نصرانی نے کہا: مجھے معلوم نہیں ہے۔ اس وقت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: حضرت مریمؑ کی والدہ کا نام ''مرتا'' تھا اور عربی میں اس کا ترجمہ ''وھیبہ'' بنتا ہے۔ حضرت مریمؑ جمعہ کے دن عیسیٰؑ کے لیے حاملہ ہوئی تھیں۔ اس وقت زوال کا وقت تھا۔ اس دن روح الامین نازل ہوئے تھے اور اس روز کو مسلمان اپنے لیے عید تصور کرتے ہیں۔ جمعہ کے دن کو خدا نے عظمت دی ہے۔ حضرت رسولؐ خدا نے بھی اس دن کو اہمیت دی ہے اور آپؐ نے اپنی اُمت کو حکم دیا کہ وہ روزِ جمعہ کو اپنے لیے روزِ عید سمجھیں۔

حضرت مریمؑ منگل کے روز دن ڈھلنے کے وقت پیدا ہوئی تھیں۔ پھر امام علیہ السلام نے نصرانی سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ وہ دریا کون سا ہے جس کے کنارے حضرت مریمؑ نے حضرت عیسیٰؑ کو جنم دیا تھا؟

اُس نے کہا: مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ دریائے فرات ہے اور اس دریا کے کنارے کھجور کے درخت اور انگور کے باغات عام ہیں۔ کھجور اور انگور کی پیداوار کے لیے دریائے فرات اپنی مثال آپ ہے۔

تہذیب الاحکام میں مرقوم ہے کہ حضرت مریمؑ دمشق سے روانہ ہوئیں اور اُنھوں نے کربلا میں قبرِ حسینؑ کے مقام پر اپنے بچے کو جنم دیا تھا۔ پھر اسی رات اپنے گھر پہنچ گئی تھیں۔

اصولِ کافی اور علل الشرائع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام شکمِ مادر میں چھ ماہ رہے تھے۔

مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ روح الامین نے بی بی مریمؑ کی قمیص میں پھونک ماری تو اس وقت حضرت عیسیٰؑ رحمِ مادر میں آ گئے اور آپؑ اسی وقت نو ماہ کے بچے کی مانند کامل الخلقت بن گئے۔ حضرت مریمؑ جیسے ہی حمام سے نکلیں تو وہ حاملہ تھیں، ان کی خالہ نے ان کے شکم کو دیکھا تو انھیں عجیب سا محسوس ہوا۔ بی بی مریمؑ اپنی خالہ اور حضرت زکریاؑ سے شرما کر اپنے حجرے میں چلی گئیں۔ حضرت عیسیٰؑ شکمِ مادر میں صرف نو گھڑیوں تک ہی رہے تھے۔

ولادت کی آسانی کے لیے

کتاب طب الائمہ میں مرقوم ہے کہ ایک شخص حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: مولا! میری مدد کریں، میں بہت پریشان ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تمھیں کیا پریشانی لاحق ہے؟

اس نے کہا: اس وقت میری بیوی بچہ جننا چاہتی ہے، لیکن بچے کی ولادت مشکل ہو چکی ہے۔ دردِ زہ کی وجہ سے میری بیوی مرنے والی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: تم اپنی بیوی کے پاس جاؤ اور وہاں یہ آیت پڑھو: فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ

يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ پھر بلند آواز سے یہ آیت پڑھو: وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ (النحل:۷۸) پھر یہ کلمات کہو: كَذٰلِكَ اُخْرُجْ اَيُّهَا الطَّلْقُ فَاخْرُجْ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

ان شاء اللہ حکم خداوندی سے اسی وقت اس کا بچہ پیدا ہو جائے گا۔

مجمع البیان میں ہے کہ حضرت مریمؑ نے اپنے فرزند کی ولادت کے بعد اپنی موت کی تمنا اس لیے کی تھی کہ آپ اپنی قوم میں شرمندہ ہونے سے بچنا چاہتی تھیں، کیونکہ آپؑ جانتی تھیں کہ آپؑ کی قوم میں سے کوئی بھی صاحبِ فراست شخص نہیں تھا اور ان میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جو آپؑ کی پاک دامنی پر یقین کر لیتا۔

تہذیب الاحکام اور من لایحضرہ الفقیہ میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی مختلف روایات مرقوم ہیں۔ اول الذکر میں روزِ عاشورہ اور مؤخر الذکر میں ۲۵ ذی الحجہ مذکور ہے اور ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی دن پیدا ہوئے تھے۔ (واللہ اعلم!)

حضرت مریمؑ کے لیے پانی اور غذا

مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی زبانی منقول ہے کہ حضرت مریمؑ کے لیے جبریل امینؑ نے زمین پر پاؤں کی ٹھوکر ماری تو ان کے لیے پانی کا چشمہ برآمد ہوا۔ پھر خدا نے انھیں حکم دیا کہ وہ کھجور کے تنے کو ہلائیں۔ بی بی نے اسے ہلایا تو بے موسمی تروتازہ کھجوریں گریں۔ اللہ تعالیٰ نے بی بی سے فرمایا کہ تمھاری پیاس بجھانے کے لیے چشمہ کا پانی موجود ہے اور بھوک مٹانے کے لیے تازہ کھجوریں موجود ہیں۔ اب پانی پیو اور کھجوریں کھاؤ اور آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل کرو۔

زچگی کے بعد عورت کو کھجوریں کھانی چاہییں

الکافی میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زچگی کے بعد عورت کو تازہ کھجوریں کھانا چاہییں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ سے فرمایا تھا کہ تم کھجور کے تنے کو حرکت دو۔ تم پر تروتازہ کھجوریں گریں گی۔

کسی نے کہا: یارسولؐ اللہ! اگر تازہ کھجوروں کا موسم نہ ہو تو کیا کیا جائے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: پھر اسے مدینہ کی سات خشک کھجوریں کھلانی چاہییں اور اگر تمہیں مدینہ کی کھجور میسر نہ ہو تو پھر اپنے ہی شہر کی کھجور کھلاؤ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے اپنی عزت و جلال اور عظمت و مقام کی قسم، جو بھی زچہ زچگی کے بعد تازہ کھجوریں کھائے گی تو اسے خواہ بیٹا پیدا ہوا ہو یا بیٹی وہ حلیم اور بُردبار ہوگا۔

روضہ کافی میں حفص سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو کوفہ کے کھجوروں کے باغات میں پھرتے ہوئے دیکھا۔ آپؑ ایک کھجور کے درخت کے پاس پہنچے اور وہاں وضو کیا، پھر آپؑ نے وہاں نماز پڑھی۔ آپؑ نے سجدہ میں پانچ سو مرتبہ سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی وِبحَمدِہٖ کی تسبیح پڑھی۔ جب آپؑ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؑ نے مجھ سے فرمایا: حفص! یہ وہی کھجور ہے جس کے ہلانے کا اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو حکم دیا تھا۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: تازہ کھجور زچہ کے لیے بہترین دوا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو تازہ کھجوریں کھلائی تھیں۔

ایک روایت میں منقول ہے کہ اس کھجور کے تنے پر سرا موجود نہیں تھا۔ حضرت مریمؑ کو جیسے ہی خدا نے تنا ہلانے کا حکم دیا تو آپ نے اسے پیر کی ٹھوکر ماری۔ فوراً اس پر سر لگ گیا اور پتے اُگ آئے اور اس پر تازہ کھجوریں لگ گئیں۔

حضرت مریمؑ کی مانند آلِ محمدؐ کے معجزات

بصائر الدرجات میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سفر پر روانہ ہوئے۔ آپؑ کے ساتھ اولادِ زبیر میں سے ایک شخص تھا۔ وہ آپ کی امامت کا عقیدہ رکھتا تھا۔ آپؑ نے ایک منزل پر قیام کیا۔ آپؑ کے لیے ایک خشک کھجور کے نیچے بستر لگایا گیا۔ وہ کھجور پیاس کی وجہ سے خشک ہو چکی تھی۔ امام علیہ السلام کے عین سامنے ایک اور کھجور کے سایہ میں زبیری نے اپنا بستر لگایا۔ اتنے میں زبیری نے سر اُٹھا کر خشک کھجور کو دیکھا اور امام علیہ السلام سے کہا کہ کاش اس پر تازہ کھجوریں ہوتیں تو ہم کھاتے۔

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم تازہ کھجوریں کھانا چاہتے ہو؟

زبیری نے اثبات میں جواب دیا۔ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے آسمان کی جانب ہاتھ بلند کیے اور کچھ ایسے الفاظ کہے جو زبیری کی سمجھ سے بلند تھے۔ اسی وقت کھجور کا درخت سرسبز ہو گیا اور اس پر تازہ کھجوریں لگ گئیں۔

جب ساربان نے یہ منظر دیکھا تو اُس نے کہا کہ یہ جادو ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں یہ مستجابُ الدعوات نبی

کے فرزند کی دعا کی قبولیت ہے۔ امام علیہ السلام کے ساتھیوں نے اُس کے خوشے کاٹ لیے اور وہ سارے راہ تازہ کھجوریں کھاتے رہے۔

کتاب المناقب اور بصائر الدرجات کی روایات میں ابوامیہ انصاری اور ابوعبداللہ بلخی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک خشک کھجور کے پاس آئے اور وہاں کچھ ایسی گفتگو کی جو ہماری سمجھ سے بالا تھی۔ پھر آپؑ نے کھجور کو خطاب کرتے ہوئے کہا: اے کھجور! خدا نے جو کچھ تجھ میں رکھا ہے اس میں سے ہمیں بھی کچھ کھلا۔ یہ کہنے کی دیر تھی کہ خشک کھجور سرسبز ہوگئی اور اس پر تروتازہ کھجوریں لگ گئیں۔ امام علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھیوں نے کھجوریں کھائیں اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت مریمؑ جیسے معجزات عطا کیے ہیں۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''روزہ میں صرف طعام اور پانی سے ہی پرہیز ضروری نہیں ہے روزہ میں زبان کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ روزہ کی حالت میں اپنی زبان کی نگہبانی کرو اور نامحرم عورتوں کو دیکھنے سے آنکھوں کو جھکائے رہو اور ایک دوسرے سے بغض و حسد نہ کرو۔ حضرت مریمؑ کا روزہ زبان کا روزہ تھا۔ اور یاد رکھو' حسد ایمان کو اس طرح سے کھا جاتا ہے جیسا طرح سے آگ خشک لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ طاؤس یمانی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ وہ کون سا روزہ ہے جس میں کھانے پینے کی اجازت ہے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ حضرت مریمؑ کا خاموشی کا روزہ تھا' جس میں کھانے پینے کی اجازت تھی۔

خواہرِ ہارونؑ

يَٰٓأُخۡتَ هَٰرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ ٱمۡرَأَ سَوۡءٖ وَمَا كَانَتۡ أُمُّكِ بَغِيّٗا ﴿٢٨﴾

''اے ہارونؑ کی بہن! نہ تو تیرا والد بُرا شخص تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکارہ تھی''۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ خواہرِ ہارونؑ کے متعلق مفسرین سے چند اقوال مروی ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ ہارون بنی اسرائیل کا ایک صالح شخص تھا اور قوم میں جو بھی صالح اور نیک بندہ ہوتا تھا بنی اسرائیل اسے ہارون کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ چنانچہ ابن عباس' قتادہ' کعب' ابن زید اور مغیرہ بن شعبہ نے رسولؐ خدا سے یہی مفہوم نقل کیا ہے۔

سید ابن طاؤس نے کتاب سعد السعود میں مغیرہ بن شعبہ کی زبانی نقل کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اہلِ نجران کے پاس بھیجا۔ وہاں پر موجود عیسائی علماء نے مجھ سے کہا کہ تم لوگ قرآن میں حضرت مریمؑ کو "خواہرِ ہارونؑ" قرار دیتے ہو جب کہ حضرت مریمؑ اور حضرت ہارونؑ کے درمیان بہت سی پشتوں کا فاصلہ ہے۔

میں (راوی) نے رسولِ خدا کے سامنے ان کے اعتراض کو نقل کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا: تم ان سے یہ کہتے کہ بنی اسرائیل اپنی اولاد کے نام اپنے انبیاء اور صالحین کے نام پر رکھتے تھے۔

قولہ: وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ

کتاب معانی الاخبار اور اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ اس آیت میں لفظ "مبارک" نفع رساں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ خدا نے مجھے نفع دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔

روضہ کافی میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے عیسیٰ! تو چھوٹی عمر میں بھی صاحبِ برکت ہے اور بڑی عمر میں بھی تو برکتوں والا ہے۔ تو جہاں بھی رہے تجھ پر برکتیں ہی برکتیں ہوں گی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو میرا بندہ ہے اور میری کنیز کا فرزند ہے۔

اصولِ کافی میں مرقوم ایک روایت کا کچھ حصہ یہ ہے: برید کناسی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا جب عیسیٰؑ نے گہوارے میں کلام کیا تھا تو اس وقت وہ خدا کی طرف سے مخلوق پر حجت تھے؟

آپؑ نے فرمایا: اس وقت وہ نبی تھے اور خدا کی حجت تھے، لیکن وہ تبلیغ پر مامور نہیں ہوئے تھے، کیا تم نے قرآنِ مجید میں حضرت عیسیٰؑ کے یہ کلمات نہیں پڑھے: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۗ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝

میں (راوی) نے کہا کہ کیا اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام پر بھی حجت تھے۔

آپؑ نے فرمایا: اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی نشانی تھے، اور مریمؑ کے لیے خدا کی رحمت تھے، اسی لیے اُنھوں نے اپنی والدہ کی ترجمانی کی تھی۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام خاموش ہو گئے تھے اور بچپن کے دو سال خاموش رہے۔ ان کی خاموشی کے عرصہ میں حضرت زکریاؑ خدا کی حجت تھے۔ البتہ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کا کلام سنا تھا اس وقت ان پر آپؑ حجت تھے۔ پھر زکریاؑ کی وفات ہوئی تو ان کے فرزند یحییٰ علیہ السلام کتاب و حکمت کے وارث بنے اور اس وقت وہ صغیر السن

تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا ﴿۱۲﴾ ”یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے تھام لو۔ ہم نے انھیں بچپنے میں ہی قوتِ فیصلہ عطا کی تھی“۔

جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عمر سات سال کی ہوئی تو انھوں نے وحی الٰہی کے تحت نبوت و رسالت کا اعلان کیا۔ حضرت عیسیٰؑ، حضرت یحییٰؑ اور دوسری مخلوق پر خدا کی حجت تھے۔ جس دن سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا ہے اس دن سے لے کر آج تک خدا نے ایک دن کے لیے بھی زمین کو حجت سے خالی نہیں رکھا۔

محمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا: مولا! جب تک خدا نے آپ کو فرزند عطا نہیں کیا تھا اس وقت تک ہم آپ سے آپ کے وارث کے متعلق سوال کرتے تھے اب خدا نے آپ کو محمد تقی علیہ السلام کی شکل میں وارث عطا کیا ہے اب اگر خدانخواستہ آپؑ کی رحلت ہو جائے تو ہم کس کی طرف رجوع کریں؟

آپؑ نے فرمایا: میرے بعد تم میرے فرزند ابو جعفر محمد تقی علیہ السلام کی طرف رجوع کرنا۔

میں (راوی) نے کہا: مگر اِس وقت تو ان کی کل عمر تین سال ہے؟

آپؑ نے فرمایا: تو کیا ہوا حضرت عیسیٰؑ بھی تو تین برس کی عمر میں حجتِ خدا کے عہدہ پر فائز ہوئے تھے۔

حسین بن محمد خیرانی سے بھی یہ حدیث منقول ہے۔

الکافی میں معاویہ بن وہب سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ وہ کون سا عمل ہے جو انسان کو خدا کی قربت دلانے میں سب سے اہم کردار ادا کر سکتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: معرفت کے بعد نماز ہی ایسا عمل ہے جو قربِ خداوندی کے لیے سب سے زیادہ معاون ہے۔ کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ابتدائی تقریر میں کہا تھا: وَ اَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ ”خدا نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے جب تک زندہ رہوں“۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: زکوٰۃ کا تعلق صرف مال و دولت سے ہی نہیں ہے، بلکہ انسانی وجود پر بھی زکوٰۃ ہے جیسا کہ زکوٰۃِ فطرہ ہر امیر غریب اور چھوٹے بڑے پر واجب ہے۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ والدین کی نافرمانی گناہانِ کبیرہ میں شامل ہے اور اللہ تعالیٰ نے والدین کے نافرمان کو جبار اور شقی قرار دیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا تھا: وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیۡ ۫ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡنِیۡ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾ ”خدا نے مجھے میری والدہ کا فرماں بردار بنایا ہے اور مجھے جبار اور شقی نہیں بنایا“۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے والدین سے بھلائی کرے خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ۔ اگر والدین مُردہ ہوں تو انسان کو چاہیے کہ وہ ان کی قضا نمازیں پڑھے اور ان کی طرف سے صدقہ و خیرات کرے اور ان کی نیابت میں حج کرے اور روزے رکھے۔ انسان والدین کے لیے جتنی بھی نیکی کرے اس کا ثواب اس کے والدین کو بھی ملے گا اور عمل کرنے والے شخص کو بھی ملے گا۔

کتاب الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: لوگو! تم اپنے والدین سے بھلائی کرو' تمھاری اولاد تم سے بھلائی کرے گی۔ تم لوگوں کی ناموس سے اجتناب کرو' اس سے تمھاری عورتوں کی عفت قائم رہے گی۔

عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ہر شخص کے لیے تین مواقع مشکل ہوتے ہیں:

① پیدائش کا دن بڑا مشکل ہوتا ہے جب انسان شکمِ مادر سے باہر آتا ہے اور ایک نئے جہان کو دیکھتا ہے۔

② موت کا دن بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اس دن انسان دنیا سے ناطہ توڑ کر عالمِ آخرت و برزخ کا مشاہدہ کرتا ہے۔

③ جب انسان قیامت کے دن قبر سے باہر آئے گا اور آخرت کے احکام و احوال کو دیکھے گا تو وہ دن اس کے لیے مشکل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے لیے تینوں مراحل آسان کر دیئے تھے۔ چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق خدا نے یہ گواہی دی ہے: وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾ ''اس پر سلام ہو جس دن وہ پیدا ہوا' اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ابتدائی تقریر میں کہا تھا: وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾ ''سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا' اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا''۔

کتابِ علل الشرائع کی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ ایک یہودی نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ کیا آپ تخلیقِ آدمؑ سے قبل بھی نبی تھے؟ اور جو لوگ آپؑ پر ایمان لائے ہیں ان کا ایمان بھی پہلے سے لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں' یہ باتیں صحیح ہیں۔

یہودی نے کہا کہ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو پیدائش کے بعد اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا مگر آپؐ نے چالیس سال بعد نبوت کا اعلان کیا ہے؟

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے اگر وہ اپنی پیدائش کے بعد مذکورہ گفتگو نہ کرتے تو ان کی والدہ کی عصمت مشکوک ہو جاتی' اس لیے خدا نے انھیں بولنے کی توفیق دی' تا کہ ان کی والدہ کے دامنِ عصمت پر تہمت کا کوئی داغ نہ آنے پائے۔

اصولِ کافی میں عبداللہ بن ابراہیم جعفری سے منقول ہے کہ اسحاق بن جعفر نے کہا کہ جس رات کسی وصی کی پیدائش ہوتی ہے اس رات گھر میں ایک مخصوص نور جلوہ فگن ہوتا ہے' جسے وصی کی والدہ اور والد ہی دیکھ پاتے ہیں' دوسرا کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ امام پیدائش کے بعد رُو بقبلہ ہو کر اللہ تعالیٰ کا سجدہ کرتا ہے۔ امام ناف بریدہ اور مختون پیدا ہوتا ہے اور پیدائش کے بعد مسلسل ایک دن رات تک اس کے ہاتھوں سے سونا بہتا ہے۔

امالی صدوق میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب ایک دن کے تھے تو وہ دو ماہ کے محسوس ہوتے تھے جب ان کی عمر سات ماہ کی ہوئی تو ان کی والدہ انھیں ایک مکتب میں معلم کے پاس لے گئیں۔ معلم نے ان سے کہا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھو۔ حضرت عیسیٰؑ نے بسملہ پڑھی۔ پھر معلم نے کہا کہ اب آپ ''ابجد'' (اب ج د) پڑھیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سر بلند کیا اور فرمایا: آپ جانتے ہیں کہ ''ابجد'' سے کیا مراد ہے؟

معلم نے دُرّہ اٹھایا اور چاہا کہ عیسیٰؑ کو سزا دی جائے۔ اس وقت حضرت عیسیٰؑ نے کہا: معلم! آپ مجھے سزا نہ دیں' اگر آپ کو معلوم نہیں ہے تو پھر مجھ سے پوچھ لیں' میں آپ کو بتا دوں گا۔

معلم نے کہا: اگر تجھے معلوم ہے تو پھر بتا دو۔

حضرت عیسیٰؑ نے کہا: ''ابجد'' کے ''الف'' سے الآء اللہ (اللہ کی نعمات) اور ''با'' سے بہاء اللہ (خدا کی رونق) اور ''جیم'' سے جمال اللہ (اللہ کا جمال) اور ''دال'' سے دین اللہ (اللہ کا دین) مراد ہے۔

اور ''ھوز'' کی ''ھا'' سے ھول جھنم (دوزخ کا خوف) اور ''واؤ'' سے ویل لاھل النار (اہلِ نار کے لیے ہلاکت) اور ''زا'' سے زفیر جھنم (دوزخ کی چنگھاڑ) مراد ہے۔

اور ''حطی'' سے حطت الخطایا عن المستغفرین (استغفار کرنے والوں کی خطائیں گرا دی جاتی ہیں) مراد

ہے۔ اور "کلمن" سے کلام اللہ لا مبدل لکلماته (اللہ کے کلام کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا) مراد ہے۔ اور "معفص" سے صاع بصاع والجزاء بالجزآء (ہر عمل کا ایک بدلہ ہے) مراد ہے۔ "قرشت" سے قرشهم فخشرهم (انھیں جمع کیا اور محشور کیا) مراد ہے۔

جب معلم نے یہ سنا تو کہا: بی بی! آپ اپنے بچے کو یہاں سے لے جائیں۔ یہ عالم علم لدنی ہے۔ اسے کسی مکتب اور معلم کی ضرورت نہیں ہے۔

ویل اور یوم حسرت

......فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡهَدِ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۳۷﴾ اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ ۙ يَوۡمَ يَاۡتُوۡنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡيَوۡمَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِىَ الۡاَمۡرُ ۘ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ وَّهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۹﴾

"پھر کافروں کے لیے وہ دن نہایت افسوسناک ہوگا جب وہ ایک عظیم دن دیکھیں گے۔ جب وہ ہمارے حضور پہنچیں گے تو ان کے کان خوب سن رہے ہوں گے اور ان کی آنکھیں ٹھیک دیکھ رہی ہوں گی لیکن آج کافر کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں اور انھیں اس دن سے ڈراؤ جب فیصلہ کردیا جائے گا اور پچھتاوے کے سوا انھیں کچھ حاصل نہ ہوگا جب کہ ابھی یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لا رہے"۔

اصولِ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ فرمان منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ویل للمطففین فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے کہ افسوس و ہلاکت ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ اور اللہ تعالیٰ کا دستورِ کلام یہ ہے کہ جب وہ کہیں "ویل" کا لفظ استعمال کرتا ہے تو کافروں کے لیے ہی کرتا ہے جیسا کہ فرمانِ قدرت ہے: فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡهَدِ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۳۷﴾

کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "یوم الحسرۃ" وہ دن ہے جب موت کو ذبح کردیا جائے گا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ

(انھیں روزِ حسرت سے ڈراؤ) کی تفسیر کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جب اہلِ جنت جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو اس وقت ایک منادی ندا کر کے یہ کہے گا کہ اے اہلِ جنت اور اے اہلِ دوزخ! کیا تم نے موت کو مجسم شکل میں دیکھا ہے؟ وہ کہیں گے کہ نہیں ہم نے موت کو مجسم شکل میں نہیں دیکھا۔ اس وقت موت کو ایک ایسے دُنبہ کی شکل میں لایا جائے گا جس کے بال سفید اور سیاہ ہوں گے، اسے جنت و دوزخ کے درمیان کھڑا کیا جائے گا۔ پھر آواز دی جائے گی کہ اسے اچھی طرح سے دیکھ لو کہ یہ موت ہے۔

تمام لوگ اسے مجسم شکل میں دیکھیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ اب موت کو ذبح کر دیا جائے۔ چنانچہ موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر آوازِ قدرت آئے گی کہ جنت والو! اب تم ہمیشہ جنت میں رہو گے۔ تمھیں موت نہیں آئے گی اور اے دوزخ والو! تم بھی ہمیشہ دوزخ میں رہو گے تمھیں بھی موت نہیں آئے گی۔ چنانچہ موت کے ذبح کا دن ہی اہلِ نار کے لیے روزِ حسرت ہوگا۔

مجمع البیان میں بھی یہ روایت مرقوم ہے البتہ اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جیسے ہی موت ذبح ہوگی اہلِ جنت کی خوشیاں انتہا پر پہنچ جائیں گی اور اہلِ نار کی غم کی وجہ سے ایسی چیخ بلند ہوگی کہ اگر انھیں مرنا ہوتا تو وہ مر جاتے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ جس بھی چیز کو خدا نے پیدا کیا ہے قیامت کے دن اس کا خدا ہی وارث ہوگا جیسا کہ فرمانِ قدرت ہے: اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَمَنۡ عَلَيۡهَا وَاِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ۝ "آخر کار زمین اور اس پر موجود ساری چیزوں کے وارث ہم ہی ہوں گے اور سب ہماری طرف پلٹائے جائیں گے"۔

وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا ۝۴۱ اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا يَسۡمَعُ وَلَا يُبۡصِرُ وَلَا يُغۡنِىۡ عَنۡكَ شَيۡـئًا ۝۴۲ يٰۤاَبَتِ اِنِّىۡ قَدۡ جَآءَنِىۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ يَاۡتِكَ فَاتَّبِعۡنِىۡۤ اَهۡدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝۴۳ يٰۤاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ الشَّيۡطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ

كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ

النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ ﴿۵۸﴾

''اور کتاب میں ابراہیمؑ کا ذکر کریں، بے شک وہ صدیق نبی تھا۔ جب اس نے اپنے ابا سے کہا: ابا جان! آپ اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتا ہے؟ ابا جان! میرے پاس وہ علم آ چکا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، لہٰذا آپ میری اتباع کریں میں آپ کو سیدھے راستے کی رہنمائی کروں گا۔ ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں۔ بے شک شیطان، رحمٰن کا نافرمان ہے۔

ابا جان! مجھے تو آپ کے متعلق یہ خوف ہے کہ کہیں آپ پر رحمٰن کا عذاب نہ آ جائے اور یوں آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔

اس نے کہا: اے ابراہیم! کیا تو میرے خداؤں سے منحرف ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں ضرور تجھے سنگسار کروں گا۔ تو مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جا۔

ابراہیمؑ نے کہا: آپ پر سلام ہو۔ میں عنقریب آپ کی بخشش کے لیے اپنے رب سے درخواست کروں گا۔ یقیناً وہ پر نہایت مہربان ہے۔ میں تم لوگوں کو چھوڑ رہا ہوں اور خدا کو چھوڑ کر جنھیں تم پکارتے ہو میں انھیں بھی چھوڑ رہا ہوں۔ میں تو اپنے رب کو ہی پکاروں گا اور امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر ناکام نہیں رہوں گا۔

جب وہ ان لوگوں سے اور ان کے معبودانِ غیر اللہ سے جدا ہو گیا تو ہم نے اس کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ جیسی اولاد بخشی اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا اور ہم نے ان کو اپنی رحمت کا ایک حصہ عنایت کیا اور ان کے لیے صداقت کی بلند ترین زبان بھی قرار دے دی۔

اور آپ کتاب میں موسیٰؑ کا ذکر کریں، یقیناً وہ چُنا ہوا بندہ اور رسول نبی تھا۔ اور ہم نے اسے کوہِ طور کی داہنی طرف سے ندا کی اور اپنے راز کہنے کے لیے اسے مقامِ تقرب عطا کیا۔

اور ہم نے اسے اپنی رحمت میں سے ان کے بھائی ہارونؑ پیغمبر کو عطا کیا اور آپ کتاب میں اسماعیل کا ذکر کریں، بے شک وہ وعدے کا سچا رسول نبی تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ شخص تھا۔ اور آپ کتاب میں ادریسؑ کا ذکر کریں بے شک وہ صدیق نبی تھا اور ہم نے اسے بلند مقام پر اٹھایا تھا۔

یہ وہ نبی ہیں جن پر اللہ نے اولادِ آدمؑ میں سے انعام فرمایا۔ یہ ان لوگوں کی نسل سے تعلق رکھتے تھے جنھیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا اور وہ ابراہیمؑ و اسرائیلؑ کی ذرّیت میں سے تھے۔ یہ اُن لوگوں کی نسل سے تھے جنھیں ہم نے ہدایت دی اور انھیں منتخب کیا اور اُن کا یہ حال تھا کہ جب رحمٰن کی آیات انھیں سنائی جاتی تھیں تو وہ روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے تھے"۔

کیا آزر حضرت ابراہیمؑ کا والد تھا؟

سورہ مریم کی چار آیات ۴۱ تا ۴۴ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آزر کا مکالمہ بیان کیا گیا ہے۔ ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو "یـا ابـت" کہہ کر مخاطب کیا ہے جس کا اُردو میں ترجمہ "ابا" ہی ہوتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ آزر بت پرست آپ کا والد تھا یا آپ کا قریبی رشتہ دار اور مربی تھا؟

اہلِ بیت طاہرین علیہم السلام سے مروی روایات سے پتا چلتا ہے کہ آزر آپ کا والد نہیں تھا، بلکہ وہ آپ کا مربی تھا۔ رشتہ میں وہ آپ کا چچا تھا یا نانا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ عربی زبان میں لفظ "اب" کثیر المعنی لفظ مستعمل ہے۔ "اب" باپ کو بھی کہا جاتا ہے، چچا اور دادا اور گھر کے بزرگ کو بھی اسی لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اصل باپ کو لفظ "والد" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کے "اب آزر" کا بھی ذکر ہے اور آپ کے والد کا بھی ذکر ہے۔ "اب آزر" کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے بت پرستی سے منع کیا تھا، لیکن اس نے

آپ کی بات نہیں مانی تھی اور آپ نے اس سے جدائی اختیار کر لی تھی اور جدائی اختیار کرتے وقت یہ فرمایا تھا کہ میں تیری مغفرت کی دعا ضرور کروں گا۔

قرآنِ مجید یہ فرماتا ہے: فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (التوبہ:۱۱۴) (جب ابراہیمؑ کے لیے واضح ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے) اور اس کے لیے دعا کرنا چھوڑ دیا، جب کہ والد کے لیے آپ نے آخری وقت تک دعا فرمائی اور آپ نے تعمیر کعبہ کی اُجرت کے لیے جو دعائیں مانگی تھیں ان میں والدین کی مغفرت کی دعا بھی تھی اور آپ نے یہ کہا تھا: رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ (ابراہیم:۴۱) ''اے ہمارے پروردگار! میری اور میرے والدین اور تمام اہلِ ایمان کی مغفرت فرما جس دن حساب قائم ہو''۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے لیے آپ نے ایک بار دعا مانگی تھی وہ اور تھا اور جن کے لیے ساری زندگی دعا مانگی وہ اور تھے۔ یا بالفاظ دیگر جس کے متعلق دعا کو اللہ تعالیٰ نے رد کر دیا وہ اور تھا اور جن کے متعلق دعا کو قیامت کے دن تک جاری کرایا وہ اور تھا۔ (اضافۃ من المترجم)

اسی نکتہ کو علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں یوں بیان کیا ہے۔

ہم سابقہ صفحات میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ مذہب اہلِ بیت کی تعلیمات کے تحت یہ خطاب آزر سے ہے اور وہ حضرت ابراہیمؑ کا نانا تھا جب کہ آپ کے والد کا نام ''تارخ'' تھا۔

ہمارے علمائے کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ انبیائے کرام کے آباء و اجداد موحد اور مسلم تھے۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

لم یزل ینقلنی اللّٰہ سبحانہ من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات حتی اخرجنی فی عالمکم ھذا۔

''اللہ تعالیٰ میرے نور کو طاہر اَصلاب سے پاکیزہ اَرحام تک منتقل کرتا رہا، یہاں تک کہ مجھے تمہارے اس جہان میں لے آیا''۔

جب کہ مشرک نجس ہوتا ہے۔ اگر حبیبِ خدا کا شجرۂ نسب آزر سے متصل کیا جائے تو آپ کے آباء میں شرک دکھائی دے گا، جب کہ آپؐ کے تمام آباء موحد و مسلم تھے۔ مشرک کبھی طاہر نہیں ہوتا، کیونکہ فرمانِ خداوندی ہے: انما المشرکون نجس ''مشرک نجس ہیں''۔

کتاب علل الشرائع کی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگو! تم مجھ پر یہ اعتراض کرتے ہو کہ میں نے سابقہ خلفاء سے جنگ کیوں نہیں کی تھی تو سنو! میں نے جنگ نہ کرکے چھ انبیاء کی سنت پر عمل کیا ہے۔ ان میں سے ایک ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں۔ اُنھوں نے اپنی قوم سے جنگ نہیں کی تھی، صرف جدائی اختیار کی تھی اور یہ فرمایا تھا: وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ''میں تم سے علیحدہ ہو رہا ہوں اور تمھارے ان معبودوں سے بھی بیزار ہوں جنھیں خدا کے علاوہ تم پکار رہے ہو''۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام برائی دیکھ کر جنگ نہ کریں تو صحیح ہے اور اگر وصی صبر کرکے گھر بیٹھ جائے تو اس پر اعتراض کیوں ہے؟

دعا سے مایوس نہیں ہونا چاہیے

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خدا اس بندے پر رحم کرے جو خدا سے حاجت طلب کرے اور گڑگڑا کر دعا مانگے خواہ دعا قبول ہو یا قبول نہ ہو۔ پھر آپؐ نے بطورِ استشہاد یہ آیت پڑھی: وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا۟ ''میں تو اپنے رب کو ہی پکاروں گا اور اُمید ہے کہ اپنے رب کو پکار کرنا کام نہیں رہوں گا''۔

حضرت علیؑ ''لسانِ صدق'' ہیں

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۟

''اور ہم نے اُنھیں اپنی رحمت میں سے حصہ دیا اور ہم نے ان کے لیے صداقت کی بلند ترین زبان قرار دی''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: مقصدِ آیت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے رسولِ خدا کو رحمت بنا کر حضرت ابراہیمؑ کی محنتوں کا صلہ بنایا اور حضرت علیؑ کو ان کی لسانِ صدق مقرر کیا۔

وضاحت: اگر لفظ ''علیا'' کو اسمِ عَلَم مانا جائے اور اسے ''جعلنا'' فعل کا مفعولِ ثانی تسلیم کیا جائے تو پھر آیت کا ترجمہ ہوگا کہ ''ہم نے علیؑ کو ان کے لیے زبانِ صداقت بنایا۔ (اضافۃ من المترجم)

اصولِ کافی میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: کسی شخص کے متعلق لوگوں میں اچھائی کی بات اس مال سے کہیں بہتر ہے جس کا وہ وارث بنتا ہے جس سے اپنی کھانے پینے کی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے۔

نہج البلاغہ میں آپؑ سے یہ کلمات منقول ہیں۔

ہاں! جس شخص کا ذکر خیر لوگوں میں خدا برقرار رکھے وہ اس کے لیے اس مال سے کہیں بہتر ہے جس کا ایسوں کو وارث بنایا جاتا ہے جو اس کو سراہتے تک نہیں ہیں۔

نبی و رسول میں فرق

اصولِ کافی میں زرارہ بن اعین سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ نبی و رسول میں کیا فرق ہے؟

آپؑ نے فرمایا: نبی وہ ہے جسے خواب میں حقائق کی تعلیم دی جائے اور وہ آواز سنے، لیکن فرشتے کو نہ دیکھے۔ اور رسول وہ ہے جو آواز سنے اور خواب میں تعلیم حاصل کرے اور فرشتے کو بھی دیکھے۔

وضاحت: نبی اور رسول میں "عام خاص مطلق" کی نسبت پائی جاتی ہے یعنی ہر رسول نبی ہوتا ہے، لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ (من المترجم عفی عنہ)

حضرت علیؑ اور مناجاتِ قدرت

بصائر الدرجات میں ہے کہ حمران نے کہا کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان جاؤں، مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ اللہ نے حضرت علی علیہ السلام سے مناجات کی تھی؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں، اللہ تعالیٰ اور حضرت علی علیہ السلام کے درمیان روزِ طائف مناجات ہوئی تھیں اور جبریل امینؑ خدا کے راز لے کر آئے تھے۔

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ سلمہ بن کہیل حضرت علی علیہ السلام کے متعلق بہت سی باتیں بیان کرتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: وہ کیا کہتا ہے؟

میں نے کہا کہ اس نے مجھ سے یہ بیان کیا ہے کہ جس دوران حضرت رسولؐ خدا نے طائف کا محاصرہ کر رکھا تھا تو آپ نے ایک دن علیؑ سے راز و نیاز کی باتیں شروع کیں، جو کافی دیر تک جاری رہیں۔ آپؐ کے ایک صحابی نے کہا: عجیب بات ہے کہ لشکرِ اسلام کے سر پر بنی ہوئی ہے اور آنحضرتؐ اس جوان سے راز و نیاز میں معروف ہیں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: میں نے اس سے راز و نیاز کی باتیں نہیں کہیں، بلکہ وہ اپنے خدا سے راز و نیاز کی باتیں کر رہا تھا۔

یہ سن کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: یہ ایسی چیزیں ہیں جو ایک دوسرے سے پہچانی جاتی ہیں۔
جابر بن عبداللہ صحابی بیان کرتے ہیں کہ روزِ طائف رسولِؐ خدا نے حضرت علی علیہ السلام سے راز و نیاز کی باتیں کیں تو شیخین نے کہا کہ آپ نے ہمیں علیحدہ رکھا اور آپ نے علیؑ سے راز و نیاز کی باتیں کیں؟
رسولِؐ خدا نے فرمایا: میں نے اس سے راز و نیاز کی باتیں نہیں کیں' بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے راز و نیاز کی باتیں کی ہیں۔
ابورافع صحابی بیان کرتے ہیں کہ رسولِؐ خدا نے خیبر میں حضرت علیؑ کو بلایا اور آپؐ نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعابِ دہن لگایا۔ (حضرت علیؑ کی آنکھیں ٹھیک ہوگئیں) پھر نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ جب خیبر فتح کر لینا تو لوگوں کے درمیان کھڑے ہو جانا۔ مجھے خدا نے یہی حکم دیا ہے۔
حضرت علیؑ قلعۂ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ میں (راوی) بھی آپؑ کے ساتھ تھا۔ آپؑ نے خیبر فتح کیا اور لوگوں نے وہاں سے مالِ غنیمت سمیٹا۔ اس کے بعد آپؑ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور آپؑ کو کھڑے کھڑے کافی وقت گزرا تو میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اور میں نے عرض کیا کہ آپؐ کے حکم کے تحت علیؑ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں اور لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ خدا اس سے محوِ مناجات ہے؟
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں' ابو رافع! اللہ تعالیٰ نے طائف کے روز' اور عقبہ تبوک کے دن اور روزِ خیبر علیؑ سے راز و نیاز کی باتیں کی ہیں۔
علی بن اعین راوی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ طائف سے فرمایا: میں تمھاری طرف اس کو روانہ کروں گا جو میرے نفس کی مانند ہوگا۔ میں اسے تمھاری سرکوبی کے لیے بھیجوں گا' جس کے ہاتھ سے خدا نے خیبر فتح کیا ہے جس کا کوڑا اس کی تلوار ہوگا۔
لوگ حیران تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسے اہلِ طائف کے پاس بھیجتے ہیں۔ صبح ہوئی تو آپؐ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ تم طائف جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا کہ علیؑ کے داخل ہونے کے بعد وہ بھی طائف میں داخل ہوں۔ جب رسولِ خدا طائف گئے تو اس وقت حضرت علیؑ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے تھے۔ رسولِؐ خدا کو دیکھ کر اُترنے لگے۔ رسولِؐ خدا نے فرمایا: علیؑ! وہیں رُک جاؤ۔ چنانچہ علیؑ رُک گئے۔ پھر ہمیں چکی کے چلنے کی آواز جیسی آواز سنائی دی۔ رسولِؐ خدا سے پوچھا گیا کہ یارسولؐ اللہ! یہ آواز کیسی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس وقت علیؑ سے محوِ مناجات ہے۔

جابر بن عبداللہ صحابی بیان کرتے ہیں کہ روزِ طائف رسولِ خدا نے حضرت علی علیہ السلام سے راز و نیاز کی
لوگوں نے کہا کہ آپ نے ہمیں علیحدہ رکھا اور آپ نے علیؑ سے راز و نیاز کی باتیں کیں؟
رسولِ خدا نے فرمایا: میں نے اس سے راز و نیاز کی باتیں نہیں کیں' بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے راز و نیاز کی

ہیں۔

ابورافع صحابی بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا نے خیبر میں حضرت علیؑ کو بلایا اور آپؐ نے ان کی آنکھوں پر ا
دہن لگایا۔ (حضرت علیؑ کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں) پھر نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ جب خیبر فتح کر لینا تو
درمیان کھڑے ہو جانا۔ مجھے خدا نے یہی حکم دیا ہے۔

حضرت علیؑ قلعۂ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ میں (راوی) بھی آپؑ کے ساتھ تھا۔ آپؑ نے خیبر فتح کیا
نے وہاں سے مالِ غنیمت سمیٹا۔ اس کے بعد آپؑ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور آپؑ کو کھڑے کھڑے کا
گزرا تو میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اور میں نے عرض کیا کہ آپؐ کے حکم کے تحت
کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں اور لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ خدا اس سے محوِ مناجات ہے؟

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں' ابورافع! اللہ تعالیٰ نے طائف کے روز' اور عقبہ تبوک
روزِ خیبر علیؑ سے راز و نیاز کی باتیں کی ہیں۔

علی بن امین راوی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ طائف سے فرمایا: میں تمھاری طرف ا
کروں گا جو میرے نفس کی مانند ہوگا۔ میں اسے تمھاری سرکوبی کے لیے بھیجوں گا' جس کے ہاتھ سے خدا نے خیبر
جس کا کوڑا اس کی تلوار ہوگا۔

لوگ حیران تھے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسے اہلِ طائف کے پاس بھیجتے ہیں۔ صبح ہوئی تو
حضرت علیؑ کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ تم طائف جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا کہ علیؑ کے داخل ہونے
بھی طائف میں داخل ہوں۔ جب رسولِ خدا طائف گئے تو اس وقت حضرت علیؑ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے تھے۔ ر
دیکھ کر اترنے لگے۔ رسولِ خدا نے فرمایا: علیؑ! وہیں رُک جاؤ۔ چنانچہ علیؑ رُک گئے۔ پھر ہمیں چکی کے چلنے کی آواز جیسی
دی۔ رسولِ خدا سے پوچھا گیا کہ یارسولؐ اللہ! یہ آواز کیسی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس وقت علیؑ سے محوِ مناجا

قولہ: وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝۵۳

''اور ہم نے اپنی رحمت کے تقاضوں کے تحت موسیٰؑ کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا کر موسیٰؑ کو بخشا''۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک سو چھبیس سال کی عمر پائی تھی جب کہ ہارون علیہ السلام نے ایک سو تینتیس برس کی عمر پائی تھی۔

وضاحت: حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے اور انھوں نے حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں وفات پائی تھی۔ (من المترجم)

ہشام بن سالم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: مولاؑ! یہ بتائیں کہ امام حسنؑ افضل تھے یا امام حسینؑ؟ آپؑ نے فرمایا: امام حسن مجتبیٰ افضل تھے۔ میں نے عرض کیا: پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ امامت کا سلسلہ نسلِ حسینؑ میں کیوں جاری ہوا، اور اولادِ حسنؑ اس سے محروم کیوں رہی؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سنت موسیٰؑ و ہارونؑ کو یہاں بھی قائم رکھا۔ حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ سے افضل تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ اولادِ ہارونؑ میں جاری کیا۔ اولادِ موسیٰؑ کو اس سے محروم رکھا۔

منافق کی علامات

اصولِ کافی میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

جس شخص میں تین علامتیں پائی جائیں تو وہ منافق ہے چاہے وہ شخص نمازیں پڑھے، روزے رکھے اور اپنے آپ کو مسلمان تصور کرے:

① جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرے۔

② جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔

③ جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝۵۸ (الانفال: ۵۸) ''بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝۶۱ (آل عمران: ۶۱) ''جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے''۔

فرمانِ قدرت ہے: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ ''کتاب میں اسماعیلؑ کا ذکر کریں وہ وعدہ کے پکا اور رسول نبی تھا''۔

اسماعیلؑ صادق الوعد تھے

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اسماعیلؑ پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے ''صادق الوعد'' کا لقب دیا کیونکہ اُنھوں نے ایک شخص سے ایک جگہ کا وعدہ کیا تھا۔ آپ وعدہ کے مطابق اس جگہ گئے لیکن وہ شخص وہاں نہ آیا۔ آپ کو اپنے وعدے کا اتنا پاس تھا کہ اس جگہ ایک سال تک ٹھہرے رہے اور اس کا انتظار کرتے رہے۔ سال کے بعد وہ شخص آیا تو آپ نے اس سے فرمایا: میں تو ایک سال سے تیرا انتظار کر رہا ہوں۔

عیون الاخبار میں بھی یہ روایت مرقوم ہے۔

کتاب علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اسماعیلؑ صادق الوعد تھے۔ اسماعیلؑ ذبیح اللہ تھے' اسماعیلؑ صادق الوعد اللہ کے نبی تھے۔ خدا نے انھیں ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ لوگوں نے انھیں پکڑ لیا اور ان کے سر اور چہرے کی کھال اُتار لی۔ ان کے پاس ایک فرشتہ آیا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے آپؑ کے پاس بھیجا ہے' آپؑ جو چاہیں مجھے حکم دیں میں اس کی تعمیل کروں گا۔

انھوں نے کہا کہ میں انبیاء کی سیرت پر عمل کروں گا۔

ابوبصیر کی روایت میں منقول ہے کہ انھوں نے کہا تھا کہ خدایا! میں حسین بن علیؑ کی سیرت پر چلتے ہوئے صبر کروں گا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اسماعیلؑ صادق الوعد کے والد کے نام حزقیل تھا اور اُنھوں نے ایک وعدہ کی وجہ سے ایک جگہ پر رُک کر پورا سال انتظار کیا تھا۔

مجمع البیان میں وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ کے ضمن میں مرقوم ہے کہ یہ حضرت اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ تھے اور وہ صادق الوعد تھے۔ اُنھوں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی تھی اور ایک شخص سے اُنھوں نے ایک جگہ کا وعدہ کیا تو پورے سال تک وہیں ٹھہرے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ''بنی جرہم'' کی طرف رسول

بنا کر بھیجا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ اسماعیلؑ ذبیح اللہ نے اپنے والد کی زندگی میں ہی وفات پائی تھی۔

اور اسماعیلؑ صادق الوعد کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ اس سے حضرت اسماعیلؑ ذبیح اللہ کے بجائے اسماعیل بن حزقیل مراد ہیں۔ ھکذا فی علل الشرائع واللّٰہ اعلم!

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم نے ایک سوبیس برس کی عمر پائی تھی۔

حضرت ادریس علیہ السلام

الکافی، تفسیر علی بن ابراہیم، علل الشرائع اور کمال الدین وتمام النعمۃ میں مرقوم روایات کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کا گھر کوفہ میں اس جگہ تھا جہاں آج مسجدِ سہلہ ہے اور آپ ہمیشہ درس وتدریس میں مصروف رہتے تھے اور آپ دنیا کے پہلے فرد ہیں جنھوں نے فن خیاطی (درزی گیری) کی ابتداء کی۔

حضرت رسولِ خدا کی ایک حدیث میں ہے کہ چوتھے آسمان پر میں نے ایک شخص کو دیکھا تھا۔ میں نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اُنھوں نے کہا تھا کہ یہ ادریسؑ ہیں جنھیں خدا نے بلند مقام پر اٹھایا ہے۔ میں نے ان پر سلام کیا۔ اُنھوں نے مجھ پر سلام کیا۔ میں نے ان کے لیے مغفرت طلب کی۔ انھوں نے میرے لیے مغفرت طلب کی تھی۔

ایک یہودی عالم نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ادریسؑ نبی کو بلند مقام دیا ہے کیا تمھارے نبی کو بھی ایسی بلندی ملی ہے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: جی ہاں، ان کا صرف جسم بلندی پر گیا تھا جب کہ ہمارے نبی کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے بلندی دی ہے اور فرمایا ہے: ورفعنالك ذكرك "ہم نے تمھارے ذکر کو بلند کیا ہے"۔ بھلا اس سے بڑھ کر رفعت و بلندی کیا ہوسکتی ہے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک بادشاہ سیر وتفریح کے لیے اپنے دارالحکومت سے نکلا۔ راستے میں اسے انتہائی خوبصورت باغ اور زرخیز قطعہ زمین دکھائی دیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ باغ اور یہ زمین کس کی ملکیت ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ فلاں مومن کی ملکیت ہے۔ بادشاہ نے اسے بلایا اور کہا کہ یہ باغ اور یہ زمین ہمیں پسند آئی ہے تم یہ ہمارے

حوالے کردو۔ اس مومن نے کہا: نہیں، میں اور میرے اہل و عیال کی گزر بسر اسی پر ہے لہٰذا میں یہ زمین آپ کے سپرد نہیں کر سکتا۔

بادشاہ نے کہا تو پھر تم اس زمین کی قیمت مجھ سے لے لو۔ مومن نے کہا: نہیں، میں یہ زمین قیمت پر بھی نہیں دینا چاہتا۔ بادشاہ ناراض ہو کر واپس آیا۔ ایک بدکار عورت اس کی مشیر تھی۔ اس نے اس سے کہا کہ تم مشورہ دو میں یہ زمین کیسے حاصل کروں؟ اس عورت نے کہا: یہ کام تو بہت آسان ہے، تم اسے گرفتار کرا کے یہاں دربار میں طلب کرو۔ میری قوم کے چالیس افراد گواہی دیں گے کہ یہ شخص آپ کے دین کا منکر ہے۔ جب گواہوں کی گواہی مکمل ہو جائے تو آپ اسے اس جرم میں قتل کرا دیں۔ پھر اس کی جائیداد پر قابض ہو جائیں۔

چنانچہ بادشاہ نے عورت کے کہنے پر اس مومن کو گرفتار کرایا اور چالیس افراد نے اس کے خلاف گواہی دی۔ بادشاہ نے اسے قتل کرا دیا اور اس کی جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریسؑ کو وحی فرمائی کہ تم اس ظالم بادشاہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ تم نے بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ تم نے ایک مومن کو قتل کر کے اس کی جائیداد ہتھیائی ہے اور اس کے بچوں کو نان و نفقہ سے محروم کیا ہے۔ اب خدا کہہ رہا ہے کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں تجھ سے اس کا انتقام لوں گا اور تجھ سے تیری حکومت چھین لوں گا اور تیرے جسم کا گوشت کتوں کو کھلاؤں گا اور اس بدکار عورت کو بھی سخت سزا دوں گا۔

حضرت ادریس علیہ السلام بادشاہ کے پاس گئے۔ اس وقت وہ دربار سجائے بیٹھا تھا۔ آپؑ نے سرِ دربار اس تک خدا کا پیغام پہنچایا۔ یہ پیغام سنا تو بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے کہا کہ تم اپنی فکر کرو۔ اس کے بعد ادریسؑ وہاں سے چلے گئے۔ بادشاہ نے اپنی مشیر عورت کو ادریسؑ کا پیغام سنایا۔ عورت نے کہا: کوئی بات نہیں، ہم ادریس کو قتل کرا دیتے ہیں، تاکہ یہ دھمکیاں نہ سناتا پھرے۔

پھر انھوں نے چالیس افراد کو بھیجا کہ تم جا کر ادریسؑ کو قتل کر دو۔ حضرت ادریسؑ کی ایک نشست گاہ تھی، جہاں آپؑ اپنے ساتھیوں سمیت بیٹھا کرتے تھے۔ بادشاہ کے بھیجے ہوئے افراد آئے، لیکن اس وقت حضرت ادریسؑ وہاں موجود نہ تھے۔ چنانچہ وہ دھمکیاں دیتے ہوئے واپس چلے گئے۔ بعد میں آپؑ کے ساتھیوں نے آپؑ سے کہا کہ بادشاہ آپ کی جان کے درپے ہے، لہٰذا آپؑ کسی جگہ چھپ جائیں، تاکہ اس کے آدمیوں سے محفوظ رہ سکیں۔

حضرت ادریسؑ نے بارگاہِ احدیت میں عرض کیا: پروردگار! میں نے تیرا پیغام پہنچایا ہے اب میری جان پہ بنی ہے۔ خدا نے وحی کی کہ میں اپنا وعدہ پورا کروں گا تم کسی محفوظ جگہ پر مخفی ہو جاؤ۔

حضرت ادریسؑ نے عرض کیا: خدایا! اس بادشاہ کی حدودِ مملکت میں بارش کا برسنا موقوف کردے اور اُس وقت تک اس مملکت میں بارش نہ برسانا، جب تک میں تجھ سے بارش کی درخواست نہ کروں۔ خدا نے وحی کی کہ ہم نے تمھاری بددعا لی ہے۔ اب ایسا ہی ہوگا۔ جب تک تم نہ کہو گے اس کی حدودِ سلطنت میں بارانِ رحمت نہیں برسے گی۔

حضرت ادریسؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس مملکت کو چھوڑ دو، یہاں قحط آنے والا ہے۔ آپؑ کے ساتھیوں نے وہ علاقہ چھوڑ دیا اور مختلف اَطراف میں پھیل گئے۔ حضرت ادریسؑ ایک بلند و بالا پہاڑ کی ایک کھائی میں جا کر روپوش ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ روزانہ ایک فرشتے کو بھیجتا تھا، جو ان کے لیے کھانا لے کر آتا تھا اور آپؑ رات کا کھانا کھاتے تھے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ظالم بادشاہ کی مملکت پر بارشوں کا سلسلہ موقوف کر دیا اور چند سالوں بعد پورے ملک میں ہریالی ناپید ہوئی۔ وہ لوگ دُور دراز سے غلہ خرید کر لاتے تھے۔ اس اثناء میں بادشاہ پر خدا کا عذاب آیا اور وہ تباہ ہوگیا۔ ملک ہاتھوں سے جاتا رہا۔ آخرکار مخالفین نے اسے قتل کر کے اس کی لاش کتوں کے آگے پھینک دی۔ بادشاہ کی مشیر عورت کا بھی وہی حشر ہوا جو بادشاہ کا ہوا تھا۔

اس بادشاہ کی جگہ دوسرا بادشاہ برسرِ اقتدار آیا۔ جب قحط سالی کو بیس برس گزر گئے تو لوگوں کو ہوش آیا اور کہا کہ یہ ادریسؑ کی بددعا کا نتیجہ ہے۔ اُنھوں نے چاہا کہ ادریسؑ کو تلاش کریں اور اُن سے معافی مانگیں اور ان سے درخواست کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بارانِ رحمت کے لیے درخواست کریں۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کو بہت تلاش کیا لیکن آپؑ نہ ملے۔ لوگ جمع ہوئے۔ سروں میں خاک ڈالی اور ٹاٹ کا لباس پہن کر بارگاہِ احدیت میں گڑگڑا کر دعا کی کہ خدایا! ہم تجھ سے معافی مانگتے ہیں، ہم پر احسان فرما اور ہم پر بارانِ رحمت کا نزول فرما۔

اللہ تعالیٰ کو ان کی حالت پر ترس آیا اور خدا نے ادریسؑ کو وحی کی اور فرمایا: اب تم انھیں معاف کردو اور مجھ سے بارش برسانے کی درخواست کرو۔

حضرت ادریسؑ نے عرض کیا: خدایا! میں یہ درخواست نہیں کرنا چاہتا۔ خدا نے ان کی تادیب کے لیے ان کی غذا روک دی۔ جب تین دن تک انھیں غذا نہ ملی تو پہاڑ سے نیچے اُترے اور ایک گاؤں میں پہنچے۔ وہاں ایک گھر سے دھواں اُٹھتا ہوا دیکھا تو آپؑ وہاں چلے گئے۔ آپؑ نے دیکھا کہ ایک عورت روٹیاں پکانے کی تیاری کر رہی تھی۔ آپؑ نے فرمایا: بی بی! میں کئی دن کا بھوکا ہوں، آپ مجھے بھی کھانا کھلائیں۔

عورت نے کہا: میں آپؑ کو کھانا نہیں کھلا سکتی۔ ہمارے علاقہ کو ادریسؑ کی بددعا نے برباد کر دیا ہے اور اب ہم بڑی

مشکل سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ میرے پاس دو روٹیوں کا آٹا ہے۔ ایک روٹی خود کھاؤں گی اور ایک روٹی اپنے اکلوتے بیٹے کو کھلاؤں گی۔ اگر میں نے روٹی نہ کھائی تو میں مرجاؤں گی اور اگر بیٹے کو روٹی نہ دی تو وہ بھوک سے مرجائے گا۔

آپؑ نے فرمایا: بی بی آپ ایک روٹی کھائیں' آپ کا بیٹا چھوٹا ہے' آپ اسے آدھی روٹی کھلائیں اور آدھی روٹی مجھے کھانے کو دیں۔ الغرض عورت نے ایسا ہی کیا۔ جب لڑکے نے دیکھا کہ ایک بزرگ نے اس کی آدھی روٹی کھالی ہے تو اس نے غم کی وجہ سے چیخ ماری اور اس کا دم نکل گیا۔

عورت نے آپ سے کہا: مسافر! تو نے تو میرا بیٹا ہی مار دیا ہے۔

آپؑ نے کہا: بی بی! گھبراؤ نہیں میں ادریسؑ نبی ہوں' اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کے تیرے بیٹے کو دوبارہ زندگی دلاتا ہوں۔ چنانچہ آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ خدایا اس لڑکے کو نئی زندگی عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی دعا قبول کی اور لڑکا زندہ ہوگیا۔ جب عورت نے آپؑ کا یہ معجزہ دیکھا تو وہ گھر سے باہر آئی اور چیخ چیخ کر کہنے لگی لوگو! تمہیں مبارک ہو جس ادریسؑ کو تم برسوں سے تلاش کر رہے تھے آج وہ ادریسؑ میرے گھر میں آ گیا ہے۔

لوگ دوڑ کر وہاں آئے اور آپؑ کو خوش آمدید کہا اور اُنھوں نے شکوہ کیا کہ آپؑ کی بددعا کی وجہ سے ہم بیس برس سے قحط سالی میں مبتلا ہیں۔ پھر آپؑ لوگوں کو ساتھ لے بادشاہ کے دارالحکومت تشریف لائے۔ ظالم بادشاہ کا محل ویران ہو کر کھنڈر بن چکا تھا۔ آپؑ اس کھنڈر پر بیٹھ گئے۔ لوگوں نے نئے بادشاہ کو آپؑ کی آمد کی اطلاع دی' اس نے آپؑ کو لانے کے لیے چالیس افراد روانہ کیے اور اُنھوں نے آپ سے کہا کہ بادشاہ آپ کو اپنے دربار میں بلا رہا ہے۔ اگر آپ ازخود نہ گئے تو ہم جبراً آپ کو وہاں لے جائیں گے۔ آپؑ پر جلال طاری ہوا' اور آپؑ نے بددعا کی۔ چالیس افراد فوراً لقمۂ اجل بن گئے۔ جب بادشاہ کو معلوم ہوا تو اس نے پانچ سو افراد کا دستہ روانہ کیا۔ وہ لوگ آپؑ کے پاس آئے اور دھمکی دے کر کہنے لگے کہ آپ کو ہمارے بادشاہ کے پاس جانا ہوگا۔

حضرت ادریسؑ نے فرمایا: تم سے پہلے یہ لوگ بھی مجھے جبراً لینے آئے تھے۔ اب تم ان کے حال سے عبرت حاصل کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارا انجام بھی ان جیسا ہو۔ میں یہاں بیٹھا ہوا ہوں جب تک تمھارا بادشاہ اور اس کی رعایا ننگے پاؤں چل کر میرے پاس نہیں آجاتی اُس وقت تک میں بارش برسانے کی دعا نہیں کروں گا۔

یہ سنا تو وہ لوگ بادشاہ کے پاس چلے گئے۔ چنانچہ بادشاہ اپنی رعیت سمیت ننگے پاؤں چلا اور آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؑ نے ان سب کو معاف کردیا۔ پھر آپؑ نے بارش کی دعا مانگی۔ اسی وقت چاروں طرف سے بادل اُٹھے اور

اس مملکت پر خوب بارش ہوئی اور ہر طرف ہریالی پھیل گئی۔

حضرت ادریسؑ کی وفات کے متعلق حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریلؑ امین نے بتایا کہ ایک فرشتہ کو خدا کے ہاں کافی قدر و منزلت تھی۔ ایک مرتبہ اس پر اللہ تعالیٰ کا عتاب نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آسمان سے زمین پر بھیج دیا۔ وہ فرشتہ حضرت ادریسؑ کے پاس آیا اور ان سے عرض کیا کہ آپ کو خدا کی بارگاہ میں بڑا مقام حاصل ہے آپؑ میرے لیے بارگاہِ خداوندی میں شفاعت فرمائیں۔

حضرت ادریسؑ نے تین دن تک مسلسل روزے رکھے اور ان کے درمیان افطار نہ کیا۔ پھر چوتھے دن سحر کے وقت آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی دعا قبول کی۔ فرشتے نے آپؑ سے کہا کہ اب میرے پَر آزاد ہو چکے ہیں اور میں دوبارہ پرواز کر سکتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپؑ کے احسان کا بدلہ چکاؤں۔

حضرت ادریسؑ نے کہا: اگر یہ بات ہے تو تم مجھے اپنے پروں پر سوار کرو اور آسمانوں پر لے جاؤ، وہاں جا کر میں ملک الموت کو دیکھنا چاہتا ہوں، کیونکہ جب بھی میں اس کو یاد کرتا ہوں تو زندگی بے مزہ ہو جاتی ہے۔

فرشتے نے آپؑ کو پَروں پر سوار کیا اور جب آپؑ چوتھے اور پانچویں آسمان کے درمیان پہنچے تو وہاں آپؑ نے دیکھا کہ ملک الموت کھڑا تعجب سے اپنا سر ہلا رہا تھا۔ آپؑ نے اسے سلام کیا اور فرمایا: تم سر کیوں ہلا رہے ہو؟

ملک الموت نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں چوتھے اور پانچویں آسمان کے درمیان تمھاری روح قبض کروں۔ میں حیران تھا کہ زمین پر رہنے والے شخص کی روح میں یہاں کیسے قبض کروں گا، کیونکہ زمین سے یہ مقام ہزاروں سالوں کے فاصلہ پر ہے، لیکن اب تم خود بخود یہاں آ ہی گئے۔ اس کے بعد ملک الموت نے چوتھے اور پانچویں آسمان کے درمیان آپؑ کی روح قبض کی۔

قولہ: وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا

مناقب ابن شہر آشوب میں مرقوم ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: ہم لوگ ہدایت یافتہ اور خدا کے چنے ہوئے ہیں۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ
الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا
يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً
وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ
تَقِيًّا ﴿۶۳﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا
خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ
لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ
حَيًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ
شَيْئًا ﴿۶۷﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ
جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿۶۸﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى
الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿۷۰﴾
وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ
نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ

الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم
مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ
فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا
الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ط فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا
وَّأَضْعَفُ جُندًا ﴿٧٥﴾ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ط
وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾
أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾
أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ط سَنَكْتُبُ
مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَّنَرِثُهُ مَا يَقُولُ
وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ
عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ط سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾
أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا
تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ط إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى
الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَّنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَّا
يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا

اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

"پھران کے بعد ایسے ناخلف ان کی جگہ آئے، جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات کی پیروی کی وہ عنقریب گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں گے۔ البتہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک اعمال بجا لائیں۔ ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن کی ذرّہ برابر بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔

وہ ان سدا بہار باغوں میں ہوں گے جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے غیبی وعدہ کر رکھا ہے۔ یقیناً اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ وہ وہاں سلام ہی نہیں سنیں گے کوئی لغو بات نہیں سنیں گے اور انھیں صبح و شام ان کا رزق ملتا رہے گا۔

یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اسے بنائیں گے جو پرہیزگار رہا ہوگا۔ (ملائکہ کہتے ہیں) ہم تمھارے رب کے حکم کے بغیر نہیں اُترتے جو کچھ ہمارے آگے، ہمارے پیچھے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے ہر چیز کا مالک وہی ہے اور تمھارا رب بھولنے والا نہیں ہے۔

وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ سب کا رب ہے۔ آپ اس کی عبادت کریں اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہیں، کیا تمھارے علم میں کوئی اس کا ہم نام بھی ہے؟ انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو پھر زندہ کر کے اُٹھایا جاؤں گا؟ کیا انسان کو یاد نہیں آتا کہ ہم نے اسے پہلے پیدا کیا ہے جب کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا؟ آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور اُنھیں اور ان کے ساتھ شیاطین کو بھی گھیر لائیں گے، پھر انھیں دوزخ کے گرد گھٹنوں کے بَل حاضر کریں گے۔ پھر ہم ضرور ہر گروہ میں سے ہر اس شخص کو علیحدہ کر لیں گے جو رحمٰن کے سامنے سرکش بنا ہوا تھا۔ پھر ہم ان لوگوں کو بہتر جانتے ہیں جو دوزخ میں جانے کے زیادہ حق دار ہیں۔ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جسے جہنم کے کنارے حاضر نہ ہونا ہو۔ یہ تمھارے رب کا حتمی فیصلہ ہے۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔ اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کافر اہلِ ایمان سے کہتے ہیں کہ بتاؤ ہم دو گروہوں میں سے کون بہتر حالت میں ہے اور کس کی مجلسیں زیادہ شاندار ہیں؟ ہم نے ان سے قبل کتنی ایسی جماعتوں کو ہلاک کیا ہے، جو ان سے زیادہ سروسامان کی مالک تھیں اور ان سے زیادہ ٹھاٹھ باٹھ رکھنے والی تھیں۔ آپ کہہ دیں جو گمراہی میں ہوتا ہے رحمٰن اسے ڈھیل دیتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب یہ لوگ وہ چیز دیکھ لیتے ہیں جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے خواہ وہ عذاب کی شکل میں ہو یا قیامت کی صورت

میں ہو' تب انھیں معلوم ہوگا کس کی جگہ بدتر تھی اور کس کا لشکر کمزور تھا۔

اللہ تعالیٰ ہدایت پانے والوں کی ہدایت میں اضافہ کرتا رہتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے ہاں ثواب کے لحاظ سے بہتر اور بازگشت کے لحاظ سے بہتر و برتر ہیں۔ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو مال و اولاد سے ضرور نوازا جاتا رہوں گا۔ کیا یہ غیب سے مطلع ہو چکا ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی معاہدہ کر رکھا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ وہ جو کچھ کہتا ہے ہم اسے لکھ لیں گے اور اس کے عذاب میں مزید اضافہ کریں گے۔ جن باتوں کا یہ کہہ رہا ہے وہ سب سروسامان ہمارے پاس رہ جائے گا اور یہ اکیلا ہمارے پاس حاضر ہوگا۔

اُنھوں نے خدا کے علاوہ اور معبود بنا رکھے ہیں' تاکہ وہ ان کے مددگار ثابت ہوں۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا' ان کے خودساختہ معبود ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور وہ ان کے مخالف ہو جائیں گے۔

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیاطین چھوڑ رکھے ہیں جو انھیں حق کی مخالفت پر اُکسا رہے ہیں۔ آپ ان کے متعلق عذاب کی جلدی نہ کریں۔ ہم تو ان کے دن گن رہے ہیں قیامت کے روز ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کے ہاں مہمانوں کی طرح پیش کریں گے اور جرم کرنے والوں کو پیاسے جانوروں کی طرح دوزخ کی طرف ہانک کر لے جائیں گے۔

اس وقت کوئی شفاعت کا مالک نہ ہوگا' البتہ وہ اس سے مستثنیٰ ہے جس نے رحمٰن کی بارگاہ میں شفاعت کا پروانہ حاصل کرلیا ہے۔ اُنھوں نے کہا ہے کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ یقیناً تم لوگوں نے سخت بے ہودہ بات کہی ہے۔ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر پڑیں' کہ ان لوگوں نے رحمٰن کے لیے بیٹا قرار دیا ہے۔ رحمٰن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں وہ

رحمٰن کی بارگاہ میں بندہ ہو کر حاضر ہونے والے ہیں۔ اس نے سب کو شمار کر رکھا ہے اور سب پر محیط ہے۔

سب کے سب قیامت کے روز اس کے حضور فرداً فرداً پیش ہوں گے۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے عنقریب رحمٰن لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کر دے گا۔ ہم نے اس کلام کو آپ کی زبان سے آسان بنایا ہے' تاکہ آپ پرہیزگاروں کو اس کے ذریعہ سے بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو عذاب سے ڈرائیں۔ ہم نے اس سے قبل کتنی ہی نسلوں کو ہلاک کیا ہے۔ پھر آج کہیں تم ان کا نشان پاتے ہو یا تمھیں کسی کی آہٹ بھی سنائی دیتی ہے''۔

نماز کا ضیاع اور خواہشات کی پیروی

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾

''پھر اُن کی جگہ ایسے ناخلف آئے' جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات کی پیروی کی وہ عنقریب گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں گے''۔

نماز کے ضیاع کا ایک مفہوم اُصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ منقول ہے کہ نماز کے چھوڑنے
کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اسے ترک کردے' البتہ اوقاتِ نماز کی تقدیم و تاخیر سے نماز کا ضیاع لازم نہیں آتا۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ نماز کے اوقات میں تاخیر کرنا ہی نماز کا ضیاع ہے اور یہ حدیث بھی حضرت امام جعفر
صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔

جوامع الجامع میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص بلند و بالا عمارت بنائے اور دیدہ زیب سواری پر
سوار ہو اور قیمتی لباس پہنے تو وہ خواہشات کا پیروکار ہے۔

کتاب الخصال میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''میری اُمت میں سے جو شخص چار باتوں سے محفوظ رہے تو اس کے لیے جنت ہے: ① جو دنیا داری میں داخل نہ

ہو۔ ② خواہشات کی پیروی سے محفوظ ہو۔ ③ شکم کی ناجائز خواہشات سے بچے۔ ④ شرم گاہ کے حرام تقاضوں سے جدا رہے"۔

صبح وشام کی غذا

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾

"اہلِ جنت وہاں سلام کے علاوہ کوئی لغو بات نہیں سنیں گے اور انھیں صبح وشام ان کا رزق پیہم ملتا رہے گا"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ صبح وشام رزق کا وعدہ جنت دنیا کے لیے ہے، کیونکہ جنتِ خُلد میں تو صبح وشام کا کوئی تصور نہیں ہوگا۔ جب اہلِ ایمان دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو ان کی اَرواح کو جنتِ دنیا میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں سورج اور چاند طلوع ہوتے ہیں وہاں صبح وشام کا تصور پایا جاتا ہے۔

محاسن برقی اور طبُ الائمہ میں مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: میرے جسم میں درد اُٹھتے رہتے ہیں اور میں بدہضمی میں مبتلا رہتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: تم کھانا صرف صبح اور شام کے اوقات میں کھایا کرو۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ "انھیں صبح وشام رزق پہنچایا جائے گا"۔

جنت کے وارث متقی ہیں

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

"یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اسے بنائیں گے جو پرہیزگار رہا ہوگا"۔

وارثانِ جنت کی نشان دہی اس دعا سے ہوتی ہے جو تہذیب الاحکام میں نوافل ماہِ رمضان کی دعاؤں کے ضمن میں مذکور ہے۔

سبحان من خلق الجنة لمحمد وآل محمد سبحان من یورثها محمدا وآل محمد وشیعتهم ۔

"پاک ہے وہ ذات جس نے جنت کو محمدؐ وآلِ محمدؐ کے لیے پیدا کیا۔ پاک ہے وہ ذات جو جنت کا

وارث محمدؐ و آلِ محمدؑ اوران کے شیعوں کو بنائے گا"۔

ملائکہ اپنی مرضی سے نازل نہیں ہوتے

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾

"ہم تمھارے رب کے حکم کے بغیر نہیں اُترتے۔ جو کچھ ہمارے آگے، ہمارے پیچھے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے ہر چیز کا مالک وہی ہے اور تمھارا رب بھولنے والا نہیں ہے"۔

اس آیت کے متعلق منقول ہے کہ یہ ملائکہ کا کلام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے آیتِ قرآن کے سانچے میں ڈھال کر نازل کیا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت جبریلؑ کچھ دن آنحضرتؐ کے پاس نہ آئے اور پھر جب کچھ عرصہ کے بعد وہ آئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا: جبریلؑ! تم نے ہمارے ہاں آنا کیوں چھوڑ دیا ہے؟

جبریل امینؑ نے عرض کیا: وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ..... "ہم تو آپؐ کے رب کے حکم سے ہی نازل ہوتے ہیں"۔

عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے یہ الفاظ مروی ہیں: صرف اللہ تعالیٰ ہی ایسی ہستی ہے جس پر سہو ونسیان طاری نہیں ہوتا اس کے علاوہ تمام مخلوق سہو ونسیان میں مبتلا ہوتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ "تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے"۔

خدا کا کوئی ہم نام نہیں ہے

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾

"کیا تمھارے علم میں اس کا کوئی ہم نام بھی ہے؟"

کتاب التوحید میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ایک روایت کے کچھ کلمات یہ ہیں: ہمارا خدا بھولنے سے پاک ہے اور اس پر غفلت طاری نہیں ہوتی، وہ حفیظ وعلیم ہے۔

اور هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا کی تاویل یہ ہے کہ اس کا کوئی ہم نام نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کے علاوہ کائنات میں

کسی کا نام ''اللہ'' نہیں ہے۔ پھر آپؑ نے سائل کو خطاب کر کے فرمایا:
خبردار! علماء سے رجوع کیے بغیر اپنی رائے سے قرآن کی کبھی تفسیر نہ کرنا' کیونکہ یہ رب العالمین کا کلام ہے اور یہ کلامِ بشر کے کلام جیسا نہیں ہے اور اس کی تاویل بھی کلامِ بشر کی تاویل کی مانند نہیں ہے' جس طرح سے خدا مخلوق کے مشابہ نہیں ہے اسی طرح سے اس کا کلام بھی مخلوق کے کلام کے مشابہ نہیں ہے اور خدا کے افعال بھی مخلوق کے افعال سے مشابہت نہیں رکھتے۔ کلام اللہ کی صفت ہے جب کہ بشر کا کلام ان کا فعل ہے لہٰذا کلامِ خدا کو کلامِ بشر کا مشابہ بنا کر ہلاک اور گمراہ نہ ہونا۔

دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار اور اُس کا جواب

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَ اِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿۶۷﴾

''انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو پھر زندہ کر کے اُٹھایا جاؤں گا؟ کیا انسان کو یہ یاد نہیں ہے کہ ہم نے اسے پہلے پیدا کیا ہے جب کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا؟''

کفارِ مکہ ہمیشہ اٹھائے جانے کا مذاق اُڑاتے تھے اور اسے غیر منطقی کہا کرتے تھے اور ایک کافر نے تو یہاں تک کہا تھا کہ بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ کون زندہ کرے گا؟

اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: قل يحييها الذى انشاها اوّل مرة ''آپ کہہ دیں کہ انھیں وہی زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلے پیدا کیا تھا''۔ اور درج بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ کیا اسے یہ بات بھول گئی ہے کہ ہم نے اسے اس وقت پیدا کیا جب وہ کچھ بھی نہیں تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: مقصد یہ ہے کہ خدا نے اسے اس وقت پیدا کیا جب کہ اُس کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اور وہ کسی لکھے پڑھے میں نہ تھا۔ (هٰكَذَا فِي اُصُولِ الْكَافِي وَمَحَاسِنِ الْبَرقِي)

ہر شخص کو دوزخ سے گزرنا ہوگا

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا......

''تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جسے دوزخ کے کنارے حاضر نہ ہونا ہو''۔
تفسیر علی بن ابراہیم میں مذکور ہے کہ آیتِ مجیدہ میں لفظ ''وارد'' آیا ہے۔ لفظ ''داخل'' نہیں آیا۔ ورود کا معنیٰ کسی جگہ

کے پاس سے گزرنا ہے، جیسا کہ عربی زبان کا مقولہ ہے: وَرَدنَا بَنِي فُلَان "ہم فلاں قبیلہ کے پاس سے گزرے"۔

مجمع البیان میں سدی سے منقول ہے کہ میں نے مرہ ہمدانی سے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کی ایت کا مطلب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمام لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے، پھر اپنے اعمال کی وجہ سے وہاں سے نکلیں گے۔ کچھ لوگ بجلی کی چمک کی رفتار سے وہاں سے نکلیں گے۔ کچھ لوگ آندھی کی رفتار سے دوزخ عبور کریں گے۔ کچھ لوگ تیز رفتار گھوڑے کی رفتار سے دوزخ عبور کریں گے۔ کچھ سوار کی طرح سے گزریں گے، کچھ تیز رفتار ہو کر گزریں گے اور کچھ پیدل شخص کی رفتار سے گزریں گے۔

ابی سمیہ بیان کرتے ہیں کہ دوزخ میں داخل ہونے اور داخل نہ ہونے کے متعلق ہمارے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ مومن دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ سب لوگ دوزخ میں ایک بار داخل ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ اہلِ تقویٰ کو نجات دے گا۔

میں (راوی) نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے ملاقات کی اور ان سے یہی مسئلہ دریافت کیا۔ انھوں نے کانوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا اگر میں نے یہ بات حبیبؐ خدا سے نہ سنی ہو تو میرے کان بہرے ہو جائیں۔ آنحضرتؐ فرماتے تھے کہ آیت میں لفظ "ورود" دخول کے معنی میں ہے۔ ہر نیک و بد دوزخ میں ضرور داخل ہوگا۔ دوزخ کی آگ اہلِ ایمان کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح سے ٹھنڈک اور سلامتی بن جائے گی۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ اہلِ تقویٰ کو اس سے نجات دے گا اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل دوزخ میں پڑا رہنے دے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن دوزخ مومن سے کہے گی: اے مومن! جلدی سے گزر جا، تیرے نور نے میرے شعلوں کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کو منجمد گھی کی طرح سے بنا دے گا اور مخلوق کو اس پر جمع کرے گا اس وقت ایک منادی یہ ندا کرے گا کہ تو اپنے اہل کو لے لے اور جنت جانے والوں کو چھوڑ دے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ اختیار میں میری جان ہے دوزخ اپنے اہل کو یوں پہچانتی ہوگی، جس طرح سے کوئی ماں اپنی اولاد کو پہچانتی ہے۔

شیخ صدوق اعتقاداتِ امامیہ میں لکھتے ہیں: روایات میں بیان ہوا ہے کہ جب اہلِ توحید دوزخ میں جائیں گے تو انھیں وہاں کوئی اذیت نہ ہوگی اور جب وہ باہر آئیں گے تو اس وقت انھیں تکلیف محسوس ہوگی اور وہ تکلیف ان کی زندگی کی

غلطیوں کا کفارہ بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی جنتی کو جنت بھیجنے سے پہلے دوزخ اور دوزخ کا عذاب ضرور دکھائے گا' تا کہ اسے جنت کی نعمات کی قدر و قیمت معلوم ہو سکے اور ہر دوزخی کو دوزخ بھیجنے سے قبل جنت اور جنت کی نعمات دکھائے گا' تا کہ اس کی حسرتوں میں اضافہ ہو جائے۔ علاوہ ازیں احادیث میں آیا ہے کہ بخار کا تعلق بھی دوزخ کی گرمی سے ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بیمار کی عیادت کی اور فرمایا: تجھے بشارت ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. بخار میری آگ ہے' میں دنیا میں اس آگ کو اپنے مومن بندے پر مسلّط کرتا ہوں اور یہی دوزخ میں سے اس کا حصہ ہوتا ہے۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: بخار موت کا قاصد ہے اور زمین پر یہ مومن کے لیے زندان ہے اور دوزخ میں سے یہ مومن کا حصہ ہے۔ آنحضرتؐ سے بھی یہی حدیث منقول ہے۔

کافروں کی روش

وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا ۙ اَىُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ خَيۡرٌ مَّقَامًا وَّاَحۡسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾

''اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو اس وقت کافر اہلِ ایمان سے یہ کہتے ہیں کہ بتاؤ ہم دو گروہوں میں سے کون بہتر حالت میں ہے اور کس کی مجلسیں زیادہ شاندار ہیں''۔

درج بالا طرزِ فکر ہر دور کے گمراہوں کا ہے۔ وہ ہمیشہ حقائق کا مقابلہ اپنی مال و دولت اور ظاہری وجاہت سے کرتے ہیں۔ چنانچہ جب کفارِ مکہ کو آیاتِ قرآنی کے ذریعہ سے دعوتِ اسلام دی جاتی تھی تو وہ کہتے تھے کہ تم لوگ اپنی غربت کو دیکھو اور ہمارے سماجی مقام کو بھی دیکھو' اگر تم خدا کے پیارے ہوتے تو تمہارے پاس دولت کی فراوانی ہوتی اور تمہاری محفلیں خوب سجی ہوئی ہوتیں۔ جب کہ ہمارے پاس دولت کی ریل پیل ہے اور ہماری محفلیں خوب سجی ہوئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم باطل پر ہو اور ہم حق پر ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کی خام خیالی ہے' کیونکہ ہم نے ان

سے پہلے کئی ایسی جماعتوں کو ہلاک کیا ہے جو ساز وسامان اور نام ونمود میں ان سے کہیں بہتر تھیں۔ (اضافہ من المترجم)

ائمہ ہدیٰ علیہم السلام سے اس آیتِ مجیدہ کی باطنی تفسیر کچھ یوں منقول ہے: اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا ...... کی آیتِ مجیدہ کے متعلق فرمایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو ہماری ولایت کی دعوت دی، لیکن قریش کے متکبر افراد نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے پیروکاروں سے کہا: ذرا اپنی تنگی ترشی بھی دیکھو اور ہماری مرفہ الحالی اور ہمارے سماجی مرتبہ کو دیکھو پھر خود فیصلہ کرو کہ ہم دو گروہوں میں سے کون سا گروہ بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: تم تو کچھ بھی نہیں ہو۔ ہم نے تم سے پہلے ایسی بہت سی جماعتوں کو ہلاک کیا ہے جو تم سے زیادہ خوش حال تھیں اور تم سے زیادہ زندگی کا ساز وسامان رکھتی تھیں۔

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ ابوبصیر نے کہا کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا (جو گمراہی میں ہوتا ہے خدا اسے ڈھیل دے دیتا ہے) کا کیا مقصد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جو لوگ امیر المومنینؑ اور ہماری ولایت کے منکر ہوتے ہیں خدا انھیں دنیا میں چند دنوں کی ڈھیل دیتا ہے۔ بعد میں ان کی سخت گرفت کرتا ہے۔

میں (راوی) نے کہا: حَتّٰى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ ...... کی آیت کا کیا مقصد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس سے حضرت قائم علیہ السلام کا ظہور مراد ہے اور وہی ''ساعت'' ہیں جب وہ ظہور کریں گے تو ہمارے دشمنوں کو پھر پتہ چلے گا کہ ان دو گروہوں میں سے بدترین ٹھکانہ کس کا ہے اور کمزور لشکر رکھنے والا کون ہے؟ اور جہاں تک اہلِ ہدایت کا معاملہ ہے تو ظہورِ قائمؑ کے وقت ان کی ہدایت میں خدا مزید اضافہ کرے گا، اسی لیے وہ حضرت قائمؑ کا انکار نہیں کریں گے۔

تسبیحاتِ اربعہ کی فضیلت

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

''اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے ہاں ثواب کے لحاظ سے بہتر اور بازگشت کے اعتبار سے بہتر و برتر ہیں''۔

ہر وہ نیکی جسے انسان اپنے پیچھے چھوڑ جائے وہ باقیاتِ صالحات میں شمار ہوتی ہے۔ اولاد باقیاتِ صالحات میں سے ہے۔ اسی طرح سے کوئی شخص مسافروں کے پانی پینے کے لیے کنواں کھودتا ہے یا پل بناتا ہے یا راستہ بناتا ہے یا کوئی علمی ادارہ قائم کرتا ہے تو یہ اس کی باقی رہنے والی نیکیوں میں شمار ہوتی ہیں۔ البتہ احادیث میں باقیاتِ صالحات کا ایک فرد تسبیحاتِ اربعہ کو بھی قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ حسبِ ذیل دو روایات میں مذکور ہے۔ احادیث میں مذکور ہے کہ نیک (من المترجم)

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ باقیاتِ صالحات مومن کا یہ قول ہے: سُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَلَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکۡبَرُ۔

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب میں شبِ معراج جنت میں گیا تو میں نے وہاں پر بہت سے خالی میدان دیکھے جہاں فرشتے جنت کے محلات بنانے میں مصروف تھے اور عجیب بات یہ تھی کہ بعض اوقات وہ کام کرتے کرتے رُک جاتے تھے۔ میں نے ان سے رُکنے کی وجہ پوچھی تو اُنھوں نے کہا کہ جن اہلِ ایمان کے ہم محل تعمیر کر رہے ہیں، ان کی طرف سے اس محل کا مواد آنا بند ہوجاتا ہے تو ہم رُک جاتے ہیں اور جب اس کی طرف سے محل کا مواد آجاتا ہے تو ہم کام شروع کر دیتے ہیں۔ جنت کے محلات کی اینٹیں سونے اور چاندی کی تھیں، میں نے کہا کہ محل کا مواد کیا ہے جسے مومن روانہ کرتا ہے؟

فرشتوں نے کہا: جب کوئی مومن دنیا میں سُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَلَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکۡبَرُ کہتا ہے تو ہم محل بنانے لگ جاتے ہیں اور جب وہ یہ کہنا چھوڑ دیتا ہے تو ہم محل بنانا چھوڑ دیتے ہیں۔

مؤلف کتاب ہذا عرض کرتا ہے کہ اس سے قبل سورۂ کہف میں ہم تسبیحاتِ اربعہ کی فضیلت کی کافی احادیث نقل کرچکے ہیں۔ قارئین اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔

ایک کافر کی لاف گزاف اور اُس کی تردید

اَفَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوۡتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الۡغَيۡبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا ﴿۷۸﴾

”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو مال و اولاد سے ضرور نوازا جاتا رہوں گا۔ کیا یہ غیب سے مطلع ہو چکا ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی معاہدہ

کر رکھا ہے؟"

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل بن ہشام قرشی السہمی کے متعلق نازل ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ صحابی رسولؐ خباب بن ارت کا اس پر کچھ قرضہ واجب الادا تھا۔ خباب قرض کا مطالبہ کرنے کے لیے اس کے پاس گئے تو عاص نے بڑے متکبرانہ لہجے میں کہا کہ تم مسلمان ہو اور تمھارا عقیدہ ہے کہ تمھیں جنت ملے گی جہاں تمھیں سونا چاندی اور ریشم ملے گا۔ خباب نے کہا: درست ہے، ہمارا یہ عقیدہ ہے۔ عاص نے کہا: پھر جنت میں ہماری تمھاری ملاقات ہوگی اور مجھے وہاں اس دنیا کی نعمات سے زیادہ نعمات دی جائیں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اس کا یہ قول نقل کیا پھر خداوند عالم نے اس کے خیالِ باطل کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا یہ غیب سے مطلع ہو چکا ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی معاہدہ کر رکھا ہے۔ جب دونوں باتیں نہیں ہیں تو یہ ایسی بے سروپا باتیں کیوں کرتا ہے؟ ہم اس کی گفتگو لکھ رہے ہیں ہم اس کے عذاب میں مزید اضافہ کریں گے، جن باتوں یعنی جس مال و اولاد کا یہ ذکر کر رہا ہے یہ سب کچھ یہاں رہ جائے گا اور وہ خود ہمارے پاس اکیلا آئے گا۔

خودساختہ معبود اپنے پیروکاروں سے بیزاری اختیار کریں گے

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾

"اُنھوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود بنا لیے ہیں، تاکہ وہ اُن کے مددگار ثابت ہوں۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اُن کے معبود ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور وہ ان کے مخالف ہو جائیں گے"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: مشرکین جن کی عبادت کرتے ہیں قیامت کے دن وہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور خدا کے سامنے ان سے اور ان کی عبادت سے اپنی بیزاری کا اعلان کریں گے۔ عبادت صرف رکوع سجود کا ہی نام نہیں ہے۔ لوگوں کی اطاعت کو خدا نے ان کی عبادت سے تعبیر کیا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت کرتا ہے تو دراصل وہ اس کی عبادت کر رہا ہوتا ہے۔

قولہ: اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیاطین چھوڑ رکھے ہیں، جو انھیں حق کی مخالفت پر اُکسا

رہے ہیں"۔

جب لوگوں نے گمراہی اختیار کی اور گمراہی میں بڑھتے گئے تو خدا نے ان پر شیاطین جن وانس کو تسلط دے دیا، جو انھیں کفر کی مزید ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی افراد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا "آپ ان کے متعلق عذاب کی جلدی نہ کریں ہم تو ان کے دن گن رہے ہیں"۔

معصومین سے مروی روایات میں مذکور ہے کہ اس سے مانعین زکوٰۃ مراد ہیں، جو خدا کے فرمان کے تحت زکوٰۃ نہیں دیتے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان پر جابر ظالم حکام مسلط کردیتا ہے، جو ان کے مال و دولت پر ناحق قبضہ کرلیتے ہیں۔

ائمہ کرام علیہم السلام نے فرمایا: "گننے" سے دن گننا مراد نہیں ہے، کیونکہ اولاد کے دن تو والدین بھی گنا کرتے ہیں اس سے نفسِ شماری مراد ہے۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان منقول ہے: "انسان کا ہر سانس موت کی جانب ایک قدم ہے"۔

آپؑ نے فرمایا: "جس چیز کی گنتی شروع کردی جائے تو وہ کم ہوتی رہتی ہے اور جس کی توقع ہو وہ آکر رہتی ہے"۔

متقین کی قیامت میں عزت افزائی

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾

"قیامت کے دن ہم متقین کو رحمٰن کے ہاں مہمانوں کی طرح سے پیش کریں گے"۔

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گا اور میرے ساتھ کتاب اللہ اور میری اہلِ بیتؑ ہوگی، پھر میری اُمت پیش ہوگی۔ اس وقت میں اپنی اُمت سے پوچھوں گا کہ تم نے کتاب اللہ اور میری اہلِ بیتؑ سے کیا سلوک کیا تھا؟

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا کی آیتِ مجیدہ کی تفسیر پوچھی تو آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا:

اے علیؑ! معزز مہمان ہمیشہ سوار ہوکر ہی میزبان کے پاس جاتا ہے۔ متقین وہ ہیں جنھوں نے خدا کا تقویٰ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ کی محبت کے مستحق بنے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں چن لیا اور ان کے اعمال سے راضی ہوا اور ان کا نام "متقین" رکھا۔

اے علیؑ! اس ذات کی قسم! جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور انسانی جان کو پیدا کیا، متقین خوب صورت چہروں سے قبور

میں سے اٹھائے جائیں گے۔ اُن کے چہرے برف کی مانند سفید ہوں گے۔ انھیں دودھ کی مانند سفید کپڑے پہنائے جائیں گے۔ اُن کے جوتے سونے کے ہوں گے اور اُن کے تسمے موتیوں کے ہوں گے۔ ملائکہ جنت کی اُونٹنیاں لے کر اُن کا استقبال کریں گے اور سواریوں کے ہودج در و یاقوت سے سجے ہوئے ہوں گے اور ان پر استبرق و سندس کے پردے پڑے ہوں گے اور اُن کی مہاریں زبرجد کی ہوں گی۔ وہ سواریاں پرواز کر کے محشر میں آئیں گی۔ ہر متقی کے ساتھ ایک ہزار فرشتے اس کے آگے اور دائیں بائیں ہوں گے۔ وہ انھیں بنا سنوار کر کسی دلہن کی طرح سے جنت کے صدر دروازے پر لے جائیں گے۔

جنت کے دروازے پر ایک درخت ہوگا جس کے ایک ایک پتے کے سائے میں ایک لاکھ افراد بیٹھ سکیں گے۔ اس درخت کے دائیں اور بائیں جانب دو چشمے ہوں گے۔ وہاں پہنچ کر وہ دائیں طرف کے چشمے کا پانی پئیں گے جس کا اثر یہ ہوگا کہ ان کے دلوں سے ہر طرح کا حسد اور کینہ دُور ہو جائے گا اور ان کے جسم سے غیر ضروری بال گر جائیں گے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ (دہر: ۲۱) ”ان کا رب انھیں پاکیزہ مشروب پلائے گا“۔

اس کے بعد وہ بائیں طرف والے چشمے سے غسل کریں گے۔ وہ چشمۂ زندگی ہوگا۔ اس چشمہ کا پانی پینے کے بعد ان پر موت نہیں آئے گی۔ پھر انھیں ہر طرح کی آفات، بیماریوں اور سردی گرمی سے محفوظ کر کے عرشِ خداوندی کے سامنے لایا جائے گا۔ اس وقت رب العزت ملائکہ سے کہے گا: اے فرشتو! میرے ان اولیاء کو جنت میں لے جاؤ، انھیں باقی مخلوق کے ساتھ عرصۂ محشر میں کھڑا نہ کرو۔ میری رضا ان کے لیے سبقت کر چکی ہے اور میری رحمت ان کے لیے واجب ہو چکی ہے، اس لیے میں نہیں چاہتا کہ انھیں ان لوگوں کے ساتھ کھڑا کیا جائے جن کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کے ساتھ برائیاں بھی موجود ہیں۔

اس کے بعد ملائکہ انھیں جنت کی طرف لے جائیں گے۔ جب وہ جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو ملائکہ دروازے پر دستک دیں گے۔ دستک کی آواز سن کر حوریں انھیں جھانک کر دیکھیں گی اور وہ ایک دوسرے سے کہیں گی کہ اولیائے خدا آ چکے ہیں۔ چنانچہ اُن کے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔ وہ جنت میں قدم رکھیں گے تو ان کی جنتی بیویاں ان کا استقبال کریں گی اور کہیں گی ہمیں تمھارا بڑا انتظار تھا۔ ہم تمھیں خوش آمدید کہتی ہیں۔

اس کے جواب میں اولیائے خدا بھی کہیں گے کہ ہمیں بھی تمھاری دید کا بڑا اشتیاق تھا۔

حضرت علی علیہ لسلام نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! وہ اولیائے خدا کون ہوں گے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علیؑ! تیرے وہ شیعہ ہوں گے جو تیری ولایت میں مخلص ہوں گے اور تو ان کا امام ہوگا۔ اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ ''جس دن ہم متقین کو رحمٰن کے ہاں مہمانوں کی طرح سے لے جائیں گے''۔ اور اس دن مجرموں کو دوزخ کی طرف یوں لایا جائے گا جیسا کہ پیاسے جانوروں کو ہانک کر لایا جاتا ہے۔

روضہ کافی اور محاسن برقی میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

عہدِ شفاعت اور وصیت نامہ

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾

''اس وقت کوئی شفاعت کا مالک نہ ہوگا مگر وہ اس سے مستثنیٰ ہے جس نے رحمٰن کی بارگاہ سے شفاعت کا پروانہ حاصل کرلیا ہو''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ شفاعت کے پروانے کے حصول کے لیے امیرالمومنینؑ اور ان کے بعد کے ائمہؑ کی ولایت کا عقیدہ شامل ہے اور یہی حصولِ شفاعت کا پروانہ ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو موت کے وقت اچھی وصیت نہ کرے تو اس کی مروت میں کمی شمار ہوگی۔

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! موت کے وقت کس طرح وصیت کرنی چاہیے؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کسی کو موت آنے لگے اور لوگ اس کے پاس جمع ہوجائیں تو وہ یہ کہے: ''اے پروردگار! اے آسمانوں و زمین کے خالق! اے غیب و حاضر کے جاننے والے! اے رحمٰن و رحیم خدا! میں دارِ دنیا میں رہتے ہوئے یہ اقرار کرتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے تو وَاحِدَہٗ لَا شَرِيْكَ ہے اور محمد مصطفیٰؐ تیرے عبد اور رسولؐ ہیں، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، بعث حق ہے، حساب حق ہے، تقدیر و میزان حق ہے اور دین وہی ہے جیسا کہ تو نے بیان کیا ہے اور اسلام وہی ہے جو تو نے مقرر کیا ہے اور تیرا ہر فرمان سچا ہے اور قرآن تیری نازل کردہ کتاب ہے تو خدائے حق مبین ہے۔ اللہ تعالیٰ محمد مصطفیٰؐ کو بہتر جزا دے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ پر سلام ہوں۔

اے پروردگار! جو میری مصیبت کے وقت میرا مددگار ہے اور میری شدت کے وقت میرا ساتھی ہے اور اے میرے

ولی نعمت اور اے میرے اور میرے آباو اجداد کے معبود! مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کرنا۔ اگر
مجھے میرے نفس کے سپرد کردیا تو میں بُرائی کے قریب ہوجاؤں گا اور بھلائی سے دُور ہوجاؤں گا۔
قبر میں میری وحشت کو اُنس سے تبدیل کرنا اور جس دن میں تجھ سے ملاقات کروں تو میرے لیے اس دن کے
عہد مقرر کرنا۔

اس کے بعد مرنے والا اپنی حاجات کی وصیت کرے۔ اس وصیت کی تصدیق سورہ مریم کی اس آیت سے ہوتی
لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ یہ عہدِ میت ہے اور وصیت کرنا ہر مسلمان کے لیے ضرو
ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس وصیت کی تعلیم حاصل کرے اور اسے زبانی یاد کرے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ وصیت نامہ مجھے تعلیم فرمایا ا
آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے یہ وصیت نامہ جبریلؑ نے تعلیم کیا ہے۔

الکافی اور تہذیب الاحکام میں بھی یہ روایت انھی الفاظ سے مرقوم ہے۔

جوامع الجامع میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن
اپنے صحابہ سے فرمایا: کیا تم لوگ اس بات سے بھی عاجز ہو کہ صبح و شام خدا سے ایک عہد کرو؟
لوگوں نے کہا: ہم کس طرح سے خدا سے عہد باندھیں۔
آپؐ نے فرمایا: صبح و شام یہ کلمات کہو:

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اِنِّی اَعْهَدُ اِلَيْكَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ وَاَنَّكَ اِنْ تَكِلْنِیْ اِلٰى نَفْسِیْ تُقَرِّبْنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِیْ مِنَ الْخَيْرِ وَاِنِّیْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِّیْ عِنْدَكَ عَهْدًا تُوَفِّيْنِيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔

"اے خدا! اے آسمانوں اور زمین کے خالق! اے غائب و حاضر کے عالم! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، تو واحد ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ کہ محمد تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔ اور اگر تو نے مجھے میرے نفس کے سپرد کردیا تو وہ مجھے برائی کے قریب کردے گا اور اچھائی سے دُور کردے گا اور میں صرف تیری رحمت پر ہی

بھروسہ کرتا ہوں تو میرے اس عہد کو اپنے پاس رکھ لے اور قیامت کے دن اسے مجھ سے پورا کرنا بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا"۔

جب کوئی شخص یہ عہد کرتا ہے تو اس عہد پر مہر لگا کر اسے عرش کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اس وقت ایک منادی یہ ندا کرے گا وہ لوگ کہاں ہیں جن کا خدا کے پاس عہد ہے؟ اس کے بعد وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ کے تحت یہ فرمائیں کہ حصولِ شفاعت کے لیے پروانہ کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور آپؑ کے بعد کے ائمہ کی ولایت ہی خدا کی نظر میں عہد ہے۔

خدا کا کوئی بیٹا نہیں ہے

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾

"انھوں نے کہا کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ یقیناً تم لوگوں نے سخت بے ہودہ بات کہی ہے۔ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ گر پڑیں کہ ان لوگوں نے رحمٰن کا بیٹا قرار دیا ہے۔ رحمٰن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ رحمٰن کی بارگاہ میں بندہ ہو کر حاضر ہونے والے ہیں"۔

یہ آیت یہود و نصاریٰ اور کفارِ قریش کی تردید میں نازل ہوئی۔ یہودی کہتے تھے کہ حضرت عزیرؑ خدا کے فرزند ہیں۔ نصاریٰ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت مسیحؑ اللہ تعالیٰ کے فرزند ہیں اور کفارِ قریش کہتے تھے کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ (اضافۃ من المترجم)

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ پہلے پہل کسی بھی درخت پر کانٹے نہیں ہوتے تھے۔ ہر شجر ثمردار ہوتا تھا۔ جب لوگوں نے یہ کہا کہ خدا کے ہاں بیٹا ہے تو درخت کانپ گئے کہ کہیں ان پر عذاب نہ آجائے۔ اس کے بعد درختوں پر کانٹے اُگ آئے۔

اللہ اہلِ ایمان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کرتا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾

''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، رحمٰن عنقریب لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کردے گا''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس محبت سے حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کا عقیدہ مراد ہے۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نماز کے آخر میں بلند آواز سے یہ دعا مانگی:

''پروردگار! اہلِ ایمان کے دلوں میں علیؑ کی محبت پیدا فرما اور منافقین کے دلوں میں اس کی ہیبت وعظمت پیدا فرما''۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے رحمٰن عنقریب لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کردے گا''۔

جب رسولؐ خدا نے لوگوں کے سامنے یہ آیت پڑھی تو حضرت علی علیہ السلام کے ایک مشہور حریف نے کہا کہ محمدؐ کے اس سوال سے تو پرانی مشک میں پڑی ہوئی تھوڑی سی کھجوریں ہی بہتر ہیں۔ محمدؐ خدا سے سلطنت کیوں مانگتے جن سے اُن کی مدد ہوسکے اور وہ خدا سے کوئی خزانہ کیوں نہیں مانگتے جن سے ان کے فاقہ وافلاس کا مداوا ہوسکے؟

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں سورۂ ہود کی دس آیات نازل فرمائیں، جو فعلك تارك بعض ما يوحى اليك...... سے شروع ہوتی ہیں۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا کی تفسیر کے متعلق کئی اقوال منقول ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے مخصوص ہے جیسا کہ ابن عباس نے کہا تھا کہ ہر مومن کے دل میں علیؑ کی محبت ہوتی ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: حضرت رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ تم خدا سے یہ دعا مانگو: ''پروردگار! میرے لیے اپنے پاس سے عہد قرار دے اور اہلِ ایمان کے دلوں میں میری محبت

پیدا فرما"۔ حضرت علی علیہ السلام نے یہ دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے بھی یہ روایت منقول ہے۔

اس مفہوم کی تائید حضرت علی علیہ السلام کے اس فرمان سے ہوتی ہے۔ آپؑ نے فرمایا: اگر میں اپنی اس تلوار سے مومن کی ناک کو زخمی کردوں کہ وہ مجھ سے بُغض رکھے، پھر بھی وہ مجھ سے بُغض نہیں رکھے گا اور اگر میں دنیا بھر کی دولت منافق کو دے دوں کہ وہ مجھ سے محبت رکھے تو پھر بھی وہ مجھ سے محبت نہیں کرے گا۔ اس بات کا نبی اُمی کی زبان سے فیصلہ ہو چکا ہے۔ آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ مومن تجھ سے بُغض نہیں رکھے گا اور منافق تجھ سے محبت نہیں کرے گا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔

شیخ مفید روضۃ الواعظین میں رقم طراز ہیں کہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ کی آیت کا ثمر حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ "ہم نے اس کلام کو آپ کی زبان سے آسان بنایا ہے، تاکہ اس کے ساتھ آپ پرہیزگاروں کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو عذاب سے ڈرائیں"۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو رہنما مقرر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو آپ کی زبان سے آسان کردیا تھا اور آپؐ نے حضرت علیؑ کے ذریعہ سے اہلِ ایمان کو بشارت دی اور منکر اور جھگڑالو قوم کو ڈرایا۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی یہی مفہوم مرقوم ہے۔

سابقہ اقوام کی بربادی سے سبق سیکھو

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

"ہم نے اُن سے قبل کتنی ہی نسلوں کو ہلاک کیا ہے، پھر کیا آج تم ان کا کہیں نشان پاتے ہو یا تمھیں ان میں سے کسی کی آہٹ سنائی دیتی ہے"۔

روضہ کافی میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: سابقہ اقوام کے کھنڈرات میں چل پھر کر دیکھو اور انھیں پکارو اور انھیں آوازیں دو۔ تمھیں ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملے گا۔ تم ان کے اُجڑے ہوئے گھروں سے نصیحت حاصل کرو اور جان لو کہ عنقریب تم بھی اُن میں شامل ہونے والے ہو۔

○○○

سُورَۃ طٰہٰ

سورۃ طٰہٰ مکیۃ ایاتھا ۱۳۵ ورکوعاتھا ۸

''سورہ طٰہٰ مکہ میں نازل ہوئی' اس کی آیات ایک سو پینتیس اور اس کے رکوع آٹھ ہیں''

سورۂ طٰهٰ کے فضائل

ثواب الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''سورۂ طٰهٰ کی تلاوت ترک نہ کرو۔ یہ سورہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اس کا پڑھنے والا بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ جو شخص اس سورہ کی تلاوت پر مداومت کرے گا تو اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور زمانۂ اسلام میں اس نے جو بھی عمل کیا ہوگا اس کا اس سے حساب نہیں لیا جائے گا اور اسے آخرت میں اتنا اجر دیا جائے گا کہ وہ راضی ہوگا''۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سورہ طٰهٰ پڑھنے والے کو قیامت کے دن مہاجرین وانصار کا ثواب دیا جائے گا۔

ابوہریرہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تخلیقِ آدمؑ سے دو ہزار سال قبل اللہ تعالیٰ نے سورۂ طٰهٰ اور سورۂ یٰسین کو پڑھا۔ جب ملائکہ نے قرآن سنا تو اُنھوں نے کہا: خوش نصیب ہے وہ اُمت جس میں یہ کلام اُتارا جائے گا اور خوش نصیب ہیں وہ سینے جن میں یہ کلام محفوظ ہوگا۔ خوش نصیب ہیں وہ زبانیں جو اس کلام کی تلاوت کریں گی''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''جنت میں اہلِ جنت قرآن کی دو سورتیں یٰسین اور طٰهٰ کی تلاوت کریں گے''۔

سورۂ طٰهٰ کے مرکزی موضوعات

اس سورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی' اللہ تعالیٰ کی شانِ سلطنت' حضرت موسیٰؑ کا واقعہ' نفخ صور' قیامت کی ہیبت اور قصۂ آدمؑ وابلیس' ذکرِ خدا سے منہ موڑنے والے کا انجام' اوقاتِ نماز' کافروں کا اعتراض اور اس کا جواب بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ﴿۲﴾ اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ
يَّخۡشٰى ﴿۳﴾ تَنۡزِيۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰى ﴿۴﴾
اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ﴿۵﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى
الۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾ وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ
فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى ﴿۷﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ
الۡحُسۡنٰى ﴿۸﴾ وَهَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ﴿۹﴾ اِذۡ رَاٰ نَارًا فَقَالَ
لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا لَّعَلِّىۡۤ اٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا بِقَبَسٍ اَوۡ
اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿۱۰﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰٮهَا نُوۡدِىَ يٰمُوۡسٰى ؕ ﴿۱۱﴾ اِنِّىۡۤ اَنَا
رَبُّكَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَيۡكَ ۚ اِنَّكَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى ؕ ﴿۱۲﴾ وَاَنَا
اخۡتَرۡتُكَ فَاسۡتَمِعۡ لِمَا يُوۡحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِىۡۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا
فَاعۡبُدۡنِىۡ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِىۡ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ
اُخۡفِيۡهَا لِتُجۡزٰى كُلُّ نَفۡسٍ بِمَا تَسۡعٰى ﴿۱۵﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنۡهَا مَنۡ لَّا

يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۫ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ۙ﴿۲۲﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۚ﴿۲۳﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۧ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۙ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۙ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۙ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۠﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۙ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ۙ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۙ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ۙ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۙ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ۭ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾

سہارا اللہ کے نام کا جو کہ رحمٰن و رحیم ہے

"طٰہٰ، ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نہیں اُتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ یہ تو خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ایک یاد دہانی ہے۔ یہ اس کی طرف سے اُتارا گیا ہے جس نے

زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ وہ رحمٰن عرش پر اختیار و اقتدار رکھنے والا ہے۔ وہ ان تمام چیزوں کا مالک ہے جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان ہیں اور جو زمین کی تہہ کے نیچے ہے وہ اس کا بھی مالک ہے۔

اگر تم بلند آواز سے بات کرو تو وہ راز اور اس سے بھی زیادہ مخفی باتوں کو جانتا ہے۔ وہ اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کے لیے حسین نام ہیں کیا تمھارے پاس موسیٰؑ کی خبر آئی ہے؟ جب اس نے آگ کو دیکھا تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو کہ میں نے آگ دیکھی ہے، شاید میں اس میں سے کوئی انگارہ لے آؤں یا مجھے اس آگ پر سے کوئی رہنمائی مل جائے۔ وہ جب وہاں پہنچا تو آواز دی گئی کہ اے موسیٰؑ میں ہی یقیناً تیرا رب ہوں، اپنی جوتیاں اُتار دے تو وادی مقدس طویٰ میں ہے۔ اور میں نے تجھے منتخب کیا ہے، لہٰذا جو وحی کی جارہی ہے اسے غور سے سن، میں ہی اللہ ہوں، میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔

یقیناً قیامت کی گھڑی آنے والی ہے۔ میں اس کا وقت مخفی رکھ رہا ہوں، تاکہ ہر متنفس کو اس کی کاوش کا بدلہ دیا جاسکے۔ تمھیں اس کے خیال سے کوئی ایسا شخص روک نہ دے جو اس پر یقین نہیں کرتا اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے، ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا۔

اے موسیٰؑ! یہ تیرے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ اس نے کہا: یہ میرا عصا ہے، میں اس کا سہارا لیتا ہوں، اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے میں دوسرے بھی بہت سے کام لیتا ہوں؟

خدا نے کہا کہ اے موسیٰؑ! اسے زمین پر ڈال دے۔ موسیٰؑ نے اسے ڈال دیا تو وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ خدا نے کہا: اسے پکڑ لے اور ڈر نہیں ہم اس کی اصلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ اور اپنے ہاتھ کو سمیٹ کر بغل میں لے لے۔ یہ بغیر کسی تکلیف کے چمکتا ہوا نکلے گا۔

یہ دوسری نشانی ہے، تا کہ ہم تمھیں اپنی بڑی نشانیاں دکھا سکیں۔ فرعون کے پاس جا، وہ سرکش ہو چکا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا: میرے پروردگار! میرا سینہ کشادہ کر دے اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے، تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ اور میرے لیے میرے اپنے خاندان میں سے ایک وزیر مقرر کر دے۔ ہارونؑ، جو کہ میرا بھائی ہے اس سے میری پشت کو مضبوط کر دے اور اسے میرے کام میں شریک بنا دے، تا کہ وہ خوب تیری تسبیح کریں اور تجھ کا بہت زیادہ ذکر کریں۔ یقیناً تو ہمیں دیکھنے والا ہے۔ خدا نے کہا: موسیٰؑ! تمھاری مراد دے دی گئی ہے"۔

عبادتِ رسولؐ

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی عبادت کرتے تھے کہ آپؐ کے پاؤں تھک جاتے تھے۔ آپؐ قیام میں ایک پیر اُٹھاتے اور دوسرا رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر یہ آیت نازل فرمائی: طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ "ہم نے آپؐ پر قرآن اس لیے تو نازل نہیں کیا کہ آپؐ مشقت میں پڑ جائیں"۔

یہ روایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ طٰہٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک نام ہے جیسا کہ مقتل ابی مخنف میں مرقوم ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے دربارِ یزید میں خطبہ دیا جس میں آپؑ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے یہ الفاظ بھی فرمائے تھے: انا ابن من ھو طٰہٰ ما انزلنا علیك القرآن لتشقٰی "میں فرزندِ طٰہٰ ہوں، جس سے خدا نے کہا تھا کہ ہم نے آپؐ پر اس لیے تو قرآن نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جب پاؤں تھک جاتے تھے تو آپؐ پاؤں کی انگلیوں کے سہارے کھڑے ہو کر عبادت کرتے تھے اور عبادت کی وجہ سے آپؐ کے پاؤں پر ورم آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ "طٰہٰ" (یہ "بنی طے" کی لغت ہے جس کا معنی ہے:) "اے محمدؐ! ہم نے آپؐ پر اس لیے تو قرآن نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اٹھائیں"۔

کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''طٰ'' پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک نام ہے اور ''طا'' یا طالب الحق (اے طالب حق) اور ''ھا'' سے الھادی الیہ (ہادی حق) مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے طالب حق اور اے ہادی حق! ہم نے آپؐ پر قرآن اس لیے تو نازل نہیں کیا کہ آپؐ مشقت اٹھائیں۔ ہم نے تو قرآن آپ کی ساخت کی خاطر اُتارا ہے۔

اصولِ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک رات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بی بی عائشہ کے گھر مقیم تھے۔ اُنھوں نے آنحضرتؐ سے کہا: یارسولؐ اللہ! آپؐ طویل عبادت کر کے اپنے آپؐ کو کیوں تھکاتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپؐ کی اگلی پچھلی کمی دُور کر دی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کیا تو نہیں چاہتی کہ میں اللہ تعالیٰ کا شاکر بندہ بنوں؟ آنحضرتؐ پاؤں کی انگلیوں کا سہارا لے کر قیام کرتے تھے، یہاں تک کہ آپؐ کے قدموں پر ورم آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی: طٰهٰ ۚ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۙ ''ہم نے آپؐ پر قرآن اس لیے تو نازل نہیں کیا کہ آپؐ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالیں''۔

احتجاج طبرسی میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس سال تک پاؤں کی انگلیوں کے سہارے قیام کرتے رہے، یہاں تک کہ آپؐ کے قدموں پر ورم آ گیا اور چہرہ زرد ہو گیا۔ آپ ساری ساری رات عبادت میں مصروف رہتے تھے، یہاں تک کہ خدا نے فرمایا: طٰهٰ ۚ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۙ

شیخ الطائفہ حضرت ابن عباس کی زبانی امالی میں لکھتے ہیں کہ ایک دن ہم رسولؐ خدا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ کے پاس حضرت علیؑ اور حسنؑ و حسینؑ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں جبریل امینؑ آپؐ کے پاس مشک و عنبر سے بھرا ہوا سرخ رنگ کا جام لے کر آئے۔ جبریل امینؑ نے آپؐ سے کہا: اللہ تعالیٰ آپؐ پر سلام بھیجتا ہے اور آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپؐ علیؑ اور اس کے دونوں بیٹوں کو بھی اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچائیں۔

ابن عباس کہتے ہیں: رسولؐ خدا نے وہ جام اٹھایا تو اس سے تین مرتبہ لا الٰہ الا اللہ اور تین مرتبہ اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی۔ پھر اُس نے فصیح زبان میں کہا: بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ، طٰهٰ ۚ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۙ

''استواء علی العرش'' کا مفہوم

کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ

اسْتَوٰی ۝ کی آیت پڑھی تو آپؑ نے فرمایا: بے شک خدا کا کلام برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ عرش پر مستولی ہے۔ اپنی مخلوق سے جدا ہے۔ اُس کا عرش اس کا حامل نہیں ہے اور عرش اسے محیط بھی نہیں ہے۔ ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ عرش کا حامل ہے اور اسے تھامے ہوئے ہے اور اُس کے ساتھ ہم یہ بھی کہتے ہیں: وسع کرسیہ والارض ''اُس کی کرسی اقتدار آسمانوں اور زمین پر وسعت رکھتی ہے''۔

عرش و کرسی کے متعلق خدا نے جو کچھ اثبات کیا ہے ہم بھی اسی کا اثبات کرتے ہیں اور ہم اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ عرش یا کرسی اس پر محیط ہے یا خدا کسی مکان کا محتاج ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کا محتاج ہے۔ خدا مخلوق کا محتاج نہیں ہے۔ مخلوق اُس کی محتاج ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا: ''وہ عرش پر ''مستوی'' ہے کسی زوال کے بغیر''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''کائنات کی ہر چیز خدا کے ہاں یکساں قربت رکھتی ہے۔ ایسا نہیں کہ ایک چیز زیادہ قریب ہو اور دوسری کچھ فاصلہ پر ہو۔ کوئی بعید اس سے بعید نہیں اور کوئی قریب اس کے زیادہ قریب نہیں ہے''۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایک عیسائی جاثلیق اپنے ساتھ ایک سو عیسائیوں کی جماعت لے کر مدینہ طیبہ آیا اور اس نے حضرت ابوبکر سے کچھ سوالات پوچھے مگر آپ جواب نہ دے سکے۔ اُنھوں نے اس سے کہا کہ تم علیؑ کے پاس جاؤ اور یہ مسائل ان سے دریافت کرو۔

عیسائی عالم حضرت علی علیہ السلام کے پاس آیا اور اُس نے آپؑ سے بہت سے مسائل پوچھے۔ آپؑ نے اس کے جوابات دیئے۔ اس نے آپؑ سے یہ بھی پوچھا کہ آپؑ ہمیں اپنے رب کے بارے میں بتائیں آیا وہ خود اشیاء کو اٹھائے ہوئے ہے یا کوئی چیز اسے اٹھائے ہوئے ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: وہ اشیاء کو اٹھائے ہوئے ہے، اسے کوئی چیز اٹھائے ہوئے نہیں ہے۔

نصرانی عالم نے کہا: یہ کیسے ممکن ہے جب کہ قرآن میں تو یہ آیت ہے: وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝ (الحاقہ: ۱۷) ''اس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے''۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تم نے غلط سمجھا۔ ملائکہ عرش کو اٹھائے ہوئے ہوں گے اور عرش کسی تخت کی مانند نہیں ہے۔ عرش خدا کا پیدا کردہ اور تدبیر کردہ ہے اور تیرا رب اُس کا مالک ہے اور ایسا بھی نہیں کہ خدا عرش پر اس طرح سے ہو جیسا کہ ایک چیز دوسری چیز پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو عرش اٹھانے کا حکم دیا ہے اور عرش اٹھنے کی اس نے ہی اُنھیں

قوت دی ہے۔

نصرانی نے کہا: آپؑ نے سچ کہا ہے خدا آپؑ پر رحم فرمائے۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے بنا ہے تو اس نے خدا کو حادث قرار دیا اور جو یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں ہے تو اس نے خدا کو "محصور" کردیا اور جو یہ گمان کرے کہ وہ کسی چیز پر ہے تو اُس نے خدا کو محمول قرار دیا۔ آپؑ نے فرمایا: جو یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے ہے یا کسی چیز میں ہے یا کسی چیز پر ہے تو اس نے جھوٹ کہا۔

حنان بن سدیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرش و کرسی کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: عرش کی زیادہ اور مختلف تعبیریں ہیں اور قرآنِ مجید میں اس کی علیحدہ علیحدہ صفات بیان ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿ (التوبہ: ۱۲۹) "وہ عرشِ عظیم کا رب ہے"۔ یہاں "عرشِ عظیم" ملکِ عظیم کے معنی میں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿ یہاں اس کا معنی یہ ہے کہ رحمٰن تختِ اقتدار پر مستوی ہوا۔ یعنی اُس نے کائنات کا نظم و نسق جاری کیا۔ اور یہ اشیاء میں کیفیت کی ملکیت ہے۔ پھر مقامِ وصل میں عرش، کرسی سے منفرد ہے اور عرش اور کرسی کے الفاظ غیوب کے بڑے دروازوں میں سے دو دروازے ہیں۔ اور دونوں غیب ہیں جب کہ غیب میں ملے ہوئے ہیں، کیونکہ کرسی غیب کا ظاہری دروازہ ہے، جہاں سے اس کی تخلیق کا ظہور ہوتا ہے اور تمام اشیاء کا اسی سے ہی ظہور ہے اور عرش وہ بابِ باطن ہے جس میں کیف، کون، قدر، حد، مکان، مشیت، صفتِ ارادہ، علم الفاظ و حرکات، ترک، عود و بداء کا علم پایا جاتا ہے۔

عرش و کرسی علم کے لحاظ سے متصل دروازے ہیں، لیکن عرش کا تعلق اور اشیاء سے ہے اور کرسی کا اور اشیاء سے ہے اور عرش کا علم کرسی کے علم سے زیادہ غائب تر ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے "عرش" کو موصوف بنایا اور "عظیم" کو اس کی صفت قرار دیا اور فرمایا: رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿ "وہ عرشِ عظیم کا رب ہے"۔

کتاب علل الشرائع میں حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہودیوں کا ایک وفد رسولؐ خدا کے پاس آیا اور اُنھوں نے آپ سے پوچھا کہ بیت المعمور مربع صورت میں کیوں ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: کیونکہ وہ عرش کے سامنے ہے۔

اُنھوں نے کہا: تو پھر عرش مربع صورت میں کیوں ہے؟

آنحضرتؑ نے فرمایا کیونکہ عرش جن کلمات پر قائم ہے وہ چار ہیں اور وہ یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ۔

احتجاج طبرسی میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور امر ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چھوٹی بڑی چیز پر غالب ہے۔

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ ایک یہودی نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا: یہ بتائیں کہ آپؑ کا رب کائنات کو اٹھائے ہوئے ہے یا کوئی چیز اسے اٹھائے ہوئے ہے۔

آپؑ نے فرمایا: میرا رب اپنی قدرت سے ہر چیز کو اٹھائے ہوئے ہے اسے کوئی چیز نہیں اٹھاتی۔ یہودی نے کہا: پھر وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ (الحاقہ: ۱۷) (اُس دن اُن کے اُوپر تیرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے) کا کیا مطلب ہے؟ آپؑ نے فرمایا: یہودی! کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے اور زمین کے نیچے جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ ہر چیز مٹی پر ہے اور مٹی قدرت پر قائم ہے اور قدرت ہر چیز کو اٹھائے ہوئے ہے۔

کتاب التوحید میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ایک حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ سات زمینیں اور اُن پر رہنے والی تمام اشیاء ایک بہت بڑے مرغ کی پشت پر ہیں اور وہ اس کی پشت پر ایسی دکھائی دیتی ہیں جیسے کسی صحراء میں ایک انگشتری ہو۔ اس مرغ کا ایک پَر مشرق میں ہے اور دوسرا پَر مغرب میں ہے۔ اس کے قدم ساتویں زمین کے نیچے ہیں اور وہ مرغ جو تمام اشیاء کو اٹھائے ہوئے ہے وہ ایک چٹان پر کھڑا ہے اور چٹان کی وسعت کے مقابلہ میں وہ اتنا ہی چھوٹا ہے جتنا کہ ایک انگشتری کسی صحراء سے چھوٹی ہوتی ہے۔ پھر وہ چٹان ایک مچھلی کی پشت پر ہے اور وہ مچھلی کی وسعت کے مقابلے میں اتنی ہی چھوٹی ہے جتنا کہ ایک انگشتری کسی صحراء سے چھوٹی ہوتی ہے۔ اور وہ مچھلی تاریک سمندر میں ہے اور سمندر کے مقابلہ میں وہ اتنی ہی چھوٹی ہے جتنا کہ ایک انگشتری کسی صحراء سے چھوٹی ہوتی ہے اور تاریک سمندر ہوا پر قائم ہے اور ہوا کی وسعت کے مقابلہ میں تاریک سمندر کی وہی حیثیت ہے جو ایک انگشتری کی کسی صحراء کے سامنے ہوسکتی ہے اور ہوا ثریٰ پر قائم ہے اور ثریٰ کے مقابلہ میں ہوا کی وہی حیثیت ہے جو کسی صحراء کے مقابلہ میں کسی انگشتری کی ہوسکتی ہے۔ پھر آپؑ نے یہ آیت پڑھی:

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝

روضہ کافی میں بھی یہ روایت مرقوم ہے۔

کتاب علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ایک یہودی کے سوال کے جواب میں فرمایا: یہ زمین فرشتے کے کندھے پر ہے۔ اس فرشتے کے قدم چٹان پر ہیں اور چٹان بیل کے سینگ پر ہے۔ بیل کے قدم مچھلی کی پشت پر ہیں۔ مچھلی زیرین سمندر میں ہے۔ سمندر تاریکی پر قائم ہے اور تاریکی ہوائے عقیم پر قائم ہے اور ہوائے عقیم ثریٰ پر قائم ہے اور ثریٰ کے نیچے کیا ہے، اسے خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ زمین کس چیز پر قائم ہے؟ آپؑ نے فرمایا: وہ مچھلی پر ہے۔ پوچھا گیا کہ مچھلی کس چیز پر ہے؟ آپؑ نے فرمایا: وہ پانی پر قائم ہے۔ پھر پوچھا گیا کہ پانی کس چیز پر قائم ہے؟ آپؑ نے فرمایا: وہ ثریٰ پر ہے۔ پھر پوچھا گیا کہ "ثریٰ" کس چیز پر قائم ہے؟ آپؑ نے فرمایا: یہاں آ کر علماء کا علم رُک جاتا ہے۔

روضہ کافی میں بھی اسی مفہوم کی ایک حدیث مذکور ہے۔

بصائر الدرجات میں محمد جعفی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کا تذکرہ کیا اور پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین کو محور سے ہٹنے سے بچانے کے لیے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کو ارکان ارض قرار دیا اور خدا نے انھیں اہلِ زمین اور تحت الثریٰ والوں کے لیے حجت بالغہ بنایا ہے۔

سعیۃ المرج کی زبانی بھی یہ حدیث منقول ہے۔

خدا پوشیدہ اور پوشیدہ ترین چیزوں کو بھی جانتا ہے

......فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى ۝ "وہ راز اور اس سے بھی زیادہ مخفی باتوں کو جانتا ہے"۔

کتاب معانی الاخبار میں محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ "سِر" کیا ہے اور "اخفٰی" کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: "سِر" وہ بات ہے جسے تو نے اپنے دل میں چھپایا ہو اور "اخفٰی" وہ خیال ہے جو تمھارے ذہن میں کھٹکا ہو۔ پھر تم نے اسے بھلا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "سِر" اور "اخفٰی" وہ دونوں کو جانتا ہے۔

مجمع البیان میں بھی صادقین علیہما السلام سے یہی حدیث منقول ہے۔

قولہ: لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۝ ''اس کے لیے خوبصورت نام ہیں''

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو انہیں یاد کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

واقعہ موسیٰ علیہ السلام

وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ۝ إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝

''اور کیا تمھارے پاس موسیٰؑ کی خبر آئی ہے؟ جب اس نے آگ کو دیکھا تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس میں سے انگارہ لے آؤں یا مجھے اس آگ پر سے کوئی رہنمائی مل جائے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنے وطن آرہے تھے اور ان کی گھر والی ان کے ساتھ تھی۔ تاریک رات تھی اور رات بہت سرد تھی۔ آپؑ راستہ بھول چکے تھے۔ اتنے میں آپؑ نے کوہِ طور پر آگ دیکھی تو آپؑ نے اپنے افرادِ خانہ سے کہا کہ تم یہاں ٹھہر جاؤ سامنے آگ دکھائی دیتی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں اور وہاں سے انگارہ لاؤں گا اور ہم یہاں آگ کا الاؤ روشن کریں گے' تاکہ تم لوگ سردی سے بچ سکو۔۔ یا پھر کم از کم مجھے وہاں راستہ تو مل ہی جائے گا۔

جب آپؑ وہاں پہنچے تو آپؑ نے عجیب منظر دیکھا۔ آگ زیتون کی ایک جھاڑی سے نکل رہی تھی اور اس کا کوئی انگارہ نہیں تھا اور اس میں تپش و حرارت نہیں تھی۔ جس طرف سے آگ جل رہی تھی جب آپؑ اس طرف گئے تو آگ نے اسی طرف کو چھوڑ دیا اور دوسری طرف چلی گئی۔ الغرض موسیٰ علیہ السلام چاروں طرف گئے' لیکن آگ اپنا رُخ تبدیل کرتی رہی۔ آپؑ یہ دیکھ کر حیران و پریشان رہ گئے۔ اتنے میں درخت سے آواز آئی کہ میں تیرا خدا ہوں' اپنی دونوں جوتیاں اُتار دو۔ اس وقت تم مقدس وادی طویٰ میں کھڑے ہو' میں نے تجھے نبوت کے لیے چُن لیا لہٰذا جو وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سن۔

تفسیر علی بن ابراہیم اور من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو جوتیاں اُتارنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ جوتی کا چمڑا مُردار گدھے کی کھال سے بنی ہوئی تھی۔ لیکن کتاب کمال الدین میں امام صاحب الزمان

علیہ السلام کی زبانی اس خیال کی تردید مرقوم ہے اور آپؑ نے فرمایا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنے دل سے اپنے اہل وعیال کی محبت نکال دے اور میرے علاوہ اپنے دل سے ہر کسی کی محبت دھو ڈالو۔

کمال الدین کی ایک اور روایت میں ہے کہ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے فرمایا کہ اپنے دل سے اپنے اہل وعیال کے ضائع ہونے کا خوف ہٹا دو اور فرعون کا خوف بھی دل سے نکال دو۔

کتاب کمال الدین اور مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ خدا کی غائبانہ عنایات کے منتظر رہو۔ دیکھو حضرت موسیٰ آگ لینے گئے تھے اور نبی بن کر واپس آئے۔

کتاب علل الشرائع میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن یزید بن سلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وادی مقدس کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: اسے وادی مقدس اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں اَرواح کو تقدیس دی گئی ہے اور اسی وادی میں ملائکہ کا انتخاب کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے اسی وادی میں کلام کیا۔

بھولی ہوئی نماز جب یاد آئے تو پڑھ لینی چاہیے

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ ''میری یاد کے لیے نماز قائم کرو''۔

الکافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم سے کوئی نماز چھوٹ جائے اور دوسری نماز کے وقت میں تمھیں یاد آئے تو تم قضا شدہ نماز پڑھ لو۔ اور اگر تم یہ محسوس کرو کہ وقت اتنا تنگ ہے کہ اگر تم نے قضا نماز پڑھی تو دوسری نماز کا وقت ختم ہو جائے گا تو پھر قضا نماز اس وقت میں نہ پڑھو۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ مفسرین کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب تمھیں یاد آ جائے کہ تم نے نماز پڑھنی ہے تو اس کو پڑھ لو خواہ اس کا وقت ہو یا نہ ہو۔ اور یہی مفہوم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے انس نے رسولِ خدا سے نقل کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جسے نماز بھول جائے تو جب اسے یاد آ جائے تو پڑھ لے۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔ پھر آپؐ نے وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ کی آیت مجیدہ تلاوت فرمائی۔ اس روایت کو مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے جب تجھے نماز پڑھنا بھول جائے پھر یاد آ جائے تو نماز پڑھ لو۔

عصا اور یدِ بیضاء

اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟

انھوں نے کہا کہ یہ میرا عصا ہے، میں اس کا سہارا لیتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لیے درختوں سے پتے جھاڑتا ہوں اور یہ میرے دوسرے کام بھی آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے اب زمین پر پھینکو۔ جب حضرتؑ نے عصا پھینکا تو وہ اژدہا بن کر دوڑنے لگا۔ آپؑ خوفزدہ ہوگئے اور پشت دکھا کر دوڑنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تسلی دی اور فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، ہمارے ہاں رسول ڈرا نہیں کرتے۔ تم اسے پکڑ لو۔ ہم اسے اس کی اصلی حالت میں لے آئیں گے۔ حضرت موسیٰؑ نے اسے پکڑا تو وہ دوبارہ عصا بن گیا۔

خدا نے فرمایا کہ ہماری طرف سے یہ تمھارے لیے پہلی نشانی ہے اور اپنا ہاتھ بغل میں لے لو۔ حضرتؑ نے ہاتھ بغل میں لیا اور جب باہر نکالا تو وہ چمکتا ہوا برآمد ہوا، اس کی دُور دُور تک روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ خدا نے فرمایا کہ ہماری طرف سے تمھارے لیے یہ دوسری نشانی ہے۔ اور یہ نشانیاں لے کر فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ سرکشی پر اُتر آیا ہے اور جا کر محبت و پیار سے اسے تبلیغ کرو۔

اس وقت حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا: پروردگار! اس عظیم ذمہ داری کے لیے میرے سینے کو کشادہ کردے اور میرے معاملہ کو آسان فرما اور میری زبان کی گرہیں کھول دے، تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا اور اس کے ذریعہ سے میری پشت کو مضبوط فرما، تاکہ ہم دونوں بھائی تیرا زیادہ سے زیادہ ذکر کریں اور تسبیح کریں۔ خدا نے فرمایا کہ ہم نے تیری دعاؤں کو قبول کیا۔

اسی طرح کی دعا حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مانگی تھی جیسا کہ مجمع البیان اور قربُ الاسناد میں مرقوم ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ایک دن میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ اتنے میں ایک سائل دروازۂ مسجد پر آیا اور اُس نے نمازیوں سے کہا کہ مجھے خدا واسطے کچھ دو۔ کسی نے اسے کچھ نہ دیا۔ اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی جانب اٹھائے اور کہا: پروردگار! میں نے رسولؐ خدا کی مسجد میں سوال کیا لیکن کسی نے مجھے کچھ نہ دیا۔

اس وقت حضرت علی علیہ السلام رکوع کی حالت میں تھے۔ آپؑ نے سائل کو اشارہ کیا۔ سائل آگے بڑھا اور اس نے

آپؑ کی چھنگلیا سے انگشتری اُتار لی۔ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ کا یہ عمل دیکھا اور جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے آسمان کی طرف سر بلند کیا اور کہا:

"پروردگار! میرے بھائی موسیٰؑ نے تجھ سے سوال کیا تھا: رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَارُونَ أَخِي ۝ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۝ وَأَشْرِكْهُ (پروردگار! میرا سینہ کھول دے اور میرے معاملہ کو آسان فرما اور میری زبان کی گرہیں کھول دے۔ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا۔ اس کے ذریعہ سے میری کمر کو مضبوط بنا اور اسے میرے معاملہ میں شریک فرما) پروردگار! تو نے اُس کی دعا قبول کی تھی اور تو نے یہ فرمایا تھا: سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا (القصص:۳۵) (ہم تیرے بھائی کی وجہ سے تیرے بازو کو مضبوط بنائیں گے اور تمھارے لیے قوت و اقتدار مقرر کریں گے)

خدایا! میں تیرا نبی اور صفی محمدؐ ہوں۔ خدایا! میرا سینہ کشادہ فرما اور میرا معاملہ آسان فرما اور میرے اہل میں سے علیؑ کو میرا وزیر بنا اور اس کے ذریعہ سے میری پشت کو مضبوط فرما۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم جیسے ہی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝ (المائدہ:۵۵) "سوائے اس کے نہیں کہ تمھارا ولی اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ اہلِ ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں"۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں ہشام بن سالم سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ مولاؑ! یہ بتائیں کہ امام حسنؑ افضل تھے یا امام حسینؑ؟ آپؑ نے فرمایا: امام حسن علیہ السلام افضل تھے۔ میں نے کہا: پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ امامت نسلِ حسنؑ کی بجائے نسلِ حسینؑ میں کیوں منتقل ہوئی؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی موسیٰؑ و ہارونؑ کی سنت کو جاری کیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ دونوں بھائی تھے اور نبوت میں دونوں شریک تھے۔ اسی طرح سے امام حسنؑ و حسینؑ بھی بھائی تھے اور امامت میں دونوں شریک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نسلِ ہارونؑ میں نبوت کو جاری کیا۔ نسلِ موسیٰؑ کو نبوت سے محروم رکھا، حالانکہ موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام سے افضل تھے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰىٓ ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا
يُوْحٰىٓ ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ
الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ
مَحَبَّةً مِّنِّىْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِىْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ
اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا
تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ قف
فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِىْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ
يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِىْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِىْ
وَلَا تَنِيَا فِىْ ذِكْرِىْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا
لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ
اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِىْ مَعَكُمَآ
اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا
بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ
وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِىَ اِلَيْنَآ اَنَّ
الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْۤ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ ۚ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی ﴿۵۲﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۵۴﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰی ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰی ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًی ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًی ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰی فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَیْدَهٗ ثُمَّ اَتٰی ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰی وَیْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا فَیُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی ﴿۶۲﴾ قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰی ﴿۶۳﴾

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ
اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ
مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ
مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾
قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا
صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ
اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾
قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ
عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ
وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا
وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ
وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا
عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ
مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ

مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۙ﴿۷۵﴾
جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ
جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ڏ اَنْ اَسْرِ
بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا
وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا
غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ ۭ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِيْٓ
اِسْرَاۗءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ
الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا
رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ
عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾
قَالَ هُمْ اُولَاۗءِ عَلٰٓي اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ
فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ
مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ڬ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ
وَعْدًا حَسَنًا ڛ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ

عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَآ
اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ
فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا
جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾
اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا
نَفْعًا ﴿۸۹﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ
وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ
نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ
مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ
اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ
خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ
قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ
يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ
سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ
لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ

الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ۖۚ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ۙ یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ۚۖ یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ع

"اے موسیٰؑ! ہم نے تم پر ایک اور احسان کیا ہے۔ اُس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تیری ماں کو وہ وحی کی جو اس موقع پر کی جانی چاہیے تھی۔ اس بچے کو صندوق میں رکھ دے، پھر صندوق کو دریا میں ڈال دے۔ دریا اسے ساحل پر پھینک دے گا اور وہاں اسے وہ پکڑے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے اور میں نے اپنی طرف سے تم پر محبت ڈال دی، تاکہ میری نگرانی میں تیری پرورش ہو سکے۔

اُس وقت کو یاد کرو جب تمھاری بہن چل رہی تھی کہ فرعون سے کہے کہ کیا میں تمھیں کسی ایسے کا پتہ بتاؤں جو اس کی کفالت کر سکے۔ اس طرح ہم نے تمھیں تمھاری ماں کے پاس پلٹا دیا، تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ رنجیدہ نہ ہو۔ اور تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ ہم نے تمھیں غم سے نجات دی اور ہم نے تمھاری اچھی طرح سے آزمائش کی، پھر تم اہلِ مدین

میں کئی برس تک مقیم رہے۔ پھر تو اب ٹھیک اپنے وقت پر آ گیا ہے اے موسیٰ! اور میں نے تجھے اپنے لیے چُن لیا ہے۔ تو اور تیرا بھائی میری آیات لے کر جاؤ اور میری یاد میں کوئی تقصیر نہ کرو۔ تم دونوں فرعون کے پاس جا، یقیناً وہ سرکش ہو چکا ہے۔ اور اس سے نرم لہجہ میں بات کرو۔ شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا ڈر جائے۔

ان دونوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر کوئی زیادتی نہ کرے یا سرکش نہ ہو جائے۔ خدا نے کہا: تم دونوں مت ڈرو یقیناً میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

تم دونوں اس کے پاس جاؤ۔ اس سے جا کر کہو کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں۔ بنی اسرائیل کو غلامی سے نکال کر ہمارے ساتھ روانہ کر دے اور انھیں ایذائیں نہ دے۔ ہم تیرے پروردگار کی طرف سے نشانی لے آئے ہیں اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بے شک ہماری طرف اس بات کی وحی کی گئی ہے کہ تکذیب کرنے والے اور منہ پھیرنے والے پر عذاب ہے۔

فرعون نے کہا: اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ اس نے کہا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو مناسب خلقت عطا کی ہے پھر (زندگی بسر کرنے کی) ہدایت کی ہے۔ اس نے کہا: پھر ان لوگوں کا کیا ہوگا جو پہلے گزر چکے ہیں؟

موسیٰ نے کہا: اس کا علم میرے پروردگار کے ہاں ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ وہ نہ تو بھٹکتا ہے اور نہ ہی بھولتا ہے۔ وہی تو میرا رب ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا ہے اور اس میں تمھارے لیے راستے بنائے ہیں اور آسمان سے پانی اُتارا ہے جس کے ذریعہ سے ہم نے نباتات کے مختلف قسم کے جوڑے بنائے ہیں۔ تم خود کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ۔ یقیناً اس میں اہلِ عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

ہم نے تمھیں اسی زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی میں ہی تمھیں پلٹا کر لے جائیں گے پھر ہم تمھیں اسی زمین سے ہی نکالیں گے۔ ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں، لیکن اُس نے سب کو جھٹلا دیا اور انکار کیا۔

کہنے لگا کہ اے موسیٰؑ! کیا تو اس مقصد کے تحت ہمارے پاس آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال دے؟ ہم بھی تیرے مقابلہ میں ویسا ہی جادو پیش کریں گے، ہم سے طے کرے کہ کب اور کہاں مقابلہ کرو گے، نہ ہم اس قرارداد سے پھریں گے اور نہ تم پھرو گے۔ اس کے لیے کھلا میدان مقرر کرو۔

موسیٰؑ نے کہا کہ جشن کا دن طے ہوا، اور دن چڑھے لوگ جمع ہوں۔ اس کے بعد فرعون اُٹھ کر چلا گیا اور اپنے ہتھکنڈے جمع کیے اور مقابلہ پر آ گیا۔ موسیٰؑ نے ان سے کہا: تم پر وائے ہو اللہ پر جھوٹی تہمتیں نہ باندھو ورنہ وہ سخت عذاب سے تمھیں برباد کر دے گا۔ جھوٹ جو بھی گھڑے گا وہ نامراد ہوگا۔ اس پر لوگوں میں اختلاف رائے ہوگیا اور چپکے چپکے باہم مشورہ کرنے لگے۔ کہنے لگے کہ یہ دونوں جادوگر ہیں جو اپنے جادو کے زور سے تمھیں تمھاری سرزمین سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمھارے مثالی نظامِ حیات، کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ آج اپنی ساری تدبیریں جمع کرلو اور ایکا کر کے میدان میں آ جاؤ اور آج جو غالب رہے گا وہ جیت جائے گا۔

جادوگروں نے کہا کہ موسیٰؑ! تم اپنے جادو کو پھینکو گے یا ہم اس میں پہل کریں؟ موسیٰؑ نے کہا کہ تم پہل کرو۔ یکا یک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں جادو کے زور سے موسیٰؑ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ موسیٰؑ اپنے دل میں ڈر گیا۔ ہم نے کہا: ڈرو نہیں تو ہی غالب رہے گا۔ جو کچھ تمھارے ہاتھ میں ہے اسے پھینک دو، یہ ان کی سب بناوٹی چیزوں کو ہڑپ کرلے گا۔ ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے وہ صرف جادو کا فریب ہے اور جادوگر کبھی

کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد جادوگر سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے: ہم رب موسیٰؑ وہارونؑ پر ایمان لے آئے۔ فرعون نے کہا: تم میری اجازت کے بغیر اس پر ایمان لائے ہو' معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمھیں جادو سکھانے والا گرو ہے۔ اب میں تمھارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور کھجور کے تنوں پر تمھیں سولی چڑھاؤں گا اور تمھیں معلوم ہوجائے گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔

اُنھوں نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ ہم صداقت کی واضح نشانیاں آجانے کے بعد تجھے ہرگز ترجیح نہ دیں گے۔ تجھے جو بھی فیصلہ کرنا ہے کر لے تو زیادہ سے زیادہ بس اس دنیا کی زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے' تاکہ وہ ہماری غلطیوں کو معاف کرے اور اس جادو کی غلطی کو بھی معاف کرے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے۔ اللہ ہی سب سے بہتر ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے۔ یقیناً جو اپنے رب کی بارگاہ میں مجرم بن کر آئے گا تو اس کے لیے دوزخ ہے جس میں وہ نہ مر سکے گا اور نہ ہی جی سکے گا۔ اور جو اس کے حضور مومن بن کر حاضر ہوگا اور اس نے نیک اعمال بجا لائے ہوں گے تو ان کے لیے بلند ترین درجات ہوں گے۔ ہمیشہ رہنے والی جنت جس کے نیچے نہریں رواں ہوں گی' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ پاکیزگی اختیار کرنے والوں کی جزا ہے۔

ہم نے موسیٰؑ کو وحی فرمائی کہ میرے بندوں کو رات کے وقت لے جاؤ اور ان کے لیے سمندر میں سے سوکھا راستہ بنا لے۔ تجھے کسی کے تعاقب کا خوف نہیں ہونا چاہیے اور نہ سمندر کے بیچ سے گزرتے ہوئے ڈر محسوس ہونا چاہیے۔

فرعون اپنا لشکر لے کر ان کے تعاقب میں چلا' پھر سمندر ان پر چھا گیا جیسا کہ چھا جانے کا حق تھا۔ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا تھا' صحیح رہنمائی نہیں کی تھی۔ بنی اسرائیل! ہم نے تمھیں تمھارے دشمن سے نجات دی ہے اور طور کے دائیں جانب تمھاری حاضری کے لیے

وقت مقرر کیا۔ تم پر من و سلویٰ اُتارا۔ ہم نے تمھیں جو پاکیزہ رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور سرکشی نہ کرو، ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا تو وہ برباد ہوگیا۔ میں ہر اس شخص کے لیے غفار ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل بجالائے پھر ہدایت پر ثابت قدم رہے۔

اے موسیٰؑ! کون سی چیز تجھے قوم سے پہلے لے آئی؟ اس نے کہا: وہ میرے پیچھے آرہے ہیں، میں جلدی کرکے تیرے حضور آیا ہوں۔ اے میرے رب تاکہ تو راضی ہوجائے۔ خدا نے کہا کہ ہم نے تیرے بعد تیری قوم کی آزمائش کی ہے۔ سامری انھیں گمراہ کرچکا ہے۔

یہ سن کر موسیٰؑ اپنی قوم کے پاس غمگین اور ناراض ہوکر واپس آئے اور کہا کہ اے میری قوم! کیا تمھارے رب نے تم سے بہتر وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا اس عہد میں زیادہ طول ہوگیا ہے یا پھر تم یہ چاہتے ہو کہ تم پر تمھارے رب کا غضب نازل ہو، اسی لیے تم نے میرے وعدہ کی مخالفت کی ہے؟

انھوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اختیار سے وعدہ خلافی نہیں کی، بات یہ ہے کہ ہم پر قوم کے زیورات کا بوجھ لادا گیا تھا تو ہم نے ان کو پھینک دیا تھا اسی طرح سے سامری نے بھی پھینک دیا۔ سامری ان کے لیے ایک بچھڑے کی مورت بنا کر نکال لایا جس سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ اسے دیکھ کر لوگ کہنے لگے کہ یہی تمھارا اور موسیٰؑ کا معبود ہے جس سے غافل ہوکر موسیٰؑ اسے ڈھونڈنے چلے گئے ہیں۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ نہ تو ان کی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان اور فائدہ کا اختیار رکھتا ہے۔

ہارونؑ نے ان لوگوں کو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم! تم اس کی وجہ سے فتنہ میں پڑ گئے ہو۔ تمھارا رب تو رحمٰن ہے تم لوگ میری پیروی کرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ وہ کہنے لگے جب تک موسیٰؑ واپس نہ آجائے ہم اس کے گرد جمع رہیں گے۔

موسیٰؑ نے کہا: اے ہارونؑ! جب تم نے یہ دیکھا کہ یہ گمراہ ہو چکے ہیں تو تم نے میرے طریقے پر عمل کیوں نہ کیا؟ کیا آپ نے میرے فرمان کی نافرمانی کی ہے؟ ہارونؑ نے کہا: ماں جائے! میری داڑھی اور میرے سر کو مت پکڑ۔ مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آ کر کہے گا کہ تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میرے فرمان کا انتظار نہ کیا۔ موسیٰؑ نے کہا: اے سامری! تیرا معاملہ کیا ہے؟ اُس نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں کو دکھائی نہیں دی تھی۔ میں نے رسول کے نقشِ قدم سے مٹی اُٹھا لی اور اس کو ڈال دیا۔ میرے نفس نے مجھے اسی طرح سے سُجھایا تھا۔

موسیٰؑ نے کہا: اچھا اب تو چلا جا' اب تو زندگی بھر کہتا پھرے گا کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا اور تیرے لیے حساب کا ایک وقت مقرر ہے جو تجھ سے ہرگز نہ ٹلے گا اور تو اپنے اس خدا کو دیکھ جس پر تو جھکا ہوا تھا۔ ہم اسے جلا ڈالیں گے اور ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہا دیں گے۔

لوگو! تمھارا معبود تو بس وہی خدا ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کا علم ہر چیز پر وسعت رکھتا ہے۔ اس طرح سے ہم آپ کو گزرے ہوئے لوگوں کی داستانیں سناتے ہیں۔ ہم نے اپنی جانب سے آپ کو درسِ نصیحت عطا کیا ہے۔ جو اس سے منہ پھیرے گا وہ قیامت کے دن گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا۔ اور ایسے افراد ہمیشہ اس وبال میں رہیں گے اور قیامت کے دن یہ بوجھ ان کے لیے بہت بُرا ہوگا۔

جب صُور پھونکا جائے گا اور ہم جرم کرنے والوں کو اس طرح سے گھیر کر لائیں گے کہ ان کی آنکھیں پتھرائی ہوئی ہوں گی۔ وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کر کے کہیں گے کہ تم زیادہ سے زیادہ دس دن ہی دنیا میں رہے ہو گے۔ جو کچھ وہ کہہ رہے ہوں گے ہم اسے اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ اس وقت ان میں سے محتاط اندازہ لگانے والا کہے گا کہ تمھاری زندگی تو بس ایک دن کی تھی"۔

حضرت موسیٰؑ کا بچپن

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: فرعون نے بنی اسرائیل کی اولاد کو ... کیا، لیکن حضرت موسیٰؑ کو پالا پوسا اور وہ اُن سے پیار کرتا تھا۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ جس بچے کو وہ پال رہا ہے وہی اسے تباہ و برباد کرے گا۔ ایک دن حضرت موسیٰؑ اس کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انھیں چھینک آئی اور انھوں نے اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ کہا۔ فرعون کو ان کا یہ جملہ ناگوار گزرا۔ اس نے کہا کہ تم نے یہ کیا کہا ہے؟

فرعون کی داڑھی لمبی تھی۔ حضرت موسیٰؑ نے اس کی داڑھی پکڑی اور اسے زور سے کھینچا۔ فرعون کو اس سے شدید اذیت محسوس ہوئی۔ فرعون نے ارادہ کیا کہ وہ موسیٰؑ کو قتل کردے۔ اس کی بیوی حضرت آسیہ موجود تھیں۔ اُنھوں نے اس سے کہا: یہ معصوم اور ناسمجھ بچہ ہے اسے کچھ معلوم نہیں ہے کہ وہ کیا کہہ اور کر رہا ہے؟

فرعون نے کہا: نہیں اسے سب کچھ معلوم ہے۔ بی بی آسیہ نے کہا: اس کا امتحان لے لے۔ اس کے سامنے کھجوریں اور انگارے رکھ دے اگر یہ تمیز کرلے تو پھر اسے قتل کرا دینا۔ چنانچہ فرعون نے دو علیحدہ علیحدہ تھال لیے۔ ایک میں دہکتے ہوئے انگارے رکھے اور دوسرے میں تازہ کھجوریں رکھیں۔ حضرت موسیٰؑ کو درمیان میں بٹھایا اور انھیں کہا کہ کھاؤ۔ موسیٰؑ کھجور کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کو بھیجا۔ اُنھوں نے آپؑ کا ہاتھ پکڑ کر انگاروں میں ڈالا۔ آپؑ نے ایک انگارہ مٹھی میں لیا۔ جب ہاتھ جلنے لگا تو بچوں کی عادت کے مطابق اسے منہ میں ڈالا جس سے آپ کا ہاتھ بھی جل گیا اور منہ بھی۔ آپؑ رونے لگے۔ بی بی آسیہ نے کہا: میں نے نہ کہا تھا کہ ناسمجھ بچہ ہے تو نے اس بچارے کو جلا دیا ہے۔ اس انگارے کی وجہ سے حضرت کی زبان میں لکنت آ گئی تھی۔ فرعون نے آپؑ کے قتل کا ارادہ ترک کردیا۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کیا موسیٰؑ و ہارونؑ سگے بھائی تھے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔ کیا تو نے ہارونؑ کا یہ قول نہیں پڑھا: یابن اُمّ (اے ماں جائے)

میں (راوی) نے عرض کیا: وحی موسیٰؑ و ہارونؑ دونوں پر اُترتی تھی؟

آپؑ نے فرمایا: وحی حضرت موسیٰؑ پر آتی تھی۔ آپ ہارونؑ کو اس سے مطلع کرتے تھے۔

میں نے کہا: تو کیا احکامِ قضا یا اوامر و نواہی میں دونوں شریک تھے؟

آپؑ نے فرمایا: جب موسیٰؑ موجود ہوتے تو وہی فیصلے کرتے تھے ان کی عدم موجودگی میں حضرت ہارونؑ فیصلے کرتے تھے۔

ارشاد مفید میں ہے کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک پر روانہ ہوئے تو آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا۔ منافقین نے طعنے دیئے کہ رسولِ خدا علیؑ سے اُکتا چکے تھے اسی لیے وہ انھیں اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔ حضرت علی علیہ السلام طعنے برداشت نہ کرسکے آپؑ مدینہ سے چلے اور رسولِ خدا سے جا ملے اور عرض کیا کہ لوگ تو اس طرح کے طعنے دیتے ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: بھائی واپس چلے جائیں۔ مدینہ کی اصلاح یا مجھ سے ہوسکتی ہے یا تم سے ہوسکتی ہے تو میرے خاندان، میرے دارِ ہجرت اور میری قوم میں میرا جانشین ہے۔ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ''کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمھیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے''۔

حضرت موسیٰؑ مرکزِ محبت تھے

وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ۬ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ﴿۳۹﴾

''اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی تاکہ میری نگرانی میں تمھاری پرورش ہوسکے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ شکمِ مادر میں آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا حمل مخفی رکھا۔ وضع حمل سے پہلے کسی کو ان کے حاملہ ہونے کا علم نہ ہوسکا۔ فرعون نے قبطی عورتوں کو اسرائیلی عورتوں پر نگران بنا دیا تھا، تاکہ ہر پیدا ہونے والے بچے کے متعلق اسے لحہ بہ لحہ خبر ہوتی رہے، اگر کسی کے گھر بیٹا پیدا ہوتا تو فرعون کے سپاہی آتے اور اسے ذبح کردیتے اور کسی کے ہاں بیٹی جنم لیتی تو وہ اسے زندہ رہنے دیتے تھے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو بی بی نے اپنے بیٹے کو دیکھا اور رونے لگیں اور کہنے لگیں کہ ہائے میرا نورِ چشم ابھی قتل ہو جائے گا۔ قبطی عورت ان کے گھر میں آئی ہوئی تھی۔ جب اس نے بی بی کو پریشان حال دیکھا تو وہ کہنے لگی کہ آپ اتنی پریشان کیوں ہیں؟ بی بی نے کہا: مجھے اپنے بیٹے کے ذبح ہونے کا خوف پریشان کیے ہوئے ہے۔ قبطی عورت کی حضرت موسیٰؑ کے چہرے پر جیسے ہی نظر پڑی تو آپؑ کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی اور کہنے لگی کہ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ کے بچے کی کسی کو خبر نہ کروں گی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو ایسی شکل وصورت عطا کی تھی کہ جو بھی انھیں

دیکھتا تھا وہ اپنے دل میں اُن کے لیے محبت محسوس کرتا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ
''میں نے اپنی طرف سے تجھ پر اپنی محبت ڈال دی''۔

احتجاج طبرسی میں ہے کہ شام کے ایک یہودی نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ حضرت موسیٰؑ کے متعلق آپ کی کتاب نے گواہی دی ہے: وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۔کیا تمھارے نبی کو بھی ایسا اعزاز نصیب ہوا ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: یہ سچ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو مرکزِ محبت بنایا تھا' لیکن اُس نے اپنے حبیب کو اس سے افضل مقام عطا کیا ہے۔ اذان و اقامت اور کلمہ میں جب بھی اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہمارے نبی کا نام لیا جاتا ہے۔ جہاں جہاں خدا کا ذکر ہوتا ہے وہاں وہاں محمد مصطفیٰؐ کا بھی ذکر ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ فرعون کے گھر پر

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مادرِ موسیٰؑ کے لیے ایک صندوق نازل کیا اور اسے آواز سنائی دی کہ اپنے بیٹے کو اس صندوق میں لٹا دے اور صندوق کو دریائے نیل کی لہروں کے سپرد کردے' لیکن تمھیں ڈرنے اور خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اسے تیرے پاس لوٹا دیں گے اور اسے رسول بنائیں گے اور دریا کی لہروں سے اسے وہ پکڑے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور تیرے بیٹے کا بھی دشمن ہے۔

بی بی نے اپنے نوزائیدہ بیٹے کو صندوق میں لٹایا اور صندوق کا ڈھکنا بند کردیا اور صندوق اُٹھا کر دریائے نیل پر چلی گئی اور وہاں پہنچ کر بیٹے کے صندوق کو خدا کا نام لے کر لہروں کے سپرد کردیا۔ حضرت موسیٰؑ کا صندوق دریا کی لہروں پر تیرنے لگا۔ بی بی نے اپنی بیٹی سے کہا کہ بیٹی تم کچھ فاصلہ رکھ کر دریا کے کنارے چلتی رہو اور دیکھو تمھارے بھائی کا صندوق کہاں جاتا ہے۔

دریائے نیل کے کنارے فرعون کے کئی محلات اور کئی سیرگاہیں تھیں۔ فرعون اور اُس کی بیوی حضرت آسیہ اپنے محل کے صحن میں کھڑے تھے' اُنھوں نے دُور سے دریا میں ایک سیاہ دھبا دیکھا تو وہ اسے دیکھنے میں محو ہو گئے اور دھبہ جب قریب آیا تو انھوں نے دیکھا کہ ایک صدوق دریا پر تیر رہا ہے اور پھر وہ صندوق قصرِ فرعون کے دروازے پر آ گیا۔ فرعون نے حکم دیا کہ اس صندوق کو پکڑ کر اس کے پاس لایا جائے۔ نوکروں نے صندوق پکڑ کر فرعون کے سامنے پیش کیا۔ جب صندوق کھولا گیا تو اس میں ایک من موہنا بچہ تھا۔ فرعون نے کہا: ہو نہ ہو یہ بچہ اسرائیلی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اُس کی بیوی کے دلوں

میں اس کی محبت ڈال دی۔ پہلے فرعون نے کہا: میں اسے ذبح کرتا ہوں۔ بیوی نے کہا: ایسا ہرگز نہ کرنا۔ ہم اسے پالیں گے، عین ممکن ہے یہ جوان ہو کر ہمیں کوئی فائدہ دے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔ بی بی نے یہ جملے اس لیے کہے تھے کہ فرعون بے اولاد تھا۔

موسیٰ کو دودھ پلانے کے لیے بہت سی عورتیں آئیں، لیکن موسیٰ نے کسی بھی عورت کا دودھ نہ پیا۔ فرعون بچے کی وجہ سے سخت پریشان ہوا۔ اس وقت حضرت موسیٰؑ کی بہن محل میں آئی اور کہا کہ میں ایک گھرانے کو جانتی ہوں جو اس کی پرورش کرسکتا ہے اور وہ اس کے ہمدرد بھی ہوں گے۔

فرعون نے کہا: ہاں، اگر ایسی کوئی عورت تیری نظر میں ہے تو اسے یہاں لے آ۔ بی بی گئی اور اپنے ساتھ اپنی ماں کو لے کر آ گئی۔ بی بی نے اپنے بیٹے کو گود میں لیا اور انھیں اپنی چھاتی سے چمٹایا۔ بچہ جیسے ہی ماں کی چھاتی سے چمٹا تو اُس نے دودھ پینا شروع کردیا۔

فرعون اور اس کی بیوی کو بہت خوشی ہوئی اور اُنھوں نے بی بی کو بہت سا انعام و اکرام دیا، اور بی بی سے کہا کہ آپ ہمارے بچے کو دودھ پلائیں، ہم تمھیں بہت سا انعام دیں گے۔ اس کے علاوہ آپ کی جو بھی فرمائش ہوگی وہ پوری کی جائے گی۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام علیہ السلام سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں سے کتنا عرصہ دُور رہے تھے؟

آپؑ نے فرمایا: تین دن تک وہ ماں سے جدا رہے تھے۔

قولہ: وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ

"تو نے ایک شخص کو قتل کیا، ہم نے تجھے غم سے نجات دی"۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰؑ پر رحم کرے اُنھوں نے غلطی سے ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر بارہ برس کی تھی۔ قبطی کو قتل کرنے کے بعد حضرت موسیٰؑ کے لیے فرعون کے گھر میں رہنا ناممکن ہوگیا تھا۔ آپؑ نے رات کی تاریکی میں شہر چھوڑا اور طویل مسافت کے بعد شہر مدین پہنچے جہاں انھیں تقدیر حضرت شعیبؑ کے گھر میں لے گئی اور آپؑ نے مدین میں دس سال قیام کیا۔ پھر آپؑ نے اپنے سسر سے اجازت لی اور اپنے وطن کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؑ کے ساتھ آپ کی بیوی اور کچھ بھیڑیں بھی ہمراہ تھیں۔ سفر کرتے کرتے رات ہوگئی۔ رات بڑی تاریک اور یخ بستہ تھی۔ حضرتؑ کی زوجہ کو دردِ زہ شروع ہوگیا۔ صحراء کی ٹھنڈی یخ بستہ رات اور بیوی کی یہ حالت آپ کو بار بار پریشان کر رہی تھی۔ آخرکار آپ کو دُور سے آگ دکھائی دی، آپؑ نے بیوی کو وہاں بٹھایا اور فرمایا تم

یہاں رُک جاؤ' سامنے آگ دکھائی دے رہی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں' وہاں سے کوئی انگارہ لے کر آؤں گا یا کم از کم اہل سے راستے کی صحیح رہنمائی مل جائے گی۔ جب آپؑ آگ کے قریب آئے تو درخت سے صدا آئی: ''موسیٰ! میں تیرا پروردگار تجھ سے ہم کلام ہوں۔ یہ وادی مقدس ''طُویٰ'' ہے۔ تم اپنے جوتے اُتار دو اور میری گفتگو سنو۔ تم میرے رسول ہو اور تم فرعون کے پاس جاؤ اور اسے دین کی تبلیغ کرو۔

حضرتؑ نے عرض کیا: خدایا! اس کام میں میرے بھائی ہارونؑ کو بھی شامل فرما' کیونکہ وہ میری نسبت فصیح اللسان ہے اسے میرے معاملات میں شریک فرما۔ خدا نے فرمایا: ٹھیک ہے ہم نے تیری درخواست قبول کی ہے۔ اس کے بعد خدا نے فرمایا: اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ ''تم دونوں بھائی فرعون کے پاس چلے جاؤ وہ سرکش ہو چکا ہے اس سے نرم و نازک لہجہ میں گفتگو کرنا' شاید وہ نصیحت قبول کرے یا خدا سے ڈر جائے''۔

علل الشرائع میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا کہ یہ نرم لہجہ میں بات کرنے کا کیا مطلب ہے؟

آپؑ نے فرمایا: فرعون اپنے آپ کو ''ابومصعب'' کہلاتا تھا۔ خدا نے بھی اپنے نبی سے فرمایا کہ جب اس کے پاس جاؤ تو بڑے نرم لہجے میں اس سے باتیں کرو اور اسے ''ابومصعب'' کی کنیت سے مخاطب کرو' تا کہ اس کی دلجوئی ہوتی رہے اور خدا کو یہ بھی معلوم تھا کہ فرعون جیتے جی ایمان نہیں لائے گا مگر اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو ترغیب دینے کے لیے کہا کہ جاؤ اسے تبلیغ کرو لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ ''شاید وہ نصیحت مان لے یا خدا سے ڈر جائے''۔

فرعون زندگی میں تو ایمان نہ لایا البتہ جب ڈوبنے لگا تو اس نے کہا: ''اب میں اس ذات پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لا چکے ہیں''۔ چونکہ اس کا ایمان عالمِ مایوسی کا ایمان تھا' اس لیے خدا نے اس کے ایمان کو قبول نہ کیا اور فرمایا: ''اب ایمان لاتا ہے جب کہ اب تک تو نافرمانی کرتا رہا ہے اور تو فسادیوں میں سے رہا ہے''۔

الکافی میں بھی اسی مفہوم کی روایت مذکور ہے۔

مسئلہ ربوبیت پر بحث

یہاں پہنچ کر ہم کچھ دیر کے لیے نور الثقلین سے ہٹ کر محقق علامہ مرتضیٰ عسکری کی کتاب ''عقائد الاسلام من القرآن الکریم'' کی جلد اوّل سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں:

''قرآنِ مجید میں بہت سے مقامات پر حضرت موسیٰؑ اور اس دور کے طاغوت فرعون کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں پہنچ کر فرعون کو دعوتِ اسلام دی اور عصا اور یدِ بیضاء کے معجزات دکھائے تو فرعون نے عمائدینِ مصر کا اجلاس بلایا اور ان سے کہا: اَنَا رَبُّکُمُ الۡاَعۡلٰی ﴿۲۴﴾ (النازعات:۲۴)

فرعون کا مقصد یہ تھا کہ مثلاً جب ایک مرغی کے لیے کسی ''رب'' کی ضرورت ہے جو اس کا مالک ہو اور اسے پالے' ے دانہ ڈالے اور پانی پلائے تو اس طرح کی تمام خصوصیات اس فرعون میں بھی ہیں: اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡکُ مِصۡرَ وَ ہٰذِہِ الۡاَنۡہٰرُ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ (الزخرف:۵) ''کیا مصر کی حکومت میری نہیں ہے اور کیا نیل اور اس سے نکلنے والی نہریں جو میرے محل کے نیچے بہہ رہی ہیں میری نہیں ہیں؟''

فرعون نے یہ بات اس لیے کہی کہ وہ مصر کے سفید و سیاہ کا مالک تھا اور اسے یہ زعم تھا کہ وہ مصریوں کا روزی رساں ر کفیل ہے۔ لوگوں کی زندگی کے فیصلے کا حق اس کے پاس ہے۔ لوگ اپنے فیصلے کرانے کے لیے اس طاغوت کے پاس جاتے تھے۔ اس کے دماغ میں یہ خناس سما گیا تھا کہ وہ لوگوں کا رب ہے' لہٰذا اس کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ دین اور قانون ہے اور لوگوں کو اس کے دین پر چلنا چاہیے۔ چاہے وہ یہ حکم دے کہ بنی اسرائیل قبطیوں کی خدمت کریں اور چاہے وہ یہ حکم ے کہ بنی اسرائیل کے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیا جائے۔ کسی کو اس کے خلاف لب کشائی کا حاصل نہیں ہے۔ فرعون نے کبھی بھی خلاقیت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور اس نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ میں نے زمین و آسمان کو ا کیا ہے۔ اس کی بجائے وہ یہ کہتا تھا: اَنَا رَبُّکُمُ الۡاَعۡلٰی ''میں تمھارا ربِ اعلیٰ ہوں''۔ میری مرضی کے بغیر پرندہ پر نہیں مار ا۔ میرے حکم کے بغیر کوئی سانس نہیں لے سکتا۔ حکم میرا ہے' فیصلہ میرا ہے' اختیار میرا ہے' میرے دین و قانون اور میرے م کی پابندی کرو۔

اب دیکھیں اس کے دعویٰ ربوبیت کے مقابلے میں حضرت موسیٰؑ اور اُن کے بھائی حضرت ہارونؑ کیا پیغام لائے ۔ خدا نے ان دونوں بھائیوں سے خطاب کرتے ہوئے ان کی رسالت کا مقصد واضح کر دیا تھا۔

اِذۡهَبَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿۴۳﴾ فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَکَّرُ اَوۡ یَخۡشٰی ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنۡ یَّفۡرُطَ عَلَیۡنَاۤ اَوۡ اَنۡ یَّطۡغٰی ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیۡ مَعَکُمَاۤ اَسۡمَعُ وَ اَرٰی ﴿۴۶﴾ فَاۡتِیٰهُ فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلَا رَبِّکَ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ وَ لَا تُعَذِّبۡهُمۡ ؕ قَدۡ جِئۡنٰکَ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکَ (طٰہٰ: آیت ۴۳-۴۷)

’’تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ یقیناً وہ سرکش ہو چکا ہے۔۔۔۔۔تم جا کر اس سے کہو کہ بلاشبہ ہم دونوں تیرے رب کے پیغامبر ہیں تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ روانہ کر اور انھیں اذیت نہ دے۔ ہم تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس نشانی لے کر آئے ہیں‘‘۔

ان آیات میں لفظ ’’رب‘‘ دو دفعہ آیا ہے۔ گویا ربِّ جلیل نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے یہ فرمایا: اے موسیٰ و ہارونؑ! تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اسے جا کر یہ بتاؤ کہ جس رب نے تجھے پیدا کیا ہے اور جو تیرا روزی رساں ہے ہم اسی کے حکم سے تجھے یہ سمجھانے آئے ہیں کہ تو نے ربوبیت کا جو دعویٰ کر رکھا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ ہم اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے اپنے رب کی طرف سے نشانی بھی لائے ہیں۔

فرعون نے خدا کی نشانیاں دیکھیں اس کے بعد اس نے حضرت موسیٰؑ سے مباحثہ کرتے ہوئے کہا: اگر تم دونوں میری ربوبیت کے قائل نہیں ہو اور میرے علاوہ کسی اور کو رب مانتے ہو اور تم یہ کہتے ہو کہ ہمیں نظامِ حیات اسی سے ہی لینا چاہیے تو مجھے بتاؤ تو سہی کہ وہ رب کون ہے؟ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ (طٰہٰ:۴۹) ’’موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟‘‘

یہ سن کر حضرت موسیٰؑ نے اپنے رب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا: رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ ’’ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو مناسب خلقت دی پھر ہدایت بھی کی‘‘۔ یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے چیزوں کو بنانے کے بعد انھیں سرگرداں نہیں چھوڑا بلکہ ان کی بقا اور ارتقاء کی راہ بھی متعین کی ہے اور ہر جاندار کو زندگی بسر کرنے کا اسلوب سکھایا۔

اسی فطری ہدایت کو خدا نے سورۂ اعلیٰ میں فَسَوّٰى (قبول ہدایت کی استعداد) سے تعبیر فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْ قَدَّرَ یعنی وہی خدا ہے جس نے زندگی کے پیمانے مقرر کیے ہیں۔ فَهَدٰى یعنی اسی خدا نے ہر چیز کو اس کی فطرت اور ماحول کے مطابق ہدایت دی ہے۔ چنانچہ اسی نے آفتاب و ماہتاب کو ’’تسخیری‘‘ ہدایت دی ہے۔ چیونٹی اور ہاتھی کو ’’فطری‘‘ ہدایت دی ہے اور انسان کو انبیاء کی وساطت سے ’’تشریعی‘‘ ہدایت دی ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کا جامع تعارف پیش کیا تو فرعون نے اپنا بھرم رکھنے کے لیے اور حضرت موسیٰؑ کے استدلال کو کمزور کرنے کی غرض سے کہا: فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ ’’پھر ان لوگوں کا کیا ہوگا جو پہلے گزر چکے ہیں‘‘۔

فرعون نے دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ اے موسیٰؑ! اگر تمھاری بات سچی ہے کہ رب وہی ہے جو

انبیاء کے ذریعہ لوگوں کے لیے قانون اور دین نازل کرتا ہے تو تم اب رسول بن کر آئے ہو۔ تم سے پچھلی قوموں کا کیا ہوگا؟ ان کے پاس تمھارے رب کے کون سے رسول آئے تھے؟

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ

''حضرت موسیٰؑ نے کہا: ان باتوں کا علم میرے رب کے پاس اس کی کتاب میں محفوظ ہے۔ وہ نہ تو بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا۔ اس میں تمھارے لیے راستے بنائے۔ اس نے تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سے انواع واقسام کے نباتات کے جوڑے اُگائے، کہ تم بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ''۔

اپنے استدلال کے اختتام پر حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے اس دعویٰ کی ''کیا مصر پر میری حکومت نہیں اور کیا نیل سے نکلنے والی یہ نہریں میری نہیں ہیں'' کی پُرزور تردید کی ہے اور آپؑ نے فرمایا: اے لوگو! فرعون کے دھوکے میں مت آؤ۔ یہ تمھارا رب نہیں ہے۔ تمھارا رب وہ ہے جس نے زمین کا فرش بچھایا، اُسے تمھارے لیے گہوارہ بنایا اور اس میں چلنے کے لیے راستے مقرر کیے۔ پوری زمین بشمول ملکِ مصر بلاشرکت غیرے اسی خداوند عالم کی ہے جو لاشریک ہے۔ اور فرعون کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ مصر کے دریا اس کے حکم سے بہہ رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا آسمان سے بارش برساتا ہے، جس سے دریا بہنے لگ جاتے ہیں۔ نیل بھی باقی دریاؤں کی طرح سے ایک دریا ہے۔ اگر بالفرض نیل فرعون کے دم قدم سے بہہ رہا ہے تو باقی دریا کس کے حکم سے بہہ رہے ہیں؟ خدا ہی پانی کے ذریعہ سے نباتات پیدا کرتا ہے جس سے انسان اور حیوان دونوں مستفید ہورہے ہیں۔

الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ کا حق ادا کیا اور فرعون کے سامنے آیاتِ تکوین اور اپنی نبوت کے دلائل پیش کیے: وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ ''ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں، مگر اس نے انھیں جھٹلایا اور انکار کیا''۔

پھر اُس نے لوگوں کو دھوکا دینے اور اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لیے کہا: قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا

سُوًی ۝۵۸ ''اے موسیٰؑ! کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو؟ ہم بھی تمھارے مقابلے میں ایسا ہی جادو لائیں گے، پس ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کرلو کہ نہ تو ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تم اور یہ مقابلہ کھلے میدان میں ہونا چاہیے''۔

فرعون نے اس طرح موسیٰؑ اور ان کی قوم کو یہ پیغام دیا کہ تم لوگ یہاں ہمارے بعد آ کر آباد ہوئے ہو اور ہم اس زمین کے اصلی باشندے ہیں اور یہ زمین صدیوں سے ہماری اور ہمارے بزرگوں کی ہے۔ اب تم ہمیں اس سرزمین سے بے دخل کرنا چاہتے ہو؟

فرعون نے ان الفاظ سے جہاں بنی اسرائیل کو ان کی ہجرت کا طعنہ دیا وہاں اس نے اپنے عمائدین قوم کے جذبات کو بھی حضرت موسیٰؑ کے خلاف اُبھارنے کی کوشش کی۔ پھر اس نے معجزات کے متعلق کہا کہ ہم ان سے ذرّہ برابر بھی متاثر نہیں ہیں، کیونکہ یہ ایک جادو ہے اور ہم جادو سے اس کا توڑ پیش کر کے تمھیں لاجواب کردیں گے۔

اس زمین میں جادو عام تھا اور فرعون کے ماننے والے بہت سے لوگ جادو جانتے تھے۔ جادو نظر اور احساس کا فریب ہوتا ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ جس طرح خدا نے حضرت ابراہیمؑ کے لیے آگ کو گلزار بنایا تھا اسی طرح اس نے حضرت موسیٰؑ کو معجزات عطا کیے تھے، لیکن لوگوں کی اکثریت حق و باطل اور تخیل اور حقیقت کا فرق نہیں سمجھ سکتی۔

فرعون لوگوں کے اس مزاج کو جانتا تھا اسی لیے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم مقابلہ کے لیے ایک دن مقرر کرلو تا کہ اہلِ شہر جادوگروں کے شعبدوں اور تمھارے معجزہ کو دیکھ کر خود فیصلہ کریں کہ تمھارے اس معجزہ کی حقیقت کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ مقابلہ کھلے میدان میں ہو، تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسے دیکھ سکیں۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝۵۹ ''موسیٰؑ نے کہا کہ جشن کا دن طے کیا جاتا ہے اور دن چڑھے لوگ جمع ہوں''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مقابلہ کے لیے ان کے قومی تہوار کے دن کا انتخاب کیا، کیونکہ اس دن عام تعطیل ہوتی تھی اور لوگ بڑے بڑے میدانوں میں جمع ہو کر جشن مناتے تھے۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝۶۰ ''اس کے بعد فرعون اُٹھ کر چلا گیا اور اپنے ہتھکنڈے جمع کیے اور مقابلہ پر آ گیا''۔ الغرض جادوگر بلائے گئے اور لوگ پورے جوش و جذبہ سے مقابلہ دیکھنے کے لیے آئے۔ جادوگروں نے پہل کی اور رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں۔ دیکھنے والوں کو یوں لگا جیسے بے شمار سانپ میدان میں دوڑ رہے ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکمِ خداوندی سے عصا پھینکا۔ اس نے آن کی آن میں سب کا صفایا کردیا۔ جب

جادوگروں نے یہ منظر دیکھا تو اپنے استاد کو اس کی خبر دی۔ اس نے کہا: کوئی بات نہیں، کچھ دیر صبر کرو، تمھاری رسیاں اور لاٹھیاں اپنی اصلی حالت میں تمھیں مل جائیں گی۔ جب کافی دیر ہوگئی اور لاٹھیاں اور رسیاں کہیں دکھائی نہ دیں تو ان کے استاد نے کہا: موسیٰؑ نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ جادو نہیں وہ نبوت ہے۔ اس کے بعد وہ رب العالمین کے حضور سجدہ میں گر گئے اور انھوں نے کہا: اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى "ہم موسیٰؑ و ہارونؑ کے رب پر ایمان لائے"۔

فرعون نے انھیں دھمکی دی اور کہا کہ تمھاری یہ مجال کہ تم میرے حکم کے بغیر ایمان لاؤ۔ ہاں، مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم سب موسیٰؑ کے شاگرد ہو اور وہ تمھارا گرو ہے۔ اب میں مخالف سمتوں سے تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا اور تمھیں کھجور کے درختوں پر سولی چڑھاؤں گا۔ اس سے تمھیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ ہم میں سے سخت عذاب دینے والا اور باقی رہنے والا کون ہے۔

جادوگروں نے بڑی دلیری سے جواب دیا کہ اس ذات کی قسم جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، ہم صداقت کی واضح نشانیاں آجانے کے بعد تجھے صداقت پر ترجیح نہ دیں گے۔ تو نے جو بھی فیصلہ کرنا ہے، کرلے۔ تو زیادہ سے زیادہ اس دنیا کا ہی فیصلہ کرسکتا ہے۔ ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں، تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف کرے اور ہماری اس خطا کو بھی معاف کرے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے۔

فرعون نے کہا تھا کہ دیکھ لینا ہم میں سے زیادہ سخت عذاب دینے والا کون ہے اور باقی رہنے والا کون ہے؟ فرعون نے اپنے الفاظ میں یہ پیغام دیا تھا کہ میں زیادہ سخت سزا دینے والا ہوں اور میں ہی باقی رہنے والا ہوں۔ جادوگروں نے ترکی بہ ترکی اس کی تردید کی اور کہا تو زیادہ سے زیادہ اس دنیاوی زندگی میں ہی سزا دے سکتا ہے۔ اس سے آگے نہیں، جب کہ اللہ سب سے بہتر ہے اور باقی رہنے والا تو نہیں، خدا ہے۔

الغرض یہ سارا مباحثہ اور مقابلہ لفظ رب سے شروع ہوا، اور لفظ رب پر ختم ہوا، کیونکہ جب موسیٰؑ و ہارونؑ کو خدا نے روانہ کیا تو کہا تھا کہ وہ رب بنا بیٹھا ہے تم اس سے کہو کہ ہم تیرے رب کے نمائندے ہیں۔ جب فرعون نے کہا کہ تمھارا رب کون ہے تو موسیٰؑ نے جواب میں کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو خلق کیا پھر اسے ہدایت بخشی۔ پھر فرعون نے کہا کہ پچھلے لوگوں کا کیا بنے گا؟

یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ربوبیت کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا: علمها عند ربي...... "ان کا علم میرے رب کے پاس ہے"۔ پھر جب جادوگر ایمان لائے تو انھوں نے بھی یہی کہا کہ ہم ربِ موسیٰؑ و ہارونؑ پر ایمان لاتے ہیں اور

انھوں نے فرعون کے جواب میں کہا کہ رب ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

یہ واقعہ قرآنِ مجید میں ایک اور مقام پر یوں بیان کیا گیا کہ خدا نے موسیٰؑ و ہارونؑ سے کہا کہ جب فرعون کے سامنے جاؤ تو اس سے یہ کہو: اِنَّا رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (الشعراء:۱۶)"ہم رب العالمین کے رسول ہیں"۔

یہاں بھی لفظ "رب" پر زور دینے کی وجہ یہی تھی کہ فرعون نے خلاقیت کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ وہ "رب" ہونے کا دعویدار تھا۔ فرعون نے کہا: وَمَا رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ (الشعراء:۲۳)"میرے علاوہ عالمین کا رب کون ہے؟" حضرت موسیٰؑ نے کہا: رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَهُمَا (الشعراء:۲۴) "وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ ان سب کا رب ہے"۔ اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ (الشعراء:۲۶) "وہ تمھارا اور تمھارے باپ دادا کا رب ہے"۔ پھر مزید کہا: رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَمَا بَیۡنَهُمَا (الشعراء:۲۸) "وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اُن سب کا رب ہے"۔

اور جب جادوگر اسلام لائے تو اُنھوں نے بھی مسئلہ ربوبیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوۡنَ وَمُوۡسٰى "ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰؑ و ہارونؑ کا رب ہے"۔

اور جب فرعون نے انھیں سخت ترین سزا کی دھمکیاں دیں تو انھوں نے اس وقت بھی مسئلہ ربوبیت کا اظہار ان الفاظ سے کیا: قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ۚ وَمَا تَنۡقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتۡنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ (اعراف:۱۲۵-۱۲۶) "ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ تو ہمیں بس اس بات کی سزا دینا چاہتا ہے کہ جب ہمارے رب کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے لیے صبر و استقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں مسلمان کی موت نصیب فرما"۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ فرعون ہو یا نمرود یا کوئی اور طاغوت جن جن سے بھی انبیائے کرام کے مباحثے ہوئے ہیں مسئلہ ربوبیت پر ہی ہوئے ہیں۔ مسئلہ ربوبیت پر ہی ہوئے ہیں اور مسئلہ ربوبیت عقیدۂ توحید کی جان ہے۔ (اضافۃ من المترجم)

اب ہم تفسیر نورالثقلین کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

الکافی کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن مسلم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: اَعۡطٰى كُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى کا کیا مطلب ہے؟ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر مذکر و مؤنث کو اس کی شکل و صورت عطا کی ہے اور ہر ایک کو یہ بتا دیا ہے کہ زنا کیا ہے اور نکاح کیا ہے؟ اور ہر صنف کو صنفِ مخالف سے نکاح کرنے کی ہدایت دی ہے۔

اہلِ عقل

حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا: تم میں بہتر وہ ہیں جو اہلِ عقل ہیں۔ کسی نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! بیان فرمائیں کہ اہلِ عقل کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اہلِ عقل وہ ہیں جن کا خلاق بہتر ہو، جن کی سوچ اچھی ہو، جو رشتہ داروں سے حُسنِ سلوک سے پیش آئے ہوں اور ماں باپ سے بھلائی کرتے ہوں اور فقراء اور ہمسایوں کا خیال رکھتے ہوں اور لوگوں کو کھانا کھلاتے ہوں اور سلام کرتے ہوں اور رات کے وقت جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو وہ اُٹھ کر خدا کی عبادت کرتے ہیں۔

زمین کی خاصیت

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ﴿۵۵﴾

"اسی سے ہم نے تمھیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہی تمھیں لوٹائیں گے اور پھر ایک مرتبہ اسی سے ہی تمھیں باہر نکالیں گے"۔

علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے عرض کیا کہ دو سجدوں کا مقصد کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: پہلے سجدہ میں گویا بندہ اپنے خدا کے حضور یہ اقرار کر رہا ہوتا ہے کہ پروردگار! تو نے مجھے اسی خاک سے پیدا کیا ہے۔ پھر انسان جب سر اُٹھاتا ہے تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میں خاک کا ہی ذرّہ تھا تو نے مجھے انسانی شکل دے کر اس سے باہر نکالا ہے۔ پھر جب انسان دوسرے سجدے میں سر رکھتا ہے تو وہ زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ جس طرح اب دوبارہ میرا سر خاک پر آ گیا ہے اسی طرح سے ایک دن میری دنیاوی زندگی تمام ہو جائے گی اور میں مٹی میں مل کے مٹی ہو جاؤں گا۔

الکافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو انسان بنانے پر موکل کیا ہے۔ جب خدا کسی کو بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ انھیں حکم دیتا ہے وہ اس کے لیے مخصوص کرۂ زمین سے مٹی لیتے ہیں اور پھر مادۂ تخلیق کو مٹی کے ساتھ گوندھا جاتا ہے۔ پھر نطفہ کو چالیس دن تک رکھا جاتا ہے اور جب شکمِ مادر میں جنین کی عمر چار ماہ کی ہوتی ہے تو فرشتے پوچھتے ہیں کہ خدایا اب کیا بنائیں؟ خدا اُنھیں بتاتا ہے کہ نر بناؤ، مادہ بناؤ، خوبصورت بناؤ یا بدصورت بناؤ۔ چنانچہ اُنھیں جیسا حکم ملتا ہے وہ اُس کی تعمیل کرتے ہیں۔ پھر جب کوئی انسان مرتا ہے تو مادۂ تخلیق اپنی اصلی حالت میں برآمد

ہوتا ہے خواہ مرنے والا مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا۔ مادۂ تخلیق ضرور باہر آ جاتا ہے۔ اسی لیے حکم دیا گیا ہے کہ مُردے
غسلِ میت دیا جائے۔

صادقین علیہما السلام میں سے کسی ایک بزرگوار سے منقول ہے کہ ہر انسان وہیں دفن ہوتا ہے جس سے اس کی تخلیق
گئی ہو۔

حارث بن مغیرہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا جب نطفہ رحم میں منتقل ہوتا ہے
اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے جو اس کے دفن ہونے کے مقام کی مٹی اُٹھا کر اس کے نطفہ میں شامل کر دیتا ہے اور اسے نطفہ
سے مخلوط کر دیتا ہے۔ اسی لیے ہر شخص کا دل اس جگہ کی طرف مائل رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس زمین میں دفن ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے خوف کی وجہ

فَاَوۡجَسَ فِیۡ نَفۡسِهٖ خِیۡفَةً مُّوۡسٰی ﴿۶۷﴾ "موسیٰؑ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا"۔

حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں فرمایا: حضرت موسیٰؑ کو اپنی جان کا خوف نہ تھا، بلکہ انھیں جاہلوں کے غلبہ اور
گمراہی کے تسلط کا خوف تھا"۔

کتاب احتجاج کی ایک روایت کا حصول یہ ہے کہ جب جادوگروں نے جادو کا کرتب دکھایا تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ
اندیشہ ہوا کہ اب لوگوں نے بھی سانپ بنائے ہیں اور میرا عصا بھی سانپ ہی بنے گا۔ لوگ حق و باطل میں فرق نہ کر سکیں گے اور
انھیں معلوم نہ ہوگا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ جادو کیا ہے اور معجزۂ نبوت کیا ہے۔ اس وقت اُنھوں نے خدا کو محمدؐ و آلِ محمدؐ
کے حق کا واسطہ دے کر غلبۂ حق کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں تسلی دی اور فرمایا: موسیٰؑ! ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے۔

احتجاج کی ایک روایت میں ہے کہ ایک یہودی نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے
لیے دریا کو خشک کر دیا تھا، کیا تمھارے نبی کو بھی خدا نے ایسا کوئی معجزہ عطا کیا تھا؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کو اس سے بھی بڑا معجزہ عطا کیا تھا۔ جب ہم حنین کی طرف
جا رہے تھے تو راستے میں بھرا ہوا پہاڑی نالہ بہہ رہا تھا۔ لوگوں نے کہا: یارسولؐ اللہ! یہ نالہ بہت بھرا ہوا ہے اور اس کے پانی
کا بہاؤ بھی بہت تیز ہے، اب کیا کریں۔ سامنے بھرا ہوا نالہ ہے اور عقب میں دشمن ہے۔ الغرض ہماری کیفیت بھی حضرت
موسیٰؑ جیسی ہو گئی تھی۔ اس وقت رسولؐ خدا سواری سے اُترے اور پہاڑی نالے کے قریب کھڑے ہوئے اور بارگاہِ خداوندی

میں عرض کیا: "پالنے والے! تو نے ہر نبی کے لیے کوئی نہ کوئی علامت مقرر کی ہے۔ آج مجھے بھی اپنی قدرت دکھا"۔ یہ کہا اور آپؑ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور آپؑ نے اپنی سواری کو بپھرے ہوئے نالے کی تند و تیز لہروں میں ڈال دیا۔ آپؑ کے پیچھے قافلہ والوں نے اپنے اُونٹ داخل کیے۔ خدا کی قدرت یہ ہوئی کہ جانوروں کے سُم بھی گیلے نہیں ہوئے تھے۔

چور اور ڈاکو سے حفاظت کی عزیمت

کتاب طب الائمہ میں مرقوم ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص سفر میں ہو اور اسے چور ڈاکو کا اندیشہ ہو تو وہ اپنی سواری کی پیشانی پر "لَا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى" کے الفاظ خالی انگلی سے لکھ دے۔ خدا نے چاہا تو وہ ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رہے گا۔

داؤد رقی بیان کرتے ہیں کہ میں حج کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں صحرائی عربوں نے ہمارے قافلہ پر حملہ کر دیا اور وہ لوگوں کا مال مویشی اُٹھا کر جانے لگے۔ میں فوراً اُٹھا اور میں نے اپنی سواری کی پیشانی پر مذکورہ آیت لکھی۔ چنانچہ اس ذات کی قسم جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت و رسالت عطا کی ہے اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو امامت سے سرفراز کیا ہے کسی ڈاکو نے آنکھ اُٹھا کر بھی میری سواری اور میرے سامان کی طرف نہ دیکھا۔ یوں لگتا تھا جیسا خدا نے انھیں مجھ سے اندھا کر دیا ہو۔

کتاب سعد السعود میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

جب فرعون تعاقب کرتا ہوا دریا تک پہنچا تو اس نے دیکھا کہ دریا میں راستے سے بن چکے ہیں اور حضرت موسیٰؑ اپنے ساتھیوں کو لے کر جا رہے ہیں اس وقت اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم نے دیکھا کہ میری ہیبت سے دریا خشک ہو گیا ہے۔ لوگوں نے بھی اس کی تصدیق کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود بھی ڈوبا اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ "فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا، انھیں سیدھا راستہ نہ دکھایا"۔

خدا کی صفتِ غضب

کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ عمرو بن عبید بصری حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے کہا: فرزندِ رسولؐ! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى (جس پر میرا غضب نازل ہوا تو وہ برباد ہوا) غضب سے کیا مراد ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: غضب سے کسی فرد یا قوم پر عذاب نازل کرنا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ صفت رضا و غضب پر اللہ کی کیفیات میں تبدیلی پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ کیفیات سے بلند و بالا ہے لہٰذا اسے کیفیت سے موسوم کرنا صحیح نہیں ہے۔

احتجاج طبرسی میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

خدا کی مغفرت کے حقدار

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ﴿۸۲﴾

"اور میں ہر اُس شخص کے لیے غفار ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل بجا لائے، پھر ہدایت پر ثابت قدم رہے"۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ صرف عملِ صالح کو ہی قبول کرتا ہے اور جب تک کوئی فرد اور شخص شرائط و عہود کی پابندی نہ کرے اس وقت تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ جو خدا کی شرائط پوری کرتا ہے تو خدا اس کو اپنی نعمات سے مالا مال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میں ہر اس شخص کے لیے غفار ہوں جو توبہ کرے، ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے، پھر ہدایت پر ثابت قدم رہے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے: اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ "اللہ متقین کے عمل کو ہی قبول کرتا ہے"۔ جو تقویٰ اختیار کرے گا اور خدا کے فرمان پر عمل کرے گا تو وہ خدا کے حضور مومن بن کر پیش ہوگا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: خدا نے لوگوں کو بیت اللہ کے حج کا حکم دیا ہے اور ان سے فرمایا ہے کہ وہ بیت اللہ کا طواف کریں، پھر وہاں سے فراغت پانے کے بعد ہمارے پاس آئیں اور اپنے عقیدۂ ولایت کو ہمارے سامنے پیش کریں۔ پھر آپؑ نے وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی کی آیت تلاوت کی اور اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے کہا یعنی پھر وہ ہماری ولایت کے عقیدہ پر ثابت قدم رہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم اور امالی صدوق میں بھی اسی مفہوم کی روایات مذکور ہیں۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ثُمَّ اهْتَدٰی پڑھ کر فرمایا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہماری ولایت پر ثابت قدم رہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر کوئی شخص رکن و مقام کے درمیان پوری زندگی عبادت کرے اور پھر مر جائے اور ہماری ولایت کے عقیدہ سے خالی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل دوزخ میں گرا دے گا۔

اس روایت کو ابوالقاسم حسکانی نے اپنی اسناد سے بیان کیا ہے اور عیاشی نے بھی اپنی تفسیر میں متعدد اسناد سے اسے نقل کیا ہے۔

تفسیر عیاشی میں اس آیت کے ذیل میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اس آیت کی تفسیر ہے اور وہ تفسیر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ خدا اس کو ہی بخشتا ہے جو اس تفسیر کے مفہوم کو پورا کرے۔ اس میں پہلی شرط اللہ تعالیٰ نے توبہ کی بیان کی ہے اور توبہ کے متعلق ارشاد فرمایا: اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ (النساء:۱۷) ''اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو جہالت کی وجہ سے برائی کریں''۔

اور جب بھی کوئی انسان غلط کام کرتا ہے تو اس وقت وہ جاہل ہی ہوتا ہے خواہ وہ کتنا بڑا عالم ہی کیوں نہ ہو۔

کتاب المناقب اور محاسن برقی میں حضرت امام سجاد اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ اُنھوں نے فرمایا: ثُمَّ اهْتَدٰى سے ہماری ولایت کے عقیدہ پر ثابت قدمی مراد ہے۔

مصباح الشریعہ میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو خدا کا عاشق ہو وہ نہ تو طعام کی طرف راغب ہوتا ہے اور نہ اسے پانی کچھ اچھا لگتا ہے اور نہ اسے نیند اچھی لگتی ہے اور نہ وہ کسی دوست سے مانوس ہوتا ہے۔ وہ گھر اور آبادی سے پیار نہیں کرتا' وہ دن رات خدا کی عبادت میں مصروف رہتا ہے اور وہ زبانِ شوق سے اپنے محبوبِ حقیقی سے راز و نیاز کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ اور کیا تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نہیں پڑھا: وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ ''خدایا! میں نے تیری طرف آنے میں جلدی کی' تاکہ تو راضی ہو جائے''۔

حضرت رسولِ خدا نے موسیٰ علیہ السلام کے اشتیاق کو ان الفاظ سے بیان کیا کہ ''اشتیاقِ خداوندی کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ نے چالیس دن تک نہ تو پانی پیا اور نہ ہی کھانا کھایا تھا''۔

سامری کی کارستانی

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ طورِ سینا پر تیس راتوں کے لیے آئیں اور وہاں رہ کر عبادت کریں۔ اس کے بعد خدا کی طرف سے انھیں کتاب عطا کی جائے گی۔ آپؑ نے اپنی قوم میں اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود کوہِ طور پر چلے گئے۔ وہاں آپؑ نے تیس دن روزے رکھے اور راتوں کو عبادت کی' لیکن اللہ تعالیٰ نے تیس دنوں میں دس دنوں کا اضافہ کر دیا۔ چنانچہ آپؑ چالیس راتوں تک کوہِ طور پر خدا کے مہمان رہے۔

جب تیس دن گزرے اور آپؑ واپس نہ آئے تو ''سامری'' نے لوگوں سے کہا کہ تمھارے پاس جتنا بھی سونا ہے وہ میرے پاس لے آؤ۔ لوگوں نے وہ سونا اس کے سپرد کیا۔ اس نے سونے کو پگھلا کر اس سے ایک بچھڑا بنایا۔ اس کے بنے ہوئے بچھڑے کی عجیب بات یہ تھی کہ اس میں سے بیل کے ڈکرانے کی آواز آتی تھی۔ سامری نے لوگوں سے کہا کہ موسیٰ کوہِ طواف پر گیا ہوا ہے، جب کہ موسیٰ کا خدا یہاں آ گیا ہے۔ یہ تمھارا اور موسیٰ کا خدا ہے۔

لوگ گمراہ ہوگئے اور وہ بچھڑے کی پوجا کرنے لگے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے لوگوں کو بہتیرا سمجھایا کہ یہ تمھاری آزمائش ہے۔ یہ سامری کا بنا ہوا بچھڑا تمھارا معبود نہیں ہے، تمھارا معبود رحمٰن ہے، لیکن لوگوں نے ایک نہ سنی اور کہنے لگے: جب تک موسیٰ آ نہ جائیں اس وقت تک ہم اس کی عبادت کرتے رہیں گے۔

الغرض چالیس راتیں پوری ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لکھی لکھائی کتاب عطا کی اور ان سے فرمایا کہ ہم نے تمھاری عدمِ موجودگی میں تمھاری قوم کی آزمائش کی ہے۔ سامری نے سونے کا بچھڑا بنایا ہے، جس سے بیل کے ڈکرانے کی آواز آتی ہے، تمھاری قوم کی اکثریت بچھڑے کی پوجا کر رہی ہے۔

حضرت موسیٰ نے عرض کیا: رب العزت! یہ تو صحیح ہے کہ سامری نے بچھڑا بنایا ہے، مگر بیل کی آواز کہاں سے آ گئی؟

خدا نے فرمایا: لوگوں کی آزمائش کے لیے وہ آواز ہم نے پیدا کی ہے۔ حضرت موسیٰ غصہ سے بھرے ہوئے قوم کے پاس تشریف لائے، اُنھوں نے سامری کی ملامت کی اور اس سے فرمایا: دنیا میں تیری سزا یہ ہے کہ تو لوگوں سے یہ کہتا پھرے گا کہ مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ پھر آپؑ نے اس کے بنائے ہوئے بچھڑے کو آگ میں جلایا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُس کے درمیان پھینک دیئے۔ بعد ازاں آپؑ نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی طرف توجہ کی اور فرمایا کہ جب تم نے دیکھا کہ قوم گمراہ ہو چکی ہے تو تم نے میری سیرت پر عمل کیوں نہ کیا اور ان سے جنگ کیوں نہ کی؟

حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا: فرزندِ مادر! آپ میری داڑھی اور سر کو مت پکڑیں اور دشمنوں کو شماتت کا موقع نہ دیں۔ بات یہ ہے کہ قوم نے مجھے کمزور کر دیا تھا اور وہ میرے قتل کے درپے ہوگئے تھے اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر میں جنگ کرتا تو قوم کے دو گروہ بن جاتے، ایک گروہ سامری کے ساتھ ہوتا اور ایک گروہ میرا ساتھ دیتا اور یوں قوم میں ہمیشہ کے لیے تفریق پیدا ہو جاتی اور مجھے یہ اندیشہ تھا کہ آپؑ مجھ سے کہیں گے کہ تم نے قوم میں تفریق پیدا کر کے اچھا نہیں کیا۔ اسی لیے میں نے بچھڑا پرستی تو برداشت کر لی، لیکن قوم کی تفریق مجھے پسند نہ تھی۔ (اضافۃ من المترجم)

تفسیر علی بن ابراہیم میں اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سے وسع کرسیه السمٰوٰت والارض

کی تفسیر دریافت کی تو آپؑ نے فرمایا:

"تمام آسمان اور زمین اور ان میں موجود تمام مخلوق کرسی کے جوف میں ہے اور کرسی کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک فرشتہ بیل کی شکل کا ہے اور وہ چاروں فرشتوں میں سے زیادہ حسین ہے۔ جب بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی کی تو شرم کی وجہ سے اس کی گردن جھک گئی اور وہ ڈر گیا کہ کہیں اس پر خدا کا عذاب نازل نہ ہوجائے۔

کتاب علل الشرائع میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ حضرت موسیٰؑ اپنے بھائی حضرت ہارونؑ پر کیوں ناراض ہوئے تھے جب کہ گوسالہ پرستی میں تو ان کا کوئی کردار نہیں تھا۔

آپؑ نے فرمایا: حضرت موسیٰؑ اس لیے ناراض ہوئے تھے کہ جب انھوں نے قوم کی گمراہی کو دیکھ لیا تھا تو پھر اس گمراہ قوم میں کس لیے رہائش پذیر رہے، وہ انھیں چھوڑ کر موسیٰؑ کے پاس کیوں نہ چلے گئے؟

حضرت ہارونؑ نے کہا کہ اگر اس حالت میں مَیں بھی انھیں چھوڑ کر چلا جاتا تو جو باقی افراد بچ گئے تھے وہ بھی گوسالہ پرستی میں شریک ہوجاتے اور میں نے ان سے جنگ اس لیے نہیں کی تھی کہ کہیں آپؑ ہی مجھے قوم کی تفریق کا طعنہ نہ دیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں یہ داستان اس طرح سے مرقوم ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے وعدہ کیا کہ وہ طورِ سینا پر آئیں اور وہاں تیس راتیں قیام کریں، اس کے بعد انھیں تورات عطا کی جائے گی۔ آپؑ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ میں تم سے تیس راتوں کے لیے جدا ہو رہا ہوں اور میری عدم موجودگی میں ہارون میرا جانشین ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے تیس راتوں میں دس راتوں کا اضافہ کردیا۔ حضرت موسیٰؑ حسبِ وعدہ واپس نہ آسکے۔ بنی اسرائیل نے نافرمانی پر کمر باندھ لی اور انھوں نے ہارون کے قتل کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے اور کہنے لگے کہ موسیٰؑ نے ہم سے جھوٹ کہا تھا اور اب وہ شرمندگی کی وجہ سے بھاگ گیا ہے۔

ابلیس انسانی صورت میں ان کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ موسیٰؑ تو ہمیشہ کے لیے بھاگ گیا ہے، اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔ تم اپنے زیورات لے آؤ، تاکہ میں اس سے تمھارے لیے ایک معبود بنا دوں۔

سامری حضرت موسیٰؑ کا با اعتماد صحابی تھا اور جس دن حضرت موسیٰؑ نے دریا عبور کیا تھا اور فرعون ان کے تعاقب میں تھا تو فرعون کا گھوڑا دریا کے کنارے پہنچ کر رُک گیا تھا اور وہ آگے بڑھنے سے جھجکنے لگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کو بھیجا۔ وہ ایک مادہ گھوڑی پر سوار ہوکر آئے اور انھوں نے اپنی گھوڑی فرعون کے گھوڑے کے آگے لگائی۔ گھوڑا اپنی مادہ کو دیکھ کر آگے بڑھا اور اس کی دیکھا دیکھی باقی گھوڑے بھی دریا میں آگئے۔

سامری یہ سب منظر بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے یہ دیکھا کہ جہاں جہاں حضرت جبریلؑ کی گھوڑی کا قدم پڑتا تھا، تو اس کے نیچے کی مٹی میں اضطراب سا پیدا ہو جاتا تھا۔ اس سے وہ سمجھ گیا کہ یہ گھڑ سوار عام انسان نہیں بلکہ خدا کا فرستادہ ہے۔ چنانچہ وہ آگے بڑھا اور ان کی سواری کے قدموں کی خاک اُٹھا لی اور اسے ایک تھیلی میں ڈال کر اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ وہ بنی اسرائیل کے سامنے فخر کر کے یہ کہتا تھا کہ میرے پاس خدا کے فرستادہ کی سواری کی مٹی موجود ہے جس میں سیمابی صفت پائی جاتی ہے۔ جب لوگ بچھڑا بنا چکے تو ابلیس نے سامری سے کہا کہ تم وہ خاک لے آؤ جو تمھارے پاس تھیلی میں موجود ہے۔ سامری وہ خاک لے آیا اور اسے بچھڑے کے پیٹ میں ڈالا۔ بچھڑے کے ڈھانچے میں جیسے ہی وہ خاک پہنچی تو وہ ڈکرانے لگا اور اس کے وجود پر بال اُگ آئے۔ بنی اسرائیل بچھڑے کے سامنے سجدے کرنے لگے اور سجدہ کرنے والوں کی تعداد سترہ ہزار افراد پر مشتمل تھی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے انھیں سمجھایا کہ یہ تمھاری آزمائش ہے، تمھارا رب رحمٰن ہے، میری پیروی کرتے رہو اور میری اطاعت کرو۔ قوم نے کہا کہ جب تک موسیٰؑ واپس نہ آجائے اس وقت تک ہم اس کی عبادت سے باز نہ آئیں گے۔

لوگوں نے حضرت ہارونؑ کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ حضرت ہارونؑ جان بچانے کے لیے ان سے چھپ گئے۔ پھر جب چالیس راتوں کا وعدہ مکمل ہوا تو اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو تورات عطا کی۔ تورات دس ذی الحجہ کے دن نازل ہوئی تھی۔ اس میں انسانی ضرورت کے متعلق تمام احکام موجود تھے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے فرمایا کہ ہم نے تمھاری عدم موجودگی میں تمھاری قوم کو آزمایا ہے۔ سامری نے ان کے لیے بچھڑا بنایا اور اس سے بیل کے ڈکرانے کی آواز آتی ہے۔ تیری قوم اس کی پوجا پاٹ کر رہی ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا: خدایا! سامری نے تو بچھڑا بنایا، مگر بیل کی آواز کہاں سے آگئی؟

خدا نے فرمایا: یہ آواز ہم نے آزمائش کے لیے پیدا کی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ وہاں سے آئے اور سامری اور ہارونؑ سے وہ باتیں کیں، جو پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام نے بصرہ فتح کرنے کے بعد وہاں خطبہ دیا۔ آپؑ کے خطبہ میں بہت سے لوگ موجود تھے اور حسن بصری بھی ان میں موجود تھا۔ اس نے کچھ کاغذ اُٹھا رکھے تھے۔ آپؑ جو بھی جملہ کہتے وہ اسے لکھ لیتا تھا۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے اس سے فرمایا: ہر قوم میں ایک نہ ایک سامری ہوتا ہے اور اس اُمت کا سامری یہ ہے؟

لیکن یہ لَا مِسَاس نہیں کہے گا۔

قولہ: وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ''قیامت کے دن ہم جرم کرنے والوں کو اس طرح سے گھیر کر لائیں گے کہ ان کی آنکھیں پتھرائی ہوئی ہوں گی''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ روزِ قیامت کی ہیبت اتنی ہوگی کہ لوگ آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکیں گے اور چپکے چپکے ایک دوسرے سے کہیں گے کہ نجانے ہم سے حساب کیوں لیا جانا ہے، جب کہ ہم تو دنیا میں دس دن سے زیادہ رہے ہی نہیں تھے۔اس وقت ان کا ایک محتاط اندازہ لگانے والا شخص کہے گا کہ دس دن کہاں تم تو صرف ایک دن ہی دنیا میں رہے تھے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ

قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿١٢٧﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿١٢٨﴾ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾

"اے نبیؐ! یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کے دن پہاڑوں کا کیا ہوگا؟ آپ کہہ

دیں کہ میرا رب ان کو ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا اور زمین کو ایسا صاف میدان بنا دے گا کہ تمھیں اس میں کوئی بل اور سلوٹ دکھائی نہ دے گی۔ اس دن لوگ منادی کے پیچھے چلیں گے، کوئی اکڑ نہ دکھا سکے گا اور تمام آوازیں رحمٰن کے سامنے دب جائیں گی، تمھیں ایک سرسراہٹ کے علاوہ کچھ سنائی نہ دے گا۔

اس دن شفاعت فائدہ نہ دے گی، مگر جس کے لیے رحمٰن نے اجازت دی ہوگی اور اس کی بات سننا پسند کرے۔ وہ لوگوں کے آگے پیچھے کے تمام حالات جانتا ہے، جب کہ لوگوں کو اس کا پورا علم نہیں ہے۔ اور لوگوں کے سر ہمیشہ زندہ رہنے والے اور کائنات کو سنبھالنے والے کے سامنے جھک جائیں گے اور جو کسی ظلم کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہوگا وہ ناکام ہو جائے گا۔ اور جو مومن بن کر نیک عمل کرے گا اسے کسی ظلم اور حق تلفی کا کوئی خوف نہ ہوگا۔ اور اس طرح سے ہم نے اس قرآن کو عربی بنا کر نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے طرح طرح کی تنبیہات کی ہیں، تاکہ وہ خدا سے ڈر جائیں یا ان میں کسی طرح کی نصیحت کا مادہ پیدا ہو جائے۔ بلند و برتر ہے وہ اللہ تعالیٰ جو حقیقی بادشاہ ہے اور وحی مکمل ہونے سے قبل قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کرو اور کہو پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔ اس سے قبل ہم نے آدمؑ سے عہد لیا تھا، مگر وہ بھول گیا۔ ہم نے اس میں ارادہ کی پختگی نہ پائی۔

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ چنانچہ ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا۔ ہم نے کہا: اے آدمؑ! یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے، یہ کہیں تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے ورنہ مشکل میں پڑ جاؤ گے۔ یہاں جنت میں نہ تو تمھیں بھوک ستائے گی اور نہ ہی بے لباس رہو گے۔ اور نہ تو تمھیں یہاں پیاس محسوس ہوگی اور نہ ہی دھوپ کا احساس ہوگا۔

شیطان نے اس کے دل میں وسواس ڈلا اور کہا: اے آدمؑ! کیا میں تجھے وہ درخت بتاؤں

جس سے تجھے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہو سکے گی۔

آدمؑ اور اس کی بیوی نے اس درخت کا پھل کھایا۔ اس کے بعد ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ دونوں اپنے آپ کو جنت کے درختوں کے پتوں سے ڈھانپنے لگے اور آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور وہ بھٹک گئے۔

پھر اُس کے رب نے اسے چُن لیا۔ اُس کی توبہ قبول کی اور اسے ہدایت بخشی۔ خدا نے کہا کہ تم دونوں یہاں سے اُتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے؛ اگر تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ تو گمراہ ہو گا اور نہ بدبختی میں مبتلا ہو گا۔

اور جو میری یاد سے منہ موڑے گا تو اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہو گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا بنا کر محشور کریں گے۔ وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے اندھا کیوں محشور کیا جب کہ میں تو بینا تھا۔

خدا کہے گا: اس طرح سے تیرے پاس ہماری آیات آئی تھیں۔ تو نے انھیں فراموش کر دیا تھا اور آج کے دن تجھے فراموش کیا جا رہا ہے۔ اس طرح سے ہم حد سے بڑھنے والے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ رکھنے والے کو بدلہ دیا کرتے ہیں؛ جب کہ آخرت کا عذاب کہیں سخت اور دیرپا ہے۔

کیا ان کو یہ ہدایت نہیں ملی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کیا ہے جو اپنی رہائش گاہوں میں چلتے پھرتے تھے۔ یقیناً اس میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور اگر تیرے پروردگار کی جانب سے ایک بات پہلے سے طے نہ کر دی گئی ہوتی تو ضرور ان کا فیصلہ چکا دیا جاتا اور مہلت کی مدت ختم کر دی جاتی۔

آپ ان کی باتوں پر صبر کریں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو؛ سورج طلوع ہونے

سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں تسبیح کرو اور دن کے اطراف میں بھی حمد کرو، تا کہ تم راضی ہو جاؤ۔

ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو جو دنیاوی شان و شوکت دی ہے، آپ اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ یہ شان و شوکت تو ہم نے انھیں آزمائش کے لیے دی ہے، جب کہ تیرے رب کا رزق اس سے کہیں بہتر اور زیادہ دیر پا ہے۔ آپ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیں اور خود بھی اس پر کاربند رہیں ہم تم سے کسی رزق کا مطالبہ نہیں کرتے۔ ہم آپ کو رزق دے رہے ہیں۔ انجام کی بھلائی تقویٰ پر ہی موقوف ہے۔

وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اپنے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی معجزہ کیوں نہیں لے آتا۔ اور کیا ان کے پاس سابقہ صحائف کا بیان نہیں آیا ہے؟ اگر ہم انھیں اس کے آنے سے پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ یہ کہتے کہ پروردگار! تو نے ہمارے پاس رسول کیوں نہ بھیجا اور ہم ذلیل و رُسوا ہونے سے پہلے ہی تیری آیات کی پیروی کرتے۔

آپ کہہ دیں ہر شخص انجام کار کا منتظر ہے۔ اب تم بھی انتظار کرو۔ تم عنقریب جان لوگے کہ سیدھی راہ کے راہی کون ہیں اور ہدایت پانے والے کون ہیں۔

پھوڑے اور تِل دُور کرنے کی عزیمت

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ علی بن نعمان نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ فرزندِ رسولؐ! میرے جسم پر تل اور مہاسے زیادہ نکلتے ہیں اور میں ان کی وجہ سے پریشان ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تمھارے جسم پر جتنے پھوڑے مہاسے ہوں، ہر تل اور مہاسے کے لیے سات جو لے لو اور ہر جو پر سورہ اذا وقعت الواقعة سے هبآء منبثا اور قرآن کی یہ آیت وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا ۝ کی آیات سات مرتبہ پڑھو۔ پھر ایک ایک جو اُٹھا کر اپنے کیل مہاسوں اور تلوں پر لگاؤ۔ پھر انھیں کسی نئے کپڑے میں باندھو اور اس کپڑے میں ان کے ساتھ ایک پتھر بھی باندھو۔ پھر

انھیں مویشیوں کے باڑے میں پھینک دو۔ خدا نے چاہا تو شفا ملے گی۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے مولاؑ کے فرمان پر عمل کیا' پھر سات دن گزرنے کے بعد میں نے اپنے جسم کو دیکھا تو وہ میری ہتھیلی کی طرح سے صاف ہو چکا تھا۔ یہ عمل ایامِ ''محاق'' میں کرنا چاہیے۔

وضاحت: چاند کی آخری تاریخیں یعنی ۲۷' ۲۸ اور ۲۹ کو ایامِ محاق کہا جاتا ہے۔ (من المترجم)

مجمع البیان میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کا تذکرہ کر رہے تھے۔ بنی ثقیف کے ایک شخص نے کہا: قیامت کے دن اتنے بڑے پہاڑ کہاں جائیں گے؟

آپؐ نے فرمایا: خدا انھیں حرکت دے گا اور انھیں ریت کے ٹیلوں کی مانند بنا دے گا' پھر ہوا ان ٹیلوں کو اڑا دے گی۔

ابو ہریرہ راوی ہیں کہ قیامت کے دن اس زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا اور آسمانوں کو دوسرے آسمانوں سے بدل دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ انھیں عکاظی چمڑے کی طرح سے پھیلا دے گا اور اس میں کوئی بل اور سلوٹ دکھائی نہ دے گی۔

مصباح میں شیخ الطائفہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک دعا نقل کی ہے جس میں یہ کلمات بھی مذکور ہیں: ''پروردگار! میں تجھے تیرے اس نام کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جسے تو پہاڑوں پر رکھے گا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ ''اَمْتًا'' بلندی کو اور عِوَجًا سلوٹ کو کہا جاتا ہے۔

تفسیر مذکورہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو ایک سرزمین پر جمع کرے گا۔ لوگوں کے پاؤں میں جوتے نہ ہوں گے اور انھیں عرصۂ محشر میں اتنی دیر کھڑا کیا جائے گا کہ وہ پسینہ پسینہ ہو جائیں گے۔ اس حالت میں انھیں پچاس سال کا عرصہ گزر جائے گا۔ اسی حالت کے متعلق خدا نے فرمایا ہے۔

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ ''تمام آوازیں رحمٰن کے سامنے دب جائیں گی اور تمھیں ایک سرسراہٹ کے علاوہ کچھ سنائی نہ دے گا''۔

پھر عرش سے ایک منادی ندا دے کر کہے گا کہ نبی اُمی کہاں ہیں؟

لوگ کہیں گے کہ نبی اُمی کا مزید تعارف کرایا جائے۔ اس وقت منادی کہے گا: نبی رحمت محمدؐ بن عبداللہ اُمی کہاں ہیں؟ رسولؐ خدا لوگوں کے آگے بڑھیں گے اور آپؐ حوض پر آئیں گے۔ آپؐ کے حوض کی لمبائی اتنی ہو گی جتنا کہ ''ایلہ''

اور "صنعاء" کا فاصلہ ہے۔ آپؐ حوض پر ٹھہر جائیں گے۔ اس وقت تمھارے ساتھی علی بن ابی طالبؑ کو پکارا جائے گا۔ حضرت علیؑ آگے بڑھیں گے اور رسولِ خدا کے ساتھ جا کر حوض پر کھڑے ہو جائیں گے۔ اس کے بعد عام لوگوں کو بلایا جائے گا۔ لوگ حوض کی طرف بڑھیں گے۔ بعض افراد کو حوض سے پیچھے ہٹایا جائے گا۔ جب رسولِ خدا ہمارے کسی محب کو واپس لوٹتے ہوئے دیکھیں گے تو آپؐ رو پڑیں گے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کریں گے: "پروردگار! میں دیکھ رہا ہوں کہ علیؑ کے کچھ شیعوں کو یہاں سے ہٹا کر دوزخ کی طرف بھیجا جا رہا ہے اور انھیں میرے حوض سے روکا جا رہا ہے"۔

اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو آپؐ کے پاس بھیجے گا اور وہ آپؐ سے کہے گا: اے محمدؐ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ علیؑ کے شیعوں کو میں نے آپ کی وجہ سے معاف کیا ہے۔ وہ آپؐ سے اور آپ کی اہلِ بیتؑ سے محبت رکھتے تھے' اسی لیے میں نے ان کے گناہوں کو معاف کیا ہے۔ میں انھیں آپؐ سے اور آپ کی اہلِ بیتؑ سے ملحق کر رہا ہوں اور میں انھیں آپؐ کے زمرہ میں شامل کر رہا ہوں۔ آپؐ انھیں اپنے حوض پر بلالیں۔

پھر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جو بھی ہم سے محبت کرتا ہوگا اور ہمارے دشمن سے بیزاری کرتا ہوگا اور ہمارے دشمنوں سے بغض رکھتا ہوگا وہ ہمارے گروہ میں شامل کیا جائے گا اور وہ ہمارے ساتھ ہوگا اور ہمارے حوض پر ہمارا مہمان ہوگا۔

کتاب التوحید میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ مخلوق خدا کا علمی احاطہ نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں پر پردہ رکھا ہے' اسی لیے کوئی بھی ذہن اس کی کیفیت کا ادراک نہیں کر سکتا اور کوئی دل اس کی حد بندی نہیں کر سکتا۔ اس کی بس وہی وصف کی جانی چاہیے جو اس نے خود اپنے لیے بیان کی ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪ (الشوریٰ:۱۱)

"کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے اور وہ ہر چیز سننے والا دیکھنے والا ہے"۔

وہ اوّل و آخر' ظاہر و باطن' خالق' باری' مصور ہے۔ تمام اشیاء کا وہی خالق ہے۔ کوئی چیز اس جیسی نہیں ہے۔

اصولِ کافی کی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ ابوقرہ محدث حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا' اور اس نے کہا ہم تک یہ روایت پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رؤیت سے مخصوص کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا اگر یہ بات ہے تو پھر یہ بتاؤ کہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ

اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۰۳﴾ (الانعام:۱۰۳) "آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں جب کہ وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے وہ باریک بین باخبر ہے) اور وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ کوئی اس کا علمی احاطہ نہیں کرسکتا" اور لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ:۱۱) کوئی چیز اس کی مانند نہیں ہے" جیسی آیات لوگوں تک کس نے پہنچائی تھیں؟ اور کیا یہ آیات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں تک نہیں پہنچائی تھیں؟

اب سوال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو لوگوں تک یہ آیات پہنچائی ہیں، پھر اس کے بعد وہ خود یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ میں نے خدا کا دیدار کیا ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس طرح کی تضاد بیانی کا الزام تو آج تک کسی زندیق نے بھی نہیں لگایا۔

ابوقرہ محدث نے کہا تو کیا ہم ان احادیث کا انکار کردیں؟

آپؑ نے فرمایا: اگر روایات نصِ قرآن کے خلاف ہوں تو ہم ان کی تکذیب کریں گے۔

کتاب التوحید میں حضرت علی علیہ السلام سے یہ الفاظ منقول ہیں: "عقول کی بلندیاں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور اوہام اس کی ازلیت کے ذکر کے احاطہ سے قاصر ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ سے انبیائے ماسبق کے حالات و واقعات مراد ہیں۔ وَمَا خَلْفَهُمْ سے ظہورِ قائمؑ کے بعد کے حالات مراد ہیں۔

کتاب التوحید میں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: چہرے اس کے خوف سے جھک جائیں گے۔

نہج البلاغہ میں ہے: چہرے اس کی عظمت کے سامنے جھک جاتے ہیں۔

قولہ: أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ابی قرہ سے فرمایا: تورات، انجیل، زبور اور قرآن اور خدا کی تمام کتابیں اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمام جہانوں کے لیے نور اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔ یہ سب کتابیں حادث ہیں اور غیر اللہ ہیں کیونکہ خدا نے فرمایا ہے: أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾

مؤلف کتاب عرض پرداز ہے کہ اس حدیث کا تتمہ آپ سورۂ انبیاء کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

قولہ: فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ "پس بلند و برتر ہے وہ اللہ جو حقیقی بادشاہ ہے"۔

اصولِ کافی میں حضرت علی علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں: "خدا تمام مخلوق سے بلند و برتر ہے، لیکن ان سے بعید

نہیں ہے اور اِن کی ملامت سے دُور ہے''۔

علم میں اضافہ کی دعا

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۖ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

''اور وحی مکمل ہونے سے قبل قرآن میں جلدی نہ کریں اور کہیں کہ میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب وحی نازل ہوتی تو رسولِ خدا جلدی جلدی اسے پڑھنے لگ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر یہ آیت نازل فرمائی کہ وحی مکمل ہونے سے قبل اس کے پڑھنے میں جلدی نہ کریں اور کہیں کہ پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما!

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا ''میں علم کا شہر ہوں' علیؑ دروازہ ہے''۔ وہ شخص جھوٹا ہے جو یہ خیال کرے کہ وہ دروازے کے بغیر شہر میں چلا جائے گا اور جو شخص علیؑ سے بُغض رکھ کر مجھ سے محبت کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے۔

ائمہ علیہم السلام کے علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابویحییٰ سے فرمایا: ابویحییٰ! شب ہائے جمعہ میں ہماری مخصوص شان ہوتی ہے۔

میں (راوی) نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! وہ کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: تمام فوت شدگان انبیاء و اوصیاء اور موجودہ وصی کے ارواح کو آسمان پر آنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ پھر تمام روحیں آسمان پر جاتی ہیں اور رب العزت کے عرش کے سامنے پہنچ جاتی ہیں' وہاں سات طواف کرتی ہیں اور عرش کے ہر پائے کے پاس دو دو رکعت نماز ادا کرتی ہیں۔ پھر وہ ارواح اجسام میں منتقل کر دی جاتی ہیں۔ انبیاء و اوصیاء کو اس سے بڑا سرور ملتا ہے اور تمھارے موجودہ وصی کے علم میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

فضل کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے میری کنیت سے پکارا جب کہ اس سے قبل آپؑ مجھے میری کنیت سے نہیں پکارتے تھے۔ آپؑ نے مجھ سے فرمایا: اے ابوعبداللہ! میں نے عرض کیا: لبیک فرزندِ رسولؐ!

پھر آپؑ نے فرمایا: ہر شب جمعہ ہماری خوشیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپؑ کی خوشیوں میں اضافہ فرمائے وہ کس طرح سے؟

آپؑ نے فرمایا: ہر شب جمعہ رسولِ خدا اور ائمہ ہدی علیہم السلام عرش پر جاتے ہیں۔ ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جب ہماری ارواح وہاں سے واپس آتی ہیں تو نیا علم لے کر آتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ہمارا علم ختم ہو جاتا۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ اگر لحہ بہ لحہ ہمارے علم میں اضافہ نہ ہوتا تو ہمارا علم ختم ہو جاتا۔

ذریح سے بھی یہ روایت منقول ہے۔

زرارہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ فرماتے تھے: اگر ہمارے علم میں اضافہ نہ ہوتا رہے تو ہمارا علم ختم ہو جائے۔

میں (راوی) نے کہا: تو کیا آپؑ کو ایسا علم دیا جاتا ہے جو رسولِ خدا کے پاس نہیں تھا؟

آپؑ نے فرمایا: جب خدا علم عطا کرتا ہے تو اس کی ابتداء رسولِ خدا سے ہوتی ہے۔ پھر ائمہؑ کو علم عطا کیا جاتا ہے پھر وہ علم ہم تک آتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں بھی اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب قیامت قائم ہوگی تو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ایک مقام پر جمع کرے گا اور میزان لگایا جائے گا اور اس میزان پر شہداء کے خون اور علماء کی قلموں کی سیاہی کا وزن کیا جائے گا۔ علماء کی سیاسی شہداء کے خون سے زیادہ وزنی ثابت ہوگی۔

مجمع البیان میں بی بی عائشہ زوجہ پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو صبح میرے علم میں اضافہ نہ کرے اور مجھے خدا کے قریب نہ کرے، تو خدا اس صبح کے سورج کے طلوع ہونے میں برکت نہ ڈالے۔

بصائر الدرجات میں عیسیٰ بن حمزہ ثقفی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ بعض اوقات ہم آپؑ سے سوال کرتے ہیں تو آپؑ فوراً جواب دے دیتے ہیں اور بعض اوقات ہم آپؑ سے سوال کرتے ہیں آپؑ خاموش رہ جاتے ہیں اور بعد میں ہمیں جواب دیتے ہیں آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں! ہمارے کانوں اور دلوں میں صدائیں آتی ہیں۔ جب صدا آتی ہے تو ہم بولنے لگ جاتے

ہیں اور جب صدا نہیں آتی تو ہم خاموش ہو جاتے ہیں۔

عوالی اللئالی میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اوّلین و آخرین کے علوم کی تعلیم دی گئی ہے۔

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ابی طفیل عامر بن واثلہ کنانی سے فرمایا: اے ابوطفیل! علم دو طرح کے ہیں۔ ایک علم وہ ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے اور وہ علم اسلام کے رنگ کا ہے اور دوسرا علم وہ ہے جس کے متعلق سوچ بچار نہ کرنے کی لوگوں کو اجازت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: دو قسم کے لوگ کبھی سیر نہیں ہوتے: ① طالب علم، علم سے سیر نہیں ہوتا ② طالب مال دولت سے سیر نہیں ہوتا۔

حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں بڑا عالم کون ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جو لوگوں کا علم اپنے علم سے جمع کر لے وہی بڑا عالم ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی نظر میں علم کو عبادت پر فضیلت حاصل ہے اور تمھارے دین کا افضل حصہ حرام سے پرہیز کرنا ہے''۔

امیر المومنین حضرت علی اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ چار چیزیں چار چیزوں سے کبھی سیر نہیں ہوتیں: ① زمین بارش سے سیر نہیں ہوتی ② آنکھ دیکھنے سے سیر نہیں ہوتی ③ عورت مرد سے سیر نہیں ہوتی ④ عالم علم سے سیر نہیں ہوتا۔

ایک شخص حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! علم کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: علم سننے کے لیے خاموشی اختیار کرنا۔ اس نے کہا: اس کے بعد کون سا مرحلہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اسے غور سے سننا۔ اس نے کہا: اس کے بعد کون سا مرحلہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اسے یاد کرنا۔ اس نے کہا: اس کے بعد کون سا مرحلہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: عمل کرنا۔ اس نے کہا: اس کے بعد کیا مرحلہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اس کا پھیلانا۔

کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ ایک اعرابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! مجھے غرائب علم کی تعلیم دیں۔ آپؐ نے فرمایا: ابھی تم نے علم کا سرا تو جانا نہیں ہے غرائب علم جان کر کیا کرو گے؟ اس نے کہا: یارسولؐ اللہ! تو یہ فرمائیں علم کا سر (علم کی بنیاد) کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حق ادا کرنا

علم کا سر ہے۔ اس نے عرض کیا: خدا کی معرفت کا حق کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: تم یہ معرفت حاصل کرو کہ اس کی کوئی مثل نہیں ہے اور کوئی اس کے مشابہ نہیں اور کوئی اس کا شریک نہیں اور یہ کہ وہ واحد، احد، ظاہر، باطن، اوّل و آخر ہے۔ اس کے قول جیسا کسی کا قول نہیں ہے۔ اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حق۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: علمی مقامات کے علاوہ باقی ساری دنیا جہالت کا گھر ہے۔ علم انسان کے خلاف گواہ ہے البتہ وہ علم اس سے مستثنیٰ ہے جس پر عمل کیا جائے۔ عمل سارا ریا ہے البتہ وہ عمل اس سے مستثنیٰ ہے جس میں اخلاص ہو اور اخلاص ہر وقت خطرہ کی زد میں ہے جب کہ انسان کا انجام اچھا نہ ہو۔

علل الشرائع میں صحابی رسول ابودرداء سے منقول ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپؐ فرماتے تھے: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علماء کو جمع کرے گا اور ان سے کہے گا: میں نے تمھارے سینوں میں نور و حکمت اس لیے رکھی تھی کہ میں تمھارے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتا تھا۔ جاؤ میں نے تمھارے تمام گناہ معاف کر دیے ہیں۔

خطائے آدمؑ

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾

"اس سے قبل ہم نے آدمؑ سے عہد لیا تھا، مگر وہ بھول گیا، ہم نے اس میں ارادہ کی پختگی نہیں پائی"۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے عہد لیا تھا کہ وہ شجرۂ ممنوعہ کے قریب نہیں جائے گا، لیکن جب وہ وقت آیا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ثبت تھا کہ آدمؑ اس کا پھل کھائے گا تو آدمؑ کو وہ عہد بھول گیا اور اس نے اس درخت کا پھل کھا لیا۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾

علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: انسان کو انسان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر نسیان طاری ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ ......

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام سے رسولؐ خدا اور ائمہؑ کا عہد

لیا گیا تھا' مگر انھوں نے عہد میں پختگی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا' جب کہ اس کے برعکس کچھ انبیاء کو ''اولی العزم'' کہا جاتا ہے اور اس لفظ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے محمدؐ اور ان کے بعد کے اوصیاء اور مہدیؑ اور ان کی سیرت کے متعلق عہد لیا تو انھوں نے اپنے عہد میں پختگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ چنانچہ ان کے عزمِ مصمم کی وجہ سے انھیں ''اولی العزم'' کا نام دیا گیا۔

بصائر الدرجات میں بھی یہ روایت مرقوم ہے۔

اصولِ کافی کی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پنج تن پاکؑ اور ذریتِ حسینؑ کے ائمہ کا عہد لیا گیا تھا' لیکن انھیں وہ عہد یاد نہ رہا تھا۔

عالمِ ذر کی آزمائش

اصولِ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے انسان بنانے کا ارادہ کیا تو اس نے میٹھا اور کڑوا پانی لیا۔ دونوں طرح کے پانی کو ایک دوسرے سے ملایا اور زمین سے مٹی لے کر اس سے مٹی کو خمیر کیا۔ پھر اس سے اصحابِ یمین (جنتی) اور اصحابِ شمال (دوزخی) بنائے۔ پھر اس نے اصحابِ یمین سے کہا کہ تم سلامتی کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ۔ اور پھر اصحابِ شمال سے کہا کہ تم دوزخ میں چلے جاؤ۔ مجھے کچھ پرواہ نہیں ہے۔

پھر خدا نے فرمایا: اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ''کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟''

سب نے کہا: جی ہاں' تو ہی ہمارا رب ہے' ہم اس کے گواہ ہیں۔ پھر خدا نے فرمایا کہ اس عہد کو یاد رکھنا بعد میں قیامت کے دن یہ نہ کہنا کہ ہم اس سے غافل تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے میثاق لیا اور فرمایا کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں اور یہ محمدؐ میرا رسول ہے اور یہ علیؑ امیر المومنین ہے۔ سب نے کہا: ہم اقرار کرتے ہیں۔ خدا نے ان کو نبوت عطا فرمائی۔

اس کے بعد خدا نے اولی العزم انبیاء سے یہ عہد لیا کہ میں تمھارا رب ہوں' محمدؐ میرا رسول ہے اور علیؑ امیر المومنین اور اس کے بعد کے اوصیاء میری طرف سے اولی الامر ہیں اور میرے علم کے خازن ہیں اور مہدیؑ میرے دین کی نصرت کرے گا اور اس کے ذریعہ سے میں اپنی حکومت کا اظہار کروں گا اور اپنے دشمنوں سے انتقام لوں گا اور اس کی وجہ سے لوگ طوعاً و کرہاً میری عبادت کریں گے۔

اولی العزم انبیاء نے کہا: پروردگار! ہم اس عہد کا اقرار کرتے ہیں اور اس کے گواہ ہیں۔ اس مقام پر آدمؑ موجود تھے لیکن اُنھوں نے نہ تو انکار کیا تھا اور نہ ہی اقرار کیا تھا۔ اس کے بعد پانچ انبیاء اولی العزم قرار پائے جب کہ آدمؑ میں عزم دکھائی نہ دیا۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَ لَقَدۡ عَهِدۡنَاۤ اِلٰۤی اٰدَمَ مِنۡ قَبۡلُ فَنَسِیَ وَ لَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا ﴿۱۱۵﴾

پھر آگ بھڑکائی گئی۔ اصحاب الشمال سے کہا گیا کہ تم اس میں داخل ہو جاؤ۔ وہ داخل ہونے سے ڈر گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اصحاب الیمین سے فرمایا کہ تم اس میں داخل ہو جاؤ۔ خدا کا فرمان سنتے ہی وہ کسی جھجک کے بغیر آگ میں چلے گئے، آگ ان کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی بن گئی۔ اصحابِ شمال نے یہ منظر دیکھا تو کہا: خدایا! ہمیں معاف کر دے۔

خدا نے فرمایا: میں نے تمھیں معاف کیا ہے تم اب اس آگ میں چلے جاؤ لیکن اس بار بھی وہ داخل نہ ہوئے۔

چنانچہ تخلیق کے پہلے روز ہی اطاعت، ولایت اور معصیت کا فیصلہ ہو گیا تھا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ شجرۂ ممنوعہ کے متعلق آدمؑ اپنے معاہدہ کو بھول گئے تھے اور اُنھوں نے اس درخت کا پھل کھایا تھا۔ خدا نے ان میں پختگی نہ پائی تھی۔

الکافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنت میں رہائش فراہم کی اور اس کے بعد خدا نے ان سے فرمایا: اے آدمؑ! اس درخت کے قریب مت جانا۔ پھر آدمؑ کو وہ مخصوص درخت دکھا دیا گیا۔

آدمؑ نے عرض کیا: پروردگار! جب تو نے مجھے اس سے منع کر دیا ہے تو پھر میں اس کے قریب کیوں جاؤں گا؟

اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا کہ خیال رکھنا نہ تو تیری زوجہ اس کے قریب جائے اور نہ ہی تم اس کے قریب جاؤ۔ اس کے جواب میں آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ دونوں نے کہا کہ ہم اس کے نزدیک نہ جائیں گے، لیکن اُنھوں نے اس وقت "ان شاء اللہ" نہیں کہا تھا جس کی وجہ سے خدا نے انھیں ان کے نفوس کے حوالے کر دیا تھا۔

مصباح الشریعہ میں مذکور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت آدمؑ چونکہ خود سچے تھے اسی لیے جب ابلیس نے ان کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تو اُنھوں نے اس کی جھوٹی قسم کو بھی سچ مان لیا تھا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت آدمؑ اور اس کی زوجہ کو شجرۂ حسد سے منع کیا گیا تھا اور ان سے کہا گیا تھا کہ جسے خدا نے تم پر فضیلت دی ہو اسے کبھی بھی نگاہِ حسد سے نہ دیکھنا۔ لیکن حضرت آدمؑ پختگی کا مظاہرہ نہیں کر سکے تھے۔

علل الشرائع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

جب ابلیسی وسوسہ سے متاثر ہو کر آدمؑ اُٹھے اور درخت کے قریب پہنچ کر درخت کو دیکھا تو ان کے چہرے کی آبرو چلی گئی۔ پھر وہ شجرۂ ممنوعہ کی طرف چلے اور خطا کی طرف اٹھنے والا یہ پہلا قدم تھا۔ پھر انھوں نے ہاتھ سے اس درخت کا پھل پکڑ کر کھایا تو ان کے بدن سے جنتی لباس اور زیور اُتر گئے۔

عیون الاخبار کی ایک روایت میں مرقوم ہے کہ مامون الرشید نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کہا: کیا آپ انبیاء کو معصوم سمجھتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں، میں انبیاء کی عصمت کا عقیدہ رکھتا ہوں۔

مامون الرشید نے کہا: وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ کی آیتِ مجیدہ کا کیا مفہوم ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے کہا تھا کہ تو اور تیری بیوی جنت میں رہائش رکھو اور وہاں سے بے روک ٹوک کھاؤ، لیکن، اِس درخت کے قریب نہ جانا۔ پھر اشارہ سے انھیں وہ شجرۂ ممنوعہ بتا دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم اس کا پھل نہ کھانا اور یہ بھی نہیں کہا تھا کہ اس کی جنس کے دوسرے درخت کے پھل کو منہ نہ لگانا۔ چنانچہ ابلیس ان کے پاس گیا اور اس نے ان سے کہا تھا کہ تمھارے رب نے جو تمھیں درخت سے منع کیا ہے اس کے پاس جانے سے تمھیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ تمھیں اس کے پھل کھانے سے فائدہ ہوگا اور تم یا تو فرشتے بن جاؤ گے یا پھر تمھیں ہمیشہ کی زندگی مل جائے گی۔ پھر اس نے رب العزت کی قسم کھا کر کہا کہ میں تمھارا خیر خواہ ہوں۔

حضرت آدمؑ انسانی قافلہ کے پہلے فرد تھے اور وہ تمام انسانوں کے مورثِ اعلیٰ تھے۔ اُنھوں نے اس سے قبل کسی کی زبان سے خدا کی جھوٹی قسم نہیں سنی تھی، اسی لیے اُنھوں نے قسم پر اعتبار کیا البتہ جس درخت سے اشارہ کے ذریعے سے منع کیا گیا تھا وہ اس مخصوص درخت کے قریب نہیں گئے تھے۔ اس کی بجائے اسی کی جنس کے دوسرے درخت کے پاس گئے تھے اور اس کا پھل کھایا تھا۔

یہ نبوتِ آدمؑ سے پہلے کا واقعہ ہے اور آدمؑ کا یہ عمل کوئی گناہِ کبیرہ نہ تھا جس کی سزا میں وہ دوزخ کے حقدار قرار پائے۔ حضرت آدمؑ کا یہ اقدام صغیرہ قسم کی خطا تھی اور ایسے صغائر نزولِ وحی سے قبل انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کا انتخاب کیا اور انھیں نبی بنایا تو اس کے بعد ان کی پوری زندگی حصارِ عصمت میں بسر ہوئی۔ اُنھوں نے نبوت کے بعد کوئی صغیرہ کبیرہ گناہ نہیں کیا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ ''اور آدمؑ نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی وہ بھٹک گیا۔ پھر اس کے رب نے اُسے چُن لیا' اس کی توبہ قبول کی اور اسے ہدایت بخشی''۔

وضاحت: مکتبِ اہلِ بیتؑ کے نزدیک نبی معصوم ہوتا ہے اور معصوم ہر قسم کے گناہ سے محفوظ ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے معصیتِ الٰہی نہیں ہوئی تھی بلکہ آپؑ سے ترکِ اولیٰ ہوا تھا۔ (ناشر)

اللہ تعالیٰ نے اصطفائے آدمؑ کے متعلق فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ (آل عمران ۳:۳۳) ''بے شک اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ کو چنا اور آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمرانؑ کو تمام جہانوں میں سے منتخب کیا''۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مامون کے لیے اسلام کے بنیادی اصول کے متعلق ایک مختصر رسالہ لکھا تھا۔ آپؑ نے اس رسالہ میں یہ کلمات بھی تحریر فرمائے: انبیاء کے گناہ صغیرہ ہوتے ہیں' جو خدا کی طرف سے انھیں معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

مختلف ادیان وملل کے علماء سے دربارِ مامون میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا مباحثہ ہوا تھا اور آپؑ نے ہر مذہب ومسلک کے عالم کو خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔ پھر علی بن جہم نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کہا:

فرزندِ رسولؐ! آپؑ عصمتِ انبیاء کا عقیدہ رکھتے ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ (آدمؑ نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور بھٹک گیا) اس آیت کی موجودگی میں آپؑ کے عقیدہ کی کیا حیثیت ہے؟

آپؑ نے فرمایا: سنو! اللہ نے آدمؑ کو اپنی زمین پر اپنا خلیفہ اور حجت بنایا تھا' اللہ تعالیٰ نے انھیں جنت کے لیے پیدا نہیں کیا تھا۔ آدمؑ سے جو معصیت ہوئی وہ زمین کی بجائے جنت میں ہوئی تھی۔ اس سے اللہ کی تقدیر نے پورا ہونا تھا۔ اور جب انھیں زمین پر اُتارا گیا اور انھیں حجت وخلیفہ بنایا گیا تو ان کی پوری زندگی عصمت کے حصار میں آ گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ (آل عمران ۳:۳۳) ''بے شک اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ کو چن لیا اور آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمرانؑ کو تمام جہانوں میں سے منتخب کیا''۔

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ ایک زندیق نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ خدا نے انبیاء کی غلطیاں قرآن میں کیوں بیان کی ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: اس میں خدا کی یہ مصلحت تھی کہ لوگ انبیاء کے معجزات دیکھ کر انھیں کہیں خدا نہ مان لیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی غلطیوں کو بیان کیا' تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ بزرگ افراد خدا نہیں تھے' بلکہ وہ خدا کے بندے تھے۔

تہذیب الاحکام میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ نوافل یومیہ مستحب ہیں فرض نہیں ہیں۔ جب کہ فریضہ کا تارک کافر ہے‘ جب کہ مستحب نمازوں کا ترک کرنا کفر نہیں ہے البتہ معصیت ضرور ہے اور مستحب عمل کے متعلق اصول یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اس پر عمل کرے تو پھر اس پر مسلسل عمل کرتے رہنا چاہیے۔

قولہ: فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾

''جو میری ہدایت کی پیروی کرے وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ ہی نامراد ہوگا''۔

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ہدایت کی اتباع سے کیا مراد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جو ائمہؑ کی امامت کا اقرار کرے اور ان کے فرمان کی تعمیل کرے اور ان کی اطاعت سے سرگردانی نہ کرے تو وہ ہدایت کی اتباع کرنے والا ہے۔ وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ ہی نامراد ہوگا۔

ذکرِ الٰہی سے اعراض کرنے والوں کا انجام

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾

''اور جو میری آیات سے منہ موڑے گا تو اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا محشور کریں گے۔ وہ کہے گا: پروردگار! تو نے مجھے اندھا کیوں محشور کیا‘ جب کہ میں تو بینا تھا؟ خدا کہے گا: اس طرح سے تیرے پاس ہماری آیات آئی تھیں۔ تو نے انھیں فراموش کر دیا تھا اور آج کے دن تجھے فراموش کیا جا رہا ہے''۔

نعمت اور آزمائش کے وقت لوگوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

① ایک قسم وہ ہے جن کی نظر ہمیشہ نعمت پر ہوتی ہے اور نعمت عطا کرنے والے منعم پر نہیں ہوتی۔ اور ایسا شخص ذہنی طور پر عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔ اگر اُسے نعمت مل جائے تو اس کے زائل ہونے کا اسے خدشہ لاحق رہتا ہے اور نعمت کے باوجود وہ ذہنی اور قلبی طور پر پریشان اور غمگین رہتا ہے اور آزمائش کے وقت تو اس کی حالت بہت ہی خراب ہو جاتی ہے۔

کیونکہ اس کی نگاہ ہمیشہ نعمت پر ہوتی ہے۔ منعم پر نہیں ہوتی اور مصیبت کے وقت اس کی نگاہ بلاء و آزمائش پر ہوتی ہے' آزمائش کرنے والے پر نہیں ہوتی' لہٰذا ایسا شخص نعمت و بلاء کے وقت ہمیشہ ہی پریشان رہتا ہے۔

○ لوگوں کی دوسری قسم وہ ہے جن کی نظر نعمت کے بجائے منعم پر ہوتی ہے اور بلاء کے بجائے ''مبتلی'' یعنی آزمائش کرنے والے پر ہوتی ہے اسی لیے اس ذہنیت کے افراد نعمت و بلاء کے وقت ہمیشہ مطمئن اور پُرسکون رہتے ہیں۔

بعض روایات میں مرقوم ہے کہ اس آیت میں جس تنگ معیشت کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے قبر و برزخ کی تنگی مُراد ہے۔ بہرنوع ذکرِ الٰہی سے اعراض کرنے والے شخص کو اندھا بنا کر مبعوث کیا جائے گا۔

آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا اندھا پن پورے محشر عرصہ کے لیے نہیں ہوگا' کیونکہ قرآنِ مجید میں ایسی آیات بھی موجود ہیں جن سے ان کی بینائی کا استدلال کیا جاسکتا ہے مثلاً فرمانِ خداوندی ہے:

اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا (السجدہ:۱۲)

''جس وقت مجرم اپنے رب کے پاس سر جھکائے کھڑے ہوں گے' کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھا اور سنا''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب لوگوں کو ان کے نامۂ اعمال دیئے جائیں گے تو منکرین حق سے کہا جائے گا: اِقْرَاْ كِتٰبَكَ (بنی اسرائیل ۱۷:۱۴) ''اپنا نامۂ اعمال پڑھ''۔ جب کہ سورۂ طٰہٰ کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ ذکرِ الٰہی سے اعراض کرنے والوں کو اندھا محشور کیا جائے گا۔ قرآنِ کریم کی مذکورہ آیات پڑھنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ منکرین حق کو جب پہلے پہل اُٹھایا جائے گا تو اُس وقت وہ بینا ہوں گے' پھر انھیں اندھا کر دیا جائے گا۔ جب کہ کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ ابتداء میں بینا ہوں گے' پھر انھیں اندھا کر دیا جائے گا۔ پھر آخر میں انھیں دوبارہ بینا کر دیا جائے گا۔

اس مقام پر اہم سوال یہ ہے کہ اندھا ہونے سے کیا مکمل اندھا پن مراد ہے یا مخصوص قسم کا اندھا پن ہے؟

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مخصوص اندھا پن مراد ہے' عمومی اندھا پن مراد نہیں ہے اور اس اندھا پن سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنے رب کی تجلّی سے محروم رہیں گے جیسا کہ فرمانِ قدرت ہے: اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ (المطففین:۱۵) ''وہ اپنے رب (کی نعمات و تجلیات) سے اس دن حجاب میں ہوں گے''۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن الرازی والمیزان)

اصولِ کافی کی ایک روایت میں مرقوم ہے کہ ذکرِ رب سے اعراض کا ایک مقصد امیر المومنین علی علیہ السلام کی ولایت

سے انحراف ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ جو شخص استطاعت کے باوجود حج ادا نہ کرے تو وہ بھی اس آیت کے مصادیق میں شامل ہے۔

قولہ: وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ ''اس طرح سے ہم حد سے بڑھنے والے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ رکھنے والے کو بدلہ دیا کرتے ہیں، جب کہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے''۔

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ اِسراف سے امیرالمومنین کی ولایت میں اغیار کو شریک کرنا مُراد ہے اور وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ کا ایک مقصد یہ ہے کہ بوجہ عنادِ ائمہؑ کو چھوڑ دے اور ان سے محبت نہ رکھے اور ان کے نشانِ قدم پر نہ چلے۔

قولہ: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾

''یقیناً اس میں اہلِ عقل کے لیے نشانیاں ہیں''۔

تفسیر علی بن ابراہیم کی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام اہلِ عقل میں سرفہرست ہیں۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾

''اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ضرور ان کا فیصلہ کر دیا جاتا اور مہلت کی مدت ختم ہو چکی ہوتی''۔

مقصد یہ ہے کہ اگر ان کے لیے ایک مہلت کی مدت مقرر نہ کی گئی ہوتی تو ان پر خدا کا عذاب نازل ہو جاتا۔

اوقاتِ نماز کی طرف اشارہ

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

''آپ ان کی باتوں پر صبر کریں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں تسبیح کرو اور دن کے اطراف میں بھی حمد کرو، تا کہ تم راضی ہو جاؤ''۔

کتاب الخصال میں اسماعیل بن فضل سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا کی آیتِ مجیدہ کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ سورج کے طلوع وغروب سے قبل ان کلمات کو دس مرتبہ کہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحُكْمُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ـ

علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ ایک یہودی عالم نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مسائل پوچھے۔ ان مسائل میں اوقاتِ نماز کی حکمت کا سوال بھی تھا۔ آپؐ نے تمام مسائل کے جواب دیئے اور نمازِ فجر کے وقت کی حکمت کے متعلق آپؐ نے فرمایا: سورج شیطان کے سینگوں پر سے طلوع کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اور میری اُمت طلوعِ آفتاب سے پہلے نمازِ فجر پڑھ لیں۔ بعد میں کافر سورج کو سجدہ کرتے رہیں گے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: سورج کے طلوع کے وقت نمازِ فجر نہیں پڑھنی چاہیے' کیونکہ وہ شیطان کے سینگوں پر سے طلوع کرتا ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ سے صبح شام کی نمازیں مراد ہیں۔

الکافی میں زرارہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ اَطْرَافَ النَّهَارِ میں تسبیح کرنے سے کیا مراد ہے؟ آپؑ نے فرمایا: اس سے دن کی نفلی نمازیں مراد ہیں۔

لوگوں کی شان و شوکت کو مت دیکھو

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾

"ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو جو شان و شوکت دی ہے آپ اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ یہ شان و شوکت تو ہم نے انھیں آزمائش کے لیے دی ہے' جب کہ تیرے رب کا رزق اس سے کہیں بہتر اور دیرپا ہے"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی تو آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: خدا کی تسلی کے باوجود بھی جسے تسلی حاصل نہ ہو تو دنیا کے متعلق اس کی حسرتوں میں اضافہ ہوجائے گا اور جس کی نظر لوگوں کی دولت پر ہو اس کے غم میں اضافہ ہوتا رہے گا اور اس کے غم وغصہ میں کبھی کمی واقع نہ ہوگی اور جو یہ سمجھے کہ کھانے پینے کے متعلق خدا نے اسے کوئی نعمت نہیں دی تو اس کی عمر کم ہوجائے گی اور عذاب نزدیک ہوجائے گا۔

روضہ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: خبردار! جو لوگ دنیاوی حیثیت میں تم سے زیادہ ہوں ان کی طرف نہ دیکھنا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریمؐ سے فرمایا ہے: فلا تعجبك اموالهم ولا اولادهم ''آپ ان کی دولت اور اولاد سے تعجب نہ کریں''۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ۔

خود بھی نماز کی پابندی کریں اور گھر والوں کو بھی اس کا حکم دیں

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا

''آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود اس کی پابندی کریں''۔

عوالی اللئالی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ اپنے اہلِ بیت کو نماز پڑھنے کا حکم دیں۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیتؑ کی عظمت کو ظاہر کیا ہے۔ حضرت رسولؐ خدا نے جہاں باقی لوگوں کو بالعموم نماز کا حکم دیا تھا وہاں اپنے اہلِ بیت کو خصوصی طور پر نماز کا حکم دیا تھا۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ مامون الرشید کی محفل میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اُمت اور عترت کے بارہ فرق بیان کیے تھے ان میں سے ایک فرق کو آپؑ نے یوں بیان فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو حکم دیا: وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ''آپ اپنے خاندان والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس پر قائم رہیں''۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے تحت ہمیں خصوصی طور پر ممتاز کیا ہے۔

چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ حضرت علیؑ و بتولؑ کے دروازے پر پانچ مرتبہ آتے تھے اور دروازے پر کھڑے ہو کر فرماتے تھے: الصلوٰة رحمکم اللّٰہ ''خدا تم پر رحم کرے' نماز پڑھو''۔ رسولؐ خدا مسلسل نو ماہ تک یہ کام کرتے رہے۔ ہمارے علاوہ خدا نے کسی بھی نبی کے خاندان کو اس طرح کا اعزاز عطا نہیں کیا تھا۔ یہ اعزاز ہمارے ساتھ مخصوص ہے۔ اس میں اُمت کا کوئی فرد شامل نہیں ہے۔

الکافی میں مرقوم ہے کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام جنگ کے وقت لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے تھے:

"لوگو! نماز کی پابندی کرو اور نماز کی محافظت کرو اور اسے اپنے تقرب کا ذریعہ بناؤ۔ رسولِ اکرمؐ کو خدا نے جنت کی ضمانت دی تھی، مگر اس کے باوجود خدا نے انھیں یہ حکم دیا تھا کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس کی پابندی کریں۔ چنانچہ رسولِ خدا خود بھی نماز کے پابند تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دیتے تھے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا کی آیتِ مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیت کو مخصوص کر کے انھیں ابدی اعزاز سے نوازا ہے۔ اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ اہلِ بیت رسولؐ خصوصی منزلت کے حامل ہیں اور یہ مقام باقی لوگوں کو حاصل نہیں ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت رسولِ خدا روزانہ نمازِ فجر کے وقت علیؑ و بتولؑ کے دروازے پر آتے تھے اور فرماتے تھے: السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته۔ جواب میں حضرت علیؑ، جناب فاطمہؑ، حسن اور حسین علیہم السلام وعلیك السلام یارسول الله ورحمة الله وبرکاته کہتے تھے۔

پھر آنحضرتؐ دروازے کے دونوں سروں کو پکڑ کر کہتے تھے: اَلصَّلٰوةُ اَلصَّلٰوةُ يَرحمُكُمُ الله ، انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا۔ آنحضرتؐ جب مدینہ میں ہوتے تو آپؐ یہ عمل ہمیشہ کرتے تھے اور آپؐ کی وفات تک آپ کا یہ عمل جاری رہا۔

خادمِ رسول ابوحمراء کا بیان ہے کہ میں نے اس عمل کا مشاہدہ کیا ہے۔

نہج البلاغہ میں مرقوم ہے کہ رسولِ خدا نماز کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو جنت کی بشارت دی تھی، مگر اس کے باوجود آپؐ خود بھی نماز کی سختی سے پابندی کرتے تھے اور اپنے خاندان والوں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے۔

مجمع البیان میں ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسولِ خدا پورے نو ماہ تک ہر نماز کے وقت علیؑ و بتولؑ کے دروازے پر آتے تھے اور فرماتے تھے: اَلصَّلٰوةُ اَلصَّلٰوةُ يَرحمُكُمُ الله ، انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا۔

ابن عقدہ نے بہت سی اسناد کے ساتھ اہلِ بیتؑ اور ابی بردہ اور ابی رافع سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

شیخ الطائفہ امالی میں لکھتے ہیں کہ ابی الحمیرا کا بیان ہے کہ رسولِ خدا چالیس دن تک علیؑ و بتولؑ کے دروازے پر آتے تھے اور دروازے کے دونوں سروں کو پکڑ کر کہتے تھے:

السلام عليكم اهل البيت ورحمة الله وبركاته . اَلصَّلٰوةُ اَلصَّلٰوةُ يَرحمُكُمُ الله ، انما يريد الله

لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا.

رزق خدا کے ذمہ ہے اور نیک انجام اہلِ تقویٰ کے لیے ہے

لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

''ہم تم سے کسی رزق کا مطالبہ نہیں کرتے، ہم آپ کو رزق دے رہے ہیں، انجام کی بھلائی تقویٰ پر ہی موقوف ہے''۔

کتاب الخصال میں ابوہریرہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میری اُمت کے زیادہ افراد دو سوراخوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے''۔

لوگوں نے کہا: یارسولؐ اللہ! دو سوراخوں سے کیا مراد ہے؟

آپؐ نے فرمایا: شرم گاہ اور منہ، جب کہ جنت جانے والوں کی اکثریت خدا کے تقویٰ اور حسنِ خلق سے آراستہ ہوگی۔

کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اے موسیٰؑ! جب تک یہ دیکھ نہ لو کہ میرے خزانے ختم ہو چکے ہیں اس وقت تک رزق کی وجہ سے مغموم نہ ہونا۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام ۔نے ارشاد فرمایا: ''حصولِ دنیا کے لیے زیادہ اہتمام کرنا انسانی وظیفہ سے زائد ہے اور اس سے آخرت کا زادِ راہ ضائع ہو جاتا ہے، جب کہ فکرِ آخرت مقدر میں کمی کا سبب نہیں اور اس سے معاد کی بہتری وابستہ ہے۔ پھر آپؑ نے کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے:

''اگر کسی شخص کا رزق کسی چکنی چٹان میں ہی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ اسے مل کر رہے گا''۔

''اگر کسی کا رزق سات آسمانوں کے درمیان ہی کیوں نہ ہو تو بھی خدا اس کے حصول کو آسان بنادے گا یا رزق بندے تک پہنچ جائے گا یا بندہ رزق تک جا پہنچے گا''۔

قولہ: رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾

''پروردگار! تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل و رُسوا ہونے سے قبل تیری آیات کی پیروی کرتے''۔

سید ابن طاؤس کشف المحجہ میں لکھتے ہیں کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: لوگوں نے رسولؐ خدا سے کہا:

یارسولؐ اللہ! ہمارا سرپرست کون ہے؟

آپؐ نے فرمایا: اس زمانہ میں تمھارا سرپرست مَیں ہوں۔ میرے بعد میرا وصی اور وصی کے بعد ہر زمانہ میں خدا کی حجتیں تمھاری سرپرستی کریں گی، تاکہ میری اُمت باقی گمراہ ٹولوں کی طرح سے یہ نہ کہے کہ تو نے ہماری ہدایت کا انتظام کیوں نہ کیا۔ ان لوگوں کی جہالت کی اہم وجہ آیات سے ان کی ناواقفیت تھی اور آیاتِ خدا اوصیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان حیلہ کرنے والوں کے جواب میں کہا:

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿١٣٥﴾

''آپ کہہ دیں کہ ہر شخص انجامِ کار کا منتظر ہے۔ اب تم بھی انتظار کرو، تم عنقریب جان لو گے کہ سیدھی راہ کے راہی کون ہیں اور ہدایت پانے والے کون ہیں''۔

ان لوگوں کے انتظار کی کیفیت یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ جب تک امام اپنے علم کا خود اظہار نہ کرے اس وقت تک ہمیں معرفتِ اوصیاء حاصل نہ بھی ہو تو بھی خیر ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں آیت بالا کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! جس راستے کی اتباع کا خدا نے تمھیں حکم دیا ہے وہ راستہ ہم ہیں۔ خدا کی قسم! صراطِ مستقیم ہم ہیں اور ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کی اطاعت کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اب جو چاہے ہم سے دین لے لے اور جو چاہے کسی دوسری جگہ سے لے لے، لیکن یہ یاد رکھو کہ ہمارے بغیر تمھارا گزارہ نہیں ہوگا''۔

OOO

سورۃ الانبیآء

سورۃ الانبیاء مکیۃ آیاتھا ۱۱۲ و رکوعاتھا ۷

''سورہ انبیاء مکی ہے۔ اس کی آیات ایک سو بارہ اور اس میں سات رکوع ہیں''۔

سورۂ انبیاء کے فضائل

کتاب ثواب الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص سورہ انبیاء کو عقیدت سے اس کی تلاوت کرے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو جنات النعیم میں انبیاء کا رفیق رہا ہو اور دنیاوی زندگی میں خدا اُسے رعب عطا کرے گا''۔

مجمع البیان میں ابی بن کعب سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص سورہ انبیاء پڑھے گا تو خداوند کریم حساب کے وقت اس کے لیے آسانی پیدا کرے گا اور قرآن کریم میں جتنے انبیاء کرام کا ذکر کیا گیا ہے وہ تمام انبیاء کرام اس سے مصافحہ کریں گے اور اُسے سلام کریں گے۔

سورۂ انبیاء کے مرکزی موضوعات

اس سورہ مبارکہ کے مرکزی موضوعات حسبِ ذیل ہیں: قیامت قریب ہے، ظالم رسول کے متعلق کیا کہتے تھے اور رسول نے جواب میں کیا کہا، تمام انبیاء مرد تھے۔ اگر لاعلم ہو تو اہلِ ذکر سے پوچھو۔ ظالم بستیوں کی بربادی، زمین و آسمان بے مقصد پیدا نہیں کیے گئے تھے، حق آخرکار باطل پر غالب آجاتا ہے، عصمتِ ملائکہ، اگر زیادہ خدا ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے، ہر نبی کی وحی کا مرکزی نکتہ توحیدِ خداوندی ہے۔ پہاڑوں کے فوائد و خصوصیات، آسمان، سورج اور چاند کی تخلیق، ہر شخص نے مرنا ہے، انسان جلدباز ہے، قیامت اچانک آئے گی، کافروں نے ہر دور میں انبیاء کرام کا مذاق اُڑایا، میزانِ الٰہی میں کسی کی حق تلفی نہ ہوگی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اور اُن کی تبلیغ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی، نارِ نمرود کا گلزار ہونا، حضرت لوطؑ کا واقعہ، حضرت نوحؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ، داؤدؑ و سلیمانؑ کے فیصلے، داؤدؑ کے ہاتھوں میں لوہے کا موم ہونا اور سلیمانؑ کے لیے ہوا کا مسخر ہونا، ذوالنون کی دعا اور شکم ماہی سے نجات پانا، حضرت زکریاؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ، حضرت مریمؑ اور فرزندِ مریمؑ کا ذکر، یاجوج ماجوج آزادی کے بعد ہر سمت میں پھیل جائیں گے، خدا کے پیارے بندے دوزخ کی آواز تک نہ سنیں گے اور اُن سے ملائکہ ملاقات کریں گے، آسمان کی چھت لپیٹ دی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُہُمۡ وَ ہُمۡ فِیۡ غَفۡلَۃٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۚ﴿۱﴾ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡہُ وَ ہُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ لَاہِیَۃً قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّجۡوَی ٭ۖ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ٭ۖ ہَلۡ ہٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ ۚ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ وَ اَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳﴾ قٰلَ رَبِّیۡ یَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ فِی السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ۫ وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۴﴾ بَلۡ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍۭ بَلِ افۡتَرٰىہُ بَلۡ ہُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلۡیَاۡتِنَا بِاٰیَۃٍ کَمَاۤ اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۵﴾ مَاۤ اٰمَنَتۡ قَبۡلَہُمۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَا ۚ اَفَہُمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷﴾ وَ مَا جَعَلۡنٰہُمۡ جَسَدًا لَّا یَاۡکُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَ مَا کَانُوۡا خٰلِدِیۡنَ ﴿۸﴾ ثُمَّ صَدَقۡنٰہُمُ الۡوَعۡدَ فَاَنۡجَیۡنٰہُمۡ وَ مَنۡ نَّشَآءُ وَ اَہۡلَکۡنَا الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۹﴾ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ کِتٰبًا فِیۡہِ ذِکۡرُکُمۡ ؕ اَفَلَا

تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا
قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾
لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تُسْئَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ
دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا
لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ
عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا
تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا
يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ
وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ
يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ
اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ
يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ
هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ
اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ
الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ
بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا
خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ
مُشْفِقُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ
نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾

سہارا اللہ کے نام کا جو کہ رحمٰن و رحیم ہے

''لوگوں کے لیے حساب کا وقت قریب آ گیا' جب کہ یہ لوگ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اُن کے پاس اُن کے پروردگار کی طرف سے جو بھی تازہ نصیحت آتی ہے وہ اس کو تکلف سے سنتے ہیں اور کھیل کود میں پڑے رہتے ہیں۔

اُن کے دل دوسری فکروں میں منہمک ہیں۔ ظالم آپس میں سرگوشیاں کر کے کہتے ہیں کہ یہ بھی تو تم جیسا انسان ہے تو کیا تم دیکھتے دیکھتے جادو کے کھیل میں شرکت کرو گے؟ رسولؐ نے کہا کہ میرا رب آسمان و زمین کی باتوں کو جانتا ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اُنھوں نے کہا کہ بلکہ یہ تو پراگندہ خواب و خیال ہیں' بلکہ یہ تو خود اُس کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں' بلکہ یہ تو شاعر ہے۔ اگر بالفرض یہ رسول ہے تو سابقہ رسولوں کی طرح ہمارے سامنے بھی کوئی نشانی پیش کرے۔

ان سے پہلے ہم نے جتنی بھی آبادیوں کو ہلاک کیا وہ ایمان نہیں لائے تھے تو کیا یہ ایمان لائیں گے؟ ہم نے آپ سے پہلے بھی انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا ہے ہم اُن پر وحی کرتے تھے' اگر تم لاعلم ہو تو ''اہلِ ذکر'' سے پوچھو۔

ان رسولوں کے جسم ہم نے ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں' اور وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے بھی نہیں تھے۔ پھر ہم نے ان سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا' ہم نے انھیں نجات دی اور جس جس کو ہم نے چاہا بچا لیا اور اِسراف کرنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ ہم نے تمھاری طرف ایسی کتاب بھیجی ہے جس میں تمھارا ذکر موجود ہے تو کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو؟

بہت سی ایسی بستیاں ہیں جنھیں ہم نے پیس کر رکھ دیا۔ ان بستیوں کے رہنے والے ظالم تھے۔ اِس کے بعد ہم نے دوسری قوم کو اٹھایا۔ جب اُنھوں نے ہماری گرفت کو محسوس کیا تو وہ بھاگنے لگے۔ (اُن سے کہا گیا) مت بھاگو' تم اپنے گھروں اور عشرت کدوں میں لوٹ جاؤ' جہاں تم چین سے رہتے تھے شاید تم سے سوال کیے جائیں۔ اُنھوں نے کہا: ہائے ہماری بدبختی ہم ہی ظالم تھے۔ وہ یہی کچھ پکارتے رہے' یہاں تک کہ ہم نے انھیں بجھا کر کٹے ہوئے کھلیان کی مانند کر دیا۔ ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' اسے کھیل کے طور پر نہیں پیدا کیا اور اگر ہمیں کھیل ہی مقصود ہوتا تو ہم اپنی طرف سے ایسا کرتے۔ ہمارا اصول یہ ہے کہ ہم باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں' جو اس کا سر پھوڑ دیتا ہے اور پھر وہ ختم ہو جاتا ہے۔ تمھارے لیے ہلاکت ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم کر رہے ہو۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی رہتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور جو ملائکہ اس کے قرب میں رہتے ہیں وہ اللہ کی بندگی سے نہ تو تکبر کرتے ہیں اور نہ ہی ملول ہوتے ہیں۔ وہ دن رات خدا کی تسبیح میں مصروف رہتے ہیں اور اُکتاہٹ محسوس نہیں کرتے' کیا اُنھوں

نے کوئی ایسے معبود بنائے ہیں جو اُنھیں زمین سے اٹھا سکتے ہیں؟ اگر خدا کے علاوہ زمین و آسمان میں اور بہت سے معبود ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک ہے جو وہ لوگ بنا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اس کے کاموں کی جواب دہی نہ لی جائے گی، جب کہ تمام لوگوں کو اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔

کیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اُنھوں نے دوسرے معبود بنا لیے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ تم اپنی دلیل لاؤ۔ اس کتاب میں میرے ساتھ رہنے والوں کا ذکر بھی ہے اور مجھ سے پہلی اقوام و ملل کا ذکر بھی ہے، مگر ان لوگوں کی اکثریت حق سے لاعلم ہے اسی لیے منہ موڑے ہوئے ہے۔

ہم نے آپؐ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا اُس کی طرف ہم نے یہ وحی کی کہ میرے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں۔ لوگو! تم میری ہی عبادت کرو۔ وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ وہ اس سے پاک و پاکیزہ ہے۔ وہ فرشتے تو اللہ تعالیٰ کے باعزت بندے ہیں۔ وہ کسی قول میں اس پر سبقت نہیں لے جاتے اور وہ اس کے فرمان کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

جو کچھ فرشتوں کے آگے ہے، خدا اسے جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے خدا اسے بھی جانتا ہے۔ وہ شفاعت نہیں کریں گے، مگر وہ اس سے مستثنیٰ ہے جس کے متعلق شفاعت کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی ہو اور وہ اُس کے خوف سے ڈرے رہتے ہیں۔ اور جو ان میں سے یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ میں بھی معبود ہوں تو ہم اسے بطورِ سزا جہنم میں بھیجیں گے اور ظلم کرنے والوں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں"۔

حساب کی گھڑی قریب آ چکی ہے

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۚ‏ ﴿۱﴾

"لوگوں کے لیے حساب کا وقت قریب آ گیا ہے، جب کہ لوگ غفلت میں پڑے منہ موڑے ہوئے ہیں"۔

لفظ قرب کا اطلاق یا تو مکان کے لیے ہوتا ہے یا پھر زمان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں قربِ مکانی محال ہے' اسی لیے اس سے قربِ زمانی مراد ہے۔ مقصد آیت یہ ہے کہ لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ چکا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وقتِ حساب قریب ہے تو یہ کیسے ممکن ہے جب کہ قرآن کے نزول کو اس وقت چودہ صدیاں گزر چکی ہیں' مگر ابھی تک وہ گھڑی نہیں آئی؟

اس سوال کے متعدد جواب ہیں' جن میں کچھ حسبِ ذیل ہیں:

① حساب کی گھڑی خدا کے ہاں قریب آ چکی ہے' جب کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کا ایک دن ہمارے حساب سے ہزار سال کا ہوتا ہے۔

② ہر آنے والی چیز کو قریب ہی سمجھنا چاہیے' اگرچہ کافی وقت کے بعد ہی کیوں نہ آئے۔

③ اگر کسی چیز کے لیے ایک سال کا وعدہ ہو اور سال میں سے ایک ماہ گزر جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وقت قریب آ گیا ہے' البتہ اگر بارہ مہینوں میں سے زیادہ مہینے گزر جائیں اور تھوڑے مہینے باقی ہوں تو اُس وقت یہ کہنا صحیح ہے کہ وقت قریب آ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی جو مدتِ حیات مقرر کی ہے اس میں زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور گزرے عرصہ کی نسبت باقی عرصہ کم رہ گیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا ہے''۔

حضرت خاتم الانبیاءؐ نے اپنی دو انگلیاں ملا کر فرمایا تھا: **بعثت انا والساعة کهاتین** ''میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح سے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں''۔ اور غالباً اسی مدتِ دنیا کے کم ایام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سلسلۂ انبیاء کا خاتم قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حساب کے وقت کی قربت کا اعلان کر کے لوگوں کو متنبہ کیا ہے' کہ اب اُن کے پاس وقت بہت کم رہ گیا ہے' لہٰذا وہ اپنی غلطیوں کی تلافی کریں' تاکہ حساب کے وقت اُنھیں ندامت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے روزِ حساب کا وقت لوگوں کو نہیں بتایا' اِس میں بھی اس کی مصلحت ہے۔ جس طرح سے اپنی موت کے وقت سے کوئی آگاہ نہیں ہے اسی طرح سے قیامت کے وقت سے بھی کوئی آگاہ نہیں ہے۔

وقت حساب کے قریب آنے کا اعلان کر کے اللہ تعالیٰ نے شریعت کے مکلفین کو خوابِ غفلت سے بیدار ہونے کی دعوت دی ہے' کیونکہ حساب کا تعلق مکلف افراد سے ہے' غیر مکلف افراد سے نہیں ہے۔ (اضافة من المترجم نقلاً عن الرازی)

تفسیر علی بن ابراہیم میں اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ مقصدِ آیت یہ ہے کہ قیامت کی گھڑی اور حساب کا وقت قریب آچکا ہے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کو اس لیے قریب کہا ہے کہ قیامت کی علامات میں سے حضرت خاتم الانبیاء کی بعثت بھی شامل ہے۔ جب آپؐ مبعوث ہوئے تو اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اب قیامت آنے کو ہے اس لیے رسولؐ خدا نے اپنی دو انگلیاں ملا کر فرمایا تھا کہ قیامت اور میں ایک دوسرے سے یوں پیوستہ ہیں جیسے یہ دو اُنگلیاں آپس میں پیوستہ ہیں۔

جوامع الجامع میں مرقوم ہے کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''لوگو! دنیا پشت کر کے جارہی ہے اور اب اتنی دنیا رہ چکی ہے جتنا کہ کسی برتن میں تلچھٹ باقی رہ جاتی ہے''۔

قرآن حادث ہے

بنی عباس کے دورِ حکومت میں ایک موضوع زیر بحث رہا ہے کہ کیا قرآن حادث ہے یا قدیم؟ چنانچہ اشاعرہ اور اہل سنت کے مشہور محدثین کا موقف تھا کہ قرآن قدیم ہے اور اُس کے برعکس ائمہ ہدیٰ اور معتزلہ کا نظریہ تھا کہ قرآن حادث ہے۔ اتفاق سے اس نظریہ کے حامل افراد کو حکومت کی تائید حاصل ہوگئی اور یہ مسئلہ اتنا وسیع ہوگیا کہ بہت سے اشعری علماء کو سولی پر لٹکایا گیا اور بہت سے علماء کو شدید اذیتیں دی گئیں۔

احتجاج طبرسی کی ایک روایت کے مطابق حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مَا يَأْتِيهِمْ مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ ...... سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: قرآن اور دیگر آسمانی کتابیں سب حادث ہیں۔

رسولِ خدا پر مشرکین کے اعتراض

...... هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ۝

''......ظالم آپس میں سرگوشیاں کر کے کہتے ہیں کہ یہ بھی تو تم جیسا انسان ہی ہے کیا تم دیکھتے دیکھتے جادو کے کھیل میں شرکت کرو گے؟''

کفار نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر پانچ اعتراضات کیے تھے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ترتیب وار کچھ اس طرح سے نقل کیا ہے:

① یہ تو تم جیسا ایک انسان ہے اور انسان نبی نہیں ہوسکتا۔

② اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ انسان نبی بھی ہوسکتا ہے، لیکن ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اس کا لایا ہوا قرآن معجزہ ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ ہم قرآن کی مثال لانے سے قاصر ہیں، مگر قرآن جادو ہے اور ہم جادوگر نہیں ہیں، اسی لیے ہم اس کی مثال لانے سے قاصر ہیں۔

③ اصل بات یہ ہے کہ اضغاث احلام یعنی پراگندہ خواب و خیال پر مشتمل ہے۔ اسی لیے قرآن نہ تو ہادی ہے اور نہ ہی صاحب قرآن رسول ہے۔

④ اگر بالفرض ہم یہ مان بھی لیں کہ یہ نہ تو جادو ہے اور نہ ہی پراگندہ خیالات پر مشتمل ہے، تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ محمدؐ کی ذاتی اختراع ہے اور محمدؐ شاعر ہے۔

⑤ اگر بالفرض محمدؐ شاعر نہیں اور نبی ہے تو پھر وہ دوسرے انبیاء کرام کے معجزات مثلاً عصا، یدِ بیضاء اور ناقۂ صالحؑ جیسے معجزات کیوں پیش نہیں کرتا؟

اللہ تعالیٰ نے ان کی سرگوشیوں کے متعلق یہ فرمایا کہ رسولؐ نے کہا: ''میرا رب آسمان و زمین میں کی جانے والی تمام باتوں سے آگاہ ہے۔ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے''۔

اس آیت میں اللہ نے لفظ ''سمیع'' کو لفظ ''علیم'' پر مقدم رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سماعت علم کا سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے اعتراضات کے جواب دیئے اور فرمایا کہ تمہارا یہ کہنا کہ یہ رسولؐ بھی تمہارے جیسا انسان ہے اور کوئی انسان رسولؐ نہیں ہوسکتا، غلط ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝

''ہم نے آپؐ سے پہلے بھی انسانوں کو رسول بنا کر بھیجا تھا، ہم ان پر وحی کرتے تھے اگر تم نہیں جانتے تو ''اہلِ ذکر'' سے پوچھو''۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو واضح کیا کہ انسانیت اور رسالت ایک دوسرے کے متضاد نہیں ہیں، بلکہ رسول بھی انسان ہی ہوتا ہے اور خاتم الانبیاء سے قبل جتنے بھی نبی و رسول آئے ہیں وہ سب کے سب انسان ہی تھے، فرشتے نہیں تھے اور ہم نے ان کے لیے ایسے اجسام نہیں بنائے تھے کہ انہیں غذا کی احتیاج نہ ہوتی ہو اور وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے والے نہ تھے۔ اور اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو ''اہلِ کتاب'' سے ہی پوچھ لو کہ جن انبیاء کرام کو وہ مانتے ہیں کیا وہ انسان تھے؟

جہاں تک اُن کے اس مطالبہ کا تعلق ہے کہ اگر ان کے پاس یدِ بیضاء اور عصا جیسے معجزات آ جاتے تو پھر وہ ایمان لے آتے' ان کا یہ مطالبہ بھی سراسر ناجائز ہے کیونکہ پہلی اُمتوں کے سامنے بھی اس طرح کے معجزات پیش کیے گئے تھے' لیکن وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ آخرکار ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تھا۔ جب سابقہ اقوام معجزہ دیکھ کر ایمان نہ لائی تھیں تو یہ لوگ کیسے ایمان لائیں گے؟ (نقلاً عن المیزان والکبیر)

روضہ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

لوگ اہلِ بیت رسولؐ سے سینوں میں جو عداوت چھپائے ہوئے تھے وہ اس کا اظہار ایک دوسرے کی نجی محافل میں کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے: مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ کا مقصد یہ ہے کہ پہلی ہلاک شدہ آبادیوں کے لوگ معجزات دیکھ کر ایمان نہیں لائے تھے' بھلا کفارِ قریش معجزات دیکھ کر کیسے ایمان لائیں گے؟''

اہلِ ذکر کون؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے زرارہ بن اعین نے پوچھا کہ وہ اہلِ ذکر سے کون مراد ہیں جن سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟

آپؑ نے ارشاد فرمایا: وہ اہلِ ذکر ہم ہیں۔

زرارہ نے کہا تو اس کا مقصد یہ ہوا کہ ہمیں سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور آپؑ جواب دینے کے پابند ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں' تمہارے لیے سوال کرنا ضروری ہے' جب کہ ہمارے لیے جواب دینا ضروری نہیں ہے۔ یہ ہماری مرضی پر منحصر ہے چاہیں تو جواب دیں اور چاہیں تو جواب نہ دیں۔ پھر آپؑ نے یہ آیت پڑھی:

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (ص: ۳۹)

''یہ ہماری عطا ہے چاہے تو کسی پر احسان کرو چاہو تو حساب کے بغیر اسے روکے رکھو''۔

مؤلف کتاب عرض پرداز ہے کہ اس سے قبل ہم سورہ النحل میں اسی آیتِ مجیدہ کے تحت ''اہلِ الذکر'' کے عنوان پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔

وضاحت: مترجم حقیر یہ سمجھتا ہے کہ یہ سچ ہے کہ اہلِ بیت طاہرین علیہم السلام اہلِ الذکر ہیں لیکن ہر جگہ اور ہر موقع پر اس لفظ سے اہلِ بیت طاہرینؑ مراد نہیں ہیں، جیسا کہ اس آیت میں یہ بحث کی گئی ہے کہ کفار نے کہا کہ ہم محمد مصطفیٰ کو رسول ماننے پر آمادہ نہیں ہیں، کیونکہ وہ انسان ہیں اور انسان کبھی بھی رسول نہیں ہو سکتا۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ آپ سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے تھے وہ سب انسان اور مرد تھے۔ عام انسانوں اور انبیاء میں وحی کا فرق ہے۔ عام انسان پر وحی نہیں اُترتی، جب کہ انبیاء کی طرف ہم وحی کرتے ہیں۔

اس مفہوم کی ادائیگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ سے کہا کہ اگر تمھیں علم نہیں ہے تو پھر اہلِ ذکر سے پوچھ لو۔

اب اگر ہم یہاں اہلِ ذکر سے اہلِ بیتؑ ہی مراد لیں تو پھر خطاب یہ ہوگا کہ اگر تمھیں انسانوں کے نبی ہونے کا علم نہیں ہے تو پھر رسولؐ خدا کے اہلِ بیتؑ سے ہی پوچھ لو۔

سوال یہ ہے کہ مکہ کے وہ کافر جو رسولِ خدا کو ہی سچا نہیں مانتے تھے۔ ان سے یہ کہنے کی کیا تک ہے کہ اگر تمھیں علم نہیں ہے تو پھر رسولِ خدا کی بیٹی اور ان کے چچازاد بھائی سے پوچھ لو۔ جب وہ رسولِ خدا کو ہی نہیں مانتے تھے تو کیا وہ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا اور حضرت علی علیہ السلام کو سچا مانتے تھے اور کیا وہ اس پر آمادہ بھی ہو سکتے تھے؟ اسی لیے اس آیت مجیدہ میں اہلِ ذکر سے اہلِ بیت طاہرین علیہم السلام مراد نہیں ہیں، بلکہ اس سے اہلِ کتاب مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پورے اسلام کی تصدیق کے لیے لوگوں کو ان سے پوچھنے کا حکم نہیں دیا، صرف یہ حکم کہ تم ان سے پوچھو کہ جن انبیاء کرام کی نبوت پر وہ ایمان رکھتے ہیں کیا وہ انسان تھے یا کچھ اور؟ (اضافۃ من المترجم)

ہر جاندار کو غذا کی ضرورت ہے

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۞

''ہم نے ان رسولوں کے جسم ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے بھی نہ تھے''۔

کفارِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک اعتراض یہ بھی کیا تھا: مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ (الفرقان:۷) ''یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟''

ان کی نظر میں رسول کا معیار یہ تھا کہ وہ کھانے پینے سے مبرا ہو اور بازاروں میں چلنے پھرنے کا ہرگز قائل نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے تھے لہٰذا کھانا کھانا نبوت کے منافی نہیں ہے۔ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿٨﴾ (ہم نے رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور رسول ہمیشہ زندہ رہنے والے بھی نہیں تھے)۔ حقیقت یہ ہے کہ کھانا کھانا ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔

مجمع البیان اور تفسیر عیاشی کی روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن بھی لوگوں کو کھانا ملے گا اور وہ کھانا کھائیں گے' کیونکہ کھانا جسم کا بنیادی مطالبہ ہے۔

ظالم بستیوں کو پیس دیا گیا

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً

"بہت سی ایسی آبادیاں ہیں جنھیں ہم نے پیس کر رکھ دیا"۔

روضہ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام سجاد علیہ السلام نے وعظ کرتے ہوئے اس آیت سے استدلال کیا اور ارشاد فرمایا:

خدا نے اپنی کتاب کی وساطت سے تمھیں بتا دیا کہ ظالم آبادیوں کا انجام کیا ہوا۔ خدا نے ان کے متعلق فرمایا: وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً "دیکھو ہم نے کتنی ظالم بستیوں کو تہس نہس کر دیا"۔

بستیوں سے صرف ان کے مکان نہیں' بلکہ ان کے مکین مراد ہیں' کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿١١﴾ "اس کے بعد ہم نے دوسری قوم کو اٹھایا"۔

اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے متعلق بتایا: فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿١٢﴾ "جب اُنھوں نے ہماری گرفت کو محسوس کیا تو بھاگنے لگے"۔ اُس وقت اُن سے کہا گیا: لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿١٣﴾ "مت بھاگو' تم اپنے گھروں اور عشرت کدوں میں لوٹ جاؤ جہاں تم چین سے رہا کرتے تھے شاید تم سے سوال کیے جائیں"۔ اور جب ان بدبختوں پر عذاب آیا تو اُنھوں نے کہا: يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿١٤﴾ "ہائے ہماری بدبختی کہ ہم ہی ظالم تھے۔ وہ یہی کچھ پکارتے رہے' یہاں تک کہ ہم نے انھیں بجھا کر کٹے ہوئے کھلیان کی مانند کر دیا"۔ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿١٥﴾

پھر آپؑ نے فرمایا: لوگو! اس آیت سے خدا نے تمھیں نصیحت کی ہے اور تمھیں بداعمالیوں کے انجام سے خبردار کیا ہے۔

روضہ کافی کی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ ...... کی آیتِ مجیدہ کی تاویل اس وقت ظاہر ہوگی جب قائمِ آلِ محمدؑ کا ظہور ہوگا' تو بنی امیہ شام سے روم کی طرف بھاگ جائیں گے اور سلطانِ روم سے وہاں داخل ہونے کی درخواست کریں گے۔

رومی کہیں گے کہ ہم تمھیں اس شرط پر امان دیتے ہیں کہ تم اسلام چھوڑ کر نصرانیت قبول کرو۔ چنانچہ بنی اُمیہ اسلام چھوڑ دیں گے اور نصرانیت قبول کر کے گلے میں صلیب پہنیں گے۔ امام علیہ السلام کی فوج ان کے تعاقب میں جائے گی۔ اہلِ روم اُن سے امان طلب کریں گے۔ اصحابِ قائمؑ کہیں گے کہ ہم تمھیں اس شرط پر امان دیتے ہیں کہ تم بنی اُمیہ کو ہمارے سپرد کردو' ورنہ ہم تم پر حملہ کردیں گے۔

اس وقت اہلِ روم بنی اُمیہ کو اصحابِ قائمؑ کے سپرد کریں گے۔ اصحابِ قائمؑ ان سے کہیں گے: لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ "بھاگو نہیں' اپنے عشرت کدوں اور گھروں کی طرف لوٹ آؤ' تاکہ تم سے سوال کیا جائے"۔

چنانچہ اصحابِ قائمؑ اُنھیں روم سے واپس لائیں گے اور اُن سے ان کی چھپائی ہوئی دولت کے متعلق سوال کریں گے۔ اس وقت وہ اپنے جرائم تسلیم کریں گے اور کہیں گے: "ہائے ہماری بدبختی' ہم ہی ظالم تھے۔ وہ یہی کچھ پکار رہے ہوں گے کہ اُنھیں کٹے ہوئے کھلیان کی طرح سے تہس نہس کر دیا جائے گا"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی اسی مفہوم کی روایت مرقوم ہے۔

موسیقی اور غنا حرام ہے

الکافی میں عبدالاعلیٰ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے غنا (راگ) کے متعلق پوچھا اور میں نے کہا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا نے شادی کے موقع پر جیناکم جیناکم جیونا جیونا کہنے کی اجازت دی ہے جو کہ راگ کے زمرہ میں شامل ہے۔

آپؑ نے فرمایا: لوگوں نے جھوٹ کہا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

لٰعِبِیْنَ ⑯ لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّاۤ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ ⑰ ''ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے' اسے ہم نے کھیل کے طور پر نہیں بنایا اور اگر کھیل ہی مقصود ہوتا تو ہم اپنی طرف سے یہ کرتے''۔ پھر آپؑ نے فرمایا: فلاں شخص کے لیے افسوس ہے جو وہ غلط بیانی کر رہا ہے وہ شخص تو مجلس میں حاضر نہیں تھا۔

حق ہمیشہ غالب رہتا ہے

محاسن برقی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: باطل جب بھی حق کے مقابلہ میں آئے گا تو شکست کھائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ⑱ ''ہمارا اصول یہ ہے کہ ہم باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اس کا سر پھوڑ دیتا ہے پھر وہ ختم ہو جاتا ہے تمھارے لیے ہلاکت ہے۔ ان باتوں کی وجہ سے جو تم کر رہے ہو''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایوب بن حر سے فرمایا: ایوب! اللہ تعالیٰ نے حق میں اتنی طاقت رکھی ہے کہ جب بھی حق کسی کے سامنے پیش ہوتا ہے تو وہ براہِ راست دل پر اثر انداز ہوتا ہے' البتہ یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی شخص اپنی بدبختی کی وجہ سے اسے قبول نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حق کی اثر انگیزی بیان کرتے ہوئے فرمایا: بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ⑱

عصمتِ ملائکہ

عیونُ الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ایک طویل روایت کا ایک اقتباس یہ ہے: ملائکہ معصوم ہیں اور لطفِ الٰہی کی وجہ سے ہر طرح کے کفر اور قبیح افعال سے محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عصمت کو ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے: لا یعصون اللہ ما امرھم وھم بامرہ یعلمون ''وہ خدا کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا اُنھیں حکم دیا جاتا ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے متعلق فرمایا: لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ⑲ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ⑳ ''وہ خدا کی بندگی سے تکبر نہیں کرتے اور نہ ہی ملول ہوتے ہیں۔ وہ دن رات خدا کی تسبیح میں مصروف رہتے ہیں اور اُکتاہٹ محسوس نہیں کرتے''۔

کتابُ التوحید میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اللہ نے فرشتے بنائے ہیں اُن کے جسم کا عضو عضو خدا کی تسبیح کرتا ہے اور ان کے اعضاء مختلف زبانوں میں اس کی حمد

بجالاتے ہیں۔ وہ ادب کی وجہ سے آسمان کی طرف سر اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔ وہ ہر وقت خوفِ خدا کی وجہ سے رونے میں مصروف رہتے ہیں اور گردن جھکا کر اپنے قدموں کی طرف نگاہ نہیں کرتے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: عرشِ خداوندی کے آٹھ ارکان ہیں اور ہر رُکن پر اتنے فرشتے مامور ہیں کہ خدا کے سوا ان کی تعداد کسی کو معلوم نہیں ہے وہ دن رات خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور ملول نہیں ہوتے۔

آپؑ نے فرمایا: ان پر نیند ضرور طاری ہوتی ہے لیکن نیند کے دوران وہ جتنے بھی سانس لیتے ہیں وہ تسبیح میں شمار ہوتے ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حدیث معراج کے ضمن میں مرقوم ہے کہ رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا: پھر ہم ملائکہ کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے، جنھیں رسولِ خدا نے جیسا چاہا پیدا کیا تھا۔ اُن کے وجود کا ایک ایک عضو خدا کی تسبیح کر رہا تھا اور ہر عضو علیحدہ علیحدہ زبان میں مصروفِ حمد تھا۔ حمدِ الٰہی اور خوفِ خدا کے گریہ سے اُن کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ میں نے جبریلؑ سے کہا: ذرا ان عجیب الخلقت ملائکہ کو دیکھو۔ اُس نے کہا: آپ ان کی خلقت دیکھ رہے ہیں۔ یہ فرشتے ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں، مگر آج تک کسی نے کسی سے بات نہیں کی ہے اور نہ ہی اُنھوں نے آسمان کی طرف سر اُٹھا کر دیکھا ہے۔

میں نے اُنھیں سلام کیا تو اُنھوں نے اشارہ سے مجھے جواب دیا۔ اس وقت جبریل امینؑ نے کہا: یہ ہی رحمت محمدؐ ہیں۔ خدا نے انھیں رسول و نبی بنا کر بھیجا ہے اور یہ سلسلۂ انبیاء کے خاتم اور انبیاء کے سردار ہیں لہٰذا تم ان سے کلام کرو۔ جب ملائکہ نے جبریلؑ کی یہ بات سنی تو وہ میرے استقبال کے لیے آگے بڑھے اور میرا احترام کیا اور اُنھوں نے مجھے میرے اور میری اُمت کے لیے بشارت دی۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کے یہ کلمات مرقوم ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ملائکہ سے بھر دیا۔ ان میں سے جو سجدہ میں ہیں وہ رکوع نہیں کرتے اور جو رکوع میں ہیں وہ کھڑے نہیں ہوتے۔ کچھ صفیں باندھے ہوئے ہیں جو صفیں نہیں چھوڑتے۔ کچھ پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں جو اس سے نہیں اُکتاتے، نہ ان کی آنکھوں میں نیند آتی ہے اور نہ عقلوں میں بھول چوک پیدا ہوتی ہے اور نہ ان کے اجسام میں سستی و کاہلی پیدا ہوتی ہے اور نہ ان پر نسیان کی غفلت طاری ہوتی ہے''۔

نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں حضرت علی علیہ السلام سے یہ الفاظ منقول ہیں: ''ہر وقت کی جدوجہد کے باوجود ان پر

اُکتاہٹ طاری نہیں ہوتی"۔

اگر خدا زیادہ ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے

لَوۡ كَانَ فِيۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ

"اگر زمین و آسمان میں خدا کے علاوہ اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے"۔

کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ ہشام بن الحکم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ خدا کی وحدانیت کی کیا دلیل ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اتصالِ تدبیر اور کمالِ صنعت (نسقِ عالم) اس بات کی دلیل ہے کہ خدا ایک ہے اور اگر خدا زیادہ ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کسی نے کہا کیا جو چیز عالمِ وجود میں نہ آئی ہو اور جس کا عالمِ وجود میں آنا بھی ناممکن ہو تو کیا خدا اس کے بارے میں یہ جانتا ہے کہ اگر بالفرض وہ چیز ظہور پذیر ہو بھی جائے تو اس کی کیفیت کیا ہوگی؟

آپؑ نے فرمایا: کیا تو نے قرآنِ مجید کی یہ آیت مجیدہ نہیں پڑھی کہ اہلِ نار عرض کریں گے کہ خدایا! ہمیں دنیا میں واپس بھیج ہم واپس جا کر وہ کام نہیں کریں گے جو ہم پہلے کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ (الانعام:۲۸) "اگر انھیں دنیا میں لوٹا بھی دیا جائے تو بھی جن کاموں سے انھیں روکا گیا ہے وہ پھر بھی وہی کام کریں گے"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اگر خدانخواستہ دو معبود تسلیم کیے جائیں تو اس سے یہ قباحت لازم آئے گی کہ ایک معبود دوسرے پر برتری کی خواہش کرنے لگتا ہے اور اگر ایک معبود ایک انسان بنانا چاہتا تو دوسرا اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہتا کہ نہیں میں تو اس مادہ سے انسان کی بجائے کوئی جانور خلق کروں گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کوئی چیز سرے سے پیدا ہی نہ ہوتی اور اگر پیدا ہو بھی جاتی تو وہ نہ تو انسان ہوتی اور نہ ہی کوئی چوپایہ ہوتی' بلکہ دونوں کے بین بین ہوتی۔

چونکہ ایسا نہیں ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ الغرض کائنات کا نظم و نسق اس امر کا شاہد ہے کہ خدا ایک ہے۔ اس کے ہاں نہ تو کوئی بیٹا ہے اور نہ ہی کوئی شریک ہے۔ جیسا کہ فرمانِ قدرت ہے:

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنۡ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنۡ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ ۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعۡضُهُمۡ

عَلٰی بَعۡضٍ ؕ (المومنون:۹۱)

''اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے اور اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر برتری حاصل کر لیتا''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر خدا زیادہ ہوتے تو ہر خدا دوسرے خدا کی مخلوق کو تباہ کر دیتا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام دعائے عرفہ میں فرماتے ہیں: ''اگر خدا کے ہاں اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان فاسد ہوجاتے اور پھٹ جاتے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے اعمال کے لیے کسی کا جوابدہ نہیں ہے

لَا یُسۡـَٔلُ عَمَّا یَفۡعَلُ وَ هُمۡ یُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۲۳﴾

''وہ اپنے اعمال کے لیے کسی کا جوابدہ نہیں ہے، جب کہ لوگ جوابدہ ہیں''۔

کتاب التوحید میں ''ابن اذنیہ'' سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے قضا و قدر کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا:

''تمھارے سوال کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب تمام مخلوق جمع ہوگی تو خدا اُن سے اپنے عہد کے متعلق پوچھے گا اور جو اُس نے قضا جاری کی ہے اُس کے متعلق سوال نہیں کرے گا''۔

جابر جعفی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا: مولاؑ! کارخانہ قدرت بھی بڑا عجیب ہے۔ کچھ بچے شکمِ مادر سے ہی مُردہ پیدا ہوتے ہیں۔ بعض اوقات بچے ساقط ہوجاتے ہیں اور کچھ اندھے، بہرے اور گونگے پیدا ہوتے ہیں۔ کچھ پیدائش کے فوراً بعد مر جاتے ہیں، کچھ جوانی کی عمر میں مرتے ہیں۔ کچھ طویل عمر پاتے ہیں اور بڑھاپے میں پہنچ کر مرتے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: خالق اپنی مخلوق کی نسبت زیادہ بہتر جانتا ہے، کہ مخلوق کی مصلحت کس بات میں مضمر ہے۔ اگر وہ کسی کو کچھ عطا کرتا ہے تو بھی اُس کی فیاضی ہے، ورنہ کسی کا استحقاق نہیں ہے۔ وہ جو دے وہ اُس کی فیاضی اور جو روک لے وہ اُس کا عدل ہے۔ اللہ اپنے اعمال کے لیے کسی کا جواب دہ نہیں ہے۔

جابر جعفی نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! سوال یہ ہے کہ خدا اپنے اعمال کا جوابدہ آخر کیوں نہیں ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کا ہر فعل حکمت و دانش پر مبنی ہے' اسی لیے وہ کسی کا جوابدہ نہیں ہے جو اُس کے فیصلہ کے خلاف دل میں تنگی محسوس کرے تو وہ کافر ہو جائے گا اور جو خدا کے افعال کا انکار کرے گا تو وہ منکر کہلائے گا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: خدا انسان سے کہتا ہے:

"اے فرزندِ آدمؑ! میری مشیت کی وجہ سے ہی تیرا وجود قائم ہوا۔ آج تو اپنے لیے جو چاہتا ہے سو چاہتا ہے میری عطا کردہ قوت سے ہی تو نے میرے فرائض ادا کیے ہیں اور میری نعمت کی وجہ سے ہی تو میری معصیت کے قابل ہوا ہے۔ میں نے تجھے قوتِ سماعت اور بصارت عطا کی۔ میں نے تجھے قوت دے کر قوی بنایا۔ تجھے جو بھی اچھائی نصیب ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تجھے جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ خود تیری طرف سے ہے۔ تیری بھلائیاں تجھ سے زیادہ میری پیدا کردہ ہیں اور تیری برائیاں خود تیری اپنی پیدا کردہ ہیں۔ میں اپنے افعال کا جوابدہ نہیں ہوں' جب کہ باقی کائنات اپنے اعمال کی جوابدہ ہے۔

عیونُ الاخبار میں محمد بن ابی یعقوب بلخی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا: امام حسنؑ کے بجائے امام حسینؑ کی نسل میں امامت کیوں جاری ہوئی؟

آپؑ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے ہی اولادِ حسنؑ کے بجائے اولادِ حسینؑ کو امامت سے سرفراز کیا ہے اور خدا اپنے افعال کے لیے کسی کا جواب دہ نہیں ہے۔

کتاب الخصال میں بھی اسی مفہوم کی ایک روایت مذکور ہے۔

علل الشرائع میں حضرت علی علیہ السلام سے تخلیقِ آدمؑ کی ایک روایت منقول ہے اور اس روایت کے چند کلمات یہ بھی ہیں:

اللہ تعالیٰ نے میٹھے پانی کا ایک چلو لیا اور مٹی پر ڈالا۔ پھر مٹی منجمد ہوئی تو خدا نے اُس سے فرمایا: میں تجھ سے انبیاء و مرسلین اور اپنے نیک بندوں اور جنت کے داعی ہدایت یافتہ ائمہؑ اور اُن کے پیروکاروں کو پیدا کروں گا۔ مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ میں اپنے افعال کے لیے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہوں' جب کہ میری مخلوق جوابدہ ہے۔

قولہ تعالیٰ: هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ "اس کتاب میں میرے ساتھ رہنے والوں کا ذکر ہے اور مجھ سے پہلی اقوام و ملل کا ذکر ہے"۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: مقصدِ آیت یہ ہے کہ جو کچھ ہونے والا

ہے اُس کا اِس کتاب میں ذکر ہے اور جو کچھ پہلے گزر چکا ہے اُس کا بھی ذکر موجود ہے۔

اللہ کسی کا باپ نہیں ہے

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

"وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنایا ہے وہ اولاد سے پاک و پاکیزہ ہے وہ فرشتے تو خدا کے باعزت بندے ہیں"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اس آیتِ مجیدہ کے ذریعہ سے خدا نے یہود و نصاریٰ کے نظریات کی تردید کی ہے' کیونکہ یہودی حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ مانتے تھے اور عیسائی حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ مانتے تھے۔ خدا نے دونوں مذاہب کے نظریات کی تردید کی اور فرمایا کہ خدا اولاد سے پاک ہے اور جن شخصیات کو تم ابن اللہ مانتے ہو وہ خدا کے بیٹے نہیں تھے' بلکہ وہ خدا کے باعزت بندے تھے۔ اور اگر خدا نے بالفرض کسی کو بیٹا بنانا ہی تھا تو اُسے اس طرح کے بیٹے کی ضرورت نہیں تھی۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۴﴾ (الزمر:۴)

"اگر اللہ کسی کو بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے کسی کو برگزیدہ کر لیتا وہ اس سے پاک ہے۔ وہ اللہ ہے اکیلا اور سب پر غالب"۔

ائمہ ہدیٰؑ بھی "عباد مکرمین" ہیں

جس طرح سے خدا نے انبیاء کرامؑ اور ملائکہ کو "عباد مکرمین" (باعزت بندے) کا خطاب دیا ہے اسی طرح سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی جانشین ائمہ ہدیٰ علیہم السلام بھی عباد مکرمین کی صف میں شامل ہیں جیسا کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے منقول زیارت جامعہ میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

والمظهرين لامر الله ونهيه وعباده المكرمين الذين لا يسبقونه بالقول وهم بامره يعملون -

ائمہ ہدیٰ علیہم السلام پر سلام ہو جو خدا کے امر و نہی کے ظاہر کرنے والے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے باعزت بندے ہیں' جو خدا کی کسی بات میں سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

احتجاج طبرسی میں حضرت علی علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں حسبِ ذیل گفتگو بھی شامل ہے:
اللہ تعالیٰ ذات و صفات میں واحد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے بندے بھی خلق کیے ہیں جن کے قول و فعل کی نسبت اُس کی طرف ہوتی ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

''اس کا قول خدا کا قول ہوتا ہے' اگرچہ وہ خدا کے ایک بندے کے حلق سے ادا ہو رہا ہوتا ہے''۔

اور وہ ہستیاں وہ ہیں جنھیں خدا نے ''عباد مکرمین'' کا لقب دیا ہے اور ''عباد مکرمین'' قولِ خدا پر سبقت نہیں کرتے اور خدا کے فرمان پر عمل پیرا رہتے ہیں۔

ایک شخص نے کہا: امیرالمومنینؑ! یہ بتائیں کہ وہ ''عباد مکرمین'' اور خدا کی مقرر کردہ حجتیں کون ہیں؟

آپؑ نے ارشاد فرمایا: اس صف کے پہلے فرد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپؐ کے بعد آپؐ کے جانشین ''عباد مکرمین'' ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کی طرح لوگوں پر اُن کی اطاعت بھی واجب کی ہے۔

شاہِ نجفؑ کے معجزات

الخرائج والجرائح میں مرقوم ہے کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے دربار میں ایک مرد اور عورت جھگڑا کا فیصلہ کرانے کے لیے آئے۔ مرد کی آواز عورت کی آواز پر بلند ہوئی تو امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: کتا! نکل جا۔ وہ شخص خارجی تھا۔ جیسے ہی آپؑ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے تو اُس کا سر کتے جیسا ہوگیا۔

وہاں پر موجود ایک شخص نے ازراہِ تعجب کہا: امیرالمومنینؑ! جب خدا نے آپؑ کو اتنی قوت دی ہے تو پھر آپؑ اس قوت کو معاویہ کے خلاف استعمال کیوں نہیں کرتے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر میں خدا سے درخواست کروں تو معاویہ تخت سمیت میرے سامنے حاضر ہوسکتا ہے' لیکن بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن افراد کو اپنے رازوں کا خزینہ دار بنایا ہے وہ اُس کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ کیا تو نے قرآنِ کریم کی یہ آیت نہیں پڑھی:

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝۲۶ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝

''وہ تو خدا کے باعزت بندے ہیں کسی قول میں اس پر سبقت نہیں کرتے وہ تو ہمیشہ اس کے فرمان

کے مطابق عمل کرتے ہیں"۔

اصبغ بن نباتہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ہم امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے پیچھے چل رہے تھے۔ آپؑ کے پیچھے چلنے والوں میں قبیلۂ قریش کا ایک فرد بھی شامل تھا۔ اُس نے آپؑ سے کہا: امیر المومنینؑ! آپؑ نے جنگ کر کے اچھا نہیں کیا۔ اس جنگ میں بہت سے مرد قتل ہوئے اور بہت سی عورتیں بیوہ ہوئیں اور ہزاروں بچے یتیم ہوئے۔

اُس کی یہ گستاخانہ گفتگو سننے کے بعد آپؑ نے اُس سے فرمایا: احسا یا کلب (کتا یہاں سے نکل)۔ جیسے ہی آپؑ نے اسے کتا کہا تو وہ سچ مچ کالا کتا بن گیا اور وہ آپؑ کے گرداگرد چکر لگانے لگا۔ پھر آپؑ کو ترس آ گیا۔ آپؑ کے لب متحرک ہوئے آپؑ نے زیر لب کچھ پڑھا۔ اس کے بعد وہ شخص انسان بن گیا۔ آپؑ کے ایک ساتھی نے آپؑ کا یہ معجزہ دیکھا تو کہنے لگا: مولاؑ! آپؑ قوتِ ولایت معاویہ کے خلاف استعمال کیوں نہیں کرتے؟

اس وقت آپؑ نے یہ آیت پڑھی: بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: فرعون کی ہلاکت کے بعد حضرت جبریلؑ مغموم رہتے تھے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں وہ جب بھی آتے تو پریشان پریشان سے نازل ہوتے تھے۔ پھر جس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ (یونس: ۹۱) "اب ایمان لاتا ہے، جب کہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور تو مفسدین میں سے تھا"۔ حضرت جبریلؑ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں یہ آیت پہنچائی تو وہ بڑے خوش دکھائی دیئے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جبریلؑ! کیا وجہ ہے پہلے تو تو ہمیشہ غمگین اور پریشان رہتا تھا، لیکن آج خلافِ معمول بہت خوش دکھائی دیتے ہو؟

جبریل امینؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میری پریشانی تب سے شروع ہوئی جس دن فرعون غرق ہوا تھا۔ جب وہ بدبخت ڈوبنے لگا تھا تو اُس نے کہا تھا: اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ (یونس: ۹۰) "میں اس ذات پر ایمان لایا ہوں، جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور وہ وہی ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں"۔ اس وقت میں نے کیچڑ اُٹھا کر اس کے منہ میں ڈالی تھی اور میں نے اس سے یہ جملہ کہا تھا: آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ (یونس: ۹۱) "اب ایمان لاتا ہے، جب کہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور تو مفسدین میں سے تھا"۔ میں نے یہ جملہ حکمِ خدا کے بغیر کہا تھا اور اس پورے عرصہ میں مجھے یہ خوف لاحق

رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا اس پر رحم کرے اور میری گرفت کرے۔ اسی لیے میں اس دن سے لے کر آج تک ہمیشہ پریشان ہی رہا اور آج جب خدا نے میرے کہے ہوئے جملہ کو قرآن کی آیت بنا کر نازل کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ اس میں خدا کی رضا مضمر تھی، اسی لیے آج سے میری پریشانی ختم ہوگئی۔

شفاعت اُسی کی ہوگی جس کے لیے اللہ راضی ہوگا

......وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾

''وہ کسی کے لیے شفاعت نہیں کریں گے مگر وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ جس کے متعلق شفاعت کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی ہو اور وہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ انبیاء و اوصیاء اور صالحین کو حق شفاعت عطا کرے گا، مگر وہ اُس حق کو اُس کے لیے استعمال کریں گے جس کی شفاعت پر خدا راضی ہوگا۔ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کا حق شفاعت احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ حسبِ ذیل روایات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے۔ (اضافۃ من المترجم)

تہذیبُ الاحکام میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے امیر المومنین کی ایک زیارت منقول ہے، جس میں آپؑ نے زائرین کو یہ کلمات بھی تلقین کیے ہیں:

یاولی اللّٰہ ان لی ذنوبا کثیرۃ فاشفع لی الی ربك عزوجل فان لك عند اللّٰہ مقاما محمودًا وان لك عند اللّٰہ جاھا وشفاعۃ وقال اللّٰہ ولا یشفعون الا لمن ارتضی۔

''اے اللہ کے ولی! میرے نامۂ اعمال میں بہت سے گناہ ہیں۔ آپؑ میرے لیے خدا کی بارگاہ میں شفاعت کریں۔ آپؑ کو خدا کے ہاں مقامِ محمود حاصل ہے اور خدا کی بارگاہ میں آپ کا بڑا مقام ہے اور آپ صاحبِ شفاعت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ وہ کسی کے لیے شفاعت نہیں کریں گے، مگر وہ اس سے مستثنیٰ ہے جس کے متعلق شفاعت کرنے پر اللہ راضی ہو''۔

الکافی میں بھی یہ الفاظ مرقوم ہیں۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو میرے حوض پر ایمان نہ لائے تو خدا اسے کبھی میرے حوض پر نہ لے آئے اور جسے میری شفاعت پر ایمان نہ ہو تو خدا اسے میری شفاعت نصیب نہ کرے۔

پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: میں اپنی اُمت کے گناہانِ کبیرہ کے مرتکب افراد کی شفاعت کروں گا۔ نیکوکار تو عذاب سے ویسے ہی محفوظ ہوں گے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ مولاؑ! یہ فرمائیں کہ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ کا کیا مفہوم ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ شفاعت کرنے والے صرف اُس کی شفاعت کریں گے جس کے دین کو اللہ پسند کرے گا۔

کتاب الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے: وہ لوگ جن پر حدِ شرعی نافذ ہو وہ فاسق ہیں۔ وہ نہ تو مومن ہیں اور نہ کافر ہیں۔ وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے (اپنے ایمان کی وجہ سے) ایک دن دوزخ سے باہر آ جائیں گے۔ اُن کے لیے اور مستضعفین کے لیے شفاعت جائز ہے؛ بشرطیکہ خدا کو ان کا دین پسند ہو۔

کتاب التوحید میں محمد بن ابی عمیر نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کی ہے اور اس حدیث کا ایک حصہ حسب ذیل ہے۔ محمد بن ابی عمیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! یہ فرمائیں وہ کون سے گناہ گار ہیں جن کے لیے شفاعت واجب ہے؟

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: مجھ تک میرے آبائے طاہرینؑ کی سند سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میری شفاعت میری اُمت کے اہلِ کبائر کے لیے ہے۔ نیکوکاروں پر تو کوئی حرج ویسے ہی نہیں ہے۔

محمد بن ابی عمیر نے کہا: فرزندِ رسولؐ! اہلِ کبائر شفاعت کے حق دار کیسے بن سکتے ہیں؛ جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ "شفاعت کرنے والے صرف اسی کی شفاعت کریں گے جس پر اللہ راضی ہوگا)۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب پر اللہ راضی نہیں ہوتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابن ابی عمیر! جب بھی کوئی مومن گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ گناہ اسے ناگوار گزرتا ہے اور وہ اپنے دل میں گناہ کی وجہ سے ندامت محسوس کرتا ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ توبہ کے لیے ندامت کافی ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: جسے نیکی کر کے خوشی اور برائی کر کے دکھ محسوس ہو تو وہ مومن ہے اور جسے گناہ کے ارتکاب پر ندامت نہ ہو تو وہ مومن ہی نہیں ہے اور اس کے لیے شفاعت واجب نہیں ہے اور ایسا شخص ظالم ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ (مومن: ۱۸) "ظالموں کے لیے کوئی ہمدرد دوست اور کوئی ایسا شفاعت کرنے والا نہ ہوگا جس کی بات مانی جائے)

ابن ابی عمیر نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! یہ بتائیں کہ گناہ کے ارتکاب پر نادم نہ ہونے والا آخر مومن کیوں نہیں ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابواحمد! جو بھی شخص گناہِ کبیرہ سرانجام دے اور اُسے یہ بھی یقین ہو کہ اُس گناہ کی وجہ سے اسے عذاب دیا جائے گا تو وہ یقیناً ندامت محسوس کرے گا اور جب وہ ندامت محسوس کرے گا تو وہ تائب اور مستحق شفاعت قرار پائے گا اور جسے گناہِ کبیرہ پر ندامت تک نہ ہو اور وہ گناہ پر گناہ کرتا جائے تو اُس کی بخشش نہ ہوگی' کیونکہ اُسے گناہ کے عذاب کا یقین نہیں ہے اور اگر اسے سزا کا یقین ہوتا تو وہ ضرور ندامت محسوس کرتا' جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: استغفار کے ساتھ کوئی کبیرہ' کبیرہ نہیں رہتا اور اِصرار کے ساتھ کوئی صغیرہ' صغیرہ نہیں رہتا اور جہاں تک وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى کی آیتِ مجیدہ کا تعلق ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ شفاعت کرنے والے اسی کی ہی شفاعت کریں گے جس کا دین خدا کو پسند ہوگا۔

اور دین کا یہاں مفہوم یہ ہے کہ انسان نیکی اور بدی کی جزا کا اقرار کرے اور جو دین کے مفہوم کا حامل ہوگا وہ گناہ کے ارتکاب پر یقیناً ندامت وشرمندگی محسوس کرے گا' کیونکہ اُسے یہ علم ہوتا ہے کہ آخرت میں اس کی سزا جھیلنی ہے۔

قولہ تعالیٰ: وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ

"اور اُن میں سے جو یہ کہے کہ میں اللہ کے علاوہ معبود ہوں تو ہم اسے بطورِ سزا دوزخ میں بھیجیں گے"۔

مقصدِ آیت یہ ہے کہ اگر کوئی فرشتہ یا کوئی نبی خدائی کا دعویٰ کرے تو وہ بھی عذابِ الٰہی کا حق دار بن جائے گا۔
تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ اگر کوئی غیر امام امامت کا ناحق دعویٰ کرے تو وہ بھی اُس آیت کے ضمن میں شامل ہے۔

اَوَ لَمۡ يَرَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ كَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰهُمَا ؕ وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَىۡءٍ حَىٍّ ؕ اَفَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلۡنَا فِى الۡاَرۡضِ رَوَاسِىَ اَنۡ تَمِيۡدَ بِهِمۡ ۖ وَجَعَلۡنَا فِيۡهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلۡنَا السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا ۖۚ وَّهُمۡ عَنۡ اٰيٰتِهَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِىۡ فَلَكٍ يَّسۡبَحُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا جَعَلۡنَا لِبَشَرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ الۡخُلۡدَ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مِّتَّ فَهُمُ الۡخٰلِدُوۡنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ؕ وَنَبۡلُوۡكُمۡ بِالشَّرِّ وَالۡخَيۡرِ فِتۡنَةً ؕ وَاِلَيۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ يَّتَّخِذُوۡنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِىۡ يَذۡكُرُ اٰلِهَتَكُمۡ ۚ وَهُمۡ بِذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنِ ﴿۳۷﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۸﴾ لَوۡ يَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا حِيۡنَ لَا يَكُفُّوۡنَ عَنۡ وُّجُوۡهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ بَلۡ تَاۡتِيۡهِمۡ بَغۡتَةً فَتَبۡهَتُهُمۡ فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ رَدَّهَا وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ

بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۴۱ؑ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ
بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۲ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ
دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۝۴۳ بَلْ
مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا
نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝۴۴ قُلْ
اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا
يُنْذَرُوْنَ ۝۴۵ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ
يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۴۶ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ
الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ
خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝۴۷ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى
وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۸ۙ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ
رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ۝۴۹ وَهٰذَا ذِكْرٌ
مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝۵۰ؑ

”کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین آپس میں جڑے ہوئے تھے، پھر ہم نے

اُنھیں ایک دوسرے سے الگ کیا اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی ہے تو کیا یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے؟

اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے ہیں، تاکہ وہ اُن لوگوں کو لے کر کسی طرف جھک نہ جائے اور ہم نے اُس میں کشادہ راہیں بنائی ہیں، تاکہ یہ لوگ راستہ معلوم کرسکیں اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا، جب کہ یہ لوگ کائنات کی نشانیوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اور وہی تو ہے جس نے رات، دن، سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔ وہ سب اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں۔

اے نبیؐ! ہم نے آپؐ سے پہلے کسی بشر کو ہمیشگی عطا نہیں کی ہے۔ اگر آپؐ مر جائیں تو کیا یہ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ ہر جاندار نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور ہم اچھے اور برے حالات کے ذریعہ سے تمھاری آزمائش کر رہے ہیں اور تم ہماری طرف ہی پلٹائے جاؤ گے۔

اور جب کافر آپ کو دیکھتے ہیں تو وہ آپ کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے جو تمھارے خداؤں کو بُرا بھلا کہتا ہے، جب کہ یہ لوگ رحمٰن کے ذکر کے منکر ہیں۔ انسان کی خلقت میں جلد بازی شامل ہے۔ عنقریب ہم تمھیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ مجھ سے جلدی کا تقاضا نہ کرو۔

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ کاش! انھیں اس وقت کا علم ہوتا جب یہ اپنے منہ اور پیٹھوں کو آگ سے محفوظ نہ رکھ سکیں گے اور نہ ہی اُن کی کوئی مدد کی جائے گی۔ قیامت کی گھڑی اچانک ان پر آٹوٹے گی اور وہ انھیں مبہوت کر دے گی۔ یہ لوگ نہ تو اسے ٹال سکیں گے اور نہ ہی انھیں مہلت دی جائے گی۔ آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے۔ پھر کافروں کو اسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اُڑاتے تھے۔

آپؐ کہہ دیں کہ دن اور رات کی گھڑیوں میں کون ایسا ہے جو تمھیں رحمٰن سے بچا سکتا ہو؟ بلکہ یہ لوگ تو اپنے رب کی یاد سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور کیا اُن کے لیے ایسے خدا بھی ہیں جو ہمارے مقابلے میں ان کا دفاع کریں؟ وہ نہ تو اپنی مدد کے قابل ہیں اور نہ ہی اُنھیں ہماری طرف سے پناہ دی جائے گی۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم نے اُنھیں اور ان کے آباء و اجداد کو زندگی کا سروسامان دیئے چلے گئے، یہاں تک کہ ایک عرصہ انھی نعمات میں گزر گیا تو کیا وہ اس طرف توجہ نہیں کر رہے ہیں کہ ہم زمین کو مختلف اَطراف سے گھٹاتے جا رہے ہیں۔ تو پھر اس کے باوجود بھی یہ غالب رہیں گے۔

آپؐ کہہ دیں میں تو وحی کے تحت تمھیں خبردار کر رہا ہوں، لیکن جب بہروں کو خبردار کیا جائے تو وہ سنا ہی نہیں کرتے۔ اور اگر اُنھیں تیرے رب کے عذاب کا ایک جھونکا تک بھی چھو جائے تو وہ چیخ کر کہیں گے کہ ہائے ہماری بدنصیبی! ہم واقعی ظالم تھے۔

اور قیامت کے دن ہم ٹھیک ٹھیک تولنے والے ترازو نصب کر دیں گے۔ کسی بھی جاندار کی حق تلفی نہ ہوگی اور اگر کسی کا عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوا تو ہم اسے بھی لے آئیں گے اور حساب کے لیے ہم کافی ہیں۔

اور ہم نے موسیٰؑ و ہارونؑ کو فرقان، ضیاء اور متقین کے لیے یادآوری کی کتاب عطا کی۔ متقی وہ ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈریں اور قیامت کے دن سے لرزاں رہیں اور یہ بابرکت ذکر ہے جسے ہم نے اُتارا ہے تو کیا تم اس سے انکاری ہو؟

ابتداء میں زمین اور آسمان باہم پیوستہ تھے

اَوَ لَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا ؕ وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۰﴾

''کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین آپس میں جڑے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے اُنھیں ایک دوسرے سے الگ کیا اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی ہے تو کیا یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے؟''

دورِ حاضر کی تازہ ترین دریافت یہ ہے کہ یہ پورا نظامِ شمسی باہم متصل تھا' پھر زوردار دھماکہ ہوا' اس کے بعد تمام کواکب کو الگ کر دیا گیا اور اس دھماکے کے نتیجے میں زمین بھی سورج سے جدا ہوئی اور اسے فضائے بسیط میں ڈال دیا گیا اور وہ مسلسل گردش کر رہی ہے جس کی طرف ''دحوالارض اور مہد'' جیسے الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

پانی ہی زندگی کی بنیاد ہے۔ روایات اہلِ بیت علیہم السلام میں اِس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پانی کو پیدا کیا اور اُس سے ہی زمین و آسمان خلق کیے اور ہر ذی حیات کی زندگی کا آغاز پانی سے ہی ہوتا ہے اور پانی کے ذریعہ سے ہی حیات کو تسلسل ملتا ہے۔ خلقت کا آغاز اگر مادہ منویہ سے ہے تو وہ بھی ایک طرح کا پانی ہی ہے اور پھر پیدائش کے بعد انسان و حیوان نباتات کو ہر وقت پانی کی ضرورت رہتی ہے۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن ترجمۃ العلامہ جوادی)

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ مشہور معتزلی عالم عمرو بن عبید بصری حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا امتحان لینے کی غرض سے آپؑ کے پاس آیا اور اُس نے کہا:

فرزندِ رسولؐ! یہ فرمائیں: اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ...... کی آیت مجیدہ میں مذکورہ ''رتق وفتق'' جیسے الفاظ کا کیا مفہوم ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ابتداء میں زمین و آسمان ''رتق'' تھے۔ مقصد یہ ہے کہ زمین سے اُنگوری پیدا نہ ہوتی تھی اور آسمان سے بارش نہیں ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کا ''فتق'' اس طرح سے کیا کہ اُس سے بارش اُتاری اور زمین کا ''فتق'' اس طرح سے کیا کہ اس سے اُنگوری پیدا ہونے لگی۔

جب عمرو بن عبید نے آپؑ کا یہ جواب سنا تو اُس کے پاس اعتراض کی مزید گنجائش باقی نہ رہی چنانچہ وہ آپؑ کو سلام کر کے چلا گیا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حج کرنے کے لیے مکہ گئے۔ اس سال اُموی خلیفہ ھشام بن عبدالملک بھی حج پر آیا ہوا تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کا ایک مُلحد ساتھی ابرش بھی تھا۔ جب ھشام نے مسجد الحرام

میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا تو اُس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم اسے پہچانتے ہو؟

اُس نے نفی میں جواب دیا: ہشام نے کہا: اگر نہیں پہچانتے تو پھر سن لو کہ اس کے علم کی کثرت کی وجہ سے شیعہ اسے اپنا نبی مانتے ہیں۔ (واضح رہے کہ ہشام نے یہ لفظ دشمنی کی وجہ سے کہا' ورنہ شیعہ ختمِ نبوت کے قائل ہیں وہ رسولِ خدا کے بعد کسی کو بھی نبی نہیں مانتے)

یہ سنا تو ابرش نے کہا کہ میں اُن کے پاس جا کر اُن سے ایسا سوال کرتا ہوں جس کا جواب یا تو کوئی نبی دے سکتا ہے یا پھر نبی کا وصی۔

ہشام نے کہا: میری بھی یہی خواہش ہے۔ اس کے بعد ابرش امام علیہ السلام کے پاس آیا اور اُس نے کہا: ابوعبداللہ! اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کہا ہے: اَوَ لَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا۔ آپ یہ فرمائیں کہ اس ''رتق وفتق'' کا کیا مقصد ہے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ابرش! سنو' خدا کی ذات کی ماہیت وہی ہے جو اُس نے خود بیان کی ہے۔ خدا کا تختِ اقتدار پانی پر تھا' پانی ہوا پر تھا اور ہوا کی حد بندی نہیں کی جا سکتی۔ اس وقت ہوا اور پانی کے علاوہ تیسری چیز ابھی تک پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ پانی میٹھا اور ٹھنڈا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے جب زمین بنانے کا ارادہ کیا تو اُس نے زوردار ہوا چلائی جس سے طوفانی موجوں نے جنم لیا اور موجوں کے تھپیڑوں سے جھاگ پیدا ہوئی۔ اس جھاگ کو بیت اللہ کے مقام پر خدا نے جمع کیا اور وہاں جھاگ کا پہاڑ بن گیا۔ پھر اُس کے نیچے سے خدا نے زمین کو بچھایا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو اول بیت قرار دیتے ہوئے فرمایا: اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۶﴾ (آل عمران:۹۶) ''یقیناً پہلا گھر جسے لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے' بابرکت اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہے''۔

کچھ عرصہ ایسے ہی گزرا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آسمان پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اُس نے ہواؤں کو سمندروں پر چلایا۔ زوردار آندھیوں سے جھاگ پیدا ہوئی۔ پھر اُمواج اور جھاگ سے دھواں برآمد ہوا' جو کسی آگ کا پیدا کردہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سے آسمان بنایا اور اس میں بروج و نجوم اور سورج اور چاند کی منازل مقرر کیں اور انھیں فلک میں رواں دواں کیا۔ آسمان کا رنگ پانی کی مناسبت سے نیلا تھا اور زمین کا رنگ میٹھے پانی کے رنگ کے مطابق مٹیالا بنایا۔ آسمان و زمین دونوں سربستہ تھے' اُن میں دروازے نہ تھے۔ مقصد یہ ہے کہ زمین سے نباتات پیدا نہ ہوتی تھیں اور آسمان سے بارش نہ ہوتی

تھی۔ بارش کے ذریعہ سے آسمان کا دہانہ کھلا اور نباتات کے ذریعہ سے زمین کا منہ کھلا۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اَوَ لَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا کی آیتِ مجیدہ میں بیان کیا ہے۔

"ابرش" نے امام علیہ السلام کا یہ جواب سنا تو اس نے کہا: خدا کی قسم! اس طرح کی مجھ سے کسی نے آج تک گفتگو نہیں کی ہے۔ آپؑ اس گفتگو کو ایک مرتبہ پھر دُہرائیں۔

امام علیہ السلام نے اپنی گفتگو کا اعادہ کیا۔ آپؑ کی گفتگو سن کر وہ کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نبی کے فرزند ہیں۔ اس نے تین بار یہ جملہ کہا۔

روضہ کافی میں مرقوم ہے کہ ایک شامی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مذکورہ آیت کا مفہوم دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ زمین و آسمان ایک دوسرے سے چسپاں تھے اور اگر تیرا یہی خیال ہے تو پھر خدا سے استغفار کر۔ بات یہ ہے کہ آسمان سے بارش نہ ہوتی تھی اور زمین سے روئیدگی نہ ہوتی تھی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی تو آسمان سے بارش اُترنے لگی اور زمین سے نباتات پیدا ہونے لگیں۔

شامی نے یہ سنا تو اس نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ کا تعلق نسلِ انبیاء سے ہے اور آپؑ انبیاء کے علوم کے وارث ہیں۔

حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام نافع نے بھی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مذکورہ آیت کا مطلب دریافت کیا تھا۔ اس کے جواب میں آپؑ نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام زمین پر آئے تو اُس وقت زمین سے کوئی انگوری پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اور آسمان سے بارش نہیں ہوتی تھی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی تو آسمان سے (موسلا دھار) چھاجوں مینہ برسنے لگا اور زمین سے انگوری پیدا ہونے لگی۔

نافع نے یہ سنا تو پکار اُٹھا اور کہا کہ فرزندِ رسولؐ! آپؑ نے بالکل سچ فرمایا۔

دردِ سر کی عزیمت

کتاب طبُ الائمہ میں اسحاق بن ابراہیم کی زبانی منقول ہے کہ میں ایک دن حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت میرا ایک بھائی دردِ سر میں مبتلا تھا۔ میں نے آپؑ سے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! میرے اہل خانہ تو اس موذی مرض کی لپیٹ میں رہتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: انھیں کون سا درد لاحق رہتا ہے؟

میں نے کہا: انھیں دردِ سر ستائے رکھتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: ایک پیالہ پانی کا لے لو اور اس پر اَوَ لَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا ؕ وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۰﴾ کی آیت مجیدہ دم کر کے پی لو ان شاء اللہ درد دُور ہو جائے گا۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی کی رانوں میں درد ہو تو گرم پانی کے ٹب میں بیٹھ جائے اور اپنی رانوں پر ہاتھ رکھ کر اَوَ لَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا...... کی آیتِ مجیدہ پڑھے' خدا نے چاہا تو شفا حاصل ہوگی۔

پانی ہی زندگی کی بنیاد ہے

وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۰﴾

''اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو پیدا کیا تو کیا وہ ایمان نہ لائیں گے''؟

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی نسبت پانی کی طرف دی ہے' لیکن پانی کی نسبت کسی چیز کی طرف نہیں کی۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے درد محسوس ہوتا ہے اور ایک طبیب نے میرے لیے ''نبیذ'' تجویز کی ہے' چنانچہ میں نبیذ پیتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کی بجائے تم پانی استعمال کرو جو ہر جاندار کی زندگی کا موجب ہے۔ اس شخص نے کہا: اکیلا پانی مجھے راس نہیں آتا۔ آپؑ نے فرمایا: تم شہد میں پانی ملا کر پیو' کیونکہ شہد کے متعلق خدا نے فرمایا ہے کہ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپؑ یہ فرمائیں پانی کا ذائقہ کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اعتراض وتنقید کی غرض سے سوال نہ کرو۔ اس کی بجائے سمجھنے کی غرض سے سوال کرو۔ پانی کا ذائقہ زندگی کا ذائقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پانی کے متعلق فرمایا ہے: وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ''اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے''۔

قرب الاسناد میں مرقوم ہے کہ ایک زندیق نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ پانی کا ذائقہ بتائیں۔

آپؑ نے فرمایا: پانی کا ذائقہ زندگی کا ذائقہ ہے۔ پھر آپؑ نے یہ آیت پڑھی: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝

مصباح الشریعہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی مرقوم ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جس طرح سے خدا نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے اور پانی ہی ہر جاندار کی زندگی کا سبب ہے اُسی طرح سے دلوں کی زندگی خدا کے فضل و رحمت سے وابستہ ہے۔

آسمان محفوظ چھت ہے اور دنیا میں کسی کو دوام حاصل نہیں ہے

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ''اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ محفوظ چھت کا مقصد یہ ہے کہ وہ شیاطین کی رسائی سے محفوظ ہے۔ وہ آسمان پر چڑھ کر آسمانی باتیں نہیں سن سکتے۔

قولہ تعالیٰ: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝۳۴

''ہم نے آپؐ سے پہلے کسی بشر کو ہمیشگی عطا نہیں کی' اگر آپؐ مر جائیں تو کیا یہ لوگ زندہ رہیں گے''۔

اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے لیے موت مقرر کی ہے اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس قانون سے خارج نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے واضح الفاظ میں آنحضرتؐ کی موت کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ ''تو بھی مرنے والا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں''۔ (الزمر: ۳۰)

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ...... (آل عمران: ۱۴۴) ''محمدؐ بس ایک رسول ہے اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں کیا اگر محمدؐ مر جائے یا قتل ہو جائے تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟'' الغرض موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جسے قرآنِ مجید میں لفظ ''الیقین'' سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ سے فرمایا کہ تم محمدؐ کی موت کا خیال کر کے خوش کیوں ہو رہے ہو؟ آخر محمدؐ بھی ایک انسان ہیں۔ اُن سے پہلے انسانوں پر بھی موت وارد ہو چکی ہے اور اگر یہ مر بھی جائیں تو کیا تم لوگ ہمیشہ زندہ رہو گے؟

اس کائنات کا اُصول یہ ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۝

''ہر جاندار نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور ہم برے اور اچھے حالات سے تمھاری آزمائش کرتے رہتے ہیں اور تم ہماری طرف ہی پلٹائے جاؤ گے''۔ (اضافۃ من المترجم)

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی علیہ السلام کسی جنازہ کی مشایعت کر رہے تھے کہ آپؑ نے کسی شخص کے ہنسنے کی آواز سنی۔ آپؑ نے فرمایا: کیا موت ہمارے علاوہ اور لوگوں کے لیے بھی مقرر ہوئی ہے؟ اور کیا حقوق ہمارے علاوہ اور لوگوں پر بھی واجب کیے گئے ہیں؟ کیا موت کا جو روزانہ اعلان ہو رہا ہے وہ صرف دوسروں کے لیے ہی ہے؟ اور کیا ہمیں اُن کے پاس نہیں جانا ہے؟ عجیب بات ہے ہمیں ان کی قبریں دکھائی دے رہی ہیں اور ہم ان کی چھوڑی ہوئی میراث کھا رہے ہیں، پھر بھی ہم یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہمیں اُن کے بعد ہمیشہ رہنا ہے۔ ہم ہر نصیحت کو فراموش کر چکے ہیں اور ہر اُفتاد سے غافل ہو چکے ہیں۔

تفسیر عیاشی میں زُرارہ بن اعین سے منقول ہے کہ مجھے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ''رجعت'' کے متعلق براہِ راست سوال کرتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں اس لطیف انداز سے ان سے سوال کروں گا جس سے میرا مقصد مجھے حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: مولاؑ! یہ فرمائیں کہ قتل اور موت ایک ہی چیز ہے یا ان میں کچھ فرق ہے؟

آپؑ نے فرمایا: موت موت ہے جب کہ قتل قتل ہے (دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں)۔

میں (راوی) نے کہا: کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہر قتل ہونے والا مر جاتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: تیرے قول سے اللہ تعالیٰ کا فرمان زیادہ سچا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان دونوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے: اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ (اگر وہ مر جائے یا قتل ہو جائے)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۝ (آل عمران: ۱۵۷) ''اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے یا تم مر گئے تو خدا کی بخشش اور رحمت اس دولت سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کر رہے ہیں''۔ ان آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موت اور قتل میں فرق ہے۔

میں (راوی) نے عرض کیا کہ مولاؑ! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ''ہر جاندار نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے''۔ آخر اس آیت کا کیا مقصد قرار پائے گا؟

آپؑ نے فرمایا: جو قتل ہو جاتا ہے وہ موت کا ذائقہ نہیں چکھتا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیا میں ایک بار لوٹایا جائے تاکہ موت کا ذائقہ چکھ سکے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام بیمار ہوئے تو ایک شخص نے مزاج پوچھا کہ آپؑ کیسے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: بُرے حال میں ہوں۔ اس نے کہا: یہ جواب آپؑ کو زیب نہیں دیتا۔ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ''ہم تمھیں اچھے اور برے ہر حال سے آزماتے ہیں تو اچھا حال صحت اور مالداری ہے اور بُرا حال غربت اور بیماری ہے''۔

انسان فطرتاً جلد باز ہے

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۭ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝۳۷

''انسان کی خلقت میں جلد بازی شامل ہے۔ عنقریب ہم تمھیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے' لہٰذا تم مجھ سے جلد بازی کا تقاضا نہ کرو''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی اور روح ان کے قدموں سے شروع ہو کر ان کے گھٹنوں تک پہنچی تو اُنھوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا' لیکن روح نے ابھی پورے وجود میں سرایت نہیں کی تھی اسی لیے وہ اُٹھ نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی جلد بازی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کی فطرت میں جلد بازی شامل ہے۔

مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہ روایت منقول ہے۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے مالک بن اشتر کے نام ایک مکتوب لکھا جس میں آپؑ نے اسلام کا دستورِ اساسی تفصیل سے بیان کیا۔ نہج البلاغہ میں آپ کا وہ مکتوب موجود ہے۔ اس مکتوب میں آپؑ نے جلد بازی کے متعلق یہ کلمات لکھے:

خبردار! وقت سے پہلے کسی کام میں جلد بازی نہ کرنا اور جب اس کا موقع آ جائے تو پھر کمزوری نہ دکھانا اور جب صحیح صورت سمجھ نہ آئے تو اس پر اصرار نہ کرنا اور جب طریق کار واضح ہو جائے تو پھر سستی نہ کرنا۔ ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھو اور ہر کام کو اس کے موقع پر انجام دو۔

کتاب الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: آہستہ روی سے سلامتی ملا کرتی ہے اور جلد بازی کا انجام ندامت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، جو وقت سے ہٹ کر کسی کام کی ابتدا کرے گا تو وقت سے پہلے ہی وہ کام ختم ہو جائے گا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: وقت سے پہلے کسی کام میں مداخلت نہ کرو، ورنہ شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔

قولہ تعالیٰ: اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

"کیا وہ اس طرف متوجہ نہیں ہیں کہ ہم زمین کو مختلف اطراف سے گھٹاتے چلے جا رہے ہیں تو پھر اس کے باوجود بھی وہ غالب رہیں گے؟"

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ زمین گھٹانے کا ایک مفہوم علمائے کرام کی موت ہے اور علماء کا دنیا سے چلے جانا زمین سمیٹ لیے جانے کے مترادف ہے۔

میزانِ اعمال

روضہ کافی میں حضرت امام سجاد علیہ السلام سے وعظ و نصیحت کے یہ جملے منقول ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں اور معصیت کاروں کے لیے فرمایا: وَلَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ "اگر انھیں تیرے رب کے عذاب کا ایک جھونکا تک بھی چھو جائے تو وہ چیخ کر کہیں گے کہ ہائے ہماری بدنصیبی واقعی ہم ظالم تھے"۔

لوگو! اگر تم اس آیت کے متعلق یہ کہو کہ اس سے مشرکین مراد ہیں تو یہ بات صحیح نہ ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ فوراً ہی یہ فرمایا ہے: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝ "قیامت کے دن ہم ٹھیک تولنے والے ترازو نصب کر دیں گے، کسی بھی جاندار کی حق تلفی نہ کی جائے گی اگر کسی کا عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوا تو ہم اسے بھی لے آئیں گے اور حساب کے

لیے ہم کافی ہیں"۔

لوگو! سنو، مشرکین کے لیے تو میزان نصب ہی نہیں کیا جائے گا۔ وہ تو سیدھے دوزخ میں جائیں گے۔ اہلِ اسلام کے اعمال کے وزن کے لیے میزان قائم کیا جائے گا" لہٰذا خدا کے بندو، خدا سے ڈرتے رہو۔

کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ...... کی آیتِ مجیدہ کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: اس سے وہ میزانِ عدل مراد ہے جس پر بندوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے اعمال و ایمان کو دوسروں کے افعال و ایمان کے لیے ترازو بنائے گا۔

ایک اور روایت میں مرقوم ہے کہ اوصیاء و انبیاء ہی میزانِ عدل ہوں گے۔

معانی الاخبار میں مرقوم ہے کہ ہشام نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ کی آیتِ مجیدہ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ میزانِ عدل انبیاء و اوصیاء ہوں گے۔

اصولِ کافی میں بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہی مفہوم منقول ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا

كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٨﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا
بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ
لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾
قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾
فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا
عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ
اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾
اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوْا
حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ
بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ
الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا
لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا
صٰلِحِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ
فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا

عٰبِدِیْنَ ﴿۸۰﴾ وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىِٕثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ﴿۷۴﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾

''اس سے قبل ہم نے ابراہیمؑ کو رُشد و ہدایت بخشی تھی اور ہم اس کو خوب جاننے والے ہیں۔

جب اُس نے اپنے ابا اور اپنی قوم سے کہا یہ مورتیاں کیسی ہیں جن پر تم جھکے پڑے ہو؟

اُنھوں نے کہا ہم نے اپنے آباؤاجداد کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔

ابراہیمؑ نے کہا کہ تم بھی گمراہ ہو اور تمھارے باپ دادا بھی کھلم کھلا گمراہی میں تھے۔ اُنھوں نے کہا: کیا تو ہمارے پاس سچی بات لایا ہے یا ٹھٹھہ مخول کر رہا ہے؟ ابراہیمؑ نے کہا: نہیں، بلکہ تمھارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ اسی نے اُنھیں پیدا کیا ہے اور اسی پر میں تمھارے سامنے گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔ خدا کی قسم، تمھاری عدم موجودگی میں مَیں تمھارے بتوں کی درگت بناؤں گا۔ چنانچہ اُس نے ان بتوں کو پاش پاش کر دیا اور ان کے بڑے کو چھوڑ دیا، شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

اُنھوں نے کہا کہ ہمارے خداؤں سے یہ سلوک کس نے کیا ہے۔ یقیناً وہ ظالموں میں سے ایک تھا۔ کہنے لگے کہ ہم نے ایک نوجوان کے متعلق سنا ہے جو اُنھیں بُرا بھلا کہتا ہے، اسے ابراہیمؑ کہا جاتا ہے۔ کہنے لگے کہ اُسے لوگوں کے سامنے پیش کرو، تا کہ سب لوگ گواہی دے سکیں۔ کہنے لگے، اے ابراہیمؑ! کیا ہمارے خداؤں سے یہ سلوک تو نے کیا ہے؟

ابراہیمؑ نے کہا، بلکہ اُن کے بڑے نے یہ حرکت کی ہے۔ اگر یہ بول سکتے ہیں تو خود انھی سے ہی پوچھ لو۔ یہ سن کر وہ نہایت شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے تم ہی ظالم ہو۔ پھر اُن کی مت

پلٹ گئی اور کہنے لگے تو جانتا ہے کہ یہ بولا نہیں کرتے۔ ابراہیمؑ نے کہا: تو پھر کیا تم خدا کو چھوڑ کر ان کی پوجا کرتے ہو جو نہ تو تمھیں فائدہ دے سکتے ہیں اور نہ ہی تمھیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تُف ہے تم پر اور تمھارے ان معبودوں پر کہ خدا کو چھوڑ کر تم جن کی پوجا کرتے ہو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ کہنے لگے: اسے جلا ڈالو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔

ہم نے کہا: اے آگ! ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی بن جا۔ وہ ابراہیمؑ سے برائی کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے اُنھیں بہت زیادہ خسارہ اٹھانے والے بنا دیا۔ ہم اسے اور لوطؑ کو وہاں سے نکال کر اس سرزمین میں لے گئے جس میں ہم نے تمام جہانوں کے لیے برکتیں رکھی ہیں۔ ہم نے اسے اسحاقؑ عطا کیا اور یعقوبؑ مزید عطا کیا اور ہم نے سب کو صالح بنایا۔ اور ہم نے انھیں امام بنایا' جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی وحی کی اور وہ ہمارے ہی عبادت گزار تھے۔

اور لوطؑ کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا اور ہم نے اسے اس بستی سے نجات دلائی' جو بدکاریاں کیا کرتی تھی وہ بہت ہی بُری فاسق قوم تھی۔ اور ہم نے اسے اپنی رحمت میں داخل کیا۔ یقیناً وہ نیک لوگوں میں سے تھا"۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾

"اور اس سے قبل ہم نے ابراہیمؑ کو رُشد و ہدایت عطا کی تھی اور ہم اس کو خوب جاننے والے ہیں"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مظاہر فطرت کے پجاریوں سے مباحثے کیے اور

انھیں لاجواب کر دیا۔ پھر آپؑ نے بت پرستوں کو سمجھایا بجھایا کہ "یہ بت تمھارے اپنے ساختہ پرداختہ ہیں۔ یہ نہ تو کسی کو فائدہ دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تم ان کی پوجا سے باز آ جاؤ" لیکن بت پرستوں پر آپؑ کی تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ آخرکار آپؑ نے ان سے فرمایا کہ میں کسی دن تمھاری عدم موجودگی میں تمھارے خودساختہ خداؤں کی دُرگت بناؤں گا۔

اہلِ بابل کی عید کا دن ہوا اور ان کا دستور تھا کہ وہ عید کا جشن منانے کے لیے شہر سے باہر جاتے تھے۔ اس دور کا طاغوت نمرود اپنی رعیت اور حاشیہ نشینوں کو ساتھ لے کر شہر سے باہر گیا۔ نمرود ابراہیمؑ کو اپنے ساتھ لے جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ ہم عید کا جشن منانے کے لیے جا رہے ہیں۔ ہماری عدم موجودگی میں تم ہمارے صنم کدہ کا خیال رکھنا۔

اُن لوگوں کے جانے کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے کھانا اٹھایا اور ایک ایک بت کے سامنے رکھا اور کہا کہ لو کھانا کھا لو۔ بھلا بتوں نے کیا کھانا تھا اور کیا جواب دینا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کو جو غصہ آیا تو آپؑ نے کلہاڑا اٹھایا اور سب کو چور چور کر دیا۔ پھر وہی کلہاڑا اُٹھا کر بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا۔ جب بادشاہ اور اُس کی رعیت جشن سے فارغ ہوئی تو واپسی پر وہ اپنے بتوں کی زیارت کے لیے صنم کدہ آئے۔ یہاں آ کر اُنھوں نے دیکھا کہ اُن کے سب خودساختہ خدا ریزہ ریزہ ہو چکے ہیں۔ اس وقت وہ چیخنے چلانے لگے اور کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں سے یہ سلوک کس نے کیا ہے؟ جس نے بھی یہ حرکت کی ہے وہ ظالم ہے۔

چند افراد نے کہا کہ شہر میں ایک نوجوان رہتا ہے جو انھیں برا بھلا کہتا ہے اور اس کا نام ابراہیم ہے اور وہ آزر کا پالتو بیٹا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اسے یہاں لے آؤ' تا کہ سب لوگ اسے دیکھ لیں اور پھر اُس کے متعلق سزا کا فیصلہ کریں۔ پھر نمرود نے آزر سے کہا کہ تو نے مجھ سے خیانت کی ہے اسی کے ڈر سے تو میں نے لوگوں کی اولاد کو قتل کیا تھا مگر یہ پھر بھی دنیا میں آ گیا ہے۔

آزر نے کہا کہ یہ سب اس کی ماں کا کیا دھرا ہے اور وہ کہتی تھی کہ میں نے ایک خاص مقصد کے تحت اسے نمرود کے کارندوں سے بچایا تھا اور میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ مخصوص لڑکا یہی ہے یا کوئی اور ہے۔ اور وہ مخصوص لڑکا یہی ثابت ہوا تو میں اسے نمرود کے ہاتھ میں دے دوں گی اور نمرود اسے پا کر باقی بچوں کو قتل کرنا چھوڑ دے گا اور اگر میرا بچہ وہ مخصوص انسان نہ ہوا تو میرا بچہ زندہ رہے گا اور میری ممتا کو تسکین ملتی رہے گی۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کو وہاں بلایا گیا تو اس نے بھی وہی کچھ کہا جو اُس سے قبل آزر کہہ چکا تھا۔

پھر ابراہیمؑ سے کہا گیا کہ یہ بتاؤ کیا تم نے ہمارے خداؤں سے یہ سلوک کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر یہ بول سکتے ہیں تو خود ان سے ہی پوچھ لو یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: بڑے بت نے چھوٹے بتوں کو نہیں توڑا تھا مگر حضرت ابراہیمؑ نے بھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔

لوگوں نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟

آپؑ نے فرمایا: حضرت ابراہیمؑ کا جملہ مشروط تھا۔ آپؑ نے فرمایا کہ اگر یہ بول سکتے ہیں تو پھر یہ کام بڑے بت کا ہے چونکہ وہ بول نہیں سکتے تھے' اسی لیے وہ کام بڑے بت کا بھی نہیں تھا۔

نمرود نے اپنی قوم سے مشورہ لیا کہ ابراہیمؑ سے کیا سلوک کرنا چاہیے؟ بت پرستوں نے یک زبان ہو کر کہا: حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ ''اگر تمھیں کچھ کرنا ہی ہے تو اسے آگ میں جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: نمرود کے مشیروں اور فرعون کے مشیروں میں بڑا فرق تھا۔ نمرود کے مشیر ولد الزنا تھے' اسی لیے اُنھوں نے نبی کے جلانے کا مشورہ دیا اور جب فرعون نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا تھا کہ ہمیں موسیٰؑ کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے تو اُس کے مشیر حلال زادے تھے' اسی لیے اُنھوں نے کہا کہ تم موسیٰؑ اور اس کے بھائی کو روکے رکھو اور ان کے مقابلہ پر جادوگر لاؤ۔ الغرض حضرت ابراہیمؑ کو زندان میں ڈال دیا گیا اور ایک بہت بڑا آتش کدہ بنایا گیا۔ اس آتش کدہ کو لکڑیوں سے بھر دیا گیا۔ اس آتش کدہ سے کچھ فاصلے پر نمرود اور اس کے ساتھیوں کے لیے ایک چبوترہ بنایا گیا تھا' تاکہ جب ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا جائے تو نمرود ان کے جلنے سے لطف اندوز ہو سکے۔

الغرض آتش کدہ میں آگ بھڑکائی گئی' پھر سوال پیدا ہوا کہ اس بھڑکتی ہوئی آگ میں ابراہیمؑ کو کیسے ڈالا جائے؟ شیطان اُن لوگوں کے پاس گیا اور اُنھیں منجنیق بنانے کی ترکیب بتائی۔ منجنیق تیار ہوگئی اور اس میں ابراہیم علیہ السلام کو بٹھایا گیا۔ اس وقت آزر ابراہیم علیہ السلام کے پاس گیا اور اُس نے اُنھیں طمانچہ مار کر کہا اب بھی ہمارا دین قبول کر لو۔

اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں سے کہا کہ وہ آسمانِ دنیا پر آ جائیں اور ہمارے عاشق کے عشق کا مظاہرہ دیکھیں۔ جب ملائکہ نے یہ منظر دیکھا تو سب نے کہا خدایا! آگ کو ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈک میں بدل دے۔ اُس وقت زمین نے چیخ کر خدا سے عرض کیا: پروردگار! اکیلا ابراہیمؑ تو میری پشت پر تیری عبادت کرتا ہے آج اسے بھی جلایا جا رہا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر اُس نے مجھ سے دعا کی تو میں اس کی مدد کروں گا۔

جبریل امینؑ نے عرض کیا: پروردگار! تیرا خلیل ابراہیمؑ جل جائے گا۔

خدا نے فرمایا: اگر اُس نے مجھ سے مدد طلب کی تو میں اُس کی ضرور مدد کروں گا۔

جبریلؑ نے کہا: پروردگار! روئے زمین پر یہی تو اکیلا انسان ہے جو تیری عبادت کرتا ہے تو نے اس پر بھی دشمن کو مسلط کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خاموش ہو جا' تجھ جیسا بندہ ہی ایسی باتیں کہتا ہے جسے کسی چیز کے ضائع ہونے کا خوف ہو۔ وہ میرا بندہ ہے جب چاہوں اسے لے لوں اور اگر اس نے مجھ سے دعا کی تو میں اس کی دعا قبول کروں گا۔

اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے سورہ اخلاص کے الفاظ پر مشتمل یہ دعا کی:

يَا اللّٰهُ يَا وَاحِدُ يَا اَحَدُ يَاصَمَدُ يَامَنْ لَّمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ نَجِّنِيْ مِنَ النَّارِ بِرَحْمَتِكَ ـ

''اے اللہ، اے واحد، اے احد، اے صمد، اے وہ جو نہ تو کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا، اور جس کا کوئی ہمسر نہیں ہے اپنی رحمت سے مجھے آگ سے بچا لے''۔

جبریلؑ اُترے اور ابراہیم علیہ السلام سے ملے۔ اُس وقت وہ منجنیق میں تھے۔ اُس وقت اُنھوں نے ابراہیمؑ سے کہا کہ میرے لائق کوئی حاجت ہو تو بیان کرو۔

حضرت ابراہیمؑ نے کہا: تیری طرف میری کوئی حاجت نہیں ہے' البتہ خدا سے ضرور حاجت رکھتا ہوں۔

اس وقت حضرت جبریلؑ نے اُنھیں ایک انگشتری پہنائی' جس پر یہ کلمات تحریر تھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَى اللّٰهِ وَاَسْنَدْتُ اَمْرِيْ اِلَى اللّٰهِ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَى اللّٰهِ ـ

حضرت ابراہیمؑ منجنیق سے آگ کی طرف آئے تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو وحی فرمائی: كُوْنِيْ بَرْدًا ''اے آگ ابراہیم کے لیے ٹھنڈک بن جا''۔ چنانچہ آگ ٹھنڈک میں تبدیل ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ کے دانت بجنے لگے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آگ سے فرمایا: وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ ''ابراہیمؑ کے لیے سلامتی بن جا''۔ چنانچہ آگ کی جگہ جو ٹھنڈک پیدا ہوئی تھی اس کی شدت میں کمی واقع ہوئی اور بہار سا موسم بن گیا۔ جبریل امینؑ اُتر کر ابراہیم علیہ السلام سے گفتگو کرنے لگے۔

نمرود نے چبوترے پر بیٹھ کر یہ سارا منظر دیکھا تو اُس نے بے ساختہ کہا: اگر کوئی کسی کو معبود بنانا چاہتا ہو تو وہ معبودِ

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے جواب میں آیتِ مباہلہ پڑھی اور پھر کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کی وجہ سے ذریتِ ابراہیمؑ بن سکتے ہیں تو ہم اپنی ماں کی وجہ سے ذریتِ رسول کیوں نہیں بن سکتے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: تمام رواۃ اس امر پر متفق ہیں کہ جب غزوۂ احد میں صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور حضرت علی علیہ السلام کوہِ شجاعت بن کر جنگ کرتے رہے اس وقت حضرت علی علیہ السلام کی جنگ کو دیکھ کر حضرت جبریلؑ نے رسولؐ خدا سے کہا تھا: اِنَّ هٰذِهٖ لَهِيَ الْمُوَاسَاةُ مِنْ عَلِيٍّ "یہ علیؑ کی ہمدردی اور ایثار ہے جس کا وہ مظاہرہ کر رہا ہے"۔

رسولؐ خدا نے فرمایا تھا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے: انہ منی وانا منہ "علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں"۔

جبریلؑ نے یہ سنا تو کہا: وَاَنَا مِنْكُمَا "میں تم دونوں سے ہوں"۔

پھر جبریلؑ نے کہا: لَا فَتٰى اِلَّا عَلِي لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار "علیؑ کے سوا کوئی جوانمرد نہیں ہے اور ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں ہے"۔

جبریل امینؑ نے حضرت علی علیہ السلام کو فَتٰی کہا تھا اور یہ بھی یاد رکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق لوگوں نے یہ کہا تھا: سَمِعْنَا فَتًى "ہم نے ایک نوجوان کے متعلق سنا ہے"۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی فَتٰی تھے اور حضرت علی علیہ السلام بھی فَتٰی تھے۔ ہم آپؑ کے چچا کی اولاد ضرور ہیں، لیکن ہم یہ فخر کرتے ہیں کہ جبریلؑ ہم میں سے ہے۔

مصلحت آمیز دروغ

اُصولِ کافی میں حسن صیقل سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے متعلق سنا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے جو یہ کہا تھا: اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ (اے قافلہ والو! تم چور ہو) خدا کی قسم! اہلِ قافلہ چور نہیں تھے مگر یوسفؑ بھی جھوٹے نہ تھے۔ اسی طرح سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ کہا تھا: بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ ......(ان بتوں کو بڑے بت نے توڑا ہے) جب کہ حقیقت یہ تھی کہ ان بتوں کو بڑے بت نے نہیں توڑا تھا، مگر اس کے باوجود ابراہیم علیہ السلام بھی جھوٹے نہ تھے۔

ابراہیمؑ کو ہی اپنا معبود بنائے۔

نمرود کے ایک بڑے مصاحب نے کہا: یہ ابراہیمؑ کی کرامت نہیں ہے۔ میں نے آگ سے کہا ہے کہ وہ ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی میں بدل جائے۔ اتنے میں آتش کدہ سے ایک شعلہ لپکا جس نے اسے آن کی آن میں جلا کر راکھ کر دیا۔

حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیمؑ کی تصدیق کی۔ پھر وہ شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ نمرود نے رشک ارم گلزار میں ابراہیم علیہ السلام کو ایک بزرگ سے محوِ گفتگو پایا تو اُس نے آزر سے کہا: اے آزر! تیرا یہ عزیز اپنے رب کو بہت پیارا ہے۔

کوڑھ کرلا دُور سے بیٹھ کر آتش کدہ میں پھونکیں مارتا رہا اور مینڈک منہ میں پانی کی چند بوندیں لے کر آتش کدہ کو بجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ جب خدا نے ابراہیمؑ کے لیے آگ کو گلزار کیا تو پورے تین دن تک دنیا میں آگ کہیں نہیں جلی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی تاریخی واقعہ کو بیان کیا اور ابراہیم علیہ السلام کے مخالفین کے لیے فرمایا: وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۚ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ ''وہ ابراہیمؑ سے برائی کرنا چاہتے تھے ہم نے انھیں بہت زیادہ خسارہ اٹھانے والے بنا دیا۔ ہم اسے اور لوطؑ کو نجات دے کر اس سرزمین میں لے گئے جس میں ہم نے تمام جہانوں کے لیے برکتیں رکھی ہیں''۔

مجمع البیان اور عوالی اللئالی میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ایک مقام سے گزرے جہاں کچھ افراد شطرنج کھیلنے میں مصروف تھے۔ آپؑ نے اُن سے فرمایا: مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ ''یہ کیسی مورتیاں ہیں جن پر تم جھکے ہوئے ہو؟''

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ شام کے رہائشی ایک یہودی عالم نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑے تھے تو کیا تمھارے نبی نے بھی ان جیسا کوئی کارنامہ کیا تھا؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بت توڑے تھے اور ہمارے نبی نے پورے جزیرۃ العرب کو بتوں سے پاک کیا تھا۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپؑ حضرات رسولِ خدا کی اولاد تھوڑی ہیں۔ آپؑ تو اُن کے نواسے ہیں، پھر آپؑ اپنے آپ کو ذریتِ رسولؐ کیوں کہتے ہیں؟

آخر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے اس فرمان کا کیا مقصد تھا اور اس کی کیا توجیہہ کی جاسکتی ہے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: صیقل! اس کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟

میں (راوی) نے عرض کیا: ہم سوائے تسلیم کے اور کیا کہہ سکتے ہیں؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو دو باتیں بڑی پسند ہیں اور دو باتیں سخت ناپسند ہیں۔ اللہ کو میدانِ جہاد میں کسی غازی کا صفوں میں چلنا بہت پسند ہے اور اللہ تعالیٰ کو اصلاح کی غرض سے جھوٹ بولنا بھی پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ کو شاہراہوں پر بغیر مقصد چلنا ناپسند ہے اور اصلاح کے علاوہ جھوٹ بولنا بھی ناپسند ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ کا جملہ اصلاح کے ارادہ کے تحت کہا تھا اور آپؑ چاہتے تھے کہ اس طرح کی گفتگو سن کر وہ بت پرستی سے باز آ جائیں گے اور اسی طرح حضرت یوسفؑ نے بھی بھائیوں کے قافلہ کو اصلاح کی غرض سے چور کہا تھا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: کلام کی تین اقسام ہیں: سچ جھوٹ اصلاح بین الناس۔

عیونُ الاخبار میں مرقوم ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نارِ نمرود میں جانے لگے تو جبریلؑ نے عرض کیا: پروردگار! پوری روئے زمین پر اکیلا خلیل ہی وہ انسان ہے جو تیری عبادت کرتا ہے، مگر تو نے اُس پر اسے مسلط کیا ہے جو تیرا بھی دشمن ہے اور اُس کا بھی دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خاموش ہوجا، جلدی تو وہ کرے جو یہ سمجھے کہ مجرم میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ابراہیمؑ جب دعا کرے گا تو میں اس کی دعا قبول کروں گا۔ جبریلؑ خوش ہوگئے۔ پھر وہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے اور کہا کیا آپؑ کو کوئی حاجت ہے؟

حضرت ابراہیمؑ نے کہا: تجھ سے میری کوئی حاجت وابستہ نہیں ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک انگشتری نازل کی جس پر یہ کلمات تحریر تھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ فَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَى اللّٰهِ اَسْنَدْتُ ظَهْرِیْ اِلَى اللّٰهِ حَسْبِیَ اللّٰهُ۔

پھر ارشاد ہوا کہ تم یہ انگشتری پہن لو میں آگ کو تمھارے لیے ٹھنڈک اور سلامتی بنا دوں گا۔

کتاب الخصال میں بھی یہ روایت مرقوم ہے۔

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ رسولِ خدا نے کھجور کاٹنے اور شہد کی مکھی، مینڈک، صرد، ہُدہُد اور ابابیل کو مارنے سے

منع کیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو زمین کے تمام جانوروں نے خدا سے فریاد کی اور درخواست کی کہ انھیں پانی ڈالنے کی اجازت دی جائے۔ مینڈک کے علاوہ باقی کسی جاندار کو اجازت نہ ملی۔ مینڈک نے آتش کدہ میں پانی ڈالا۔ آگ کی وجہ سے اس کے جسم کے دو حصے جل گئے اور ایک تہائی حصہ باقی بچا۔

کتاب کمال الدین میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب حضرت قائم علیہ السلام ظہور کریں گے اور رسولؐ خدا کا پرچم کھول کر لہرائیں گے تو اُس وقت ان کی مدد کے لیے چھبیس ہزار فرشتے آسمان سے نازل ہوں گے اور یہ وہی فرشتے ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں اُن کی حفاظت کے لیے سوار تھے اور نارِ نمرود میں ابراہیمؑ کے ساتھ تھے۔

مفضل بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ جانتے ہو کہ حضرت یوسفؑ کی قمیص کا تاریخی پس منظر کیا تھا؟

میں نے عرض کیا: مجھے معلوم نہیں ہے۔ آپؑ نے فرمایا: جب ابراہیم علیہ السلام کو نارِ نمرود میں پھینکا جا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک قمیص نازل کی تھی اور فرمایا تھا کہ تم یہ قمیص پہن لو۔ اُنھوں نے وہ قمیص پہنی تو نارِ نمرود گلزار بن گئی تھی۔

چوتھیا بخار کا تعویذ

اُصولِ کافی میں حسن بن ظریف سے منقول ہے کہ میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے دو باتیں پوچھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک رقعہ لکھا جس میں مَیں نے یہ لکھا کہ مولاؑ! یہ فرمائیں جب حضرت قائم آلِ محمدؐ ظہور فرمائیں گے تو اُن کے فیصلوں کا انداز کیا ہوگا؟ دوسری بات میں لکھنا بھول گیا۔

امام علیہ السلام نے جواب میں لکھا کہ جب قائم آلِ محمدؐ ظہور کریں گے تو ان کے فیصلوں کا انداز حضرت داؤد علیہ السلام جیسا ہوگا۔ وہ اپنے ذاتی علم کے تحت فیصلہ کریں گے۔ آپؑ گواہ طلب نہ کریں گے۔ پھر آپؑ نے لکھا: تم ہر چوتھے دن چڑھنے والے بخار کے متعلق مجھ سے پوچھنا چاہتے تھے، لیکن وہ لکھنا تمھیں یاد نہ رہا۔ تم کسی کاغذ کے ٹکڑے پر يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ لکھ کر مریض کے گلے میں لٹکاؤ، خدا نے چاہا تو مریض صحت یاب ہو جائے گا۔ میں نے امام علیہ السلام کے فرمان پر عمل کیا تو مریض تندرست ہو گیا۔

لفظ ''خلیل'' کی وجہ تسمیہ

احتجاج طبرسی میں حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ابراہیمؑ خلیل اللہ تھے اور لفظ خلیل ''خُلَّت'' سے مشتق ہے جس کے معنی فقر و فاقہ کے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلیل اللہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے ہی اپنی احتیاج بیان کرتے تھے اور ماسوا اللہ سے ان کے تعلقات منقطع تھے۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو بھیجا کہ جاؤ اور میرے بندے کا خیال رکھو۔

حضرت جبریلؑ نے ہوا میں ملاقات کی اور اُن سے کہا کہ خدا نے مجھے تمھاری امداد کے لیے بھیجا ہے اب مجھے حکم کرو میں آپؑ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میرے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ میں اس کے علاوہ کسی دوسرے سے سوال نہیں کرتا اور اگر مجھے سروکار ہے تو بس اُسی سے ہی ہے۔ ان کی مخلوق سے اس بے نیازی کی وجہ سے ان کو ''خلیل'' کا لقب ملا۔ یعنی ایسا شخص جو صرف خدا سے ہی احتیاج رکھے اور ماسوا اللہ سے احتراز کرے۔

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت ابراہیمؑ آگ میں جانے لگے تو آپؑ نے خدا سے عرض کیا: پروردگار! تجھے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے حق کا واسطہ! مجھے آگ سے نجات دے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور آگ اُن کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی بن گئی۔

ایک یہودی عالم نے حضرت علی علیہ السلام سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو ٹھنڈک و سلامتی میں تبدیل کر دیا تھا تو کیا آپؑ کے رسولؐ کو بھی خدا نے اُس جیسا معجزہ دیا تھا؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: خیبر میں قیام کے دوران ایک یہودی عورت نے آنحضرتؐ کو کھانے میں زہر ملا کر دی۔ زہر نے آپؐ کے سینے میں آگ سی پیدا کی مگر اللہ تعالیٰ نے زہر کی آگ کو آنحضرتؐ کے سینے میں ٹھنڈک اور سلامتی بنا دیا تھا۔

روضہ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: نمرود کے حکم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آتش کدہ میں پھینکا گیا، مگر اللہ تعالیٰ نے آگ کو گل و گلزار میں تبدیل کر دیا۔ جب نمرود نے دیکھا کہ آگ نے ابراہیمؑ کا کچھ نہیں بگاڑا تو اُس نے حکم دیا کہ تم میرا ملک چھوڑ کر کہیں دُور چلے جاؤ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت سارہ اور لوطؑ کو ساتھ لیا اور اپنے مویشی اکٹھے کیے اور بابل سے روانہ ہونے کا ارادہ کیا۔ نمرود نے کہا اگر جانا ہے تو ابراہیم یہاں سے چلا جائے۔ یہ مال مویشی اپنے ساتھ لے کر نہیں جا سکتا' کیونکہ یہ مال مویشی ہماری اسی دھرتی کا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اگر یہی بات ہے تو یہ مال مویشی اپنے پاس رکھو اور مجھے میری زندگی کے وہ سال واپس کر دو جو میں نے یہاں بسر کیے ہیں۔ اگر تم ایسا کرتے ہو تو پھر میں راضی ہوں' ورنہ میرا مال مویشی مجھے ساتھ لے جانے دو۔ نمرود اور اُس کے ساتھی نہ مانے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے مقرر کردہ قاضی کے پاس مقدمہ لے گئے۔ قاضی نے کہا کہ مال مویشی یہ نہیں لے جائے گا' البتہ اس کے عوض تمھیں اسے اس کی زندگی کے گزرے ہوئے سال واپس کرنے ہوں گے۔ جب نمرود نے اپنے مقرر کردہ قاضی کا یہ فیصلہ سنا تو کہا کہ اسے مویشی سمیت جانے دو کیونکہ اگر یہ ہمارے ملک میں رہا تو باقی لوگوں کو ہمارے دین سے منحرف کر دے گا۔

قولہ تعالیٰ: وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ''ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ بخشا اور یعقوبؑ مزید بخشا''۔

کتاب معانی الاخبار میں ہے کہ نَافِلَةً کے معنی اضافی نعمت کے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں ''نَافِلَةً'' یعنی اضافی نعمت کے عنوان سے یاد کیا ہے۔

میراثِ خلیل

عیونُ الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے فضیلتِ امامؑ کے متعلق ایک طویل خطبہ منقول ہے جس کے کچھ الفاظ حسبِ ذیل ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو عزت بخشی اور اُن کی طیب و طاہر ذریت میں امامت کا سلسلہ جاری فرمایا اور ارشاد فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝ ''اور ہم نے اسے اسحاقؑ عطا کیا' اور یعقوبؑ مزید عطا کیا اور ہم نے سب کو صالح بنایا اور ہم نے انھیں امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے بجالانے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی کی اور وہ ہمارے ہی عبادت گزار تھے''۔

چنانچہ امامت میراثِ خلیل کے طور پر ان کی نسل میں مسلسل جاری رہی' یہاں تک کہ وہ میراث پیغمبر اکرم کو ملی اور پیغمبر اکرمؐ ابراہیمی فکرومیراث کے وارث بنے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّ اَوۡلَی النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۸﴾ (آلِ عمران ۶۸) ''ابراہیمؑ سے نسبت رکھنے کا زیادہ حق انھیں ہے جنھوں نے اُس کی پیروی کی اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اللہ اہلِ ایمان کا سرپرست ہے''۔

رسولؐ خدا میراثِ ابراہیمؑ کے وارث بنے' پھر آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ میراث علیؑ کو منتقل فرمائی' پھر اولادِ علیؑ میں سے منتخب ذریت اور علم و ایمان سے مالا مال افراد اس میراث کے وارث بنے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَالۡاِيۡمَانَ لَقَدۡ لَبِثۡتُمۡ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوۡمِ الۡبَعۡثِ (الروم:۵۶) ''جن لوگوں کو علم و ایمان عطا ہوا ہے وہ کہیں گے کہ خدا کے نوشتے میں تم روزِ حشر تک پڑے رہو''۔ لہٰذا سلسلہ امامت قیامت تک اولادِ علیؑ میں ہی رہے گا۔

یہ روایت اصولِ کافی میں بھی انھی الفاظ سے منقول ہے۔

کتاب المناقب ابن شہرآشوب میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کے لیے یہ دعا مانگی:

''پروردگار! انھیں طیب و طاہر ذریت عطا فرما اور اُن کی ذریت میں برکت پیدا فرما۔ اور اُنھیں اپنے امر کے تحت ہدایت دینے والا رہنما و امام بنا۔ وہ لوگوں کو تیری اطاعت کی ہدایت کریں اور اُن اَفعال کا حکم دیں جن میں تیری رضا مضمر ہو''۔

اُصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کتابِ الٰہی میں دو طرح کے امام ہیں۔ ایک امام وہ ہیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا: وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا ''ہم نے اُنھیں امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے''۔ یہ وہ امام ہیں جو اپنے حکم پر خدا کے حکم کو مقدم رکھتے ہیں اور اپنے فرمان پر خدا کے فرمان کو ترجیح دیتے ہیں۔

اور اس کے برعکس ایسے امام بھی ہیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا: وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ (القصص:۴۱) ''اور ہم نے انھیں امام بنایا جو دوزخ کی دعوت دیتے تھے''۔ یہ وہ امام ہیں جو اپنے حکم کو خدا کے حکم پر مقدم رکھتے ہیں اور کتابِ خدا کی مخالفت کر کے اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ: وَنَجَّيۡنٰهُ مِنَ الۡقَرۡيَةِ الَّتِىۡ كَانَتۡ تَّعۡمَلُ الۡخَبٰٓئِثَ ''ہم نے لوطؑ کو اس بستی سے نجات دی جو بدکاریاں کیا کرتی تھی''۔

حضرت لوط علیہ السلام جہاں تبلیغ کرتے تھے وہ انتہائی بدکار لوگ تھے اور وہ مردوں سے ہی جنسی تسکین فراہم کرتے تھے۔

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٧٧﴾ وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿٧٨﴾ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ﴿٧٩﴾ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ ۖ فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ ﴿٨٠﴾ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ ﴿٨١﴾ وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَن يَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ﴿٨٢﴾ وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٨٣﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِن ضُرٍّ ۖ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ ﴿٨٤﴾

وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْکِفْلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۸۵﴾
وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَذَا النُّوْنِ اِذْ
ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ
لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۷﴾
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۸﴾

''اور نوحؑ کو یاد کرو، جب اُس نے پہلے ہی ندا دی۔ ہم نے اُس کی دعا قبول کی، چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے خاندان کو کربِ عظیم سے نجات دی۔ اور ہم نے ایسی قوم کے خلاف اس کی مدد کی جس نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ وہ بہت بُری قوم تھی۔ ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

اور داوٗدؑ و سلیمانؑ کو یاد کرو، جب وہ ایک کھیت کے متعلق فیصلہ کر رہے تھے جس میں قوم کی بکریاں گھس گئی تھیں اور ہم اُن کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے۔ ہم نے صحیح فیصلہ سلیمانؑ کو سمجھا دیا تھا اور ہم نے ہر ایک کو قوتِ فیصلہ اور علم عطا کیا تھا۔ ہم نے داوٗدؑ کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا جو تسبیح کرتے تھے اور اس فعل کے فاعل ہم ہی تھے۔

ہم نے داوٗدؑ کو تمھارے مفاد کے لیے زرہ بنانے کی صنعت تعلیم کی، تا کہ تمھیں جنگ کی سختیوں سے بچائے تو کیا تم شکر ادا کرنے والے بنو گے؟

اور ہم نے سلیمانؑ کے لیے تیز و تند ہواؤں کو مسخر کر دیا، جو اُن کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں اور ہم ہر چیز کے جاننے والے ہیں۔ اور شیاطین میں سے کچھ شیطانوں کو اس کا تابع بنانا تھا، جو اس کے لیے غوطے لگاتے تھے۔ اس

کے علاوہ دوسرے کام بھی سرانجام دیا کرتے تھے اور ہم ہی ان کے نگہبان تھے۔

اور ایوبؑ کو یاد کرو جب اُس نے اپنے پروردگار کو ندا دی کہ مجھے بیماری لاحق ہو چکی ہے اور تو اَرحم الراحمین ہے۔ ہم نے اُس کی دعا قبول کی اور ہم نے اُس کی بیماری کو اُس سے دُور کر دیا اور اُسے اس کے اہل و عیال بھی دیئے اور اُن کے ساتھ اتنے اور بھی دیئے۔ یہ ہماری طرف سے خصوصی رحمت تھی؛ تا کہ یہ عبادت گزاروں کے لیے ایک سبق ثابت ہو۔

اور اسماعیلؑ، ادریسؑ اور ذوالکفلؑ کو یاد کرو وہ سب کے سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔ اور ہم نے انھیں اپنی رحمت میں داخل کیا۔ یقیناً وہ صالحین میں سے تھے۔

اور مچھلی والے کو یاد کرو؛ جب وہ ناراض ہو کر گئے اور اس نے یہ گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔ آخر کار اس نے تاریکیوں میں ندا دی کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ تو پاک ہے بے شک میں قصورواروں میں سے ہوں۔ ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اسے غم سے نجات دی اور ہم اہلِ ایمان کو اسی طرح سے بدلہ دیا کرتے ہیں۔

داوٗدؑ اور سلیمانؑ کا فیصلہ

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ

''اور داوٗدؑ و سلیمانؑ کو یاد کرو جب وہ ایک کھیت کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں قوم کی بکریاں گھس گئی تھیں''۔

الکافی میں ابوبصیر کی زبانی منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ کی آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے آیتِ مجیدہ میں لفظ ''نفش'' استعمال کیا ہے اور نفش کھیتی کے اس نقصان کو کہا جاتا ہے جسے جانور رات کے وقت پہنچائیں۔ کھیتی کا مالک دن کے وقت اپنی کھیتی کی حفاظت کرے۔ اگر دن کے وقت کسی کے مویشی کسی کھیتی کو نقصان

پہنچائیں تو جانوروں کے مالک سے کوئی تاوان نہیں لیا جائے گا۔ اور رات کے وقت مویشی رکھنے والے کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مویشی باندھ کر رکھے۔ اگر کسی کے مویشی رات کے وقت کسی کے کھیت میں گھس جائیں اور اسے نقصان پہنچائیں تو مویشی کے مالک سے اس کا تاوان وصول کیا جائے گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ایسا ہوا کہ رات کے وقت ایک شخص کی بکریاں کسی کے انگوروں کے باغ میں گھس گئی تھیں اور انھوں نے انگوروں پر لگے ہوئے گچھے تباہ کر دیئے تھے۔ کھیت کا مالک حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں شکایت لے کر حاضر ہوا۔ آپؑ نے بکریوں کے مالک کو طلب کیا۔ اس نے بھی اقرار کرلیا۔ انگوروں کی قیمت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی۔ لہٰذا حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا کہ یہ تمام بکریاں انگور کے مالک کو دے دی جائیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اس فیصلہ کے وقت موجود تھے۔ اُنھوں نے عرض کیا: اے نبی اللہ! اس کا صحیح فیصلہ یہ ہے کہ یہ بکریاں ایک سال کی مدت کے لیے انگور کے مالک کی تحویل میں دے دی جائیں۔ وہ ان کا دودھ پیئے اور اُون استعمال کرے اور اس دوران بکریوں کے ہاں جو بچے جنم لیں وہ بھی اسی کے ہوں گے۔ ایک سال بعد بکریاں اصل مالک کے حوالے کر دے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا! وہ کیوں؟

حضرت سلیمانؑ نے عرض کیا: باباجان! اگر بکریاں انگوروں کو جڑ سے اکھاڑ دیتیں تو بکریاں انگور کے مالک کو مل جاتیں۔ چونکہ انگوروں کی جڑیں اور بیلیں موجود ہیں۔ بکریوں نے ان کا پھل کھایا ہے' لہٰذا تلافی کے لیے بھی اسے بکریوں کے بچے اور اُون دی جائے گی اور جب ایک سال بعد انگوروں کی بیلوں پر گچھے لگ جائیں گے تو بکریاں بھی اصل مالک کو لوٹا دی جائیں گی۔

ہارون بن حمزہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر گائے یا اُونٹ کسی کی کھیتی میں چلے جائیں اور اسے تباہ کر دیں تو کیا ان کے مالک سے تاوان کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر مویشی دن کے وقت گئے ہوں تو ان کے مالک پر کوئی تاوان نہیں ہوگا کیونکہ کھیت کے مالک کی ذمہ داری ہے کہ وہ دن کے وقت اپنی کھیتی کا خیال رکھے اور اگر مویشی رات کے وقت کسی کی کھیتی کو نقصان پہنچائیں تو مویشی مالک پر تاوان عائد کیا جائے گا۔

ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: مولاؑ! یہ فرمائیں کہ داؤدؑ و سلیمانؑ کے

فیصلہ میں اختلاف کیوں ہوا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ سے قبل انبیائے کرام کو وحی کی تھی کہ اگر کسی کے مویشی کسی کی کھیتی کا نقصان کریں اور نقصان اور مویشی کی قیمت برابر ہو تو کھیتی کے مالک کو وہ مویشی دے دیے جائیں۔ البتہ اس حکم کا خصوصی نکتہ یہ تھا کہ مویشی کے مالک پر تاوان تب عائد ہوگا اگر مویشی رات کے وقت کسی کی کھیتی کا نقصان کریں۔ دن کے وقت کھیتی کے مالک کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی کھیتی کی نگہداشت کرے۔

چنانچہ جب یہی مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے اس کا وہی فیصلہ کیا جس کی وحی انبیائے کرام پر نازل ہوئی تھی۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام مقدمہ سن رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو وحی کی کہ تاوان میں مویشی نہیں دیے جائیں گے، بلکہ ان کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچے دیے جائیں گے اسی لیے سلیمان علیہ السلام نے جو فیصلہ کیا تھا وہ خدا کے جدید حکم کا آئینہ دار تھا، لہٰذا اس فیصلہ میں نہ تو داؤدؑ غلطی پر تھے اور نہ ہی سلیمانؑ غلطی پر تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے متعلق فرمایا: وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ''اور ہم نے ہر ایک کو حکم اور علم دیا تھا''۔ چنانچہ باپ بیٹا دونوں نے حکمِ الٰہی کے تحت فیصلے کیے تھے۔

اُصولِ کافی میں معاویہ بن عمار سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: امامت خدا کی طرف سے عہد ہے جو مخصوص افراد کے لیے مقرر کردہ ہے۔ کسی بھی امام کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی کو اپنا جانشین مقرر فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اپنے اہل میں سے ایک وصی بناؤ، کیونکہ میں نے دنیا میں جتنے بھی انبیاء بھیجے ہیں سب کے وصی بھی تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بہت سے بیٹے تھے اور کافی بیویاں تھیں۔ آپؑ کو اپنی ایک بیوی سے بڑی محبت تھی۔ آپؑ نے اس بات کا ذکر اپنی پیاری بیوی سے کیا تو اُس نے کہا: اگر یہ بات ہے تو آپؑ میرے بیٹے کو اپنا وصی مقرر کریں۔ داؤدؑ بھی یہی کچھ چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ داؤدؑ کے وصی سلیمانؑ بنیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ میری وحی آنے سے پہلے کسی کو اپنا وصی مقرر نہ کرنا۔ پھر کچھ دیر بعد دو افراد حضرتؑ کے پاس آئے اُن میں سے ایک مدعی اور دوسرے مدعا علیہ تھا۔ مدعی نے مقدمہ دائر کیا کہ اس کی بکریوں نے میرے انگور کے باغ کو رات کے وقت اُجاڑا ہے اور مجھے شدید نقصان پہنچایا ہے۔ آپؑ ہمارے درمیان فیصلہ فرمائیں۔ اس

وقت اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے داؤدؑ! آپؑ اپنے تمام بیٹوں کو جمع کریں اور ان سے کہیں کہ وہ اس مقدمہ کا فیصلہ کریں اور جو اس مقدمہ کا صحیح فیصلہ کرے گا وہ آپؑ کا وصی ہوگا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور اُنھیں مقدمہ کا فیصلہ کرنے کو کہا۔ سب نے اپنی اپنی باتیں کہیں لیکن کوئی بہتر فیصلہ سامنے نہ آیا۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے مدعی سے کہا کہ یہ بتاؤ اس کی بکریاں دن میں داخل ہوئی تھیں یا رات میں؟ اُس نے کہا: رات میں داخل ہوئی تھیں۔

آپؑ نے فرمایا: اس شخص کی بکریاں ایک سال تک تمھاری تحویل میں رہیں گی۔ تم ان کا دودھ اور اُون استعمال کرسکتے ہو اور اس ایک سال کے دوران ان سے جتنے بھی بچے پیدا ہوں گے وہ بھی تیری ملکیت قرار پائیں گے۔ پھر جب ایک سال گزر جائے اور انگور کی بیلوں پر انگوروں کے گچھے آ جائیں تو تم یہ بکریاں اصل مالک کے سپرد کردو گے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرزند کا فیصلہ سنا تو آپؑ نے فرمایا: بیٹا! تم نے باغ کے مالک کو یہ بکریاں ہمیشہ کے لیے کیوں نہیں دیں؟

حضرت سلیمانؑ نے عرض کیا: بابا جان! اگر بکریاں اس کے انگور کی جڑوں کو تباہ کرتیں تو میں بکریاں مدعی کے حوالے کرتا، لیکن صورت حال یہ ہے کہ بکریوں نے صرف شاخیں اور پھل تباہ کیا ہے، جڑیں باقی ہیں، اسی لیے میں بھی بکریوں کی اُون اور دودھ اور ایک سال میں پیدا ہونے والے بچے اس کے حوالے کر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ فیصلہ وہی ہے جو سلیمان علیہ السلام نے کیا ہے۔ داؤدؑ! تم کچھ اور چاہتے تھے جب کہ ہمارا ارادہ کچھ اور تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی پیاری بیوی سے کہا کہ ہم نے ایک امر کا ارادہ کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ کچھ اور ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے ارادے پر راضی ہیں۔

اس کے بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کسی بھی نبی و وصی، کو اپنا وصی اپنی طرف سے مقرر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اوصیاء کا تقرر خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک شخص رہتا تھا جس کے پاس انگوروں کا باغ تھا۔ ایک دفعہ اتفاق ہوا کہ ایک شخص کی بکریاں اس کے باغ میں گھس گئیں اور اس کے باغ کی تمام شاخیں کھا گئیں۔ انگوروں کے باغ کا مالک حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے بکریوں کے مالک کے خلاف مقدمہ پیش کیا۔ آپؑ نے مدعا علیہ کو بھی طلب کیا۔ پھر آپؑ نے مدعی اور مدعا علیہ دونوں سے فرمایا کہ تم

سلیمانؑ کے پاس جاؤ اور اس سے اس مقدمہ کا فیصلہ کراؤ۔ دونوں فریق حضرت سلیمانؑ کے پاس گئے اور ان کے سامنے معاملہ پیش کیا۔

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا: اگر بکریاں جڑوں اور شاخوں کو کھا گئی ہیں تو اس کے تاوان میں اس کی بکریاں اور اُن کے بچے میں تیرے حوالے کرتا ہوں۔ اور اگر تیرے باغ میں جڑیں موجود ہیں اور بکریوں نے شاخوں کو اُجاڑا ہے تو پھر ان بکریوں کے ایک سال میں پیدا ہونے والے بچے تمھارے ہوں گے، مگر بکریوں کے مالک تم نہیں بنو گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام نے اس مقدمہ کے لیے انھیں سلیمانؑ کے پاس اس لیے بھیجا تھا تاکہ بنی اسرائیل کو سلیمانؑ کی عظمت اور مقام کا اندازہ ہوسکے۔

من لایحضرہ الفقیہ میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ بکریاں انگور کے تاوان میں دی جائیں گی، جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو یہ فیصلہ سمجھایا کہ تاوان میں بکریاں نہ دی جائیں، بلکہ ان کا دودھ، اُون اور ایک سال میں پیدا ہونے والے بچے دیئے جائیں۔

مجمع البیان میں بھی یہی روایت مرقوم ہے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ کیا تھا کہ رات کے وقت مویشی، مالک اپنے مویشیوں کی حفاظت کریں اور دن کے وقت کھیتی، مالک اپنی کھیتی کی حفاظت کریں۔

تسبیحِ داؤدؑ

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ﴿٧٩﴾ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ ۖ فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ ﴿٨٠﴾

''اور ہم نے داؤدؑ کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کردیا' جو اس کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور اس فعل کے فاعل ہم ہی تھے۔ اور ہم نے داؤدؑ کو تمھارے مفاد کے لیے زرہ بنانے کی صنعت تعلیم کی' تاکہ تمھیں جنگ کی سختیوں سے بچائے تو کیا تم شکر کرنے والے بنو گے؟''

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت داؤد
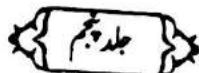
علیہ السلام جب زبور کی تلاوت کرتے تو تمام پہاڑ، پرندے اور پتھر بھی آپؑ کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے۔

اُصولِ کافی میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ تو میرا اچھا بندہ ہے، لیکن تو بیت المال سے اپنی ضروریات پوری کرتا ہے اور اپنے ہاتھ سے مزدوری کر کے اپنی ضروریات پوری نہیں کرتا۔

یہ سن کر حضرت داؤد علیہ السلام چالیس دن تک روتے رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لوہے کو وحی فرمائی کہ تو داؤدؑ کے لیے نرم ہو جا۔ چنانچہ لوہا حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے نرم ہوگیا اور آپؑ نے زرہ بافی شروع کر دی۔ آپؑ روزانہ ایک زرہ بنا کر اسے ایک ہزار درہم میں فروخت کر دیتے۔ جب آپؑ نے پورے سال تک یہ کام کیا تو آپؑ کے پاس تین لاکھ ساٹھ ہزار درہم جمع ہو گئے اور آپؑ بیت المال سے مستغنی ہو گئے۔

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ شام کے ایک یہودی عالم نے حضرت علی علیہ السلام سے عرض کیا کہ داؤد علیہ السلام اپنی غلطی پر اتنا روئے کہ پہاڑ بھی آپؑ کی دعا کے ساتھ ہم آواز ہو گئے تھے تو کیا تمھارے نبی کو بھی اس جیسی کوئی فضیلت ملی ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ان سے ترکِ اولیٰ ہوا تھا، اسی لیے وہ روئے تھے۔ ہمارے پیغمبر سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی تھی مگر اس کے باوجود آپؐ کی خوفِ خدا سے یہ حالت تھی کہ جب آپؐ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو آپؐ کے سینہ سے کسی دیگچی کے اُبال کی سی آوازیں برآمد ہوتی تھیں۔ آپؐ کو خدا کے عذاب کا کوئی خوف نہیں تھا۔ آپؐ دوسرے لوگوں کے لیے نمونہ بننا چاہتے تھے۔ جہاں تک پہاڑوں کے مطیع ہونے کا تعلق ہے تو ایک مرتبہ ہم آپؐ کے ساتھ کوہِ حرا پر کھڑے تھے کہ پہاڑ لرزنے لگا۔ رسولِ خدا نے پہاڑ سے فرمایا: سکون کر اس وقت تجھ پر ایک نبی اور ایک صدیق شہید کھڑا ہے۔ پہاڑ نے یہ سنا تو پُرسکون ہو گیا۔

ایک مرتبہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ہم نے ایک پہاڑ دیکھا جس سے آنسوؤں کی مانند پانی کے قطرات گر رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے پہاڑ سے فرمایا: تو کیوں رو رہا ہے؟ اُس نے کہا کہ ایک مرتبہ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہاں سے گزر ہوا تھا تو اُنھوں نے کہا کہ دوزخ کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ جس دن سے میں نے یہ بات سنی تو میں اس دن سے رو رہا ہوں کہ کہیں مجھے دوزخ کی آگ میں نہ جلایا جائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ پتھر ''کبریت'' ہوگا۔ واضح رہے کہ کبریت گندھک کو کہا جاتا ہے۔

مناقب شہر ابن آشوب میں سعید بن مسیب سے منقول دو روایات کا ماحصل یہ ہے کہ جب امام سجاد علیہ السلام سجدہ کرتے اور سجدہ میں تسبیح بجالاتے تو تمام پہاڑ اور درخت آپؑ کے ساتھ تسبیح کرنے لگ جاتے تھے۔

سلیمانؑ کو ہوا پر اختیار دیا گیا تھا

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾

''اور ہم نے سلیمانؑ کے لیے تیز وتند ہواؤں کو مسخر کردیا' جو ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھیں، جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں اور ہم ہر چیز کے جاننے والے ہیں''۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک بہت بڑی بساط بنوائی تھی اور بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بساط لکڑی کی تھی۔ اس پر ضرورت کے مطابق پورا سامان حکومت رکھ دیا جاتا تھا اور اس پر گھوڑا' اُونٹ' خیام' اور لشکر کو بٹھا دیا جاتا تھا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو حکم دیتے تھے۔ وہ آپؑ کے تخت کو اُٹھا کر پرواز کراتی تھی۔ پرندے آپؑ کے سر پر سایہ کرتے تھے اور جہاں آپؑ چاہتے تھے ہوا اس مقام پر ہی آپؑ کو اتارتی تھی۔ چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے: فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ (ص:۳۶)۔ اسی ہوا کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ (السبا:۱۲) ''صبح کے وقت ہوا کے دوش پر سلیمانؑ ایک ماہ کی مسافت کا سفر کرتے تھے اور شام کے وقت بھی وہ ایک ماہ کی مسافت کا سفر کرتے تھے''۔

سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ بساطِ سلیمانؑ پر چھ لاکھ کرسیاں ہوتی تھیں۔ پہلی کرسیوں پر مومن انسان بیٹھتے تھے۔ پھر ان کے بعد مومن جنات کرسیوں پر بیٹھتے تھے۔ ان پر پرندے اپنے پروں کا سایہ کرتے تھے اور ہوا انھیں پرواز کراتی تھی۔ اور پہاڑوں کے اُوپر سے ان کا تخت گزرتا تھا۔ جب تک تخت ہواؤں میں محوِ پرواز رہتا تھا اُس وقت تک حضرت سلیمانؑ عظمتِ خدا کے سامنے سر جھکا کر بیٹھے رہتے تھے۔

شیاطین سلیمانؑ کے تابع تھے

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

''اور ہم نے شیاطین میں سے کچھ شیاطین کو سلیمانؑ کا تابع بنایا تھا' جو اس کے لیے سمندروں اور

دریاؤں میں غوطے لگاتے تھے اور دوسرے کام بھی سرانجام دیا کرتے تھے اور ہم ہی ان کے نگہبان تھے''۔

جنات وشیاطین حضرت سلیمانؑ کے لیے خدا نے مسخر کیے تھے اور وہ سمندروں میں غوطہ خوری کیا کرتے تھے اور لال و جواہر برآمد کرتے تھے۔ دوسرے کاموں سے یہ مراد ہے کہ وہ دیوہیکل عمارتیں تعمیر کرتے تھے اور سرکش جنات کو حضرت سلیمانؑ نے لوہے کے زنجیروں میں قید کر دیا تھا جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ (ص: ۳۷-۳۸)

''اور شیاطین عمارتیں بناتے اور غوطہ خوری کرتے اور کچھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم ان کے محافظ تھے، یعنی ہم شیاطین اور جنات کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ کسی انسان یا حیوان کو اذیت دے سکیں۔ اور شریر قسم کے جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دیا تھا اور آپؑ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ جسے چاہیں قید کر دیں اور جسے چاہیں آزاد کر دیں۔ (اضافہ من المترجم نقلاً عن کتب التفسیر)

حضرت ایوبؑ کا واقعہ

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

''اور ایوبؑ کو یاد کرو جب اُس نے اپنے پروردگار کو ندا دی کہ مجھے بیماری لاحق ہو چکی ہے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اس کی بیماری کو اُس سے دُور کر دیا اور اسے اس کے اہل و عیال بھی دیئے اور اس کے ساتھ اتنے اور بھی دیئے۔ یہ ہماری طرف سے خصوصی رحمت تھی، تاکہ یہ عبادت گزاروں کے لیے ایک سبق ثابت ہو''۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا۔ آپؑ ہر لحاظ سے خوش حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ خدا نے آپؑ کو لاتعداد جانور عطا کیے تھے جنھیں آپؑ کے چرواہے چرایا کرتے تھے۔ خدا نے آپؑ کو نعمتِ اولاد سے بھی سرفراز کیا تھا، الغرض آپؑ انتہائی مرفۃ الحال شخص تھے اور آپؑ خدا کی ہر نعمت پر اُس کا شکر ادا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ملاءِ اعلیٰ میں آپؑ کے شکر کی تعریف کی۔ ابلیس لعین کا اُس وقت تک آسمانوں کا داخلہ ممنوع نہیں ہوا

تھا۔ اس نے خداوند تعالیٰ سے عرض کیا کہ خدایا اگر وہ ہر وقت شکر کرتا ہے تو اس میں اس کا کیا کمال ہے تو نے اسے ہر طرح کی نعمات عطا کی ہیں۔ تو اس سے اپنی نعمات سلب کر لے' پھر میں دیکھوں گا کہ وہ تیرا شکر کیسے ادا کرتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لعین! میں اپنے بندے کو تجھ سے بہتر جانتا ہوں۔ اگر آج تک اس نے نعمت کا شکر ادا کیا ہے تو وہ مصائب و آلام پر صبر بھی کرے گا اور اس کے پائے استقامت میں کوئی لغزش واقع نہ ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لینا شروع کر دیا۔ اُن کے اُونٹوں کا چرواہا دوڑتا ہوا آیا اور ان سے کہا: خدا کے پیغمبر! نجانے آپؑ کے اُونٹوں کو کیا ہوا کہ اچانک سب کے سب مر گئے اور اب ایک اُونٹ بھی باقی نہیں رہا۔

آپؑ نے یہ سنا تو سجدۂ شکر ادا کیا اور کہا کوئی حرج نہیں۔ یہ رزق خدا نے دیا تھا اور اگر اُس نے سنبھال لیا ہے تو پھر کیا عیب ہے؟ پھر گایوں کا چرواہا آیا اُس نے بھی روتے ہوئے کہا کہ آپؑ کی تمام گائیں اچانک مر گئیں اور اب ایک گائے بھی باقی نہیں ہے۔

آپؑ نے فرمایا: کوئی بات نہیں یہ رزق خدا نے دیا تھا اُس نے سنبھال لیا ہے۔ پھر بھیڑ بکریاں چرانے والا چرواہا آیا اور اُس نے کہا کہ آپؑ کا پورا ریوڑ اچانک لقمۂ اجل بن گیا۔ اب ایک بھیڑ تک باقی نہیں رہی۔

آپؑ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ خدا نے یہ رزق عطا کیا تھا اور اُس نے ہی مجھ سے سنبھال لیا ہے۔ اس میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

پھر آپؑ کا مکان گر پڑا۔ آپؑ کے تمام بچے اس کی لپیٹ میں آ گئے اور آپؑ کے افرادِ خانہ میں سے صرف آپؑ اور آپؑ کی بیوی ہی محفوظ رہے۔ آپؑ نے اپنی اولاد کو دفن کیا' پھر بھی آپؑ نے صبر کے دامن کو نہ چھوڑا۔ مسلسل خدا کا شکر ادا کرتے رہے۔

ابلیس لعین نے کہا: خدایا! تو نے اسے تندرستی دی ہے اسی لیے وہ اب بھی تیرا شکر ادا کر رہا ہے تو اس پر بیماری مسلط کر۔ پھر میں دیکھوں گا کہ یہ تیرا شکر کیسے ادا کرتا ہے؟

الغرض اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی آزمائش میں اضافہ کیا اور آپؑ بیماری میں گھر گئے۔ آپؑ کی بیماری نے جب طول پکڑا تو تمام لوگ آپؑ سے متنفر ہو گئے اور آپس میں چہ میگوئیاں کر کے کہتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ایوبؑ نے کوئی اتنا بڑا جرم کیا ہے کہ خدا نے اس کی گرفت کی ہے۔

ادھر حضرت ایوبؑ کے صبر کی کیفیت یہ تھی کہ آپؑ خدا کا شکر ادا کر کے کہتے تھے کہ خدایا! تیرا لاکھ شکر ہے تو نے مجھ

چنانچہ آپؑ نے زمین پر ٹھوکر ماری تو ایک چشمہ برآمد ہوا۔ آپؑ نے اس سے غسل کیا تو آپؑ کی تمام بیماری فوراً ختم ہوگئی اور آپؑ مکمل طور پر صحت یاب ہوگئے۔ پھر آپؑ کے لیے سونے کی ٹڈیاں آسمان سے برسنے لگیں۔ آپؑ نے آگے بڑھ کر انھیں جمع کیا۔ اس وقت آوازِ قدرت آئی: ایوبؑ! کیا تم اتنے زر کے پیاسے ہوگئے ہو؟

عرض کیا: پروردگار! یہ تیری عطا ہے میں تیری عطا کی ناقدری نہیں کرنا چاہتا۔ کچھ دیر بعد آپؑ کی زوجہ آئیں تو اُنھیں اپنا لاغر ونحیف ہڈیوں کا ڈھانچہ شوہر دکھائی نہ دیا۔ اُس نے دیکھا کہ وہاں ایک صحت مند، تندرست اور حسین وجمیل شخص بیٹھا ہوا ہے۔ اُس نے آپؑ کو مخاطب کر کے کہا: اے بندۂ خدا! یہاں ایک کمزور و لاغر بیمار شخص رہتا تھا۔ اب نجانے وہ کہاں چلا گیا اگر تمھیں اس کے متعلق علم ہو تو مجھے بتاؤ۔

آپؑ نے فرمایا: تمھارا وہ شوہر میں ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا، میری تمام بیماری دُور کردی اور میرے لیے آسمان سے دولت کے انبار برسائے ہیں۔ یہ سنا تو بی بی نے رب کا شکر ادا کیا۔ پھر آپؑ کی جتنی اولاد مرگئی تھی خداوند کریم نے اُنھیں دوبارہ زندہ کر کے آپؑ کے پاس بھیج دیا اور اتنی مزید اولاد بھی عطا فرمائی اور پہلے سے زیادہ آپؑ کو مال و دولت عطا کی۔ (اضافۃ من المترجم نقلا عن کتب کثیرۃ)

کتاب الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام سات سال تک آزمائش میں مبتلا رہے تھے اور یہ آزمائش کسی گناہ کی پاداش میں نہیں تھی۔ حضرت ایوبؑ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور خدا کسی بھی نبی کی اس طرح سے آزمائش نہیں کرتا کہ اس کے جسم میں کیڑے پڑ جائیں یا پورے وجود سے پیپ جاری ہو اور لوگ اس سے اذیت محسوس کریں۔ اسی لیے اس آزمائش کے عرصہ میں حضرتؑ کے جسم میں نہ تو کیڑے پڑے تھے اور نہ ہی ان کے جسم سے پیپ کا اخراج ہوا تھا اور نہ ہی ان کے وجود سے بدبو کے بھبھوکے اُٹھے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اعظم الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل ''سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے پھر اُن کی جو اُن سے قریب ہوں پھر ان کی جو اُن سے قریب ہوں''۔

اللہ تعالیٰ انبیاءؑ کی آزمائش اس لیے کرتا ہے کہ کہیں لوگ ان کے معجزات دیکھ کر انھیں خدا نہ سمجھنے لگ جائیں اور خدا کی اس آزمائش میں ایک حکمت یہ بھی ہوتی ہے کہ لوگ کسی فقیر کو اس کے فقر اور کسی ضعیف کو اس کے ضعف کی وجہ سے حقیر نہ سمجھیں۔ آزمائش کا ایک مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو یہ علم ہو سکے کہ خدا جسے چاہے بیمار کردے اور جسے چاہے صحت مند بنادے اور جسے چاہے ذریعہ یاد دہانی بنادے اور جسے چاہے باعثِ عبرت بنادے۔ خدا اپنے تمام کاموں میں عادل وحکیم ہے۔ اُس

سے مال و اولاد کو لے لیا ہے' اب میرے دل میں سے مال و اولاد کی محبت ختم ہوگئی ہے۔ اب میرے دل میں بس تیری ہی محبت آباد ہے۔ اب میرا دل تمام علائقِ دنیا سے آزاد ہو چکا ہے۔ اگر میرے دشمنوں کو میری اس کیفیت کا علم ہو جائے تو وہ مجھ سے حسد کرنے لگ جائیں گے۔

آپؑ کی بیوی جس کا تعلق نسلِ یعقوبؑ سے تھا' تمام آڑے اوقات میں آپؑ کا ساتھ دیتی رہی۔ گاؤں سے باہر بی بی نے ایک چھپر سا بنایا جہاں وہ اپنے بیمار خاوند کی خدمت کرتی رہی۔ بی بی دن کے وقت لوگوں کے گھروں میں اُجرت پر کام کرتی۔ کام کاج سے جو مزدوری حاصل ہوتی اُس سے گھر کا خرچہ چلاتی۔ ابلیس نے اس دوران بڑی کوشش کی کہ ایوبؑ کسی طرح سے خدا کی محبت سے منحرف ہو جائیں' لیکن وہ لعین ہر حربہ آزمانے کے باوجود بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

ایک دفعہ آپؑ کی بیوی نے کوئی ایسی بات کہی جس کی وجہ سے حضرت کو غصہ آیا اور فرمایا کہ جب خدا نے مجھے صحت دی تو میں تجھے سو دُرّے ماروں گا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت ایوبؑ کی بیوی کے سنہری بال تھے۔ ایک مرتبہ کسی گھر میں مزدوری کی غرض سے گئیں تو اس گھر میں موجود ایک چھوٹی بچی نے ان کے سنہری بال دیکھ لیے اور کہنے لگی کہ آپؑ ان میں سے ایک زلف کاٹ کر میرے سپرد کر دیں۔ میرے ماں باپ تجھے اُجرت میں اچھی غذا دیں گے۔ پھر بچی رونے لگی۔ اُس کے والدین نے بچی کی رضا کے لیے بی بی سے کہا کہ کوئی بات نہیں آپ ہماری بچی کا دل بہلانے کے لیے ایک زلف کاٹ کر اس کے حوالے کر دیں ہم آپ کو اچھی غذا دیں گے۔

بی بی نے مجبور ہو کر ایک زلف کاٹ کر بچی کے حوالے کی۔ بچی کا دل بہل گیا۔ اس کے والدین نے اُجرت میں پُرتکلف کھانا بی بی کے حوالے کیا۔ بی بی وہ کھانا لے کر شوہر کے پاس گئیں اور انھیں وہ کھانا پیش کیا۔

حضرت ایوبؑ نے فرمایا: اتنا پُرتکلف کھانا تم کہاں سے لائی ہو؟ بی بی نے شوہر کے اصرار پر چادر ہٹائی اور کہا: میں نے اپنی ایک زلف کاٹ کر بچی کے حوالے کی ہے جس کی اُجرت میں مجھے یہ کھانا ملا ہے۔ اس وقت حضرت ایوبؑ کے صبر کے تمام بندھن ٹوٹ گئے اور بارگاہِ احدیت میں عرض کیا: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ ''پروردگار! مجھے بیماری نے گھیر لیا ہے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے''۔

اس کے دوسرے دن جب آپؑ کی زوجہ مزدوری کی تلاش میں باہر گئی ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی آزمائش ختم کر دی اور وحی الٰہی نازل ہوئی: ارکض برجلك هذا مغتسل بارد وشراب ''زمین پر پاؤں کی ٹھوکر مارو' زمین سے ٹھنڈا اور پینے کے لائق چشمہ برآمد ہوگا''۔

کا ہر کام کسی نہ کسی مصلحت پر ہی مبنی ہوتا ہے۔

علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش کی وجہ یہ تھی کہ وہ ہر نعمت پر خدا کا شکر ادا کرتے تھے۔ اُس دور میں ابلیس کا آسمانوں پر داخلہ ممنوع نہیں ہوا تھا۔ جب اس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے دفترِ عمل کو دیکھا جس میں شکر ہی شکر لکھا ہوا تھا تو اسے ایوبؑ سے حسد ہوا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ خدایا! تو نے ایوبؑ کو نعمات سے نوازا ہے، اسی لیے وہ ہر وقت تیرے شکر میں مصروف رہتا ہے۔ اگر تو اس سے دنیاوی نعمات ہٹا لے تو وہ تیرا شکر ادا نہیں کرے گا۔

خدا نے کہا: میں نے تجھے اس کی دنیاوی نعمات پر تسلط دے دیا ہے۔ اس کے بعد ابلیس نے ان کی تمام دنیاوی دولت تباہ کر دی اور ان کی اولاد کو ہلاک کر دیا۔ مگر اس کے باوجود ایوبؑ کے شکر میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

ابلیس نے خدا کے حضور کہا کہ خدایا! ایوبؑ اس لیے اب بھی شکر کر رہا ہے کہ اسے یہ یقین ہے کہ یہ نعمات اسے دوبارہ مل جائیں گی تو مجھے اس کے وجود پر تسلط عطا کر پھر میں دیکھوں گا کہ وہ بیماری اور لاچاری کی حالت میں تیرا شکر کیسے ادا کرتا ہے؟

خدا نے فرمایا: لعین! میں نے تجھے اس کے بدن پر تسلط دیا ہے، البتہ اس کی آنکھیں، دل، زبان اور کان تیرے تسلط سے آزاد ہوں گے۔ شیطان نے یہ سنا تو تیزی سے حضرت ایوبؑ کے قریب گیا اور ان کے ناک میں زہریلا سانس پھونکا جس سے آپؑ کے بدن پر پھوڑے نکل آئے۔ حضرت ایوبؑ نے ہر آزمائش پر صبر کیا۔ پھر یہ نوبت آئی کہ لوگ انھیں طعنے دینے لگ گئے اور انبیاء طعنوں پر صبر نہیں کرتے۔ جب اُنھوں نے طعنے سنے تو اُنھوں نے خدا سے رحم کی درخواست کی۔ خدا نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انھیں بیماری سے نجات بخشی اور تمام سابقہ نعمات انھیں لوٹا دیں۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مومن کی ہر طرح سے آزمائش کرتا ہے اور اس پر ہر طرح کی موت وارد ہو سکتی ہے، لیکن خدا پاگل پن سے اس کی آزمائش نہیں کرتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ابلیس حضرت ایوبؑ کے مال و دولت اور اہل و عیال پر مسلط ہو گیا تھا لیکن خدا نے اسے ان کی عقل پر تسلط نہیں دیا تھا۔ پوری آزمائش کے دوران ان کی عقل سلامت رہی اور وہ خدا کی توحید کا اقرار کرتے رہے تھے۔

تفسیر علی بن ابراہیم اور روضہ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت ایوبؑ کے جو بچے آزمائش کے دوران مرے تھے خدا نے انھیں بھی دوبارہ زندگی دے کر ایوب علیہ السلام کو خوش کیا تھا اور اتنی ہی اولاد اور بھی

انھیں عطا کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو حضرت ایوب علیہ السلام کے مال و اولاد اور جسم پر تسلط دیا تھا لیکن اسے ان کے دین پر تسلط نہیں دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اصول ہے کہ وہ آزمائش کی غرض سے ابلیس کو اہلِ ایمان کے اجسام پر تسلط دے دیتا ہے، لیکن اُن کے دین پر اسے غلبہ نہیں دیتا۔

ارشاد مفید میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو ان کی تمام اولاد سے ملایا تھا، اسی طرح سے خدا مجھے بھی میری تمام اولاد سے ملائے گا۔

اسماعیلؑ، ادریسؑ اور ذوالکفل علیہم السلام

وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِدۡرِیۡسَ وَ ذَا الۡکِفۡلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۸۵﴾ وَ اَدۡخَلۡنٰہُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّہُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۶﴾

"اور اسماعیلؑ، ادریسؑ اور ذوالکفل کو یاد کرو۔ وہ سب کے سب صبر کرنے والوں میں سے تھے اور ہم نے اُنھیں اپنی رحمت میں داخل کیا۔ یقیناً وہ صالحین میں سے تھے"۔

اللہ تعالیٰ نے صبر ایوبؑ کے تذکرے کے بعد اسماعیلؑ، ادریسؑ اور ذوالکفلؑ کا تذکرہ کیا۔ اسماعیل علیہ السلام بھی صبر کا پیکر تھے اور تسلیم و رضا کا مجسمہ تھے۔ اُنھیں بے آب و گیاہ مقام پر چھوڑا گیا تو اُنھوں نے صبر کیا اور اپنے والد کے خواب کی تعبیر پوری کرنے کے لیے اُنھوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا۔ اُن کے اسی صبر و تسلیم کا خدا نے اُنھیں یہ انعام دیا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مورثِ اعلیٰ بنا دیا۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے واقعات ہم سورۂ مریم میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں ہم صرف حضرت ذوالکفلؑ کے متعلق مختصر سی بحث کرتے ہیں۔ لفظ ذوالکفل کے متعلق پہلا اختلاف تو یہ ہے کہ کیا یہ ان کا ذاتی نام ہے یا یہ کسی دوسرے نبی کا صفاتی نام ہے؟ اور دوسری بحث یہ ہے کہ آیا ذوالکفل نبی تھے یا خدا کے نیک بندے تھے؟

زجاج کہتے ہیں کہ لغت میں کفل اس چادر کو کہا جاتا ہے جو پالان کے پیچھے ڈالی جاتی ہے اور کفل حصہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ پھر اس وجہِ تسمیہ کے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے دور کے انبیاء کرام سے دوگنا زیادہ تبلیغ کی تھی اور خدا نے ان کے اجر کا حصہ بھی

دوسرے انبیاء سے زیادہ رکھا تھا۔ دوسرا قول وہ روایت ہے جسے ابن عباس سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کو خدا نے حکومت و نبوت عطا کی۔ کچھ عرصہ تک اس نبی نے حکومت کی اور لوگوں کو خدا کے راستے کی دعوت دی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی طرف وحی بھیجی کہ میں تیری روح قبض کرنا چاہتا ہوں۔ تم بنی اسرائیل کو ایک جگہ جمع کرو اور ان سے کہو کہ جو تم میں سے ایسا ہو کہ وہ ساری رات عبادتِ خدا میں بسر کرتا ہو اور دن کو روزہ رکھتا ہو اور لوگوں میں فیصلہ کرتے وقت غصہ میں نہ آتا ہو تو میں اپنی حکومت اپنی زندگی میں اس کے سپرد کردوں گا۔

چنانچہ اس نبی نے بنی اسرائیل کا اجلاسِ عام طلب کیا اور کہا کہ میری رحلت قریب ہے۔ میں اپنی موت سے قبل زمامِ حکومت اس کے ہاتھوں میں دوں گا جو اپنے متعلق مجھے یہ ضمانت دے کہ وہ رات بھر عبادتِ خدا میں مصروف رہتا ہے اور دن کو روزہ میں ہوتا ہے اور وہ کسی پر غضب ناک نہیں ہوتا۔ اور اگر تم میں سے کسی کے اندر یہ تین صفات پائی جاتی ہوں تو وہ اس اجلاس میں کھڑا ہو جائے۔

جب نبی نے یہ اعلان کیا تو بھرے مجمع میں سے صرف ایک نوجوان اُٹھا اور اس نے کہا آپ کی بیان کردہ تمام صفات مجھ میں موجود ہیں۔

نبی نے کہا: جوان! بیٹھ جاؤ۔ یہاں تم سے زیادہ عمر والے افراد موجود ہیں۔ چنانچہ نبی نے تین بار یہ شرائط دہرائیں، مگر ہر بار اس جوان کے علاوہ کوئی بھی نہ اُٹھا۔

نبی نے فرمایا: جوان کیا تم تینوں شرائط کی ضمانت دیتے ہو؟ جوان نے کہا: جی ہاں۔ نبی نے یہ سنا تو اس نے اپنی ساری حکومت اس جوان کے سپرد کردی۔ جوان نے چونکہ نبی کو تینوں اُمور کی ضمانت دی تھی اور ضمانت دینے کے عمل کو ''تکفل'' کہا جاتا ہے اسی وجہ سے ان کا نام ''ذی الکفل''، مشہور ہوگیا۔

جوان نے عنانِ حکومت سنبھالی۔ وہ ساری رات عبادت میں بسر کرتے تھے اور دن روزہ میں بسر کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ دوپہر کے وقت کچھ دیر کے لیے قیلولہ کرتے تھے۔ ابلیس لعین نے چاہا کہ اُنھیں ان کے وعدہ سے منحرف کر کے غصہ دلائے تو ایک دن عین دوپہر کے وقت جب کہ ذی الکفل قیلولہ کر رہے تھے ان کے دروازے پر آیا اور زور زور سے دستک دی۔ آپ نیند سے بیدار ہوئے اور اس کے پاس آئے اور کہا: تمھیں کیا کام ہے؟

اُس نے کہا: میں ایک غریب بوڑھا مظلوم ہوں۔ میری قوم نے مجھے کمزور سمجھ کر میری جائیداد پر قبضہ کرلیا ہے۔ میں اپنی جائیداد واگزار کرانے کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ الغرض اس نے اتنی دیر تک باتیں کہیں کہ آپ کی نیند کا وقت چلا

گیا۔ آپ نے فرمایا کہ شام کے وقت میرے دربار میں آجانا، میں تجھے تیرا حق دلاؤں گا۔ آپ نے شام کے وقت اس کا بڑا انتظار کیا لیکن وہ نہ آیا۔

دوسرے دن وہ پھر ان کی نیند کے وقت آیا۔ آپ کی آنکھ لگ ہی تھی کہ وہ دروازے پر آیا اور دستک دینے کا ارادہ کیا۔ دربان نے کہا کہ یہ ان کی نیند کا وقت ہے، ہم تجھے دستک کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اُس نے چیخ چیخ کر کہا کہ ہاں اگر میں دولت مند ہوتا تو تم فوراً میری ملاقات کرا دیتے، چونکہ میں غریب آدمی ہوں اسی لیے تم مجھے ان سے ملاقات کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں ہو۔ اس کی چیخ پکار کی صدا سن کر حضرت بیدار ہو گئے اور اُس کے پاس آئے۔ اُس نے پھر کل والی داستان دہرائی۔ آپ نے فرمایا: شام کے وقت میرے دربار میں آجانا میں تجھے تیرا حق دلاؤں گا۔ مگر شام کے وقت حضرت نے اس کا انتظار کیا، لیکن وہ نہ آیا۔

تیسرے دن حضرت قیلولہ کی غرض سے لیٹے تو وہ پھر دروازے پر آدھمکا اور اُس نے دستک دینے کا ارادہ کیا۔ دربان نے کہا: خبردار آج میں تجھے نہ دستک دینے دوں گا اور نہ ہی تجھے چیخنے چلانے دوں گا۔ ہمارا سردار تین روز سے بے آرام ہے تو روزانہ اس وقت آکر ان کے آرام میں مخل ہو جاتا ہے۔

جب دربان نے اس کے لیے دروازہ نہ کھولا تو وہ پچھواڑے سے گھر میں داخل ہوا اور حضرت کے مخصوص کمرہ پر دستک دینے لگا۔ حضرت نے دروازہ کھولا اتنے میں دربان بھی وہاں آگیا۔ اس نے حضرت ذی الکفل سے کہا کہ میں نے اسے دروازے سے نہیں آنے دیا تھا پتہ نہیں یہ اتنی بڑی دیوار پھلانگ کر کیسے آگیا۔

حضرت ذی الکفل نے جب یہ سنا تو سمجھ گئے کہ یہ ابلیس ہے اور انھیں غصہ دلانا چاہتا ہے۔ آپ نے اس سے کہا کہ تو ابلیس دشمنِ خدا ہے؟

اُس نے کہا: جی ہاں۔ میں وہی ہوں۔ میری خواہش تھی کہ کسی طرح سے آپ کو غصہ دلاؤں اور آپ کو آپ کے عہد سے منحرف کروں لیکن آپ نے مجھے تھکا دیا ہے اور آپ نے اپنی ضمانت کی پوری پاسداری کی ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اس پاسداری کی وجہ سے ان کا لقب ذی الکفل مشہور ہو گیا۔

چند مفسرین کا خیال یہ ہے کہ ذی الکفل نبی نہ تھے۔ وہ خدا کے صالح بندے تھے جب کہ مفسرین کی اکثریت کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ نبی تھے اور ہمارا ذاتی خیال یہ ہے کہ ذی الکفل آپ کا لقب نہیں بلکہ آپ کا نام تھا اور آپ کی نبوت کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر اسماعیلؑ و ادریسؑ کے ساتھ کیا۔ اگر آپ نبی نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ یوں

بلافصل آپ کا تذکرہ انبیاء کے ناموں کے ساتھ نہ کرتا۔

آپ کے نبی ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام سورہ انبیاء میں لیا ہے اور سورہ انبیاء میں غیر نبی کا تذکرہ کچھ عجیب سا محسوس ہوتا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ حضرت زکریا علیہ السلام کا لقب ہے۔ بعض نے اسے یوشع اور بعض نے اسے الیاسؑ کا لقب قرار دیا ہے۔ کچھ مفسرین نے یہ کہا ہے کہ دنیا میں پانچ انبیاء ایسے گزرے ہیں جن کے دو دو نام تھے۔ چنانچہ یعقوبؑ کا دوسرا نام اسرائیل تھا' الیاسؑ کا دوسرا نام ذی الکفل تھا۔ یونسؑ کا دوسرا نام ذوالنون تھا اور عیسیٰؑ کا دوسرا نام مسیح تھا اور حضرت محمدؐ کا دوسرا نام احمدؐ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل' ادریس اور ذی الکفل علیہم السلام کے لیے فرمایا کہ وہ سب کے سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۶﴾ ''اور ہم نے انھیں اپنی رحمت میں داخل کیا وہ صالحین میں سے تھے''۔

مقاتل کہتے ہیں کہ ''رحمت'' سے نبوت مراد ہے' جب کہ دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے تمام نیک اعمال و افعال مراد ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن الرازی)

واقعۂ یونس علیہ السلام

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

''اور مچھلی والے کو یاد کرو جب وہ ناراض ہو کر گئے اور اس نے یہ گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے' آخر کار اس نے تاریکیوں میں ندا دی کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ تو پاک ہے بے شک میں قصورواروں میں سے ہوں۔ ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اسے غم سے نجات دی اور ہم اہلِ ایمان کو اسی طرح سے بدلہ دیا کرتے ہیں''۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ مامون الرشید نے اپنے دربار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ حضرات انبیاء کو ہر گناہ (صغیرہ و کبیرہ) سے معصوم مانتے ہیں۔ اور اگر آپؑ کا یہ عقیدہ صحیح ہے تو پھر وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ

مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ؁ کی آیت کا کیا مقصد ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یونسؑ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ خدا اس پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور کیا اس طرح کا خیال رکھنا عصمت کے منافی نہیں ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس آیتِ مجیدہ میں لفظ ظَنَّ گمان کے بجائے یقین کے معانی میں ہے اور لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ کی آیت کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم اس پر قدرت نہیں رکھتے۔ لفظ لَّنْ نَّقْدِرَ کا معنی ہے کہ ہم اس پر تنگی نہیں کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ "انسان کی کیفیت یہ ہے کہ جب خدا اسے آزماتا ہے اور اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے" (فجر: ۱۵)۔ اگر خدانخواستہ اس آیت کا یہ مقصد ہوتا کہ یونس علیہ السلام نے یہ سوچ لیا تھا کہ خدا کو اس پر کوئی قدرت نہیں ہے تو وہ کافر ہو جاتے۔

پھر جب حضرت یونس علیہ السلام نے تاریکیوں میں خدا کو پکارا۔ آپؑ تین تاریکیوں میں گھیرے ہوئے تھے۔ سمندر کے پانی کا اندھیرا، مچھلی کے شکم کا اندھیرا اور رات کی تاریکی کا اندھیرا۔ اللہ تعالیٰ نے ان اندھیروں میں مانگی جانے والی دعا کو قبول فرمایا اور فرمایا: فلولا انه كان من المسبحين للبث في بطنه الى يوم يبعثون "اگر وہ تسبیح خوانوں میں سے نہ بنتا تو دوبارہ اٹھائے جانے والے دن تک وہ مچھلی کے پیٹ میں قیام پذیر رہتا"۔

اُصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ خراسان کے ایک باشندے نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ فرزندِ رسولؐ! میں بے اولاد ہوں۔ آپؑ نے فرمایا: جب گھر پہنچ جاؤ اور بیوی سے مقاربت کا قصد کرو تو اس سے پہلے وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ ...... اور اس کے بعد والی تین آیات پڑھ کر بیوی سے مقاربت کرو۔ خدا نے چاہا تو بیٹا پیدا ہوگا۔

تفسیر علی بن ابراہیم کی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام پر یہ آزمائش اس لیے اُتری تھی کہ خدا نے ایک لمحہ کے لیے اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیا تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی کہ اُنھوں نے کہا کہ ایک رات جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حجرے میں مقیم تھے، اچانک رات کے ایک حصہ میں مَیں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ بستر پر موجود نہیں ہیں۔ میں پریشان ہو کر اُٹھی اور گھر کی حویلی میں انھیں تلاش کرنے لگی، آخرکار میں نے انھیں گھر کے ایک کونے میں کھڑے ہوئے دیکھا۔ آپ نے دعا کے لیے دونوں ہاتھ اُٹھا رکھے تھے اور رو رو کر کہہ رہے تھے:

''پروردگار! اپنی عطا کردہ نعمت مجھ سے کبھی سلب نہ کرنا۔ خدایا! میرے دشمن اور حاسد کو میرے متعلق کبھی شماتت کا موقع فراہم نہ کرنا۔ خدایا! جس برائی سے تو نے مجھے نکالا ہے اس میں کبھی داخل نہ کرنا۔ خدایا! ایک لمحہ کے لیے بھی مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کرنا''۔

جب میں نے آنحضرتؐ کی یہ دعا سنی تو روتی ہوئی واپس آئی اور خاموشی سے بستر پر آ کر لیٹ گئی۔ کچھ دیر بعد رسولؐ خدا آئے۔ آپؐ نے میرے رونے کو محسوس کر لیا۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا: اے اُم سلمہ! کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا: میں آپ کی دعا سن کر رو رہی ہوں۔ آپؐ خدا کے محبوب ہیں اور اس کے رسولؐ ہیں اور آپ کی اگلی پچھلی کمی کی خدا نے تلافی کی ہے مگر اس کے باوجود آپؐ خدا سے یہ دعا مانگتے ہیں کہ وہ آپؐ کے متعلق کسی دشمن کو شماتت کا موقع فراہم نہ کرے اور وہ آپ کو کسی برائی میں نہ ڈال دے اور وہ آپؐ سے اپنی عطا کردہ نعمت کو کبھی سلب نہ کرلے اور وہ آپ کو ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کے نفس کے حوالے نہ کرے۔ بھلا میں یہ دعا سن کر روؤں نہیں تو اور کیا کروں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اُم سلمہؓ! اللہ تعالیٰ نے یونسؑ بن متی کو چشمِ زدن کے لیے اُس کے نفس کے حوالے کیا تھا، جس کے نتیجے میں انھیں کئی آزمائشوں سے گزرنا پڑا تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو راہِ خدا کی دعوت دی لیکن اُن لوگوں نے آپؑ کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ آپؑ کے پورے عرصۂ تبلیغ میں دو افراد نے آپؑ کی دعوت قبول کی۔ ایک عابد بنا اور دوسرا عالم بنا۔ عابد کا نام ملیخا تھا اور عالم کا نام روبیل تھا۔ عابد حضرت یونس علیہ السلام سے بار بار درخواست کرتا تھا کہ اس قوم کے خلاف بددعا کرنی چاہیے جب کہ عالم آپؑ کو بددعا سے منع کیا کرتا تھا اور وہ کہتا تھا کہ آپؑ بددعا نہ کریں۔ اگر آپؑ نے بددعا کی تو اللہ تعالیٰ اسے قبول تو کرلے گا، لیکن وہ اپنے بندوں کی ہلاکت پر راضی نہیں ہوگا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے عالم کی بجائے عابد کے مشورے پر عمل کیا اور قوم کے خلاف بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: اس قوم پر فلاں سال کے فلاں مہینے اور فلان دن کو عذاب آ جائے گا۔

جب عذاب کا وقت قریب آیا تو حضرت یونس علیہ السلام اپنے عابد شاگرد کو ساتھ لے کر اس آبادی سے باہر چلے گئے اور عالم نے کہا کہ میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ جس دن عذاب آنا تھا تو افرادِ قوم مل کر عالم کے دروازے پر آئے اور اُن سے کہا کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے ہم نے یونسؑ کی تکذیب کی ہے اور اُنھوں نے ہماری ہلاکت کے لیے بددعا کی ہے۔ اب وہ ہم سے روٹھ کر چلے گئے ہیں اور آج عذاب کا دن ہے۔ آپ ہماری رہنمائی کریں کہ ہم سے یہ عذاب ٹل جائے۔

عالم نے کہا کہ تم لوگ خدا کے حضور رجوع کرو اور رُو رُو کر دعائیں مانگو۔ ممکن ہے کہ خدا عذاب کو تم سے دُور کر دے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم لوگ جمع ہو جاؤ اور شہر چھوڑ کر جنگل میں چلے جاؤ اور ماؤں سے بچے علیحدہ کر دو اور مویشیوں کے بچے ان سے جدا کر دو۔ پھر تم رُو رُو کر خدا سے درخواست کرو کہ وہ تم سے عذاب کو دُور کرے۔

قومِ یونسؑ نے عالم کے مشورے پر عمل کیا۔ اُنھوں نے اپنے سروں پر خاک ڈالی، گریبان چاک کیے اور رُو رُو کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کی۔ آخرکار خدا کو اس قوم پر ترس آ گیا اور خدا نے ان سے عذاب ہٹا دیا اور ان کی بجائے وہ عذاب پہاڑوں پر گرا دیا۔

یونس علیہ السلام کو یقین تھا کہ ان کی قوم پر خدا کا عذاب آیا ہوگا اور پوری قوم صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہوگی۔ چنانچہ وہ تباہی کا نظارہ کرنے کے لیے اس علاقہ کی طرف آئے، لیکن اُنھوں نے دیکھا کہ زراعت کرنے والے زراعت میں مصروف تھے اور بکریاں چرانے والے بکریاں چرا رہے تھے۔ آپؑ نے ان سے پوچھا کہ قومِ یونس کا کیا بنا؟

ان لوگوں نے بتایا کہ یونسؑ نے بددعا کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا تھا۔ چنانچہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے آثار طاری ہوئے۔ ہم نے اجتماعی توبہ کی اور خدا کے حضور توبہ و استغفار کیا۔ خدا نے ہم پر رحم فرمایا اور آیا ہوا عذاب ہم سے ٹال دیا۔ اب ہم لوگوں کو یونس علیہ السلام کی تلاش ہے، مگر وہ روٹھ کر کہیں دُور چلے گئے ہیں۔ اگر وہ ہمیں مل جائیں تو ہم ان پر ایمان لائیں گے۔

یہ سنا تو یونس علیہ السلام ناراض ہو کر وہاں سے چل دیئے اور آپ نے اپنے عابد شاگرد سے فرمایا: مجھے اپنے پروردگار کی عزت کی قسم! اب میں انھیں اپنا منہ نہ دکھاؤں گا پھر آپؑ نے لباس تبدیل کیا اور بحرایلہ کی جانب روانہ ہوئے، تاکہ کوئی انھیں جھوٹا کہہ کر شرمندہ نہ کرے۔

ایک یہودی نے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپؑ یہ فرمائیں وہ کون سا زندان ہے جو اپنے قیدی کو لے کر زمین کے اطراف میں پھرتا رہا تھا؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: وہ حضرت یونسؑ کی مچھلی ہے، جس کے شکم میں یونس علیہ السلام کو قید کیا گیا تھا۔ مچھلی آپؑ کو اپنے شکم میں لے کر بحرِ قلزم میں داخل ہوئی۔ پھر بحرِ مصر میں داخل ہوئی۔ پھر بحرِ طبرستان میں چلی گئی۔ اس کے بعد دجلہ غور میں داخل ہوئی۔ وہ سفر طے کر رہی تھی کہ اس دوران وہ قارون کے پاس سے گزری۔ قارون کو حضرت موسیٰؑ نے زمین میں دھنسایا تھا۔ پھر خدا نے ایک فرشتے کو اس پر موکل کیا کہ روزانہ ایک شخص کے قد و قامت کے برابر اسے زمین میں

مزید دھنساتا رہے۔

الغرض قارون مزید دھنس رہا تھا کہ اتنے میں مچھلی وہاں سے گزری اور حضرت یونسؑ اس کے شکم میں تسبیح پروردگار کر رہے تھے۔ قارون نے حضرت یونسؑ کی تسبیح کی آواز سنی تو اُس نے عذاب دینے والے فرشتے سے کہا: کچھ دیر کے لیے مجھے مہلت دے، مجھے ایک انسان کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ اس کے بعد قارون نے کہا کہ تسبیح کرنے والے اپنا تعارف کراؤ کہ تم کون ہو؟

حضرت یونس علیہ السلام نے یہ آواز سنی تو فرمایا: میں گناہ گار، خطاکار اور عاصی یونس بن متی ہوں۔

قارون نے کہا: مجھے یہ بتاؤ خدا کے لیے ہر وقت جلال میں آنے والے موسیٰ بن عمران کا کیا حال ہے؟

حضرت یونس علیہ السلام نے کہا کہ وہ رحلت فرما چکے ہیں۔ پھر قارون نے کہا: یہ بتاؤ قوم پر شفقت کرنے والے ہارون بن عمران کا کیا حال ہے؟

حضرت یونس علیہ السلام نے کہا کہ وہ بھی دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں۔ پھر قارون نے کہا: اچھا یہ بتاؤ میری منگیتر کلثم بنتِ عمران کا کیا حال ہے؟ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا کہ اس وقت آلِ عمران میں سے ایک بھی باقی نہیں ہے۔ اس وقت قارون نے کہا: ہائے افسوس، آلِ عمران دنیا سے رخصت ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کو قارون کے ان الفاظ کی وجہ سے اس پر ترس آ گیا اور خدا نے اس فرشتہ سے فرمایا جو اسے روزانہ زمین میں دھنسا رہا تھا کہ اب اُسے مزید دھنسانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایامِ دنیا میں اس سے عذاب کو ہٹایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس سے عذاب ٹل گیا۔ جب حضرت یونسؑ نے یہ دیکھا تو اُنھوں نے تاریکیوں میں خدا کو ندا دے کر کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۷﴾ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور مچھلی سے فرمایا کہ وہ اُسے باہر اُگل دے۔ چنانچہ مچھلی نے انھیں ساحلِ بحر پر اُگل دیا۔ جب وہ شکمِ ماہی سے برآمد ہوئے تو ان کی جلد انتہائی کمزور ہو چکی تھی۔ اُن کا گوشت بہت ہی کمزور پڑ گیا تھا۔ خدا نے ان کے لیے کدو کی ایک بیل اُگائی۔ آپؑ اس کے سائے میں پڑے رہتے تھے اور اس کا پھل کھاتے تھے۔

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ ایک زندیق نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں انبیاء کرام کی لغزشوں کو کیوں بے نقاب کیا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: اس میں حکمت یہ تھی کہ لوگ انبیاء کرام کے کرامات سے گرویدہ ہو کر کہیں ان کو نصاریٰ کی طرح سے

خدا' یا خدا کا بیٹا نہ کہنے لگ جائیں۔

کتاب المناقب ابن شہرآشوب کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن عمر نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کے سامنے آپ کے دادا علی بن ابی طالبؑ کی ولایت پیش کی گئی تھی تو اُس نے تھوڑی سی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا تھا' اسی لیے خدا نے انھیں مچھلی کے پیٹ میں بھیجا تھا؟

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں' یہ درست ہے۔

ابن عمر نے کہا: اگر آپؑ سچے ہیں تو مجھے اس کی کوئی نشانی دکھائیں۔

آپؑ نے فرمایا: اپنی آنکھوں پر کپڑے کی پٹی باندھو۔ جب پٹی بندھ گئی تو کچھ دیر بعد حضرت نے فرمایا کہ اب آنکھیں کھولو۔ ابن عمر نے جب آنکھیں کھولیں تو پورا منظر ہی بدل چکا تھا۔ وہ ایک سمندر کے کنارے کھڑا تھا جہاں سربفلک موجیں ساحل سے سر ٹکرانے میں مصروف تھیں۔

ابن عمر نے کہا: فرزندِ رسولؐ! اگر میں مرگیا تو میرا خون آپؑ کی گردن پر ہوگا۔ آپؑ نے فرمایا: تجھے کچھ نہیں ہوگا۔ پھر آپؑ نے آواز دے کر کہا کہ حضرت یونسؑ کی مچھلی! یہاں آجا۔ کچھ لمحات ہی گزرے تھے کہ پہاڑ کی مانند ایک بڑی مچھلی نے سمندر کے پانی سے سر نکالا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کون ہے؟ اُس نے کہا: میرے آقا! میں وہ مچھلی ہوں جس کے شکم میں یونسؑ قید رہے تھے۔ آپؑ نے فرمایا: ہمیں واقعہ سے آگاہ کرو۔

مچھلی نے کہا: آپ کے جدِ اطہر علی بن ابی طالبؑ کی ولایت جب حضرت یونسؑ کے سامنے پیش کی گئی اور اُن سے کہا کہ تم امیرالمومنین علی علیہ السلام اور اس کی اولاد کے لیے ائمہ راشدین سے محبت رکھو تو اس نے کہا کہ خدایا! میں اس کی ولایت کا عقیدہ کیسے رکھوں جسے نہ تو میں نے دیکھا ہے اور نہ ہی میں اسے پہچانتا ہوں؟

اُس وقت اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی کہ یونسؑ کو نگل لے' لیکن اس کی کسی ہڈی کو نہ توڑنا۔ وہ تیرے شکم میں مہمان ہے وہ تیرا نوالہ نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے اسے نگل لیا اور وہ مسلسل چالیس دنوں تک میرے شکم میں قیام پذیر رہا اور وہ تین تاریکیوں میں رہ کر لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ کی تسبیح پڑھتا رہا۔ پھر اس نے کہا: خدایا! میں علی بن ابی طالبؑ اور ائمہ راشدینؑ کی ولایت کو قبول کرتا ہوں۔ چنانچہ جب وہ آپ حضرات کی ولایت پر ایمان لایا تو میرے رب نے مجھے وحی کی کہ اب اسے ساحلِ بحر پر اُگل دو۔ میں نے حکمِ خدا کی تعمیل کی اور اُسے ساحل پر اُگل دیا۔

اس کے بعد حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: مچھلی اب تو واپس چلی جا۔ چنانچہ مچھلی واپس چلی گئی۔

تہذیب الاحکام میں ہے کہ جو شخص غم والم میں مبتلا ہو تو اسے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۸۷ کی آیتِ کریمہ کا ورد کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے متعلق فرمایا ہے: فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۸۸ ''ہم نے اُس کی دعا کو قبول کیا اور ہم نے اُسے غم سے نجات دی اور ہم اسی طرح سے اہلِ ایمان کو نجات دیا کرتے ہیں''۔

وَزَكَرِیَّاۤ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ۝۸۹ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ۝۹۰ وَالَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝۹۱ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝۹۲ وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ ۝۹۳ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝۹۴ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝۹۵ حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ۝۹۶ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا

ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ
اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا
يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ ۚ
لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ
الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ
لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا
فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ
الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ
عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا
يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ
تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ اَمْ
بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا
تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

''اور زکریاؑ کو یاد کرو، جب اُس نے اپنے پروردگار کو ندا دی کہ میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور تو تمام وارثوں میں سے بہترین وارث ہے۔ ہم نے اس کی دعا کو قبول کیا اور ہم نے اسے یحییٰؑ عطا کیا اور اس کی بیوی کو ہم نے اس کے لیے درست کر دیا۔ یہ تمام لوگ وہ تھے جو نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے تھے اور وہ ہمیں رغبت و خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہماری بارگاہ میں خشوع کرنے والے تھے اور اس خاتون کو یاد کرو، جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی تو ہم نے اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دی اور اسے اور اس کے فرزند کو تمام جہانوں کے لیے نشانی قرار دے دیا۔ یہ تمھاری اُمت دراصل ایک ہی اُمت ہے اور میں تمھارا رب ہوں، تم میری ہی عبادت کرتے رہو (مگر ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ) اُنھوں نے آپس میں اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور سب نے ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔

پھر جو مومن بن کر نیک عمل کرے گا تو اُس کی محنت کی ناقدری نہ کی جائے گی اور ہم اُس کے لکھنے والے ہیں اور ممکن نہیں کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا ہو وہ پھر پلٹ سکے۔

یہاں تک کہ جب یاجوج و ماجوج کو کھول دیا جائے گا تو وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے اور سچے وعدہ کے پورا ہونے کا وقت آ جائے گا تو کافروں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

(وہ کہیں گے کہ) ہائے ہماری بدنصیبی، ہم اس کی طرف سے بالکل غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔ سچ یہ ہے کہ ہم ظالم تھے۔

تم لوگ خود اور جن چیزوں کی تم پوجا کرتے ہو سب کو دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔ تم
دوزخ میں وارد ہونے والے ہو۔ اگر وہ واقعی خدا ہوتے تو کبھی دوزخ میں نہ جاتے۔ اب
سب کو اسی میں ہمیشہ کے لیے رہنا ہے۔ دوزخ میں ان کی چیخیں بلند ہوں گی اور وہ کسی کی
بات سننے کے قابل نہ ہوں گے جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے سے بھلائی طے کی
جا چکی ہے وہ دوزخ سے دُور رکھے جائیں گے۔ وہ دوزخ کی سرسراہٹ تک نہ سنیں گے اور
وہ حسبِ خواہش نعمات میں ہمیشہ رہیں گے۔ انتہائی گھبراہٹ بھی انھیں پریشان نہ کرسکے گی
اور اُن سے ملائکہ ملاقات کریں گے کہ یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔
اس دن آسمان کو یوں لپیٹ دیں گے جیسے طومار میں اَوراق لپیٹے جاتے ہیں اور جس طرح
سے ہم نے تخلیق کی ابتداء کی ہے اُسی طرح سے انھیں واپس بھی لائیں گے۔ یہ ہمارے
ذمہ ایک وعدہ ہے جسے ہم نے پورا کرنا ہے۔

اور زبور میں ہم نے نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی
ہوں گے۔ یقیناً اس میں عبادت گزار قوم کے لیے ایک پیغام ہے۔ ہم نے آپ کو عالمین
کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کہہ دیں کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا معبود
اکیلا معبود ہے تو کیا تم سرِ اطاعت تسلیم کرتے ہو۔ پھر اگر یہ منہ موڑ لیں تو آپ کہہ دیں کہ
میں نے تم سب کو علی الاعلان خبردار کر دیا ہے اور مجھے معلوم نہیں ہے کہ جس کا وعدہ تم سے
کیا جا رہا ہے وہ نزدیک ہے یا دُور ہے۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں کو جانتا ہے جنھیں بلند آواز
سے کہا جا رہا ہے اور جسے تم چھپا رہے ہو۔ خدا اسے بھی جانتا ہے۔ پھر پیغمبر نے کہا کہ
پروردگار! حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور اے لوگو تم جو باتیں بناتے ہو ان کے مقابلہ میں
ہمارا ربِ رحمٰن ہی ہمارے لیے مدد کا وسیلہ ہے“۔

حضرت زکریاؑ کی دعا

وَزَكَرِيَّآ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿٨٩﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿٩٠﴾

"اور زکریاؑ کو یاد کرو جب اس نے اپنے پروردگار کو ندا دی کہ میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور تو تمام وارثوں میں سے بہترین وارث ہے۔ ہم نے اس کی دعا کو قبول کیا اور ہم نے اسے یحیٰؑ عطا کیا اور اس کی بیوی کو ہم نے اس کے لیے درست کر دیا۔ یہ تمام لوگ وہ تھے جو نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے تھے اور وہ ہمیں رغبت و خوف سے پکارا کرتے تھے اور وہ ہماری بارگاہ میں خشوع کرنے والے تھے"۔

یہ اس سورہ کا نواں واقعہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو بیان کیا جب آپؑ بڑھاپے کی عمر کو پہنچے اور اُس وقت تک آپؑ کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی تو آپؑ نے پروردگار سے دعا کی کہ خدایا! میں بڑھاپے کی منزل پر پہنچ چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ اولاد میری نہیں ہے۔ مجھے اپنے بعد اپنے چچا کی اولاد کا خدشہ ہے لہٰذا اپنی طرف سے مجھے وارث عطا فرما جو میری اور آلِ یعقوبؑ کی جو میراث مجھ تک پہنچی ہے اُس کا وارث ہو۔ مجھے اکیلا نہ چھوڑ تو بہترین وارث ہے۔

ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ دعا کے وقت حضرت زکریاؑ کی عمر سو برس اور اُن کی بیوی کی عمر ننانوے برس کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول کی اور ان کی زوجہ میں جو خرابی تھی وہ دُور فرمائی اور انھیں یحیٰؑ علیہ السلام سا بیٹا عطا کیا۔

واضح رہے کہ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ میں واؤ ترتیب کو ظاہر نہیں کرتی کیونکہ بیوی کی جسمانی اصلاح مقدم ہوتی ہے اور بیٹے کی پیدائش بعد میں ہوتی ہے۔ خداوند عالم نے ان بزرگوں کے متعلق فرمایا: وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا "وہ ہمیں رغبت و خوف کے جذبات سے لبریز ہو کر پکارا کرتے تھے۔ اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں یوں بیان فرمایا ہے۔ يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ (الزمر:۹) "وہ آخرت سے خوف زدہ رہتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے"۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن الرازی)

طلبِ اولاد کا مجرب عمل

شیخ الطائفہ امالی میں علی بن محمد صیمری کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ جعفر بن محمد کاتب کی بیٹی سے میری شادی ہوئی۔ مجھے بیوی سے بے حد لگاؤ تھا' مگر کافی عرصہ تک ہمارے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ میں نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے عرض کیا کہ مولا! میں طویل عرصہ سے محرومِ اولاد ہوں۔

آپؑ نے تبسم کیا اور فرمایا: فیروزہ کا نگینہ لے کر چاندی کی انگوٹھی بنواؤ اور نگینہ پر یہ آیت کندہ کراؤ۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿۸۹﴾

راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام علیہ السلام کے فرمان پر عمل کیا۔ ابھی ایک سال نہیں گزرا تھا کہ خدا نے مجھے صاحبِ اولاد بنا دیا۔

عوالی اللئالی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے ایک ساتھی سے فرمایا کہ طلبِ اولاد کے لیے اس دعا کو ستر بار پڑھو:

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿۸۹﴾ وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي فِي حَيَاتِي وَيَسْتَغْفِرُ لِي بَعْدَ وَفَاتِي وَاجْعَلْهُ خَلْقًا سَوِيًّا وَلَا تَجْعَلْ لِلشَّيْطَانِ فِيهِ نَصِيبًا اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۔

الکافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو شخص اس بات کا خواہش مند ہو کہ اس کی بیوی حاملہ ہو تو وہ نمازِ جمعہ کے بعد دو رکعات نماز پڑھے اور اس میں لمبا رکوع اور سجود کرے پھر یہ کہے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِمَا سَأَلَكَ بِهِ زَكَرِيَّا إِذْ قَالَ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ، اَللّٰهُمَّ هَبْ لِي ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ، اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اسْتَحْلَلْتُهَا وَفِي أَمَانَتِكَ أَخَذْتُهَا فَإِنْ قَضَيْتَ فِي رَحِمِهَا وَلَدًا فَاجْعَلْهُ غُلَامًا مُبَارَكًا زَكِيًّا وَلَا تَجْعَلْ لِلشَّيْطَانِ فِيهِ نَصِيبًا وَّلَا شِرْكًا - خدا نے چاہا تو بے عیب فرزند پیدا ہوگا۔

حارث نضری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمارا تو خاندان ہی مٹنے والا ہے۔ اس وقت میں بھی بے اولاد ہوں۔ آپؑ نے فرمایا: سر سجدہ میں رکھ کر رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ پڑھا کرو۔

میں نے امام علیہ السلام کے فرمان پر عمل کیا تو خدا نے مجھے علی اور حسین نامی دو بیٹے عطا کیے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ وَ اَصۡلَحۡنَا لَهٗ زَوۡجَهٗ کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے زکریاؑ کی زوجہ کی اصلاح کی۔ اس سے قبل اُنھیں ماہواری نہیں آتی تھی۔ حضرتؑ کی دعا کے بعد انھیں ماہواری آنے لگی اور وہ حاملہ ہوگئیں۔

اقسامِ عبادت

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ عبادت کی تین اقسام ہیں:

① ایک گروہ ثواب و جزا کے حصول کی نیت سے خدا کی عبادت کرتا ہے۔ یہ حریص اور طمع کاروں کی عبادت ہے۔

② ایک گروہ دوزخ کے خوف کی وجہ سے عبادت کرتا ہے۔ یہ عبادت غلامانہ ذہنیت کی عکاس ہے کیونکہ غلام کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر اُس نے اپنے آقا کا حکم نہ مانا تو وہ اسے سزا دے گا۔

③ میں خدا کی عبادت نہ تو کسی لالچ کے لیے کرتا ہوں اور نہ ہی کسی خوف کی وجہ سے کرتا ہوں۔ میں ہر امید و بیم سے بلند ہو کر صرف اس کی محبت کے جذبہ کے تحت اس کی عبادت کرتا ہوں۔ یہ معزز لوگوں کی عبادت ہے۔

کتاب معانی الاخبار میں مرقوم ہے کہ دعائے رغبت یہ ہے کہ آسمان کی جانب ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگو اور ''دعائے رہبت'' یہ ہے کہ ہاتھوں کو اُلٹا کر اور چہرے کے سامنے رکھ کر دعا مانگو۔

اُصولِ کافی کی دو روایات میں بھی یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

پاک دامن خاتون

وَالَّتِيۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِيۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا وَجَعَلۡنٰهَا وَابۡنَهَاۤ اٰيَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۱﴾

''اور اُس خاتون کو یاد کرو جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی تو ہم نے اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دی اور ہم نے اسے اور اُس کے فرزند کو تمام جہانوں کے لیے نشانی قرار دے دیا''۔

سورہ انبیاء میں بیان ہونے والا یہ دسواں اور آخری قصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا کہ اس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی۔ اس جملے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اُنھوں نے جائز اور ناجائز کسی بھی طرح سے جنسی خواہش کو پورا نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب فرشتہ نے انھیں فرزند کی بشارت دی تھی تو انھوں نے پورے تعجب سے یہ کہا تھا کہ مجھے بیٹا کیسے ہوگا۔ وَلَمۡ يَمۡسَسۡنِيۡ بَشَرٌ وَّلَمۡ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ (مریم:۲۰) ''مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا اور نہ ہی میں بدکار ہوں''۔ اس آیتِ مجیدہ کے پہلے جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ میں ابھی تک کسی کی زوجیت میں نہیں گئی تو مجھے اولاد کہاں سے ملے گی؟

حضرت جبریل امینؑ نے اُنھیں فرزند کی بشارت دی اور ان کے قمیص کی جیب میں پھونک ماری۔ وہی پھونک اُن کے بطن تک پہنچی۔ اسی روح سے حضرت عیسیٰؑ روح اللہ پیدا ہوئے۔ خدا نے ماں اور بیٹے دونوں کو اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانی بنایا۔ ماں اس لیے نشانی تھیں کہ اُنھیں محرابِ عبادت میں قدرت کی طرف سے پھل ملا کرتے تھے اور بیٹا اس لیے نشانی بنا کہ وہ باپ کے بغیر دنیا میں آیا اور عالم طفلی میں لوگوں سے کلام کیا اور جوانی میں معجزات ظاہر کیے۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن کتب التفسیر)

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے: فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا کی آیتِ مجیدہ میں جس روح کی طرف اشارہ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے حکم سے پیدا کردہ روح کو ہم نے مریمؑ کے وجود میں پھونکا۔

مومن کی ہی نیکیاں قبول ہوتی ہیں

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾

"پھر جو مومن بن کر نیک عمل کرے گا تو اس کی محنت کی ناقدری نہ کی جائے گی اور ہم اس کے لکھنے والے ہیں"۔

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ ایک زندیق نے امیر المومنین علی علیہ السلام سے کہا کہ قرآن تضادات کا مجموعہ ہے۔ مثلاً قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ "جو کوئی مومن ہو کر نیک عمل کرے تو اس کے اعمال کی ناقدری نہ کی جائے گی"۔

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ کہا: وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ (طٰہٰ:۸۲)
"میں اس کے لیے یقیناً بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل بجالائے پھر ہدایت پر بھی ہو"۔

پہلی آیت میں قبولیتِ اعمال کی شرط یہ تھی کہ وہ مومن ہو اور دوسری آیت میں فرمایا: صرف مومن ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہدایت یافتہ ہونا بھی ضروری ہے۔ آخر اس کھلے تضاد کو آپ کس طرح سے دُور کریں گے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: یہ تضاد نہیں ہے بلکہ ایک شرط کا اضافہ ہے' کیونکہ اگر ہر ایمان کے مدعی کے لیے نجات کو مان لیا جائے تو پھر تو یہودی بھی اپنے آپ کو مومن کہلاتے ہیں وہ بھی ناجی قرار پائیں گے۔ یہود کے علاوہ دوسرے بہت سے گمراہ فرقے ایسے بھی ہیں جو خدا کی توحید کا اقرار کرتے ہیں۔ محض اقرارِ توحید نجات کا سبب نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہدایت کے ساتھ وابستہ ہونا بھی ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ

أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ (الانعام:۸۲) ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور اُنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہ ہونے دیا اُن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں''۔

علاوہ ازیں ایسے افراد بھی معاشرہ میں موجود ہیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا ہے: الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ (المائدہ:۴۱) ''وہ لوگ جنھوں نے اپنے منہ سے تو کہا کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن ان کے دل ایمان نہیں لائے''۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے ہدایت یافتہ ہونے کی شرط عائد کی کیونکہ ایمان کا ہر دعویدار ناجی نہیں ہوتا' بلکہ اس کے ساتھ ہدایت یافتہ ہونا بھی ضروری ہے۔

ہلاک شدہ لوگ دوبارہ زمین پر آباد نہیں ہو سکتے

وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٩٥﴾

''اور ممکن نہیں کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا ہو وہ پھر پلٹ سکے''۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے جن بستیوں اور آبادیوں کو ہلاک کیا ہے ان کے رہنے والے قیامت سے قبل دنیا میں نہیں آ سکتے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ ہلاک ہونے والی بستیوں کے لوگ کبھی توبہ نہیں کریں گے جب کہ پہلا قول اظہر ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام نے فرمایا کہ ہلاک شدہ شہروں اور بستیوں کے لوگ زمانۂ رجعت میں نہیں لوٹائے جائیں گے' جب کہ قیامت کے دن عذاب شدہ اور غیر عذاب شدہ لوگوں نے تو ہر قیمت پر پیش ہونا ہے۔ اور یہ آیت رجعت کی سب سے مضبوط دلیل ہے کیونکہ تمام اہلِ اسلام کا اس امر پر اجماع ہے کہ تمام انسانوں نے قیامت کے دن واپس آنا ہے خواہ ان کا تعلق ہلاک شدہ اقوام سے ہو یا ہلاک شدہ اقوام سے نہ ہو۔

قولہ: حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ ﴿٩٦﴾

''یہاں تک کہ جب یاجوج وماجوج کو کھول دیا جائے گا تو وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے یہ قیامت سے پہلے ہوگا''۔

مشرکین اور ان کے معبود دوزخ کا ایندھن بنیں گے

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً

مَا وَرَدُوْهَا ؕ وَ كُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ هُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

"تم لوگ خود اور جن چیزوں کی تم پوجا کرتے ہو سب کو دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔ تم دوزخ میں وارد ہونے والے ہو۔ اگر وہ واقعی خدا ہوتے تو کبھی دوزخ میں نہ جاتے۔ اب سب کو اسی میں ہمیشہ کے لیے رہنا ہے۔ دوزخ میں ان کی چیخیں بلند ہوں گی اور وہ کسی کی بات سننے کے قابل نہ ہوں گے جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے سے بھلائی طے کی جا چکی ہے وہ دوزخ سے دُور رکھے جائیں گے"۔

تفسیر علی بن ابراہیم کی ایک اور روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب یہ آیتِ مجیدہ نازل ہوئی تو کفارِ قریش کو یہ آیت سخت ناگوار گزری اور کہنے لگے کہ آج تک محمدؐ ہمیں دوزخی کہتا تھا اب وہ ہمارے خداؤں کو بھی دوزخی کہنے لگا ہے۔ یہ تو انتہائی افسوس ناک معاملہ ہے۔

ابن زبعری نے کہا کہ میں محمدؐ سے بحث کر کے اسے لاجواب کردوں گا۔ چنانچہ وہ سرکردہ مشرکین کو ساتھ لے کر آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپؐ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ باقی معبودوں کے پوجنے والے بھی دوزخی ہیں اور اُن کے معبود بھی دوزخی ہیں۔ اب یہ بتائیں یہ صرف ہمارے لیے ہے یا تمام لوگوں کے لیے ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ آیت تمھارے اور تمھارے معبودوں اور دوسری اقوام اور ان کے معبودوں کے لیے مساوی ہے۔

ابن زبعری نے کہا: اچھا اگر یہ بات ہے تو نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں اور کچھ مذاہب کے افراد ملائکہ کی پوجا کرتے ہیں تو کیا نصاریٰ کے ساتھ حضرت مسیحؑ اور صابئین کے ساتھ ملائکہ بھی دوزخ کا ایندھن بنیں گے؟ جب ابن زبعری نے یہ دلیل دی تو اُس کے ساتھی ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ آج تو نے محمدؐ کو دلیل و برہان میں ناکام کر دیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تمھاری جہالت ہے۔ میں نے قرآن کریم کی جو آیات پڑھی ہیں ان میں استثناء بھی موجود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان ذوات قدسیہ کے متعلق فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ

اَنۡفُسُهُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ ''جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے سے بھلائی طے کی جاچکی ہے وہ دوزخ سے دُور رکھے جائیں گے۔ وہ دوزخ کی سرسراہٹ تک نہ سنیں گے اور حسبِ خواہش نعمات میں ہمیشہ رہیں گے''۔ لہٰذا اس آیتِ مجیدہ کے تحت حضرت مسیحؑ، حضرت عزیزؑ اور ملائکہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی قراءت میں ''حطب'' ہے۔

محاسن برقی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: قیامت کے دن ہمارے گناہ گار شیعوں پر بھی خدا کا خصوصی کرم ہوگا اور اس دن ان کے چہرے سفید ہوں گے۔ اُن کی شرم گاہیں چھپی ہوئی ہوں گی اور وہ ہر طرح کے خوف سے آزاد ہوں گے اور ان کے لیے جنت میں داخل ہونے کے راستے آسان کر دیئے جائیں گے اور ان سے شدائد و مشکلات کو ہٹا دیا جائے گا۔ وہ یاقوت کی اُونٹنیوں پر سوار ہوں گے اور جنت میں سیر وسیاحت کریں گے۔ اُن کی جوتیوں کے تسمے نور کے ہوں گے۔ اُن کے لیے دستر خوان بچھائے جائیں گے۔ وہ جنت کی غذائیں تناول فرمائیں گے۔ اس وقت باقی دنیا حساب میں مصروف ہوگی۔ چنانچہ انھی لوگوں کے متعلق خدا نے فرمایا: اِنَّ الَّذِيۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰٓى ۙ اُولٰٓـئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾

اہلِ جنت کسی گھبراہٹ سے نہیں گھبرائیں گے

لَا يَحۡزُنُهُمُ الۡـفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ وَتَتَلَقّٰٮهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوۡمُكُمُ الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

''انتہائی گھبراہٹ بھی انھیں پریشان نہ کر سکے گی اور ان سے ملائکہ ملاقات کریں گے کہ یہی تمھارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا''۔

''فزعِ اکبر'' کے متعلق مفسرین سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے موت کا وقت مقرر ہے۔ بعض نے صور پھونکے جانے اور بعض نے دوزخ کی چیخ مراد لی ہے۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں: تم اپنے اعمال کو لے کر بڑھو تاکہ اللہ کے ہمسایوں کے ساتھ اس کے گھر (جنت) میں رہو۔ وہ ایسے ہمسائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنھیں پیغمبروں کا رفیق بنایا ہے اور فرشتوں کو ان کی ملاقات کا حکم دیا ہے اور ان کے کانوں کو ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھا ہے کہ آگ کی سرسراہٹ ان میں نہ پڑے اور ان کے جسموں کو بچائے رکھا ہے کہ وہ رنج وتکان سے دوچار نہ ہوں۔ یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ خدا تو بڑے

فضل و کرم والا ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم کی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: قیامت کے دن خدا کی تمام مخلوق جمع ہوگی۔ اس وقت قدرت کی آواز بلند ہوگی: ''اے گروہِ جن وانس! اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ، لیکن تم قوت کے بغیر نہ نکل سکو گے''۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: مولاؑ! یہ فرمائیں اس مشکل گھڑی کے وقت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کہاں ہوں گے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ مشکِ اذفر کے ٹیلے پر نور کے منبروں پر جلوہ فگن ہوں گے۔ اس وقت ان کے شیعہ بھی ان کے ہمراہ ہوں گے۔ لوگ اس دن مغموم ہوں گے لیکن ان پر کوئی غم طاری نہ ہوگا۔ اس دن لوگ پریشان ہوں گے، لیکن وہ ہر پریشانی سے آزاد ہوں گے۔ پھر آپؑ نے یہ آیت پڑھی: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ (النمل:۸۹) ''جو کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اسے اس سے بہتر بدلہ دیا جائے گا اور ایسے لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے''۔

پھر آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! نیکی سے ولایتِ علیؑ مراد ہے۔ پھر آپؑ نے لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ...... کی تلاوت فرمائی۔

مجمع البیان میں ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین قسم کے افراد قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر بیٹھے ہوں گے اور انتہائی گھبراہٹ بھی انھیں پریشان نہ کرسکے گی اور انھیں زیادہ حساب نہیں دینا پڑے گا:

① وہ شخص جس نے رضائے خداوندی کے لیے قرآن پڑھا اور رضائے الٰہی کے لیے لوگوں کی جماعت کی۔

② وہ شخص جس نے رضائے الٰہی کے لیے اذان دی۔

③ وہ غلام جو اپنے خدا اور اپنے مالکوں کا حق ادا کرے۔

شیخ مفید ارشاد میں لکھتے ہیں کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے مدینہ تشریف لائے تو اس وقت عرب کا مشہور پہلوان عمرو بن معدیکرب زبیدی آنحضرتؐ کے پاس آیا۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا: اے عمرو! اسلام قبول کر، تاکہ خدا تجھے سخت گھبراہٹ سے بچالے۔

عمرو بن معدیکرب نے کہا: محمدؐ! وہ بڑی گھبراہٹ کیا ہے، میں دلیر آدمی ہوں، میں کبھی نہیں گھبراتا۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: وہ اس طرح کی گھبراہٹ نہ ہوگی جو تم سمجھ رہے ہو، وہ ایسی گھڑی ہوگی کہ لوگوں کے لیے ایک چیخ بلند ہوگی۔ ہر مُردہ اس چیخ کو سن کر اُٹھ بیٹھے گا اور ہر زندہ اس چیخ کو سن کر مرجائے گا سوائے اس کے جسے خدا چاہے۔ پھر دوسری چیخ بلند ہوگی جس سے تمام مُردہ اُٹھ جائیں گے اور صفیں بنا کر خدا کے حضور پیش ہوں گے۔ آسمان پھٹ جائے گا اور پہاڑ گر جائیں گے، دوزخ کے شعلے پہاڑوں کی طرح سے نمودار ہوں گے۔ اس وقت ہر ذی روح کا دل لرز اُٹھے گا۔ عقلیں جواب دے جائیں گی۔ ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی اور ہر شخص اپنے گناہوں کو یاد کر رہا ہوگا۔ ہاں جنھیں خدا اس سے بچائے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ عمرو! بتاؤ اس وقت تمھاری کیا کیفیت ہوگی؟

یہ سن کر عمرو نے کہا: میں ایک عظیم بات سن رہا ہوں۔ چنانچہ وہ ایمان لے آیا اور اس کے ساتھ اس کی قوم کے جو افراد آئے ہوئے تھے وہ بھی ایمان لے آئے۔

من لایحضرہ الفقیہ میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے علیؑ! جو شخص دنیا سے اس حالت میں رخصت ہو کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

پھر آنحضرتؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء:۴۸) "خدا معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی طرح کا شرک کیا جائے۔ اس کے علاوہ وہ جس کے لیے چاہے معاف کر دے"۔

اے علیؑ! خدا صرف تیرے شیعوں اور محبوں کے ہی گناہوں کو معاف کرے گا۔

میں (امیرالمومنینؑ) نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا یہ صرف میرے شیعوں کے لیے ہے؟

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں، مجھے میرے رب کی قسم! یہ بخشش تیرے شیعوں کے لیے ہے۔ جب وہ اپنی قبروں سے برآمد ہوں گے تو اس وقت وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِىُّ اَبِى طَالِبٍ حُجَّةُ اللّٰهِ کہتے ہوئے آئیں گے۔ ان کے لیے جنت کی سبز پوشاکیں لائی جائیں گی اور ان کے سروں پر شاہانہ تاج سجائے جائیں گے۔ پھر انھیں تیز رفتار سواریوں پر بٹھایا جائے گا۔ وہ پرواز کر کے انھیں جنت میں لے جائیں گی۔ وہ کسی سخت گھبراہٹ سے خوف زدہ نہ ہوں گے اور ملائکہ ان سے ملاقات کریں گے اور کہیں گے یہ تمھارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حرم میں ہر دفن ہونے والا سخت گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا: خواہ دفن ہونے والا نیک ہو یا بُرا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں' نیک و بد کی اس میں کوئی تمیز نہیں ہے۔

اُصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ابوخالد سے فرمایا: اے ابوخالد' خدا کی قسم! جب تک خدا کسی بندے کے دل کو پاک نہ کردے اس وقت تک ہم سے کوئی محبت نہیں کرسکتا اور ہماری وِلا نہیں رکھ سکتا اور جب تک کوئی ہمارے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرلے اس وقت تک خدا اس کے دل کو پاک نہیں کرتا اور جب کوئی ہمارے سامنے سرِ تسلیم خم کرلے تو خدا اسے حساب کی سختی سے بچالے گا اور روزِ قیامت کی سخت گھبراہٹ سے اسے محفوظ رکھے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص اپنے بھائی کو سردی یا گرمی کا لباس پہنائے تو اللہ تعالیٰ پر اس کا یہ حق بن جاتا ہے کہ خدا اسے جنت کا لباس پہنائے اور اس کے لیے سکراتِ موت کو آسان کرے اور اس کی قبر میں وسعت عطا کرے اور جب وہ قبر سے نکلے تو ملائکہ اس سے ملاقات کر کے اسے خوش خبری سنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی ایمان داروں کے لیے فرمایا ہے: وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ''اور فرشتے ان سے ملاقات کریں گے اور کہیں گے کہ یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا''۔

قیامت کے دن آسمان لپیٹ لیا جائے گا

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاۗءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

''اس دن ہم آسمان کو یوں لپیٹ دیں گے جیسے طومار میں اوراق لپیٹے جاتے ہیں اور جس طرح سے ہم نے تخلیق کی ابتداء کی ہے اسی طرح سے انھیں واپس بھی لائیں گے۔ یہ ہمارے ذمہ ایک وعدہ ہے جسے ہم نے پورا کرنا ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ سِجِلّ ایک فرشتے کا نام ہے جو مومنین کے نامۂ اعمال کو ان کی وفات کے وقت لپیٹ دیتا ہے اور یہاں اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو آسمان کو دھوئیں اور زمین کو آگ کی شکل

میں بدل دیا جائے گا۔

کتاب جعفر بن محمد الدوریستی میں ابن عباس کی زبانی منقول ہے کہ جب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا (الکہف: ۴۷) اور ہم انھیں جمع کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے) کی آیت مجیدہ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ بے ہوش ہو گئے اور صحابہ کرام آپ کو اُٹھا کر حضرت اُم سلمہؓ کے حجرے میں لے گئے۔ پھر صحابہ نے نماز کے وقت آپ کا انتظار کیا' لیکن آپ حجرہ سے باہر نہ آئے۔ مسلمان جمع ہو کر حضرت بی بی اُم سلمہؓ کے دروازے پر گئے اور رسول اکرم کی خیریت دریافت کی۔ اُنھوں نے کہا: اس وقت آپؐ کی طبیعت ناساز ہے۔

پھر کچھ دیر بعد آپؐ کی طبیعت سنبھلی تو آپؐ گھر سے باہر تشریف لائے اور اپنے منبر پر تشریف لے گئے اور آپؐ نے فرمایا: اے لوگو! تم خدا کے حضور ننگے پاؤں اور لباس کے بغیر پیش کیے جاؤ گے۔ تم نے اسی طرح سے خدا کے حضور پیش ہونا ہے جیسے ابتداء میں تم پیدا ہوئے تھے۔ پھر آپؐ نے صحابہ کے سامنے وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا کی آیت تلاوت کی اور اس کے بعد آپؐ نے كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ کی آیت تلاوت فرمائی۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں: انھوں نے زمین کے اُوپر کا حصہ اندر کے حصہ سے اور کشادگی و وسعت تنگی سے اور گھر بار پردیس سے اور روشنی اندھیرے سے بدل لی ہے اور جس طرح ننگے پیر اور ننگے بدن پیدا ہوئے تھے ویسے ہی زمین میں (پیوندِ خاک) ہو گئے اور اس دنیا سے صرف عمل لے کر ہمیشہ کی زندگی اور سدا رہنے والے گھر کی طرف کوچ کر گئے جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے: ''جس طرح ہم نے مخلوقات کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اسی طرح سے دوبارہ پیدا کریں گے۔ اس وعدہ کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے اور ہم اسے ضرور پورا کر کے رہیں گے''۔

مجمع البیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے آپؐ نے فرمایا: تم لوگ قیامت کے روز ننگے پاؤں اور ننگے بدن سے محشور کیے جاؤ گے۔ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (ھکذا فی صحیح البخاری وصحیح مسلم)

صالحین زمین کے وارث ہوں گے

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ

''اور زبور میں ہم نے نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ تمام آسمانی صحائف و کتب "ذکر" ہیں اور خدا نے زبور میں آئندہ آنے والے واقعات بیان کیے ہیں اور اس میں تمجید و دعا ہے اور اس میں یہ بھی مرقوم ہے کہ زمین کے وارث خدا کے نیک بندے ہی ہوں گے اور اس وعدہ الٰہی کی مکمل تکمیل قائمِ آلِ محمدؑ کے ظہور کے وقت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ و سلیمانؑ کو وہ کچھ عطا کیا جو دوسرے انبیاء کو عطا نہیں کیا تھا۔ انھیں پرندوں کی بولی کی تعلیم دی اور ان دونوں کے لیے لوہے کو موم کیا اور پہاڑوں کو مسخر کیا کہ وہ داؤدؑ کے ساتھ تسبیح کریں۔ خدا نے داؤدؑ پر زبور نازل کی۔ اس میں توحید، تمجید، دعا اور رسولِ خدا اور امیر المومنینؑ اور ائمہ ہدیٰ کے واقعات اور رجعت کے حالات مرقوم تھے۔

اُصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ عبداللہ بن سنان نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ "ذکر" کیا ہے اور "زبور" کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: "ذکر" علم الٰہی ہے اور زبور وہ آسمانی کتاب ہے جسے خدا نے حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کیا تھا اور ہر آسمانی کتاب اہلِ علم کے پاس موجود ہے اور وہ ہم ہیں۔

مجمع البیان میں اس آیت مجیدہ کے ضمن میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: وہ صالح جماعت جس نے زمین کا وارث بننا ہے وہ آخری زمانہ میں امام مہدی علیہ السلام کے ساتھی ہوں گے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث ہے جسے تمام سنی شیعہ محدثین نے نقل کیا ہے، آپؑ نے فرمایا:

لولم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول اللہ ذلک الیوم حتٰی یبعث رجلا من اھل بیتی یملاء الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا -

"اگر دنیا کے ختم ہونے سے صرف ایک دن ہی کیوں نہ باقی بچا ہو پھر بھی خدا اس دن کو لمبا کردے گا یہاں تک کہ میری اہلِ بیت میں سے ایک ایسے شخص کو مبعوث کرے گا جو ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا"۔

حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں بہت سی احادیث نقل کی ہیں اور ان کے پوتے نے بڑی وضاحت سے اس حدیث کی تردید کی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ مہدی عیسیٰ بن مریم ہی ہوں گے۔

علامہ مذکور نے اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے فرمایا: محمد بن خالد جندی اس حدیث میں منفرد ہے جب کہ حافظ ابو عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن خالد ایک مجہول راوی ہے۔ پھر اس حدیث کی اسناد میں بھی اختلاف ہے جب کہ مہدیؑ کا عترتِ پیغمبرؐ سے ہونا صحیح السند احادیث سے ثابت ہے۔ جن میں سے حسب ذیل دو احادیث یہ بھی ہیں:

① ابوداوٗد بجستانی اپنی کتاب السنن میں بہت سی اسناد سے ناقل ہیں اور تمام اسناد عاصم المقری سے پہنچتی ہیں۔ اس نے "زر" سے اس نے عبداللہ سے اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: لولم یبق من الدنیا الا یوم لطول اللہ ذلک الیوم حتی یبعث رجلا منی او من اهل بیتی وفی بعضها یواطئی اسمه اسمی یملاء الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا - "اگر عمرِ دنیا کے تمام ہونے سے ایک دن بھی باقی بچا ہوگا تو بھی اللہ تعالیٰ اس دن کو طویل کر دے گا' یہاں تک کہ وہ ایک مرد کو مبعوث کرے گا جو مجھ سے ہوگا" (یا آپؐ نے فرمایا کہ میری اہلِ بیت سے ہوگا)۔ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ وہ میرا ہم نام ہوگا وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا"۔

② حضرت اُم سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: المهدی من عترتی من ولد فاطمة "مہدیؑ میری عترت سے ہوگا یعنی فاطمہؑ کی اولاد سے ہوگا"۔

رسول اکرمؐ عالمین کے لیے رحمت ہیں

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

"اور ہم نے آپؐ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور جس نے بھی اس نبی رحمت کو قبول کیا اس نے دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کی اور جس نے اس عظیم رحمت کا انکار کیا اسے دونوں جہانوں کا خسارہ اٹھانا پڑا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا کہ یارسولؐ اللہ! آپ مشرکین کے لیے بددعا کریں۔ آپؐ نے فرمایا: انی لم ابعث لعانا وانما بعثت رحمة "میں لعنت کرنے کے لیے مبعوث نہیں ہوا مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے"۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے' میرے ذریعہ سے ایک قوم بلند

ہوگی اور ایک قوم پست ہوگی۔ آپؐ کی آمد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے وہ آسمانی عذاب دُور کردیئے جو پہلے نازل ہوا کرتے تھے۔ مثلاً آپؐ سے پہلے نافرمان لوگ مسخ ہوجاتے تھے، مگر آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو روک دیا۔

(اضافۃ من المترجم نقلاً عن کتب التفسیر)

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ جب وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی آیتِ مجیدہ نازل ہوئی تو رسولِؐ خدا نے جبریل امینؑ سے فرمایا: اس رحمت سے تمھیں بھی کچھ حصہ ملا ہے؟

جبریلؑ نے عرض کیا: جی ہاں! آپؐ کی وجہ سے خدا نے میری تعریف کی ہے اور میرے متعلق کہا ہے: ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ (تکویر:۲۰) ''وہ صاحبِ قوت ہے صاحبِ عرش کے ہاں تمکنت رکھنے والا ہے''۔

الکافی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ۲۷ رجب کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا جو اس دن روزہ رکھے اُسے ساٹھ ماہ کے روزوں کا ثواب ملے گا۔

علل الشرائع کی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ کچھ مجرمین پر رسولِؐ خدا کے زمانے میں حد جاری نہیں ہوئی تھی۔ ان پر امام مہدی علیہ السلام کے دور میں حد شرعی جاری کی جائے گی۔ جب امامؑ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اُنھوں نے فرمایا کہ رسولِؐ خدا کو رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا جب کہ مہدیؑ عذابِ الٰہی کا مظہر بن کر آئیں گے۔

قولہ: رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ۝

''رسول نے کہا اے میرے پروردگار! حق کے ساتھ فیصلہ کردے اور اے لوگو جو باتیں تم بناتے ہو ان کے مقابلہ میں ہمارا رب رحمٰن ہی ہمارے لیے مدد کا وسیلہ ہے''۔

مقصد یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے پروردگار! ہمارے اور ہمارے جھٹلانے والوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما۔ آپؐ سے پہلے بھی انبیاء کی یہ دعا موجود ہے: رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝ (اعراف:۸۹) ''اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھٹلانے والوں سے فرمایا کہ تمھاری ان باتوں کے مقابلہ میں ہمارا ربِ رحمٰن ہی مدد کا وسیلہ ہے۔

○○○

سُورَۃ الحج
سورہ حج مدینۃ آیاتھا ۷۸ و رکوعاتھا ۱۰
”سورہ حج مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس کی آیات اٹھتر اور اس کے رکوع ۱۰ ہیں“۔

سورۂ حج کے فضائل

کتاب ثواب الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

جو شخص ہر تیسرے دن سورہ حج کی تلاوت کرے تو ایک سال کے اندر وہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے جائے گا اور اگر سفر حج میں مر گیا تو جنت میں داخل ہوگا۔

راوی نے کہا: فرزندِ رسولؐ! یہ فرمائیں اگر وہ مخالفِ حق ہو تو کیا پھر بھی وہ جنت میں جائے گا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔

مجمع البیان میں ابی بن کعب سے منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سورہ حج پڑھنے والے کو تمام حجاج اور عمرہ کرنے والوں کی مقدار کے برابر حج وعمرہ کا ثواب ملے گا۔

سورہ حج کے مرکزی موضوعات

یہ سورۂ ہجرت کے بعد اور جنگ بدر سے قبل نازل ہوئی۔ اس میں مشرکین کو اصولِ دین کی طرف متوجہ کیا گیا اور اہلِ ایمان کے لیے نماز، مسائلِ حج اور عملِ خیر کے بجا لانے اور جہاد کی اجازت جیسے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ اس سورہ مجیدہ میں اُصولِ دین کو تفصیلی انداز سے بیان کیا گیا ہے جس سے ہر مومن ومشرک استفادہ کرسکتا ہے اور اس میں فروعات کا بیان مجمل انداز سے کیا گیا ہے۔

اس سورہ میں جہاں مشرکین کو ڈرایا گیا ہے وہاں مومنین کو تقویٰ کی تلقین کی گئی ہے اور روزِ قیامت کی ہولناکی کو انتہائی مؤثر انداز سے بیان کیا گیا ہے اور سورۂ مبارکہ کا آغاز اس زلزلہ کے ذکر سے کیا گیا ہے، جو قیامت کے ساتھ متصل ہوگا اور زمین کی تباہی کا سبب ثابت ہوگا۔ سورہ حج وہ پہلا سورہ ہے جس میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿١﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿٢﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۙ﴿٣﴾ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿٤﴾ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ

اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ
اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَ
أَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي
الْقُبُورِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى
وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۖ لَهُ فِي
الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذَٰلِكَ بِمَا
قَدَّمَتْ يَدَاكَ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ۝ وَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۖ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۖ
وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ
ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا
يَضُرُّهُ وَمَا لَا يَنْفَعُهُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝ يَدْعُو لَمَنْ
ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ ۚ لَبِئْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَبِئْسَ الْعَشِيرُ ۝ إِنَّ
اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۝ مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ
لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ

ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴿١٥﴾ وَكَذٰلِكَ
أَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّأَنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يُّرِيدُ ﴿١٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ
اٰمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصّٰبِئِينَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ
أَشْرَكُوا ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١٧﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ
وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ
الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ
مَا يَشَآءُ ۩ ﴿١٨﴾ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِينَ كَفَرُوا
قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ
الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿٢٠﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ
حَدِيدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَآ أَرَادُوٓا أَنْ يَّخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا
فِيهَا ۖ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٢٢﴾ إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ
اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ
يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا

حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾

سہارا اللہ کے نام کا جو کہ رحمٰن ورحیم ہے

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو۔ یقیناً قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے۔ جس روز تم یہ منظر دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو فراموش کردے گی اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا۔ تم لوگوں کو دیکھو گے تو تمھیں یوں دکھائی دیں گے جیسے نشہ میں ہوں۔ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی سخت ہوگا۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو علم کے بغیر خدا کے متعلق جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ اس کے مقدر میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو اس سے دوستی کرے گا تو وہ اسے گمراہ کرے گا اور اسے دوزخ کا راستہ دکھائے گا۔

اے لوگو! اگر تمھیں دوبارہ اٹھائے جانے میں شک ہے تو تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ اور ہم یہ مراحلِ تخلیق اس لیے بیان کر رہے ہیں کہ تم پر حقیقت واضح کریں۔ پھر ہم جس نطفہ کو چاہتے ہیں ایک خاص عرصہ تک اَرحام میں ٹھہراتے ہیں، پھر ہم تمھیں ایک بچے کی شکل میں رحمِ مادر سے باہر نکالتے ہیں۔ (پھر تمھاری پرورش کرتے ہیں) کہ جوانی کو پہنچ جاؤ۔ اور تم میں سے کسی کو موت دے دی جاتی ہے اور تم

میں سے کسی کو عمر کے رذیل ترین حصہ کی طرف پلٹایا جاتا ہے، تا کہ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔ اور تم دیکھتے ہو کہ زمین بنجر پڑی ہوتی ہے اور جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں تو اس میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور پھلنے پھولنے لگ جاتی ہے اور وہ ہر طرح کی خوشنما نباتات اُگانے لگ جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور وہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اور یقیناً قیامت کی گھڑی آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ قبروں میں پڑے ہوئے لوگوں کو زندہ کرے گا۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کے متعلق کسی علم، کسی ہدایت اور کسی روشن کتاب کے بغیر جھگڑا کرتے ہیں۔ وہ تکبر کی وجہ سے منہ پھیرے ہوئے ہیں، تا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے گمراہ کرسکیں۔ ایسے شخص کے لیے دنیا میں رُسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اسے دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

یہ ہے تیرا وہ انجام جو تو نے اپنے ہاتھوں سے تیار کیا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ اگر اسے کوئی فائدہ ملتا ہے تو وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اس پر کوئی آزمائش آجاتی ہے تو وہ اُلٹے رخ پھر جاتا ہے۔ یہ دنیا و آخرت میں خسارہ میں ہے اور یہی واضح خسارہ ہے۔ وہ خدا کو چھوڑ کر اسے پکارتا ہے جو اسے نہ تو نقصان دے سکتا ہے اور نہ ہی اسے فائدہ پہنچا سکتا ہے اور یہی دُور تک پھیلی ہوئی گمراہی ہے۔

وہ اسے پکارتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے قریب تر ہے وہ بدترین سرپرست اور بدترین رفیق ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان اور عملِ صالح بجالانے والوں کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے سرانجام دیتا ہے۔

جو یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی ہرگز مدد نہیں کرے گا تو اسے چاہیے کہ ایک رسّی لے کر آسمان کی طرف بڑھے پھر آسمان کو کاٹ کر دیکھ لے کہ آیا اس کی تدبیر اس چیز کو رد کر سکتی ہے جو اسے ناگوار ہے۔

اس طرح سے قرآن کو ہم نے واضح آیات کی شکل میں نازل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی بنے اور صابی اور نصاریٰ اور مجوسی اور جن لوگوں نے شرک کیا' ان سب کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا گواہ و نگران ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ آسمان والے اور زمین والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے لوگ خدا کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے وہ لوگ بھی اس کا سجدہ کرتے ہیں جو عذاب کے حق دار بن چکے ہیں جسے خدا ذلیل کر دے اُسے کوئی عزت دینے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کچھ کرتا ہے۔

یہ دو فریق ہیں جن کا اپنے رب کے متعلق جھگڑا ہے پھر جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے آگ کے کپڑے تیار کیے جا چکے ہیں۔ اُن کے سروں پر گرم پانی اُنڈیلا جائے گا۔ جس سے ان کی کھالیں اور پیٹ کے اندر تک کے اجزا گل جائیں گے اور اُن کے لیے لوہے کے گُرز مہیا کیے گئے ہیں۔ وہ جب بھی دوزخ کے رنج والم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو اُنھیں اس میں پلٹا دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جلانے والی آگ کے عذاب کا ذائقہ چکھو۔

یقیناً اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان اور نیک عمل بجا لانے والوں کو ایسے باغات میں داخل کرے گا' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہاں انھیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیا جائے گا اور وہاں ان کے لباس ریشم کے ہوں گے۔ اور انھیں پاکیزہ بات قبول کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور خدائے حمید کے راستہ کی طرف ان کی ہدایت کی گئی ہے۔

جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روک رہے ہیں اور اس مسجد حرام کی زیارت میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں جسے ہم نے تمام انسانوں کے لیے برابر قرار دیا ہے خواہ وہ مقامی ہوں یا باہر والے ہوں۔ اور جو بھی اس مسجد کے متعلق راستی سے ہٹ کر ظلم کا طریقہ اختیار کرے گا تو اسے ہم دردناک عذاب کا ذائقہ چکھائیں گے"۔

اہلِ جنت کی اکثریت اُمت رسولؐ پر مشتمل ہوگی

مجمع البیان میں عمران بن حصین اور ابوسعید خدری کی زبانی منقول ہے کہ سورہ حج کی ابتدائی دو آیات بنی خزاعہ کی شاخ بنی مصطلق کے غزوہ کے موقع پر رات کے وقت آنحضرتؐ پر نازل ہوئی تھی۔ لوگ محوِ سفر تھے جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ میرے گرد جمع ہو جاؤ۔ چنانچہ صحابہ اپنی سواریوں کو آنحضرتؐ کے گرد لے آئے۔ آپؐ نے مذکورہ دو آیات لوگوں کو پڑھ کر سنائیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ سفر رُک گیا اور تمام سامعین نے رونا شروع کر دیا۔ پوری رات رونے دھونے میں بسر ہوئی۔ کسی نے چراغ تک نہ جلایا اور نہ ہی کسی کو خیمہ لگانے کا ہوش تھا۔

حضرت رسولِ خدا نے فرمایا: لوگو! جانتے ہو وہ دن کیسا ہوگا اور کون سا ہوگا؟ صحابہ نے عرض کیا: خدا و رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: یہ وہ دن ہوگا جب خدا حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اپنی دوزخی اولاد کو لاؤ۔ وہ عرض کریں گے: خدایا! ان کا میری اولاد میں کیا تناسب ہے؟ آوازِ قدرت آئے گی: ہزار میں سے نو سو ننانوے دوزخی ہیں اور ایک جنتی ہے۔ یہ سنا تو مسلمانوں کے گریہ میں مزید اضافہ ہوگیا اور کہنے لگے: یارسولؐ اللہ! پھر نجات کون پائے گا؟ رسولِ خدا نے فرمایا: تمھیں بشارت ہو کیونکہ اولادِ آدمؑ میں یاجوج و ماجوج بھی تو شامل ہیں۔ تم تو اولادِ آدمؑ میں اتنے ہی قلیل ہو جیسے سیاہ رنگ کے بیل میں سفید بال قلیل ہوتے ہیں۔

پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: میں امید کرتا ہوں کہ اہلِ جنت کی چوتھائی تم پر مشتمل ہوگی۔ یہ سنا تو صحابہ نے تکبیر کہی۔ پھر آپؐ نے فرمایا: میں امید کرتا ہوں کہ اہلِ جنت کی تہائی تم لوگوں پر مشتمل ہوگی۔ پھر آپؐ نے فرمایا: میں امید کرتا ہوں کہ جنت میں دو تہائی تمھاری ہوگی کیونکہ اہلِ جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسّی صفیں میری اُمت کی ہوں گی۔ پھر آپؐ نے فرمایا: میری اُمت میں سے ستر ہزار افراد ایسے بھی ہوں گے جو کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمر نے ازراہِ تعجب کہا: یارسولؐ اللہ! ستر ہزار افراد؟

رسول اکرمؐ نے فرمایا: ہاں، ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار افراد اور بھی ہوں گے۔ اس وقت عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے اور اُس نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان لوگوں میں سے قرار دے۔ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا: پروردگار! اُسے ان میں سے قرار دے۔ اس کے بعد ایک انصاری اُٹھا اور اس نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ میرے لیے بھی دعا فرمائیں کہ خدا مجھے ان میں سے قرار دے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: عکاشہ! تجھ سے بازی لے گیا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ وہ انصاری منافق تھا، اسی لیے رسولؐ خدا نے اُس کے لیے دعا نہیں کی تھی۔

قیامت کا زلزلہ

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو۔ یقیناً قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے۔ جس روز تم یہ منظر دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو فراموش کردے گی اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا۔ تم لوگوں کو دیکھو گے تو تمھیں یوں دکھائی دیں گے جیسے نشہ میں ہوں۔ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی سخت ہوگا"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ اس آیت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے يَاَيُّهَا النَّاسُ کہہ کر تمام انسانوں سے خطاب کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ قیامت کی ہولناکی اتنی شدید ہوگی کہ ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا۔

احتجاج طبرسی میں حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: لوگو! تقویٰ اختیار کرو اور قیامت کی گھڑی کی ہولناکی سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کا زلزلہ عظیم چیز ہے۔

کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ حضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دوزخ سے ایک آگ برآمد ہوگی جس کا نام "فلق" ہوگا اور وہ دوزخ کی سخت ترین آگ ہوگی۔ جب وہ برآمد ہوگی تو کالی سیاہ ہوگی اور زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اُسے حکم دے گا کہ وہ لوگوں کے منہ پر پھونک مارے۔ اس کی پھونک اتنی شدید ہوگی کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا اور ستارے بجھ جائیں گے اور سمندر خاموش ہوجائیں گے اور پہاڑ

لرزنے لگیں گے۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا جائے گا اور حاملہ اپنے حمل گرا دیں گی اور اُس کی ہولنا کی بچوں کو بوڑھا بنا دے گی۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى کا مفہوم یہ ہے کہ شدتِ غم اور پریشانی کی وجہ سے لوگ یوں دکھائی دیں گے جیسے یہ کسی نشہ کے اثر میں آکر مدہوش ہوں۔

ولادت کی آسانی کے لیے

کتاب طبُ الائمہ میں سلیم بن قیس الہلالی العامری سے منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: مجھے کتابِ خدا کی ایسی دو آیات معلوم ہیں اگر بچے کی پیدائش میں تکلیف ہو رہی ہو تو انھیں ہرن کی جلد پر لکھ کر عورت کی کمر سے باندھ دیا جائے۔ خدا نے چاہا تو ولادت میں آسانی ہو گی۔

وہ تعویذ یہ ہے: بسم اللّٰہ وبسم اللّٰہ ان مع العسر یسرا اسے سات بار لکھا جائے۔ پھر ان دو آیات کو ایک بار لکھا جائے: يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②

انسانی تخلیق کے مراحل

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑤

"کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو علم کے بغیر خدا کے متعلق جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ اس کے مقدر میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو اس سے دوستی کرے گا تو وہ اسے گمراہ کرے

گا اور اسے دوزخ کا راستہ دکھائے گا۔ اے لوگو! اگر تمھیں دوبارہ اٹھائے جانے میں شک ہے تو تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے' پھر خون کے لوتھڑے سے' پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ اور ہم یہ مراحلِ تخلیق اس کے لیے بیان کر رہے ہیں کہ تم پر حقیقت واضح کریں۔ پھر ہم جس نطفہ کو چاہتے ہیں ایک خاص عرصہ تک اَرحام میں ٹھہراتے ہیں' پھر ہم تمھیں ایک بچے کی شکل میں رحمِ مادر سے باہر نکالتے ہیں۔ (پھر تمھاری پرورش کرتے ہیں) کہ جوانی کو پہنچ جاؤ۔ اور تم میں سے کسی کو موت دے دی جاتی ہے اور تم میں سے کسی کو عمر کے رذیل ترین حصہ کی طرف پلٹایا جاتا ہے' تاکہ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔ تم دیکھتے ہو کہ زمین بنجر پڑی ہوتی ہے اور جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں تو اس میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور پھلنے پھولنے لگ جاتی ہے اور وہ ہر طرح کی خوشنما نباتات اُگانے لگ جاتی ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ ''مخلّقہ'' سے وہ نطفہ مراد ہے جو کامل ہو اور ''غیر مخلّقہ'' سے وہ حمل مراد ہے جس کا اِسقاط ہو جائے اور ''ونقر فی الارحام'' سے وہ نطفہ مراد ہے جس کا اِسقاط نہ ہوا ہو۔

الکافی میں سلام بن مستنیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ کا مطلب دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''مخلّقۃ'' سے مراد وہ ''ذَرّ'' ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے صلبِ آدمؑ میں ودیعت کیا تھا اور اُن سے اپنی ربوبیت کا میثاق لیا تھا' پھر انھیں مردوں کی اَصلاب اور عورتوں کے اَرحام کی طرف روانہ کیا اور یہ وہ ہیں جو دنیا میں ضرور آئیں گے اور ان سے قیامت کے دن روزِ اَلست کے میثاق کے متعلق پوچھا جائے گا' جب کہ ''غیر مخلّقۃ'' سے مراد وہ ہیں جنھیں ''حالتِ ذَرّ'' کے تحت صُلبِ آدمؑ میں ودیعت نہیں کیا گیا تھا۔ اور اس طرح کے نطفے کامل شکل میں دنیا میں نہیں آتے۔ ان کا اِسقاط ہو جاتا ہے۔

قربُ الاسناد میں احمد بن ابی نصر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہماری ایک خاتون حاملہ ہے' آپؑ اس کے لیے دعا فرمائیں کہ خداوند بیٹا عطا کرے۔

آپؑ نے فرمایا کہ دعا حمل کے ابتدائی چار مہینوں تک موثر ہوتی ہے۔

میں (راوی) نے عرض کیا: مولاؑ! ابھی حمل کو چار ماہ نہیں گزرے۔ یہ سن کر آپؑ نے دعا فرمائی۔ پھر آپؑ نے فرمایا
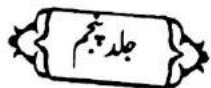
کہ تیس دن تک مادہ منویہ نطفہ کی حالت میں رہتا ہے، پھر تیس دن تک "علقہ" لوتھڑے کی صورت میں رہتا ہے۔ پھر وہ لوتھڑا مُضغہ بوٹی کی صورت اختیار کرلیتا ہے اور یہ حالت تیس دن برقرار رہتی ہے۔ پھر وہ مضغہ مخلقہ اور غیر مخلقہ کی شکل میں تیس دن تک رہتا ہے۔ پھر جب نطفہ کو چار ماہ گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والے دو فرشتے بھیجتا ہے جو اُس کی تصویر کشی کرتے ہیں اور اس کا رزق اور زندگی کی مدت اور اس کا نیک بخت یا بد بخت ہونا لکھتے ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب کسی کی عمر سو برس ہو جائے تو وہ عمر کے رذیل ترین حصہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

مؤلف کتابِ ہذا عرض پرداز ہے کہ ہم نے سورۂ نحل کی تفسیر کے دوران ارذل العمر کے متعلق ہادیانِ دین کے بہت سے فرمان نقل کیے ہیں۔ شائقین اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔

قربُ الاسناد میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل امینؑ سے کہا کہ مجھے دکھاؤ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔

جبریل امینؑ نے آپ کو ساتھ لیا اور بنی ساعدہ کے قبرستان میں چلے آئے اور ایک قبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے باہر آ جا۔ قبر شگافتہ ہوئی۔ ایک شخص قبر سے مٹی جھاڑتا ہوا برآمد ہوا اور کہنے لگا کہ ہائے ہلاکت۔

پھر جبریل امینؑ نے کہا: اب دوبارہ قبر میں چلا جا' مُردہ فوراً قبر میں چلا گیا۔ بعدازاں جبریل امینؑ ایک اور قبر پر آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حکم سے باہر آ جا۔ قبر پھٹ گئی۔ ایک نوجوان سر سے مٹی جھاڑتا ہوا قبر سے باہر آیا اور وہ یہ کہہ رہا تھا: اَشْهَدُ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبدُهٗ وَرَسُولُهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيبَ فِيهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يُبعَثُ مَن فِي القُبُورِ۔

جبریل امینؑ نے کہا: محمدؐ! مُردے قیامت کے دن اسی طرح سے اٹھائے جائیں گے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب خدا مخلوق کو اُٹھانے کا ارادہ کرے گا تو چالیس دن تک زمین پر بارش برسائے گا۔ تمام ہڈیاں اور جوڑ جمع ہو جائیں گے اور گوشت باہر آ جائے گا۔

مصباح الشریعہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو لوگوں سے ایسی چیز کے متعلق جھگڑا کرے جس کا حکم نہیں دیا گیا تو اُس نے خالقیت اور ربوبیت کا جھگڑا کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمِنَ النَّاسِ

مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا ھُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیۡرٍ ۙ﴿۸﴾ ''کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کے متعلق علم' ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر جھگڑا کرتے ہیں اور اس شخص کو سخت عذاب دیا جائے گا جس نے حقیقت کے بغیر زہد وتقویٰ کا قمیص پہنا ہوگا''۔

ازراہِ تکبر منہ پھیرنے والا

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا ھُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیۡرٍ ۙ﴿۸﴾ ثَانِیَ عِطۡفِہٖ......کی آیتِ مجیدہ ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی۔ وہ ہمیشہ لوگوں کو خدا پر ایمان لانے سے منع کیا کرتا تھا۔

اُصولِ کافی میں ''ضریس'' سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّعۡبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرۡفٍ......کی آیت پڑھی اور فرمایا: بعض اوقات آیت کسی خاص فرد کے لیے نازل ہوتی ہے' پھر اس کے پیروکاروں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

میں (راوی) نے کہا: اس کا مقصد یہ ہے کہ جو آپ حضرات کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو امام مان لے تو وہ ان لوگوں میں شمار کیا جائے گا جو خدا کی عبادت ایک کنارے (مشروط طور پر) پر کرتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں' ایسا ہی ہے۔ اور کبھی کوئی آیت کسی مخصوص شخص کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔

زُرارہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّعۡبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرۡفٍ...... کی آیتِ مجیدہ کے متعلق دریافت کیا' تو آپؑ نے فرمایا:

یہ آیت اُن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جنھوں نے خدا کو وَاحِدَہٗ لَا شَرِیۡکَ مان لیا تھا' لیکن اُنھیں ابھی تک نبی اکرمؐ کی نبوت کا یقین نہ تھا۔ اُن کی حالت یہ تھی کہ اُنھوں نے اسلام قبول کیا' لیکن اگر اسلام لانے کے بعد کسی کو مالی فائدہ ملا تو وہ اسلام کو تبرک دین سمجھتا تھا اور اگر کسی کا کوئی جانی یا مالی نقصان ہوتا تو وہ کہتا کہ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ میں نے اسلام قبول کیا تھا اور وہ ساری نحوست کا الزام اسلام پر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لیے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا بھی برباد ہے اور آخرت بھی تباہ ہے۔

احتجاج طبرسی میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: دنیا و آخرت کا خسارہ اٹھانے والوں میں وہ لوگ سرفہرست ہیں جو حکومت واقتدار کے حصول کے لیے دنیاوی دولت سے کوئی فائدہ حاصل نہ کریں اور اس

کے باوجود انھیں حکومت بھی ہاتھ نہ آئے۔

مصباح الشریعہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں جو شخص شہرت وریاکاری کے لیے صالحین کا لباس پہنے تو وہ زیادتی کے صحراؤں اور گمراہی کی چراگاہوں کا مسافر ہے اور ایسا شخص ایسی باتیں کرتا ہے جو اُس کے باطن کے خلاف ہوتی ہیں اور وہ شخص نورِ قلب سے خالی ہوتا ہے۔ اس پر اپنی ثناخوانی کا بھوت سوار ہوتا ہے اور وہ طمع کی تاریکیوں میں لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ وہ شخص اپنی گفتگو سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور ایسے ہی افراد کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝ ''وہ بدترین سرپرست اور بدترین رفیق ہے''۔

جو خدا کی مدد سے مایوس ہو

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ''جو گمان کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی مدد نہیں کرے گا''۔

کتاب اللہ میں ''ظن'' دو معانی میں استعمال ہوا ہے۔ ظن بمعنی یقین بھی استعمال ہوا ہے اور ظن بمعنی شک بھی استعمال ہوا ہے اور اس آیتِ مجیدہ میں لفظ ''ظن'' شک اور گمان کے معنی میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جو شخص یہ خیال کرتا ہو کہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ اسے بدلہ و ثواب نہیں دے گا تو اس کا حل یہ ہے: فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ''وہ اپنے اور خدا کے درمیان دلیل پیدا کرے''۔

قرآن کریم میں لفظ ''سبب'' دلیل کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ قصہ ذوالقرنین میں یہ الفاظ آئے ہیں وآتیناہ من کل شئی سببا (الکھف:۸۴) ''ہم نے اُسے ہر چیز کا سبب عطا کیا یعنی ہم نے اُسے ہر چیز کی دلیل عطا کی''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ لْيَقْطَعْ ''پھر وہ فیصلہ کرے''۔ یہاں لفظ ''قطع'' ممیّز اور جدا کر دینے کے معانی میں استعمال ہے اور قرآنِ حکیم میں یہ لفظ جدا کرنے اور علیحدہ کرنے کے معانی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ فرمانِ قدرت ہے: وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا (اعراف:۱۶۰) ''ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ قبیلوں میں ممیّز کر دیا''۔ پھر ارشاد ہوا: فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ۝ (حج:۱۵) ''پھر دیکھے کہ کیا اس کا وہ حیلہ اس کے غصہ کو ختم کرتا ہے یا نہیں؟''

یہاں لفظ ''کید'' حیلہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآنِ کریم میں لفظ ''کید'' حیلے کے معنی میں بکثرت استعمال ہوا ہے جیسا کہ فرمانِ قدرت ہے: کذلک کدنا لیوسف (یوسف:۷۶) ''اس طرح سے ہم نے یوسفؑ کے لیے حیلہ بنایا''۔

فرعون نے اپنے ساتھیوں سے کہا: فاجمعوا کیدکم (طٰہٰ:۶۴) "تم اپنے تمام حیلے جمع کرلو"۔

اب مقصدِ آیت یہ قرار پائے گا کہ جسے یہ شک ہو کہ خدا دنیا و آخرت میں اسے بدلہ وثواب نہیں دے گا تو وہ اپنے اور خدا کے درمیان دلیل پیدا کرے، پھر دیکھے کیا اُس کا حیلہ اُس کے غصہ کو ختم کرتا ہے یا نہیں؟ جب کہ عامہ نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جو شخص یہ گمان کرے کہ خدا اس کی مدد نہیں کرے گا تو وہ گلے میں رسّی ڈال کر چھت کے شہتیر سے باندھ کر خودکشی کرلے۔

مجوسی بھی اہلِ کتاب ہیں

کتاب التوحید میں اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام مسجدِ کوفہ میں خطبہ دے رہے تھے۔ دورانِ خطبہ آپؑ نے فرمایا: سَلُونِی سَلُونِی قَبلَ اَن تَفقِدُونِی "مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے تم مجھے نہ پاؤ"۔

حضرتؑ کا یہ اعلان سن کر اشعث بن قیس اُٹھا اور اس نے کہا: امیرالمومنینؑ! یہ فرمائیں مجوسیوں سے جزیہ کیوں لیا جاتا ہے، جب کہ وہ نہ تو اہلِ کتاب ہیں اور نہ ہی ان کی طرف کوئی رسول مبعوث ہوا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اے اشعث! سنو، خدا نے ان کی طرف کتاب بھیجی تھی اور رسول بھی روانہ کیا تھا۔ اس قوم کا ایک بادشاہ تھا۔ ایک رات جب وہ شراب کی وجہ سے بدمست تھا تو اُس نے اپنی جوان بیٹی[1] کو اپنے بستر پر بلایا اور اس سے بدفعلی کی۔ صبح ہوئی تو اس بدفعلی کا چرچا ہوگیا۔ لوگ بادشاہ کے پاس آئے اور اس سے کہنے لگے کہ تو نے ہمارے دین کو میلا کردیا اور تو نے ہمارے دین کو برباد کیا ہے ہم تجھ پر حد جاری کرکے تجھے اس گناہ سے پاک کرنا چاہتے ہیں۔

بادشاہ نے کہا: دوستو! میرا جواب سنو، اگر میرا جواب معقول ہو تو پھر تم میری مخالفت سے باز آجاؤ اور اگر میرا جواب غلط ہو تو مجھ پر حد نافذ کرو۔ پھر اس نے کہا: بھائیو! کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارے والد آدمؑ اور والدہ حواؑ اللہ تعالیٰ کو بڑے پیارے تھے؟

سب نے کہا: جی ہاں' یہ بات سچ ہے۔ پھر اس نے کہا اگر یہ بات سچ ہے تو کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آدمؑ نے اپنے بیٹوں کی شادی بیٹیوں سے کی تھی اور بیٹیوں کا نکاح اپنے بیٹوں سے کیا تھا؟

لوگوں نے کہا: جی ہاں' یہ سچ ہے۔ پھر بادشاہ نے کہا: اگر میں نے اس پر عمل کیا ہے تو کیا بُرا کیا ہے؟

لوگوں نے کہا: آپ نے سچ کہا ہے۔ دین کی یہی تعلیم ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے بہنوں سے شادیاں کرنا شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے علم ہٹا لیا اور اپنی کتاب ان کے درمیان سے اُٹھا لی۔ وہ کافر ہیں اور بغیر کسی حساب کے وہ دوزخ میں جائیں گے' جب کہ منافقین کا حال ان سے بھی بُرا ہوگا۔

یہ سنا تو اشعث نے کہا: خدا کی قسم! میں نے آج تک ایسا جواب نہیں سنا اور آئندہ میں اس طرح کا کوئی سوال نہیں کروں گا۔

کائنات کی ہر چیز خدا کے حضور سربسجود ہے

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسۡجُدُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ وَالنُّجُوۡمُ وَالۡجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيۡرٌ مِّنَ النَّاسِ‌ؕ وَكَثِيۡرٌ حَقَّ عَلَيۡهِ الۡعَذَابُ‌ؕ وَمَنۡ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّكۡرِمٍ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۱۸﴾

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ آسمان والے اور زمین والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے لوگ خدا کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے وہ لوگ بھی سجدہ کرتے ہیں جو عذاب کے حق دار بن چکے ہیں جسے خدا ذلیل کردے اُسے کوئی عزت دینے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کچھ کرتا ہے"۔

روضہ کافی میں اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: سورج کے تین سو ساٹھ برج ہیں اور ہر برج جزیرۂ عرب کے برابر ہے۔ اور سورج روزانہ علیحدہ علیحدہ برج میں اُترتا ہے۔ جب سورج ڈوب جاتا ہے تو عرش کے نیچے جا کر دوسری فجر تک سجدہ میں پڑا رہتا ہے۔ پھر اپنے مقام طلوع پر واپس آ جاتا ہے اور اس کے ساتھ دو فرشتے بھی ہوتے ہیں۔ اُس کا چہرہ اہلِ آسمان کی طرف ہے اور اگر اس کا چہرہ اہلِ زمین کی طرف ہوتا تو اُس کی حرارت کی شدت سے پوری زمین اور اہلِ زمین جل جاتے اور اشیاء کے سجدہ کے متعلق خداوند متعال نے فرمایا ہے: اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ

يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور سورج، چاند، ستارے اور پہاڑ اور بہت سے انسان بھی اسے سجدہ کرتے ہیں''۔

وضاحت: سورج کسی بھی وقت غروب نہیں کرتا، البتہ یہ اور بات ہے کہ زمین کی گردش ہی ایسی ہے کہ اس کا کچھ حصہ سورج کے سامنے ہوتا ہے تو وہاں دن ہوتا ہے اور جو حصہ سورج سے ہٹ جاتا ہے وہاں رات چھا جاتی ہے۔ جس وقت برصغیر میں دن ہوتا ہے تو ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں رات ہوتی ہے اور جب وہاں رات ہوتی ہے تو برصغیر میں دن ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بطلیموس کا بیان کردہ فلسفہ اس وقت لوگوں کے اذہان پر غالب تھا اور اُنھوں نے اسے سند بخشنے کے لیے معصومین علیہم السلام کی طرف منسوب کر دیا۔

مشہور مفسر علامہ سید محمد حسین طباطبائی المیزان میں لکھتے ہیں: اس سجدہ سے سجدۂ تکوینی مراد ہے۔ چنانچہ زمین و آسمان، شمس و قمر، پہاڑ و دریا سب خدا کے حکم کے پابند ہیں اور یہی پابندی ان کا سجدۂ تکوینی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختار بنایا ہے، لہٰذا اس سے ''سجدہ طوعی'' کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ویسے تو انسان اپنے پیدا ہونے، مرنے اور صحت و بیماری اور حسن و قبح کے لیے خدا کے حکم کے سامنے مجبور ہے اور اس کی یہ مجبوری بھی سجدۂ تکوینی ہے۔ سجدۂ تکوینی صرف اہلِ ایمان کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے سامنے سجدۂ تکوینی کر رہا ہے۔ البتہ انسانیت کا کمال اور بندگی کی معراج یہ ہے کہ انسان سجدۂ تکوینی کے ساتھ ''سجدۂ طوعی'' بھی کرے۔ (اضافۃ من المترجم)

کتاب التوحید میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے کہا گیا کہ فلاں شخص مشیت الٰہی کے متعلق گفتگو کرتا ہے۔ آپؑ نے اسے بلوایا۔ جب وہ آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے اس سے فرمایا: اے بندۂ خدا! یہ بتاؤ خدا نے تجھے ویسا خلق کیا جیسا وہ چاہتا تھا یا تجھے ویسا خلق کیا جیسا تو چاہتا تھا۔

اُس نے کہا کہ جیسا وہ چاہتا تھا مجھے ویسا ہی بنایا۔

آپؑ نے فرمایا: جب وہ چاہتا ہے تجھے بیمار کرتا ہے یا جب تو چاہتا ہے تو وہ تجھے بیمار کرتا ہے؟ اُس نے کہا کہ جب وہ چاہتا ہے تو مجھے بیمار کرتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: جب وہ چاہتا ہے تجھے صحت دیتا ہے یا جب تو چاہتا ہے تو تجھے صحت مل جاتی ہے؟ اُس نے کہا: جب وہ چاہتا ہے تو مجھے صحت دیتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: مرنے کے بعد جہاں وہ چاہے گا تجھے بھیجے گا یا جہاں تو چاہے گا وہاں تجھے بھیجے گا؟ اُس نے کہا کہ جہاں وہ چاہے گا بھیج دے گا۔ آپؑ نے فرمایا: اگر تو اُس کے علاوہ کوئی

اور جواب دیتا تو میں تیرے سر پر وار کر دیتا۔

جعفر جعفری کہتے ہیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: مشیت کا تعلق صفاتِ افعال سے ہے اور جو ارادہ و مشیت کو ازلی قرار دے وہ موحد نہیں ہے۔ مؤلف کتاب ہذا عرض پرداز ہے کہ مشیت و ارادہ کی بحث بڑی طویل ہے اس کے لیے الکافی کا مطالعہ کریں۔

دو جھگڑنے والے گروہ

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝۱۹

"یہ دو فریق ہیں جن کا اپنے رب کے بارے میں جھگڑا ہے، پھر جو لوگ کافر ہیں اُن کے لیے آگ کے کپڑے تیار کیے جا چکے ہیں اُن کے سروں پر گرم پانی اُنڈیلا جائے گا"۔

الخصال میں نضر بن مالک کی زبانی منقول ہے کہ میں نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا...... کی آیت کے متعلق ارشاد فرمائیں۔

آپؑ نے فرمایا: وہ ہم اور بنی اُمیہ ہیں۔ ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے سچ کہا، کہ اُنھوں نے کہا کہ اللہ نے جھوٹ کہا۔ ہم قیامت کے دن خدا کے حضور جھگڑیں گے اور ہم ہی جھگڑنے والے دو فریق ہیں۔

اُصولِ کافی میں ہے کہ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ...... (پھر جو لوگ کافر ہیں اُن کے لیے آگ کے کپڑے تیار کیے جا چکے ہیں) کی آیتِ مجیدہ کے ضمن میں ولایتِ علیؑ کے منکر بھی شامل ہیں۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے: ایک قول یہ بیان کیا گیا کہ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا...... کی آیتِ مجیدہ ان چھ افراد کے متعلق نازل ہوئی ہے جن میں سے تین مومن تھے اور تین کافر تھے۔ اور جنگِ بدر کے دن اُنھوں نے ایک دوسرے سے مقابلہ کیا تھا۔ چنانچہ حمزہ بن عبدالمطلب نے عتبہ بن ربیعہ کو قتل کیا اور علی بن ابی طالبؑ نے ولید بن عتبہ کو قتل کیا اور عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب نے شیبہ بن ربیعہ کو قتل کیا تھا۔

چنانچہ یہ روایت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عطا سے منقول ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ خدا کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ آیت ان کے متعلق نازل ہوئی۔ (راوہ البخاری فی الصحیح)

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا...... کی آیت ہمارے اور بنی اُمیہ کے متعلق نازل ہوئی۔ ہم نے کہا کہ خدا نے سچ کہا۔ بنی اُمیہ نے کہا کہ خدا اور رسولؐ خدا نے جھوٹ کہا۔ خدا نے اُن کے لیے دوزخ کے لباس تیار کر رکھے ہیں۔ دوزخ میں پہنچ کر ان کا نچلا ہونٹ اتنا لٹک جائے گا کہ وہ ان کی ناف تک آ جائے گا اور اُوپر والا ہونٹ پھول کر اتنا بلند ہو جائے گا کہ ان کے آدھے سر تک جا پہنچے گا اور انھیں عذاب دینے کے لیے آگ کے گرز ہوں گے۔

دوزخ کا بیان

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾

"وہ جب بھی دوزخ کے رنج والم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو انھیں ان گرزوں کے ساتھ اس میں پلٹا دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جلانے والی آگ کے عذاب کا ذائقہ چکھو"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ابوبصیر کی زبانی منقول ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے اُن سے عرض کیا کہ مولاؑ! میرا دل سخت ہو چکا ہے' کوئی ایسی بات بیان کریں جس سے میرا دل نرم ہو جائے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: طویل زندگی کی تیاری کرو۔

جبریل امین علیہ السلام حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے تو وہ پریشان سے تھے' جب کہ اس سے قبل وہ مسکراتے ہوئے آتے تھے۔ نبی اکرمؐ نے پوچھا کہ آج تم اتنے پریشان کیوں ہو؟ جبریل امینؑ نے عرض کیا: اے محمدؐ! بات یہ ہے کہ آگ کو بھڑکانے والے آلات رکھ دیے گئے ہیں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: آگ بھڑکانے والے آلات کیا ہیں؟ جبریل امینؑ نے کہا: دوزخ کی آگ کو ایک ہزار سال تک پھونکا جاتا رہا' یہاں تک کہ اس کی رنگت سفید ہوگئی۔ پھر ایک ہزار سال تک اُسے مزید پھونکا گیا' یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی۔ پھر اس کے بعد ایک ہزار سال تک اسے مزید پھونکا گیا تو اس کی رنگت کالی سیاہ ہوگئی۔ اگر اس آگ کی ایک چنگاری کو اہلِ زمین کے پینے کے پانی میں ڈال دیا جائے تو اہلِ زمین اس کی بدبو کی وجہ سے مرجائیں گے۔ اور دوزخ کی وہ زنجیر جس کا طول ستر ہاتھ ہے' اس کی ایک کڑی کو دنیا پر رکھ دیا جائے تو اس کی گرمی کی وجہ سے پوری دنیا پگھل جائے گی اور اہلِ نار کے لباس میں سے ایک قمیص کو زمین وآسمان کے درمیان لٹکا دیا جائے تو اہلِ ارض اس کی بدبو اور حرارت سے مرجائیں گے۔

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ گفتگو سنی تو آپؐ رونے لگے اور آپؐ کے ساتھ حضرت جبریلؑ بھی رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور فرشتہ ان کے پاس بھیجا جس نے اُن سے یہ کہا کہ تم دونوں کا پروردگار تم دونوں کو سلام کہتا ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے تمھیں ایسے ہر گناہ سے محفوظ رکھا ہے جس کی وجہ سے عذاب کا استحقاق پیدا ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس کے بعد کسی نے آنحضرتؐ کو تبسم کرتے ہوئے نہ دیکھا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: جب اہلِ دوزخ کو دوزخ میں ڈالا جائے گا تو وہ ستر برس تک لڑھکتے ہوئے دوزخ کی پاتال میں جائیں گے۔ پھر وہ اُوپر کی طرف اُبھریں گے اور جب دوزخ کے کنارے پر پہنچیں گے تو آتشیں اور آہنی گرزوں کے ساتھ اُنھیں دوبارہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس حالت کو ان الفاظ سے بیان کیا: كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ ''وہ جب بھی دوزخ کے رنج والم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو اُنھیں اس میں دوبارہ پلٹا دیا جائے گا اور (کہا جائے گا کہ) جلانے والی آگ کے عذاب کا ذائقہ چکھو۔ پھر انھیں دوسری کھالیں پہنا دی جائیں گی۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابوبصیر! اتنا کافی ہے؟ اس نے کہا: مولاؑ! اتنا ہی کافی ہے۔

اہلِ دوزخ کی غذا اور مشروب

...... يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾

''کافروں کے سروں پر گرم پانی اُنڈیلا جائے گا جس سے ان کی کھالیں اور پیٹ کے اندر تک کے اجزاء گل جائیں گے''۔

مجمع البیان میں رقوم ہے کہ شبیب بن واقد نے حسین بن زید سے' اس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ اہلِ دوزخ کو دوزخ کے اندر اتنا بھوکا رکھے گا کہ بھوک کی شدت سے انھیں آگ کا عذاب بھول جائے گا۔ وہ بھوک کے لیے داروغہ دوزخ مالک سے فریاد کریں گے۔ مالک انھیں ایک دوزخی درخت کے پاس لے آئے گا اور ان میں ابوجہل بھی شامل ہوگا۔ وہ درخت زقوم کی غذا کھائیں گے۔ وہ ان کے پیٹ میں پہنچ کر گرم پانی کی طرح سے کھولنے لگ جائے گا۔ پھر انھیں بہت ہی گرم پانی پلایا جائے گا' جیسے ہی پانی ان کے منہ کے قریب ہوگا تو ان کے چہرے بھن جائیں

گے۔ جو شخص شراب پیئے گا اس کی چالیس دن تک نماز قبول نہ ہوگی اور اگر وہ اس حال میں مر جائے کہ اس کے پیٹ میں شراب کا قطرہ ہو تو خدا کا یہ حق ہے کہ اسے ''طینت خبال'' کا پانی پلائے اور ''طینت خبال'' سے اہلِ دوزخ کی پیپ اور زنا کار مردوں اور عورتوں کی شرم گاہوں سے برآمد ہونے والی پیپ مراد ہے۔ اس پیپ کو دوزخ کی دیگوں میں جمع کر کے اہلِ دوزخ کو پلایا جائے گا' جس سے ان کی کھالیں اور پیٹ کے اندر تک کے اجزا گل جائیں گے۔

ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کے گرز اتنے وزنی ہیں کہ اگر ایک آہنی گرز زمین پر رکھ دیا جائے تو تمام جن وانس اسے اٹھا نہ سکیں گے۔

علا بن سیابہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کچھ لوگ دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل ہوں گے تو لوگ ہماری یہ بات سن کر تعجب کرتے ہیں اور ہم سے کہتے ہیں کہ کیا وہ لوگ دوزخ سے چھٹکارا پانے کے بعد جنت میں اولیائے الٰہی کے ساتھ ہوں گے؟؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے علا! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمِنۡ دُوۡنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۚ﴿۶۲﴾ (الرحمٰن:۶۲) ''اور اُن دونوں کے علاوہ دو اور باغ ہوں گے''۔ خدا کی قسم! وہ اولیائے الٰہی کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: کیا وہ دوزخ سے آزادی پا کر جنت میں آنے والے کافر ہوں گے؟ آپؑ نے فرمایا: نہیں' اگر وہ کافر ہوتے تو جنت میں کبھی داخل نہ ہوتے۔ میں نے عرض کیا: تو کیا وہ مومن ہوں گے؟ آپؑ نے فرمایا: اگر وہ مومن ہوتے تو دوزخ میں داخل ہی نہ ہوتے۔ وہ درمیانی قسم کے لوگ ہوں گے۔

مؤلف کتاب ہذا عرض پرداز ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو پھر اس کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ لوگ اعلیٰ درجہ کے مومن نہیں ہوں گے۔

جنت کا بیان

اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّلُـؤۡلُـؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمۡ فِيۡهَا حَرِيۡرٌ ﴿۲۳﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور نیک عمل بجا لانے والوں کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی' وہاں انھیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیا

جائے گا اور وہاں ان کے لیے ریشم کے لباس ہوں گے"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ابوبصیر کی زبانی مرقوم ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ان سے عرض کیا: مولاؑ! مجھے جنت کا شوق دلائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابومحمد! جنت کے کم ترین درجہ کی یہ کیفیت ہے کہ اس کی خوشبو ایک ہزار سال کے فاصلہ سے محسوس کی جا سکتی ہے اور جنت کے سب سے کم درجہ کے مکین کی یہ کیفیت ہے کہ اگر تمام جن وانس اس کے پاس مہمان ہونا چاہیں تو وہ سب کو کھانا بھی کھلا سکے گا اور سب کو رہائش بھی فراہم کر سکے گا' مگر اس کے باوجود اُس کی نعمات میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔

جنت کے سب سے ادنیٰ مکین کی یہ کیفیت ہوگی کہ اُس کے لیے تین باغ ظاہر کیے جائیں گے جب وہ کم ترین درجہ کے باغ میں داخل ہوگا تو وہاں اپنی ازواج' خدام' انہار اور ثمرات کو دیکھے گا تو اُس کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور اُس کے دل کو خوشی نصیب ہوگی۔

جب وہ خدا کی حمد بجا لائے گا اور اس کا شکر ادا کرے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ ذرا سر اُٹھا کر دوسرے باغ کو دیکھو۔ جب وہ دوسرے باغ کی عظیم نعمات کو دیکھے گا تو محسوس کرے گا کہ وہاں جو نعمات و لذات ہیں وہ پہلے باغ میں نہیں ہیں۔ اس وقت وہ بارگاہِ خداوندی میں عرض کرے گا کہ پروردگار! مجھے یہ باغ عنایت فرما!

اللہ تعالیٰ فرمائے گا! اگر میں نے تجھے یہ باغ دے دیا تو پھر تو اور باغ کا مطالبہ کرے گا۔ وہ عرض کرے گا: خدایا! ایسا نہیں ہوگا میرے لیے یہی دوسرا باغ ہی کافی ہے۔ چنانچہ جب وہ دوسرے باغ میں داخل ہوگا تو خدا کی حمد اور شکر ادا کرے گا۔ اس وقت فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ اس کے لیے جنت کا دروازہ کھول دو۔ چنانچہ اُس کے لیے "جنت الخلد" کا دروازہ کھول دیا جائے گا تو وہ اس سے پہلے باغات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ خوشیوں کا سامان ملاحظہ کرے گا۔ اُس وقت وہ کہے گا کہ پروردگار! تیرے لیے بے انتہا حمد ہے کہ تو نے مجھے جنت عطا کی اور دوزخ سے بچالیا۔

ابوبصیر بیان کرتے ہیں کہ میں امام علیہ السلام کا بیان سن کر رونے لگا اور میں نے عرض کیا: مولاؑ! کچھ مزید ارشاد فرمائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابومحمد! سنو! جنت میں ایک نہر ہوگی جس کے دونوں کناروں پر خوبصورت لڑکیاں اُگی کھڑی ہوں گی اور مومن کو جو بھی لڑکی پسند آئے گی وہ اُسے وہاں سے اکھیڑ لے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اور لڑکی اُگا دے گا۔

میں (ابوبصیر) نے عرض کیا: مولاؑ! کچھ مزید ارشاد فرمائیں۔

آپؑ نے فرمایا: اے ابومحمد! ایک مومن آٹھ سو کنواری لڑکیوں اور چار ہزار شوہر دیدہ عورتوں اور دو ''حورعین'' سے نکاح کرے گا۔ میں نے عرض کیا: مولاؑ! آٹھ سو کنواریوں سے نکاح کرے گا؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، وہ مباشرت کے بعد بھی اُنھیں باکرہ ہی پائے گا۔ میں نے عرض کیا: مولاؑ! یہ فرمائیں اللہ تعالیٰ نے حورعین کو کس چیز سے پیدا کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: خدا نے اُنھیں جنتِ نورانیہ کی تُربت سے پیدا کیا ہے۔ اُن کی پنڈلیوں کا گودا ستر پوشاکوں کے اندر سے بھی دکھائی دے گا۔ میں نے عرض کیا: کیا وہ جنت میں گفتگو بھی کریں گی؟ آپؑ نے فرمایا جی ہاں! اُن کی گفتگو سے زیادہ میٹھی گفتگو آج تک کسی نے سنی نہ ہوگی۔ میں نے عرض کیا: وہ کیا کہیں گی؟

آپؑ نے فرمایا: وہ مہربان آواز سے یہ کہیں گی: ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں، ہم پر موت نہیں آئے گی۔ ہم ہمیشہ تروتازہ رہنے والیاں ہیں، ہماری تازگی ختم نہ ہوگی۔ ہم ہمیشہ ٹھہرنے والیاں ہیں۔ یہاں سے کوچ نہیں کریں گی۔ ہم خوش رہنے والیاں ہیں، ہم ناراض نہ ہوں گی۔ وہ خوش بخت ہے جو ہمارے لیے پیدا ہوا ہو اور جس کے لیے ہم پیدا ہوئی ہیں اور ہم اتنی حسین ہیں کہ اگر ہماری زُلف کو آسمان کی فضا میں معلّق کر دیا جائے تو لوگوں کی آنکھیں چندھیا جائیں۔

یہ دو آیات اور ان کی تفسیر ان لوگوں کی تردید کرتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ابھی تک جنت و دوزخ پیدا نہیں ہوئے۔

قولِ طیب اور صراطِ حمید

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

''اور اُنھیں پاکیزہ بات قبول کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور اُنھیں خدائے حمید کے راستے کی ہدایت کی گئی ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ ''صراط الحمید'' سے راہِ ولایت مراد ہے۔

محاسن برقی میں ضریس الکناسی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ قولِ طیب اور صراط الحمید کیا ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! اس سے وہ عقیدہ مراد ہے جس پر تم کاربند ہو۔

اُصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى

صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾ کی آیت تلاوت کی اور فرمایا کہ حضرت حمزہؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت مقداد بن اسودؓ اور حضرت عمارؓ کو قولِ طیب اور صراطِ حمید کی ہدایت دی گئی تھی اور انھیں امیرالمومنینؑ کی طرف ہدایت دی گئی تھی۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ قولِ طیب سے ''الحمدللہ'' کا کلمہ مراد ہے اور یہ کلمہ خدا کو تمام کلمات سے پیارا ہے۔

مسجد الحرام تمام عالمِ اسلام کے لیے ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾

''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور وہ اللہ کے راستے سے روک رہے ہیں اور مسجد الحرام کی زیارت سے روک رہے ہیں جسے ہم نے تمام انسانوں کے لیے برابر قرار دیا ہے خواہ وہ مقامی ہوں یا باہر والے اور جو بھی اس مسجد کے متعلق راستی سے ہٹ کر ظلم کا طریقہ اختیار کرے گا تو اُسے ہم دردناک عذاب کا ذائقہ چکھائیں گے''۔

مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کسی فرد یا کسی ادارہ یا کسی ملک کی ملکیت نہیں ہے۔ یہ تمام انسانوں اور سب مسلمانوں کے لیے ہے' لہٰذا کسی بھی فرد اور حکومت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو حج وعمرہ سے منع کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مجیدہ میں بڑی وضاحت سے یہ اعلان کیا ہے کہ یہ تمام انسانوں کے لیے برابر ہے۔ اس میں مقامی اور غیر مقامی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ کعبہ شریف اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ کو کسی خاص شہر اور ملک سے مخصوص نہیں کیا جا سکتا' لہٰذا اُس کے گھر کو بھی کسی فرد' جماعت اور ملک کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ قرآنِ کریم میں بیت اللہ کو تمام انسانوں کے لیے رُشد و ہدایت کے مرکز کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ (البقرہ:۱۲۵) ''اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے جمع ہونے کا مقام اور امن کی جگہ مقرر کیا''۔

فرمانِ قدرت ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّھُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ (آل عمران:۹۶) ''یقیناً پہلا گھر جسے لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے وہ مبارک ہے اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ (المائدہ: ۹۷) ''اللہ تعالیٰ نے مکانِ محترم کعبہ کو

انسانوں کے لیے قیام کا ذریعہ بنایا"۔ چنانچہ مذکورہ بالا تینوں آیات میں بیت اللہ کو تمام انسانوں کا مشترکہ سرمایہ قرار دیا گیا ہے۔ فرمانِ الٰہی کے مطابق کعبہ کسی مخصوص مذہب اور ملک کی ملکیت نہیں ہے۔ تمام پرہیزگار اُس کے متولی ہیں؛ جیسا کہ فرمانِ قدرت ہے: اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (الانفال:۳۴) "کعبہ کے متولی بس پرہیزگار ہی ہیں"۔ (اضافۃ من المترجم)

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب کفارِ قریش نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے روکا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ...... کی آیتِ مجیدہ نازل فرمائی۔ خدا نے مکہ کے متعلق فرمایا کہ مقامی اور غیر مقامی لوگوں کا اس پر یکساں حق ہے۔ اس شہر پر باہر سے آنے والوں کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ اہلِ شہر کا حق ہے۔ لہٰذا اہلِ مکہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کو مکہ میں آنے اور حرم میں داخل ہونے سے روکیں۔

نہج البلاغہ میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ایک خط مرقوم ہے جو آپؑ نے عاملِ مکہ قثم بن عباسؓ کے نام لکھا تھا۔ آپؑ نے اس خط میں یہ بھی لکھا کہ اہلِ مکہ کو حکم دو کہ وہ یہاں آنے والوں سے مکانات کا کرایہ نہ لیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ "مقامی اور باہر والے اس میں یکساں ہیں"۔ "عاکف" سے مکہ کے رہائشی مراد ہیں اور "باد" سے وہ لوگ مراد ہیں جو باہر سے حج کی غرض سے مکہ میں آئیں۔

قربُ الاسناد میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام مکہ کے مکانات کے کرایہ کو ناپسند کرتے تھے اور آپؑ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ کی تلاوت کرتے تھے۔

تہذیبُ الاحکام میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ کی آیتِ مجیدہ تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا کہ مکہ میں پہلے گھروں کے دروازے نہیں ہوا کرتے تھے۔ سب سے پہلے معاویہ بن ابی سفیان نے اپنے دروازے پر کواڑ لگوائے۔ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ حج کرنے والوں کو اپنے گھروں سے روکے۔

علل الشرائع میں عبداللہ بن علی الحلبی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ کی آیتِ مجیدہ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: مکہ کے گھروں پر دروازے نہیں ہونے چاہییں کیونکہ حجاج کو یہ حق ہے کہ وہ لوگوں کے مکانات کے صحنوں میں قیام کریں؛ یہاں تک کہ مناسکِ حج مکمل کرلیں۔ مکہ شہر کے گھروں پر سب سے پہلے معاویہ بن ابی سفیان نے دروازے لگوائے تھے۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سب سے پہلے معاویہ بن ابی سفیان نے مکہ شہر میں

اپنے گھر کے دروازے پر کواڑ لگوائے تھے اور اُس نے حجاج کو گھر میں آنے سے روکا تھا جب کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: سَوَآءً الْعَاکِفُ فِیْہِ وَالْبَادِ۔ اِس سے قبل لوگ باہر سے مکہ آتے تو لوگوں کے گھروں میں رہائش اختیار کرتے تھے اور حج کر کے چلے جاتے تھے۔

تہذیب الاحکام میں حماد بن حریز سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جو باہر سے آ کر مکہ میں مجاورت اختیار کرے اُس کے لیے مسجد الحرام میں نماز پڑھنا افضل ہے یا طواف کرنا؟

آپؑ نے فرمایا: اس کے لیے طواف افضل ہے، جب کہ مکہ کی مقامی آبادی کے لیے طواف سے نماز پڑھنا افضل ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب کوئی شخص باہر سے آ کر مکہ میں رہائش اختیار کرے تو ایک سال تک اُس کے لیے طواف افضل ہے اور دوسرے سال نماز اور طواف دونوں برابر ہیں اور تیسرے سال اس کے لیے نماز افضل ہے۔

زرارہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جو مکہ میں آ کر دو سال اقامت اختیار کرے تو وہ مکہ کا مقامی فرد شمار ہوگا۔ اُس کے لیے حج تمتع کی گنجائش نہیں ہے۔

میں نے عرض کیا: مولاؑ! یہ فرمائیں اگر اس شخص کے کچھ بچے عراق میں ہوں اور کچھ مکہ میں ہوں تو اُس کے لیے کیا حکم ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ عراق والوں کے پاس زیادہ قیام کرتا ہے یا مکہ والوں کے ساتھ۔ جہاں اس کا زیادہ قیام ہو تو وہ اُس کے مطابق احکام پر عمل کرے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص باہر سے آ کر مکہ میں آباد ہو تو پہلے دو سال تک وہ حج تمتع کر سکتا ہے، جب اُسے دو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر جائے تو وہ مکہ کا مقامی فرد متصور ہوگا۔ اُسے حج تمتع کی اجازت نہیں ہے۔

حلبی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا اہلِ مکہ حج تمتع کر سکتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں، اُنھیں حج تمتع کی اجازت نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا: تو جو لوگ وہاں آ کر رہائش اختیار کریں ان کا کیا حکم ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جب وہ سال دو سال سے مقیم ہوں تو وہ اہلِ مکہ کی طرح سے عمل بجا لائیں اور اگر انھیں مہینہ ہوا ہو تو وہ حج تمتع کر سکتے ہیں۔ میں نے عرض کیا: وہ کہاں سے آغاز کریں؟ آپؑ نے فرمایا: وہ حرم کی حدود سے نکل کر آغاز

کریں۔ میں نے عرض کیا: وہ حج کی نیت کہاں سے کریں؟ آپؑ نے فرمایا: مکہ سے جیسا کہ باقی لوگ کرتے ہیں۔

حرم میں ظلم کرنے والے ہوشیار رہیں

وَمَنۡ يُّرِدۡ فِيۡهِ بِاِلۡحَادٍۢ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡهُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۲۵﴾

''اور جو بھی اس مسجد کے متعلق راستی سے ہٹ کر ظلم کا ارادہ کرے تو ہم اسے دردناک عذاب کا ذائقہ چکھائیں گے''۔

کتاب علل الشرائع میں ابی الصباح الکنانی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَمَنۡ يُّرِدۡ فِيۡهِ بِاِلۡحَادٍۢ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡهُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۲۵﴾ کی آیتِ مجیدہ کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: اگر کوئی شخص مکہ میں کسی شخص پر ظلم کرے یا چوری کرے یا کسی طرح کا ظلم کرے تو میری نظر میں اُس کا یہ عمل الحاد ہے۔ اسی لیے حرم میں سکونت سے منع کیا جاتا تھا۔

حفص بن منصور بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مسجد الحرام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؑ سے کسی نے پوچھا کہ جب حرم کے کبوتر اُڑتے ہیں تو باز اور شاہین وغیرہ ایسے پرندے انھیں شکار کرلیتے ہیں۔ (ان شکاری پرندوں کے لیے کیا کرنا چاہیے؟)

آپؑ نے فرمایا: اُنھیں مار دینا چاہیے کیونکہ وہ حرم میں زیادتی کا ارتکاب کررہے ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ وَمَنۡ يُّرِدۡ کی آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو امیرالمومنین علی علیہ السلام پر ظلم کرتے تھے۔

اُصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کچھ لوگ کعبہ میں داخل ہوئے اور اُنھوں نے آپس میں عہد و پیمان کیا کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام کو حکومت نہ کرنے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: وَمَنۡ يُّرِدۡ فِيۡهِ بِاِلۡحَادٍۢ بِظُلۡمٍ ......

واضح رہے کہ مذکورہ بالا دو روایات کا تعلق قاعدہ ''جری و تطبیق'' سے ہے ورنہ یہ حکمِ عام ہے۔

الکافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَمَنۡ يُّرِدۡ فِيۡهِ بِاِلۡحَادٍۢ بِظُلۡمٍ کی آیتِ مجیدہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا: ہر ظلم الحاد ہے حتیٰ کہ نوکر کو کسی جرم کے بغیر مارنا بھی اس میں شامل ہے۔

روضہ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ کی آیت پڑھ کر فرمایا: جو اس میں غیر اللہ کی عبادت کرے یا اولیاء اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی ولایت کو قبول کرے تو وہ ''ملحد بظلم'' ہے اور خدا کا حق ہے کہ اسے دردناک عذاب کا ذائقہ چکھائے۔

اُصولِ کافی میں ابان بن حکیم سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ ''الحاد'' کا کم از کم درجہ کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: تکبر کرنا اس کا کم ترین درجہ ہے۔

''تبع'' کا حشر

الکافی میں اسماعیل بن جابر سے منقول ہے کہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کر رہا تھا۔ میرے ساتھ ایک ساتھی بھی تھا۔ ہم نے دورانِ سفر انصار کا تذکرہ کیا اور میرے ساتھی نے کہا کہ وہ مختلف قبائل کا مجموعہ ہیں، جب کہ میں نے کہا کہ ان کا اصلی وطن یمن ہے۔

الغرض ہم یہ باتیں کرتے کرتے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آئے۔ اُس وقت آپؑ ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے سوال کیے بغیر آپؑ نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

تبع بادشاہ عراق سے ہذیل کی اس وادی میں آیا۔ اُس کے ساتھ علماء اور انبیاء کی نسل سے تعلق رکھنے والے افراد بھی موجود تھے۔ جب وہ اس وادی ہذیل میں پہنچا تو یہاں کے قبائل کے کچھ لوگ اُس کے پاس آئے اور اُنھوں نے اس سے کہا: آپ اس شہر کی طرف جا رہے ہیں جس کے رہنے والے صدیوں سے لوگوں کو بے وقوف بنائے ہوئے ہیں اور حد یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے شہر کو حرم کا درجہ دے دیا اور اپنے نبی کو رب کا درجہ دے دیا۔

یہ سن کر تبع نے کہا: اگر یہ بات سچ ثابت ہوئی تو میں وہاں پہنچ کر ان کے جو افراد لڑائی کے قابل ہوں گے انھیں قتل کر دوں گا اور ان کی نسل کو قید کر لوں گا۔

جیسے ہی اس نے دل میں یہ خیال کیا تو اُس کی آنکھیں بہہ کر اس کے رخساروں پر آ گئیں۔ اُس نے علماء اور اولادِ انبیاء کو بلایا اور ان سے کہا کہ دیکھو یہ مصیبت مجھ پر کیوں آن ٹوٹی؟

علماء اور اولادِ انبیاء نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر اس نے انھیں قسم دے کر کہا کہ کچھ تو بیان کرو۔ آخر کار علماء اور اولادِ انبیاء نے کہا کہ پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ نے دل میں کس بات کا ارادہ کیا تھا؟

بادشاہ نے کہا: میں نے دل میں یہ ارادہ کیا تھا کہ مکہ کا جو فرد لڑائی کے قابل ہوگا میں اسے قتل کروں گا اور ان کی بقیہ نسل کو قیدی بنالوں گا۔

یہ سنا تو علماء اور اولادِ انبیاء نے اُس سے کہا: آپ کو یہ صدمہ اسی ارادہ کی وجہ سے لاحق ہوا ہے کیونکہ مکہ شہر خدا کا حرم ہے اور اس میں جو گھر ہے وہ بیت اللہ ہے اور وہاں کے رہنے والے نسلِ ابراہیمؑ سے تعلق رکھتے ہیں۔

بادشاہ نے کہا: تم لوگ سچ کہتے ہو لیکن مجھے بتاؤ کہ اب اس عذاب سے میں کیسے چھٹکارا حاصل کروں؟

علماء اور اولادِ انبیاء نے کہا: آپ اپنی نیت بہتر بنالیں تو اللہ تعالیٰ آپ کی اس مصیبت کو دُور کردے گا۔

چنانچہ اس نے دل میں نیکی کی ٹھان لی۔ جیسے ہی اس نے نیت تبدیل کی تو وہ پہلے کی طرح سے بینا ہوگیا۔ پھر اس نے شکایت کرنے والوں کو بلایا اور انھیں قتل کردیا۔ پھر وہاں سے وہ بیت اللہ آیا اور اس پر غلاف چڑھایا اور تیس دن تک مسلسل سو اُونٹ نحر کرتا رہا اور وہاں کے مقامی باشندوں کو کھانا کھلاتا رہا' یہاں تک کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر درندوں اور جانوروں کے لیے گوشت فراہم کیا گیا اور وادیوں میں چوپایوں کے لیے گھاس فراہم کیا گیا۔ پھر وہ مکہ سے مدینہ روانہ ہوا' وہاں اُس نے اپنے ساتھیوں میں سے کچھ کو جن کا تعلق غسان سے تھا وہاں مدینہ میں رہنے کا حکم دیا اور آج وہ انصار کہلاتے ہیں۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرٰهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِينَ وَالْقَآئِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۲۶﴾ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيٓ أَيَّامٍ مَّعْلُومٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ج فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ق وَمَنْ يُّعَظِّمْ

حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا
مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ
الزُّوْرِ ۙ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ
فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ
مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ
تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ
اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ع وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ
اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ
وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ
لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ
جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ
سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا
دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾

''اور اُس وقت کو یاد کرو جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے بیت اللہ کی جگہ فراہم کی کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور طواف کرنے والوں' قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک و پاکیزہ بناؤ۔ اور لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔ لوگ تمھاری طرف پیدل اور تھکی ہاری سواریوں پر دُور دراز مقامات سے آئیں گے' تاکہ وہ اپنے فوائد کا مشاہدہ کریں اور چند مقررہ دنوں میں ان جانوروں پر اللہ تعالیٰ کا نام لیں' جو خدا نے اُنھیں رزق کے عنوان سے عطا کیے ہیں۔ تم خود ان کا گوشت کھاؤ اور بھوکے محتاج افراد کو بھی کھلاؤ۔

پھر لوگوں کو چاہیے کہ اپنا میل کچیل صاف کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور قدیم گھر والوں کا طواف کریں۔ بات یہ ہے کہ جو خدا کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو اس کے رب کے نزدیک اس کے لیے بہتر ہے اور تمھارے لیے تمام جانور حلال کیے گئے ہیں' سوائے ان جانوروں کے جن کے متعلق تمھیں بتایا جا رہا ہے۔ تم بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔ باطل سے کترا کر خالص اللہ تعالیٰ کے بندے بن جاؤ اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے نہ بنو اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے تو وہ گویا آسمان سے گر پڑتا ہے اور اُسے پرندے اُچک لیتے ہیں یا ہوا اسے کسی دُور دراز مقام پر پھینک دیتی ہے۔

بات یہ ہے کہ جو کوئی خدا کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ تعظیم اُس کے دل کے تقویٰ کا نتیجہ ہوگی تمھارے لیے ان جانوروں سے مقررہ وقت تک فائدہ حاصل کرنے کا حق ہے' پھر اس

کے بعد ان کی جگہ بیت العتیق (خانہ کعبہ) کے پاس ہے۔ ہم نے ہر اُمت کے لیے قربانی کا طریقہ مقرر کردیا ہے، تاکہ جن جانوروں کا رزق خدا نے انھیں دیا ہے ان پر وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیں۔ تمھارا معبود بس معبودِ واحد ہے۔ تم اسی کے اطاعت گزار بنو اور عاجزانہ رویہ اختیار کرنے والوں کو خوش خبری دے دو جن کے سامنے خدا کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل لرز اُٹھتے ہیں اور وہ مصائب پر صبر کرنے والے ہیں اور وہ نماز پابندی سے ادا کرنے والے ہیں اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اور قربانی کے اُونٹ کو ہم نے تمھارے لیے شعائر اللہ میں سے قرار دیا ہے۔ اس میں تمھارے لیے بھلائی ہے اُنھیں کھڑے کر کے ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ اس کے بعد جب وہ پہلو کے بل گر جائیں (تڑپنا بند کردیں) تو اُس کا گوشت خود بھی کھاؤ اور قناعت کرنے والے اور بھیک مانگنے والے سائلوں کو بھی کھلاؤ۔ ہم نے اس طرح سے ان جانوروں کو تمھارے لیے مسخر کیا ہے، تاکہ تم شکرگزار بن جاؤ۔

قربانی کے جانوروں کا گوشت اور اُن کا خون خدا تک ہرگز نہیں پہنچتا۔ اس تک تو صرف تمھارا تقویٰ ہی پہنچتا ہے اور اس طرح سے جانوروں کو ہم نے تمھارے لیے مسخر کردیا ہے، تاکہ خدا کی دی ہوئی ہدایت پر تم اس کی بزرگی بیان کرو اور بھلائی کرنے والوں کو بشارت دے دو۔ ایمان لانے والوں کی طرف سے خدا یقیناً مدافعت کرتا ہے اور اللہ کسی بھی خائن اور ناشکرے سے محبت نہیں رکھتا"۔

بانیٔ کعبہ اور کعبہ

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

"اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے بیت اللہ کی جگہ فراہم کی کہ میرے ساتھ کسی

چیز کو شریک نہ کرو اور طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک و پاکیزہ بناؤ''۔

الکافی میں حلبی سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَالْقَآىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ جب وہ مکہ (بیت اللہ) میں داخل ہو تو پاک و پاکیزہ ہو کر داخل ہو اور صاف ستھرا اور نہا دھو کر بیت اللہ میں آئے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کعبہ کے گرد اللہ تعالیٰ کی ایک سو بیس رحمتیں ہیں، ساٹھ رحمتیں طواف کرنے والوں کے لیے اور چالیس رحمتیں نماز پڑھنے والوں اور بیس رحمتیں نگاہ کرنے والوں کے لیے مخصوص ہیں۔

تہذیب الاحکام میں عمران حلبی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جب عورتیں بیت اللہ میں آئیں تو کیا وہ بھی غسل کر کے آئیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَالْقَآىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ ''لہٰذا جب بھی کوئی شخص بیت اللہ میں داخل ہو تو پاک صاف ہو کر داخل ہو اور پسینہ اور دوسری الائشوں کو دھو کر آئے۔

کتاب التوحید میں محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ لوگ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ خلق آدم علی صورتہ (اللہ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا) اس حدیث کا آخر کیا مقصد ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: آدمؑ کی صورت اس کی پیدا کردہ اور حادث صورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو چن لیا تھا اور باقی صورتوں سے اسے منتخب کیا تھا، پھر اس کی اضافت اُس نے اپنی طرف کی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی نسبت اپنی طرف دی ہے اور اُس کا نام بیت اللہ رکھا ہے، حالانکہ اس گھر میں اللہ نہیں رہتا، وہ لامکان ہے۔ اسی طرح سے اُس نے روح کی اضافت اپنی طرف دی جیسا کہ اس نے کہا: ونفخت فیہ من روحی ''اور میں اس میں اپنی روح پھونک دوں''۔

وضاحت: بعض اوقات اضافت کسی شرف کے اظہار کے لیے ہوتی ہے، جیسا کہ ناقۂ صالح کو ناقۃ اللہ کہا گیا۔ حالانکہ سب اُونٹنیاں خدا کی ہی پیدا کردہ ہیں، مگر اس سے اس کے شرف کو ظاہر کیا گیا۔ اسی طرح سے کعبہ شریف کو بیت اللہ کہا جاتا ہے، حالانکہ اس گھر میں خدا رہائش پذیر نہیں ہے۔ یہ اضافت بھی اظہارِ شرف کے لیے ہے۔ (اضافۃ من المترجم)

تعمیرِ کعبہ

الکافی میں صادقین علیہما السلام میں سے کسی ایک بزرگوار سے منقول ہے کہ اُنھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ وہ اس کی بنیادوں کو بلند کریں اور لوگوں کو مناسکِ حج کی تعلیم دیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر شروع کی۔ وہ روزانہ ایک ہاتھ تک اسے بلند کرتے رہے اور جب وہ حجرِ اسود کے نصب کرنے کی جگہ تک پہنچے تو اُس وقت کوہِ ابوقبیس سے ایک ندا بلند ہوئی۔ پہاڑ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: اے ابراہیم! میرے پاس تیرے لیے ایک امانت ہے۔ یہ آواز سن کر آپؑ اُس پہاڑ کے پاس تشریف لے گئے اور پہاڑ نے کہا: میرے پاس یہ پتھر موجود ہے' اُسے یہاں سے لے جاؤ اور اسے جا کر کعبہ میں نصب کرو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حجرِ اسود کو اٹھایا اور اسے اس کی جگہ پر نصب کیا۔ جب کعبہ کی تعمیر مکمل ہوگئی تو ابراہیم علیہ السلام نے اذان حج دی اور فرمایا: اے لوگو! میں ابراہیمؑ خلیل اللہ ہوں' اللہ تعالیٰ نے تمھیں حکم دیا ہے کہ تم اس گھر کا حج کرو۔ جس نے بھی آپؑ کی پکار پر لبیک کہا وہ حج کی سعادت حاصل کرے گا۔ سب سے پہلے اہلِ یمن نے آپؑ کی آواز پر لبیک کہا تھا۔

کتاب علل الشرائع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اذانِ حج کا حکم دیا تو آپؑ اس پتھر پر چڑھے جس پر آپؑ کے قدموں کے نشان ثبت ہیں اور جسے "مقامِ ابراہیم" کہا جاتا ہے۔ آپؑ نے اس پتھر کو بیت اللہ کے ساتھ عین اس جگہ کے سامنے لگایا جہاں وہ اس وقت موجود ہے۔ پھر آپؑ اس پتھر پر چڑھے اور آپؑ نے بلند آواز سے لوگوں کو حج پر آنے کی دعوت دی۔ پتھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وزن کو برداشت نہ کرسکا۔ آپؑ کے دونوں قدم پتھر میں چھپ گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پورا زور صرف کر کے اپنے پاؤں پتھر سے باہر نکالے۔ چنانچہ وہ پتھر بیت اللہ کے ساتھ ہی ہوا کرتا تھا۔ بہت عرصہ گزرنے کے بعد جب لوگ کثرت سے حج اور عمرہ پر آنے لگے اور لوگوں کا ہجوم ہونے لگا تو لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ پتھر طواف میں رکاوٹ ثابت ہو رہا ہے تو اُنھوں نے وہاں سے اس پتھر کو ہٹا کر وہاں رکھا جہاں یہ اب موجود ہے۔

جب حضرت رسولِ خدا مبعوث ہوئے تو آپؐ نے اس جگہ سے مقامِ ابراہیمؑ کو ہٹا کر اس مقام پر رکھا جہاں حضرت ابراہیمؑ نے رکھا تھا۔ آنحضرتؐ کی وفات تک وہ اس جگہ پر ہی رہا اور بعد میں حضرت ابوبکر کے عہدِ حکومت اور حضرت عمر کے عہدِ حکومت کے ابتدائی دور میں اس جگہ پر ہی رہا۔ پھر حضرت عمر نے کہا کہ یہ پتھر طواف میں رکاوٹ بن رہا ہے تم میں سے کسی کو اس جگہ کا علم ہو جہاں وہ زمانۂ جاہلیت میں تھا تو مجھے اس کی خبر دے۔

E41

ایک شخص نے کہا: مجھے اس جگہ کا مکمل علم ہے اور مجھے اس کی پوری پیائش کا علم ہے۔ حضرت عمر نے کہا: پھر تم پیائش کر کے اس جگہ کی نشاندہی کرو۔ اس نے اس جگہ کی نشاندہی کی تو مقامِ ابراہیمؑ کے پتھر کو کعبہ سے ہٹا کر موجودہ مقام پر نصب کر دیا گیا۔

حلبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ تلبیہ لبیك اللهم لبیك...... کیوں واجب کیا گیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اذانِ حج کا حکم دیا تھا۔ آپؑ نے لوگوں کو حج کے لیے پکارا تھا۔ یہ تلبیہ اسی ندائے ابراہیمی کا جواب ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ بیت اللہ کی تعمیر مکمل کر کے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو حکم دیا کہ رُکن پر چڑھ کر اذانِ حج دیں۔ چنانچہ آپؑ رکن پر چڑھے اور پکار کر کہا: اَلَاهَلُمَّ الْحَجَّ ، اَلَاهَلُمَّ الْحَجَّ (آؤ حج کے لیے، آؤ حج کے لیے) اگر اس کی بجائے آپؑ ان الفاظ سے ندا کرتے: ھلموا الی الحج تو حج صرف اسی دور کے افراد پر ہی واجب ہوتا، لیکن جب آپؑ نے الاھلم الحج کی آواز سے ندا دی تو آپؑ کی ندا صرف اس وقت کے انسانوں تک ہی محدود نہ رہی۔ اَصلاب میں موجود اَرواح نے بھی آپؑ کی آواز پر لبیک کہی اور اُنھوں نے کہا: لبیك داعی الله ، لبیك داعی الله (اے داعیِ خدا حاضر ہوں، اے داعیِ خدا حاضر ہوں) جس نے دس بار لبیک کہا تو وہ دس مرتبہ حج کرے گا اور جس نے پانچ مرتبہ لبیک کہا تو وہ پانچ مرتبہ حج کرے گا اور جس نے ایک بار لبیک کہا وہ ایک بار حج کرے گا اور جس نے وہاں لبیک نہیں کہا تھا تو وہ حج نہیں کرے گا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اذانِ حج کا حکم دیا تو آپؑ اس پتھر پر چڑھے جسے مقامِ ابراہیم کہا جاتا ہے۔ خدا کی قدرت سے پتھر اتنا بلند ہوا کہ وہ کوہِ ابوقبیس کے برابر ہو گیا۔ اس وقت آپؑ نے حج کا اعلان کیا۔ آپؑ کے اعلان کو قیامت تک پیدا ہونے والے لوگوں نے سنا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: رسولِ خدا مدینہ میں دس سال رہے۔ آپؑ نے اس دوران حج نہیں کیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپؑ پر یہ آیت نازل فرمائی: وَاَذِّنۡ فِي النَّاسِ بِالۡحَجِّ يَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاۡتِيۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِيۡقٍ ۙ﴿۲۷﴾ "لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔ لوگ تمھاری طرف پیدل اور تھکی ہاری سواریوں پر دُور دراز مقامات سے آئیں گے"۔

اس کے بعد رسولِ خدا نے منادی بھیجے، جنھوں نے ہر جگہ جا کر اعلان کیا کہ رسولِ خدا اس سال حج پر جا رہے ہیں جس نے آپ کے ساتھ حج کرنا ہو وہ آپ کے قافلہ میں شامل ہو جائے۔ الغرض مدینہ اور اُس کے گرد و نواح اور پورے جزیرۃ العرب میں لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ حبیب خدا اس مرتبہ حج پر جا رہے ہیں۔ لوگ دُور دراز مقامات سے مدینہ آئے وہ پیغمبر اسلام کا حج دیکھنا چاہتے تھے۔

رسولِ خدا ذی قعدہ کی چار تاریخ کو مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ مدینہ سے روانہ ہو کر مقامِ ذی الحلیفہ پر پہنچے تو اس وقت سورج ڈھل چکا تھا۔ آپ نے غسل کیا، پھر آپ مسجد شجرہ تشریف لائے اور آپ نے وہاں پر نماز ظہر ادا کی اور آپ نے حج اِفراد کی نیت کی۔ پھر آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور مقامِ بیداء کے پہلے میل تک پہنچے۔ وہاں لوگوں نے دو صفیں بنائیں۔ آپ نے حجِ مفردہ کے لیے تلبیہ کہا اور آپ اپنے ساتھ چھیاسٹھ یا چونسٹھ قربانی کے جانور لے کر گئے تھے۔

عوالی اللئالی میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب حُجاج غبار آلود چہروں اور پریشان بالوں کے ساتھ مناسکِ حج کی ادائیگی میں مصروف ہوتے ہیں تو اُس وقت اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ سے فرماتا ہے کہ میرے گھر کے زائرین کو دیکھو وہ دُور دراز مقامات سے پریشان مُو اور غبار آلود چہروں کے ساتھ آئے ہیں (اور میرے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں)

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَذِّنۡ فِى النَّاسِ بِالۡحَجِّ يَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاۡتِيۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِيۡقٍ ﴿۲۷﴾ کی آیتِ مجیدہ میں جو لفظ "ضامر" استعمال ہوا ہے اس سے وہ اُونٹ مراد ہیں جو طویل سفر کی مشقت اُٹھانے کی وجہ سے دُبلے ہو گئے ہوں۔ بعض قراء نے "یاتین" کی جگہ "یاتون" بھی پڑھا ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اذانِ حج کہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا: پروردگار! میری آواز کہاں تک پہنچے گی؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اذان دینا تمھارا کام ہے اور تمھاری آواز کو پہنچانا ہمارا کام ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر چڑھے جسے مقامِ ابراہیمؑ کہا جاتا ہے۔ اس وقت وہ پتھر بیت اللہ کے ساتھ متصل ہوتا تھا۔ جب آپ مقام پر چڑھے تو وہ پتھر اتنا بلند ہوا کہ پہاڑ بھی اس سے نیچے رہ گئے۔ آپ نے اپنے کان میں انگلی ڈالی اور مشرق و مغرب کی طرف منہ کر کے آپ نے یہ اعلان کیا:

"اے لوگو! تم پر "بیت عتیق" کا حج فرض کیا گیا ہے۔ تم اپنے رب کی ندا پر لبیک کہو۔ ساتویں سمندر کے نیچے اور

مشرق ومغرب کے درمیان رہنے والے لوگوں نے اور جو ارواح اصلابِ رجال اور اَرحامِ اُمہات میں تھے' اُنھوں نے بھی جواب میں تلبیہ کہا اور اُنھوں نے تلبیہ میں یہ الفاظ کہے: لبیك اللھم لبیك''۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حجاج جب حج کے لیے آتے ہیں تو لبیك اللھم لبیك کہتے ہوئے آتے ہیں۔ چنانچہ ندائے ابراہیمؑ کے دن سے لے کر روزِ قیامت تک حج وہی کرے گا' جس نے اس ندا پر لبیک کہی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ (آل عمران: ۹۷) ''اس میں کھلی نشانیاں مقامِ ابراہیم'' ہے۔ اور یہ وہی پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کی منادی کی تھی۔

الکافی میں ربیع بن خثیم سے منقول ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو کچھ افراد نے پالکی میں اٹھایا ہوا تھا اور وہ آپ کو طواف کرا رہے تھے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آپؑ سخت بیمار ہیں اسی لیے خود طواف کرنے سے قاصر ہیں۔ جب آپ کی پالکی رکنِ یمانی کے پاس آئی تو آپؑ اٹھانے والوں سے کہتے تھے کہ اسے زمین پر رکھ دو۔ وہ آپؑ کی ڈولی کو زمین پر رکھ دیتے تو آپؑ ڈولی سے ہاتھ باہر نکالتے اور زمین پر پھیرتے تھے۔ پھر کہتے تھے کہ اب مجھے اُٹھالو۔ آپؑ نے ہر چکر میں اس عمل کو دہرایا تو میں نے کہا: فرزندِ رسولؐ! یہ عمل آپؑ کے لیے مشقت کا باعث ہے۔

آپؑ نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا: لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (تاکہ وہ اپنے منافع کا مشاہدہ کریں)

میں نے عرض کیا: اس سے دنیا کے فوائد مراد ہیں یا آخرت کے فوائد؟

آپؑ نے فرمایا: سب فوائد مراد ہیں۔

سلمہ بن محرز بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بیماری کی وجہ سے ڈولی میں بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ آپؑ کو طواف کرا رہے تھے تو اس وقت میں وہاں حرمِ کعبہ میں موجود تھا۔ ایک شخص جس کا نام ابوالورد تھا وہ حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور اُس نے کہا: مولاؑ! آپؑ کو اس ڈولی میں تکلیف ہو رہی ہوگی' آپؑ اس سے اپنے جسم کو آزاد کر لیتے تو بہتر تھا۔

امام علیہ السّلام نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ ان منافع کا مشاہدہ کروں' جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ ''اور یاد رکھو جو بھی یہاں آتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نہ کوئی نفع حاصل ہوتا ہے''۔ تم لوگوں کا نفع تو یہ ہے کہ جب یہاں سے واپس جاؤ گے تو تمھارے گناہ معاف ہو چکے ہوں گے اور تمھارے علاوہ دوسروں کو ان کے خاندان اور ان کے اموال کی حفاظت کی ضمانت ملے گی۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ کے تحت آخرت میں جو فوائد ملیں گے وہ درجات کی بلندی اور مغفرت کی شکل میں ہوں گے۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے محمد بن سنان کے مسائل کے جواب میں احکامِ شرعیہ کے علل و اسباب بیان فرمائے اور آپؑ نے حج کے علل و اسباب یوں تحریر فرمائے:

حج خدا کے حضور مہمانی ہے اور سابقہ گناہوں سے باہر نکلنے کا ذریعہ ہے اور حج کرنے والا سابقہ گناہوں سے توبہ کر کے نئی پاکیزہ زندگی بسر کرنے کا عہد کرتا ہے اور اس میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور جسم کو تھکان بھی اٹھانی پڑتی ہے اور حج کے سفر کے دوران انسان شہوات اور لذات سے پرہیز کرتا ہے اور عبادت کے ذریعہ سے قربِ الٰہی کے منازل طے کرتا ہے۔

اس سفر میں خضوع، استکانت اور عاجزی شامل ہوتی ہے۔ انسان رضائے الٰہی کے حصول کی غرض سے سردی، گرمی اور امن و خوف کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے۔ اس کے علاوہ حج میں تمام انسانوں کے فوائد مضمر ہیں اور حج میں ثواب کے حصول کا جذبہ اور خدا کے عذاب سے بچنے کا جذبہ شامل ہوتا ہے۔

سفرِ حج سے دل کی سختی اور نفس کا حسد اور ذکرِ الٰہی سے فراموشی اور امید کا انقطاع ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے حقوق کی تجدید ہوتی ہے اور انسان اپنے آپ کو ہر طرح کے بگاڑ سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور حج مشرق و مغرب کے لیے فائدہ مند ہے اور تمام بر و بحر میں رہنے والوں کے لیے فائدہ کا ذریعہ ہے، خواہ وہ حج میں شامل ہوں یا نہ ہوں۔ حج میں تاجر، خریدار، سامان برآمد کرنے والوں اور اہلِ حرفہ و مساکین کے فوائد ہیں اور اہلِ اطراف کی حاجات پورا ہونے کا ذریعہ ہے اور جن مقامات کے لوگ اس اجتماع میں شریک ہو سکتے ہیں اُن سب کے لیے اس میں فائدے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ (تا کہ وہ اپنے فوائد کا مشاہدہ کریں)

فضل بن شاذان نے بھی حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے اَحکام شرعیہ کے علل و اسباب سنے تھے۔ اُس نے بھی اپنی روایت میں فوائد حج وہی بیان کیے جو محمد بن سنان کے جواب میں امام نے لکھے تھے، البتہ اس میں یہ کلمات زیادہ ہیں۔ حج کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے دینی بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے اور ائمہؑ کی احادیث کی نشر و اشاعت ہوتی ہے اور لوگ ان احادیث کو دنیا کے مختلف گوشوں میں لے جاتے ہیں اور اس سے قرآنِ حکیم کے اس حکم کی تکمیل ہوتی ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (التوبہ: ۱۲۲)

"ہر گروہ میں سے ایک جماعت اس کام کے لیے کیوں نہیں نکلتی کہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں، پھر جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئیں تو انھیں تبلیغ کریں شاید وہ اس طرح سے ڈرنے لگیں"۔

ایامِ تشریق کی تکبیرات

......وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۝

"اور چند مقررہ دنوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لیں، اس وجہ سے کہ خدا نے انھیں جانور بعنوانِ رزق عطا کیے ہیں۔ تم خود ان کا گوشت کھاؤ اور بھوکے محتاج افراد کو بھی کھلاؤ"۔

عوالی اللئالی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ کی آیتِ مجیدہ سے پندرہ نمازوں کے بعد کی تکبیرات ہیں، جن کا آغاز روزِ عید کی نمازِ ظہر کے بعد سے کیا جائے گا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی اسی مفہوم کی روایت منقول ہے۔

معانی الاخبار میں مرقوم ہے کہ ابی الصباح الکنانی کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ کی آیتِ مجیدہ کے ضمن میں فرمایا کہ اس سے ایامِ تشریق مراد ہیں۔

زید شحام کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ (البقرہ:۲۰۳) کی آیتِ مجیدہ کے ضمن میں فرمایا کہ "معلومات اور معدودات" ایک ہی چیز ہے اور اس سے ایامِ تشریق مراد ہیں۔

تہذیب الاحکام میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اپنے والد ماجد علیہ السلام سے سنا اُنھوں نے کہا کہ وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ سے ۱۰ ذی الحجہ اور ایامِ تشریق مراد ہیں۔

حماد بن عیسیٰ سے بھی یہ روایت منقول ہے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ ان ایام کے متعلق مفسرین میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے قربانی کا دن اور اس کے بعد کے تین دن مراد ہیں اور "معدودات" سے ذی الحجہ کا پہلا عشرہ مراد ہے۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی بات منقول ہے۔

الکافی میں ابو بصیر کی زبانی منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے

ذریح محاربی نے کہا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ سے ملاقاتِ امام مراد ہے۔ اور وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ سے دوسرے مناسکِ حج مراد ہیں۔

عبداللہ بن سنان بیان کرتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات کی اور میں نے اُن سے عرض کیا کہ قرآنِ کریم کی اس آیت ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ کا کیا مقصد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی مونچھیں کٹوائیں اور ناخن ترشوائیں اور اس جیسے دوسرے کام کریں۔

میں نے عرض کیا میں نے ذریح محاربی سے اس آیت کا مطلب پوچھا تھا تو اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ کا مطلب یہ ہے کہ حج پر آنے والے امام سے ملاقات کریں۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: ذریح محاربی نے بھی صحیح کہا ہے اور میں نے جو کچھ ابھی تجھ سے کہا ہے وہ بھی صحیح ہے۔ یاد رکھو! قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے، لیکن ہر شخص ذریح محاربی کی طرح سے باطن کا متحمل کہاں؟

ابوبصیر کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ کے ضمن میں فرمایا: اس سے وہ میل کچیل مراد ہے جو احرام کے دوران بداخلاقی کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔ جب آدمی مکہ میں داخل ہو کر با اخلاق گفتگو کرتا ہے تو وہ اس کا کفارہ بن جاتی ہے۔

من لایحضرہ الفقیہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ کا ایک مطلب یہ ہے کہ حالتِ اِحرام میں خوشبو لگانا ممنوع تھا۔ مناسک کی ادائیگی کے بعد خوشبو لگانا جائز ہے۔ ایک اور روایت میں آپؑ سے منقول ہے کہ اس سے مونچھیں اور ناخن کٹوانا مراد ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت میں ہے کہ اس سے سر اور جسم کے دوسرے بال منڈوانا مراد ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے ناخن تراشی، میل کچیل اُتارنا اور اِحرام سے آزاد ہونا مراد ہے۔

قربُ الاسناد میں بھی حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے یہ روایت منقول ہے، البتہ اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ آپؑ نے فرمایا: وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ سے طوافِ فریضہ مراد ہے۔

تہذیب الاحکام میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ سے طواف

قرآنِ کریم میں مصارف زکوٰۃ بیان کیے ہیں اور فرمایا ہے کہ صدقات فقراء و مساکین کے لیے ہیں' آپؑ یہ فرمائیں کہ فقیر کون ہوتا ہے اور مسکین کسے کہتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: فقیر وہ ضرورت مند ہے جو غریب ہو اور لوگوں سے سوال نہ کرتا ہو' اور مسکین وہ ہے جو مالی حالت میں اس سے بھی زیادہ تنگ ہو اور "بائس" وہ ہوتا ہے جو ان دونوں سے زیادہ غریب ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ سے وہ مفلس مراد ہے جو معذور اور اپاہج ہو اور اپنے اپاہج پن کی وجہ سے باہر نکلنے کے قابل نہ ہو۔

اُصولِ کافی میں ابوعبیدہ سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے لوگوں کو مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے دیکھا تو کہا: یہ افعال تو زمانۂ جاہلیت میں بھی بجالائے جاتے تھے۔ خدا کی قسم! لوگوں کو اس طرح سے تو حکم نہیں دیا گیا۔ اُنھیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی میل کچیل دُور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں' پھر ہمارے پاس آئیں اور اپنے عقیدۂ ولایت کی ہمیں خبر دیں اور اپنی مدد کی ہمیں پیش کش کریں۔

الکافی میں معاویہ بن عمار سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب تو اِحرام باندھ لے تو پھر خدا کا تقویٰ اختیار کر اور فخر و غرور کو چھوڑ دے اور تجھ میں خوفِ خدا کا اتنا جذبہ ہونا چاہیے جو تجھے خدا کی نافرمانی سے روک سکے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ (پھر وہ اپنا میل کچیل اُتاریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور قدیم گھر کا طواف کریں)۔ خیال رکھنا! حالتِ احرام میں قبیح گفتگو بھی میل کچیل میں شامل ہے' لہٰذا تم جب بھی مکہ جاؤ اور بیت اللہ کا طواف کرو تو اچھی گفتگو کرو۔ تمھاری یہ اچھی گفتگو تمھاری کی ہوئی بُری گفتگو کا کفارہ بن جائے گی۔

ابی الصباح الکنانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر کسی حاجی کو بال کٹوانے یاد نہ رہیں' یہاں تک کہ وہ منیٰ سے بھی باہر آجائے؟

آپؑ نے فرمایا: میں تو اسی بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ منیٰ ہی میں بال کٹوائے (یا منڈوائے) جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ اس سے سر کے اور جلد کے دوسرے بال منڈوانا مراد ہے۔

عبداللہ بن سنان بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ "ذریح محاربی" سے میری گفتگو ہوئی اور میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ۔ اس سے کیا مراد ہے؟

فریضہ طواف نساء مراد ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۲۹﴾ سے مراد طواف نساء مراد ہے۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عبدالمطلب نے کچھ رسمیں جاری کی تھیں جنھیں خدا نے اسلام میں بھی باقی رکھا۔ ان میں سے ایک قانون یہ تھا کہ باپ کی منکوحہ بیٹے پر حرام ہے اور اُنھوں نے طواف میں سات چکر کا قانون بنایا تھا۔ خدا نے اسلام میں بھی ان کے بتائے ہوئے قانون کو بحال رکھا ہے۔

الخصال میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عبدالمطلب سے قبل لوگ بیت اللہ کا طواف کرتے تھے، لیکن چکروں کی تعداد مقرر نہ تھی۔ عبدالمطلب نے ایک طواف کے سات چکر مقرر کیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بنائے ہوئے قانون کو اسلام میں بھی جاری رکھا۔

عیون الاخبار میں ایک باب ہے جس میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے اَحکام شرعیہ کے علل و اسباب منقول ہے۔ آپؑ نے مذکورہ اسباب محمد بن سنان کے خط کے جواب میں تحریر فرمائے تھے۔ آپؑ نے اپنے رسالہ میں بیت اللہ کے طواف کی وجہ یوں تحریر فرمائی:

"جب اللہ تعالیٰ نے بزمِ ملائکہ میں اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ البقرہ:۳۰) کا اعلان کیا تو ملائکہ نے کہا تھا کہ خدایا! کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟ بعدازاں فرشتوں کو اپنے اس جواب پر ندامت ہوئی۔ اُنھوں نے عرش کا طواف کیا اور خدا سے مغفرت طلب کی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مغفرت طلب کرنے کے لیے ایک اور بھی گھر ہونا چاہیے۔ چنانچہ اُس نے چوتھے آسمان پر عرش کی عین سیدھ میں ایک گھر بنایا جس کا نام "صراح" رکھا۔ بعدازاں اللہ تعالیٰ نے آسمانِ دنیا پر "صراح" کی عین سیدھ میں ایک اور گھر بنایا جس کا نام "بیت المعمور رکھا۔ پھر بیت المعمور کی عین سیدھ میں خانہ کعبہ بنوایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اس گھر کا طواف کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ پھر اس کے بعد قیامت کے لیے اس سلسلہ کو جاری کر دیا گیا۔

الکافی میں ابوحمزہ ثمالی سے منقول ہے کہ میں نے مسجد الحرام میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ بیت اللہ کو بیت العتیق کا نام کیوں دیا گیا؟

آپؑ نے فرمایا: لفظ "عتیق" آزاد کے معنی میں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر گھر کا کوئی نہ کوئی مالک ہوتا ہے اور ہر

گھر کا کوئی نہ کوئی رہائشی ہوتا ہے جو اس گھر میں رہائش پذیر ہوتا ہے، لیکن کوئی انسان اس گھر کا نہ تو مالک ہے اور نہ ہی کوئی اس میں رہائش پذیر ہے۔ اس گھر کا مالک صرف اور صرف اللہ ہی ہے۔ یہ گھر ہر انسان کی نسبت سے آزاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین کی تخلیق سے پہلے پیدا کیا، پھر اس کے نیچے سے زمین کو بچھانے کا آغاز کیا۔

محاسن برقی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اس گھر کو ''بیتِ عتیق'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ گھر طوفانِ نوحؑ میں غرق ہونے سے محفوظ رہا تھا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی یہ روایت مرقوم ہے جب کہ علل الشرائع میں ذریح محاربی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: طوفانِ نوحؑ کے دوران ساری زمین غرق ہوئی تھی، مگر بیت اللہ طوفان کی زد سے محفوظ رہا تھا۔ میں (راوی) نے عرض کیا: کیا اس گھر کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں، وہاں تک پانی نہیں پہنچا تھا، وہاں سے پانی روک دیا گیا تھا۔

بت پرستی اور جھوٹ سے پرہیز کرو

فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ ﴿۳۰﴾

''تم بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو''۔

کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ شطرنج بھی بتوں کی ناپاکی میں شامل ہے اور قولِ زُور سے غناء (راگ) مراد ہے۔

حماد بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ قولِ زُور کیا ہے، جس سے خدا نے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر تم نے کسی مُغنی (گلوکار) کی راگ گانا سن کر اَحۡسَنۡتَ (بہت خوب) کہا تو یہ بھی قولِ زُور میں شامل ہے۔

الکافی میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ ﴿۳۰﴾ کا مطلب دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: قولِ زُور غنا ہے۔

زید شحام کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَاجۡتَنِبُوۡا

قَوۡلَ الزُّوۡرِ ﴿۳۰﴾ کی آیتِ مجیدہ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: بتوں کی ناپاکی میں شطرنج شامل ہے اور قولِ زُور غنا ہے۔

مجمع البیان میں اس آیتِ مجیدہ کے ضمن میں مرقوم ہے کہ ہمارے اصحاب نے روایت کی ہے کہ شطرنج، نرد اور دیگر ہر طرح کی قمار بازی رِجس میں شامل ہے اور قولِ زُور کے متعلق ہمارے اصحاب نے روایت کی ہے کہ اس میں غنا اور دوسرے لہو ولعب کے اقوال شامل ہیں۔

یمن بن خزام راوی ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور آپؐ نے خطبہ کے دوران فرمایا: اے لوگو! جھوٹی گواہی شرک کے مساوی ہے۔ پھر آپؐ نے فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ ﴿۳۰﴾ کی آیت تلاوت فرمائی۔

قولہ: حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيۡرَ مُشۡرِكِيۡنَ بِهٖ "باطل سے کترا کر خالص اللہ تعالیٰ کے بندے بن جاؤ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے نہ بنو"۔

کتاب التوحید میں زرارہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيۡرَ مُشۡرِكِيۡنَ بِهٖ کی آیتِ مجیدہ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: "حنیفیت" وہ فطرت ہے جس پر خدا نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو معرفت پر ہی پیدا کیا ہے۔

شعائر اللہ کی تعظیم تقویٰ کی دلیل ہے

ذٰلِكَ ۗ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ﴿۳۳﴾

"بات یہ ہے کہ جو کوئی خدا کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ تعظیم اُس کے دل کے تقویٰ کا نتیجہ ہوگی۔
تمہارے لیے ان جانوروں سے ایک مقرر وقت تک فائدہ حاصل کرنے کا حق ہے پھر اس کے بعد
ان کی جگہ بیتِ عتیق (خانہ کعبہ) کے پاس ہے"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم میں قربانی کے جانور کو بھی خدا نے شامل کیا ہے۔ اس کی پرورش نگہداشت اس میں شامل ہے اور حج کرنے والا قربانی کے جانور پر سوار بھی ہوسکتا ہے اور اس پر سامان بھی لاد سکتا ہے، البتہ اس پر ستم نہ کرے اور اسے لاغر نہ ہونے دے اور اگر قربانی کا جانور مادہ ہو اور اس کے ہاں دودھ بھی ہو تو بھی انسان اس کے

دودھ سے استفادہ کرسکتا ہے۔

الکافی، من لا یحضرہ الفقیہ اور مجمع البیان میں بھی اس آیت کے ضمن میں یہی کچھ مرقوم ہے۔

قولہ: فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿٣٤﴾ ''تم اسی کے اطاعت گزار بنو اور عاجزانہ رویہ اختیار کرنے والوں کو خوش خبری دے دو''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ مخبتین سے عبادت گزار افراد مراد ہیں۔

اُونٹوں کی قربانی

......فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٣٦﴾

''انھیں (قربانی کے اُونٹوں کو) کھڑا کر کے اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ اس کے بعد جب وہ پہلو کے بل گر جائیں (تڑپنا چھوڑ دیں) تو ان کا گوشت خود بھی کھاؤ اور قناعت کرنے والے اور بھیک مانگنے والے سائلوں کو بھی کھلاؤ۔ ہم نے اس طرح سے ان جانوروں کو تمھارے لیے مسخر کیا ہے، تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ''۔

صَوَآفَّ کا معنی ہے کھڑا کر کے اُونٹ کو نحر کرو۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اُونٹ کے پاؤں کو گھٹنے تک مضبوط رسّی سے باندھ دیا جائے اور اسے نحر کیا جائے، پھر جب وہ زمین پر گر جائے اور تڑپنا چھوڑ دے تو پھر اس کے گوشت کے پارچے بنا لینے چاہییں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا ''قانع'' سے وہ شخص مراد ہے کہ تم اسے جو کچھ دے دو وہ اس پر قناعت کرے اور منہ نہ پھلائے اور ''معتر'' وہ ہے جو تمھارے پاس کھانا کھانے کے لیے آئے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے آزاد کردہ ایک غلام سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو دیکھا کہ آپؑ نے ایک اُونٹ منگوایا اور اسے نحر کیا۔ جب قصابوں نے اسے اچھی طرح سے نحر کرلیا اور کوہان کی چربی ظاہر ہوئی تو آپؑ نے فرمایا: اس کے پارچے بناؤ اور کھاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا ''جب وہ پہلو کے بل گر جائیں اور تڑپنا بند کر دیں تو ان کا گوشت کھاؤ''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: رات کے وقت فصل نہ کاٹو اور رات کے وقت کھیت میں بیج مت ڈالو کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمھارے پاس نہ تو کوئی قناعت پسند مفلس آئے گا اور نہ ہی کوئی سائل آئے گا۔

تہذیب الاحکام میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب تم قربانی ذبح کرو یا نحر کرو تو اس کا گوشت خود بھی کھاؤ اور لوگوں کو بھی کھلاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ''خود بھی کھاؤ اور قناعت کرنے والے اور بھیک مانگنے والے کو بھی کھلاؤ''۔

''قانع'' وہ ہے جو تمھاری عطا پر قناعت کرے اور ''معتر'' وہ ہے جو تمھارے پاس مانگنے کے لیے آئے اور سائل وہ ہے جو تم سے سوال کرے اور ''بائس'' مفلس کو کہا جاتا ہے۔

علل الشرائع میں صفوان بن یحییٰ ازرق سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص قربانی کے جانور کی کھال اُتارنے والے کو قربانی کا گوشت دینا چاہے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

آپؑ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا ''اس کا گوشت خود کھاؤ اور کھلاؤ'' جب کہ کھال کو انسان نہ تو خود کھا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو کھلا سکتا ہے۔

کتاب معانی الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: سعید بن عبدالملک حج کے لیے آیا اور اس نے میرے والد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ملاقات کی اور کہا کہ میں اپنے ساتھ قربانی کا جانور لایا ہوں۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟

آپؑ نے فرمایا: اس کے گوشت کی تہائی اپنے گھر والوں کو کھلاؤ اور ایک تہائی حصہ قناعت پسند افراد کو کھلاؤ اور ایک تہائی حصہ مساکین کو کھلاؤ۔

میں نے عرض کیا کہ مسکین سے مراد سائل ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔ ''قانع'' وہ ہے جو تمھارے بھیجے ہوئے گوشت پر قناعت کرے اور ''معتر'' وہ ہے جو تمھارے پاس آجائے اور تم سے سوال نہ کرے۔

عوالی اللئالی، قرب الاسناد، تفسیر علی بن ابراہیم اور مجمع البیان میں بھی ''قانع ومعتر'' کی یہی توضیح کی گئی ہے۔

مجمع البیان میں اس سلسلہ کی ایک اور روایت یہ ہے کہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام سے مروی ہے کہ انسان قربانی کے گوشت میں سے ایک تہائی حصہ خود کھائے اور ایک تہائی قناعت پسند اور ملنے والے افراد کو کھلائے اور ایک تہائی گوشت

دوستوں کے پاس بطور ہدیہ بھیجے۔

قولہ: لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ

''قربانی کے جانوروں کا گوشت اوران کا خون خدا تک ہرگز نہیں پہنچتا اُس تک تو صرف تمھارا تقویٰ ہی پہنچتا ہے''۔

کتاب علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ ابوبصیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے قربانی کی وجہ دریافت کی تو آپؑ نے فرمایا: جب قربانی کے جانور کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قربانی کرنے والے کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اس طرح سے خدا یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اُن دیکھے اس سے ڈرنے والا کون ہے؟ پھر آپؑ نے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ کی آیت تلاوت کی اور اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کس طرح سے ہابیل کی قربانی قبول کی تھی اور قابیل کی قربانی کو ٹھکرا دیا تھا۔

جوامع الجامع میں مرقوم ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ قربانی کرنے کے بعد قربانی کا خون بیت اللہ پر لگا دیتے تھے۔ جب مسلمانوں نے حج کیا تو اُنھوں نے بھی چاہا کہ قربانی کا خون بیت اللہ پر لگائیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ ''قربانی کے جانوروں کا گوشت اوران کا خون خدا تک ہرگز نہیں پہنچتا اس تک تو صرف تمھارا تقویٰ ہی پہنچتا ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ...... کے ضمن میں مرقوم ہے کہ اس سے ایامِ تشریق کی تکبیرات مراد ہیں، جو پندرہ نمازوں کے بعد کہی جاتی ہیں۔ منیٰ کے علاوہ دوسرے شہروں اور مقامات پر دس نمازوں کے بعد تکبیرات کہنی چاہییں۔

ooo

فہرست کتب ادارہ منہاج الصالحین (سرپرست مولانا ریاض حسین جعفری)

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
تلاش حق	120/-	جام غدیر	150/-
ذکرِ حسین	100/-	زندہ تحریریں	100/-
برزخ چند قدم پر	125/-	شاہکار رسالت	60/-
اسلامی معلومات	100/-	محشر خاموش	130/-
محمدؐ تا محمدؐ	100/-	اسلام اور کائنات	200/-
محمدؐ تا علیؑ	100/-	غریب ربذہ	120/-
سورج بادلوں کی اوٹ میں	120/-	فطرت	125/-
شہید اسلام	100/-	ذکر المصائب	250/-
قیام عاشورہ	50/-	جستجوئے حق	50/-
قرآن اور اہلبیتؑ	100/-	خطبات محسن (دو جلد)	250/-
دینی معلومات (دو جلد)	125/-	صدائے محسن	125/-
نوجوان پوچھتے ہیں شادی کس سے کریں؟	35/-	افکار محسن	100/-
ظالم حاکم اور صحابی امام	15/-	جام کوثر	100/-
توضیح عزاء	225/-	نسیم المجالس (دو جلد)	250/-
تفسیر سورہ فاتحہ	100/-	اولی الامر کون؟	135/-
مشعل ہدایت	100/-	ریاض المجالس	125/-
اسم اعظم	125/-	نصیر المجالس	125/-
سوگنامہ آل محمدؐ	225/-	گلزار خطابت	135/-
افکار شریعتی	225/-	معیار مودت	135/-
سیرت آل محمدؐ	125/-	خطبات شیخ الجامعہ	135/-
مناظرے	135/-	بہشت	250/-
آسان مسائل (چار جلد)	240/-	نصائح	135/-
تاریخ جنت البقیع	100/-	جنت	150/-
عمدۃ المجالس	100/-	توحید	135/-
حقوق زوجین	35/-	ولایت	175/-
ارشادات امیر المومنین	20/-	آفتاب ولایت	150/-